قرآن و حدیث اور بنیادی ماخذ کی روشنی میں تحقیق و توثیق کے ساتھ

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد

جلد دوم

دار العلم ممبئی

سیرتِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

قرآن وحدیث اور بنیادی مآخذ کی روشنی میں تحقیق وتوثیق کے ساتھ

جزیرہ نمائے عرب سے غزوہ بنو قریظہ (6ھ) تک

جلد دوم

تالیف

دکتور مہدی رزق اللہ احمد

ترجمہ

شیخ الحدیث حافظ محمد امین

نظرثانی وترجمہ حواشی

حافظ قمر حسن

دار العلم ممبئی
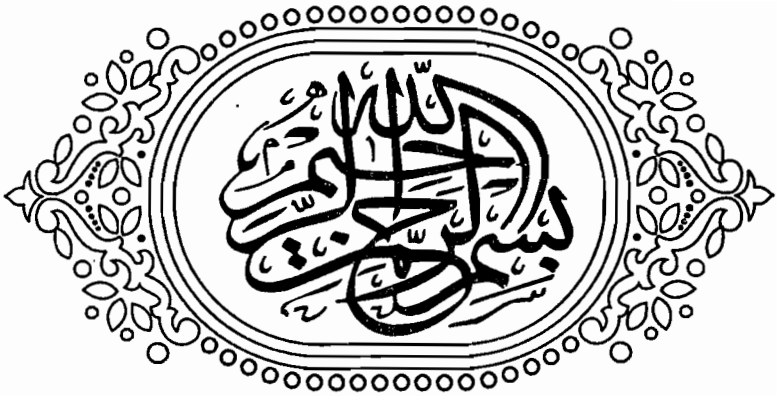
اللہ کے نام سے (شروع کرتا ہوں) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الله
رسول
محمد
اللهم صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد
اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
انك حميد مجيد

مضامین

باب 1 غزوۂ بنوقریظہ کے بعد سے غزوۂ خیبر تک

باب 2 مکتوباتِ گرامی اور جنگ موتہ تک کے واقعات

باب 3: غزوۂ فتح مکہ

باب 4: غزوۂ حنین سے غزوۂ تبوک تک

باب 5: عام الوفود

باب 6: حجۃ الوداع سے مرض الموت تک کے واقعات

باب 7 امہات المومنین

باب 8 شمائل نبویہ

باب: 9 رحمۃ للعالمین

باب: 10 معجزات رسول ودلائل نبوت

باب: 11 محمد ﷺ اور ان کی امت کے خصائص

ضمیمہ

فہرست ابواب ونقشہ جات (جلد دوم)

باب

1

غزوۂ بنوقریظہ کے بعد سے غزوۂ خیبر تک

- غزوۂ بنوقریظہ کے بعد کے واقعات
- عمرہ اور صلح حدیبیہ
- سفارت وبیعت رضوان
- مذاکرات وصلح حدیبیہ
- صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے والے احکام واسباق
- غزوۂ خیبر

﴿لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴾

''یقیناً اللہ مومنین سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، چنانچہ اُس نے جان لیا جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لیے اُس نے اُن پر سکینت نازل کی اور انھیں قریبی فتح عطا کی۔''

[الفتح 48:18]

﴿اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ﴾

''بے شک ہم نے آپ (ﷺ) کو ایک کھلی فتح عطا فرمائی۔''

[الفتح 48:1]

غزوۂ بنو قریظہ کے بعد کے واقعات

سریۂ عبداللہ بن عتیک (قتلِ ابو رافع)

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابو رافع سلام بن ابی الحقیق ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ خندق برپا کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور کفار کے مختلف گروہوں کو اکٹھا کرنے میں خصوصی تگ و دو کی تھی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو اس کے علاوہ بھی اذیت پہنچاتا تھا اور آپ کے مخالفین کی مالی مدد کیا کرتا تھا۔[1] غزوۂ خندق میں اس نے غطفان اور دوسرے مشرکین کو بھاری مالی امداد دی تھی۔[2]

بنوخزرج کی خواہش تھی کہ جس طرح اوسی بھائیوں نے کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا اعزاز حاصل کیا ہے، وہ بھی کسی ایسے ہی شیطان کو قتل کر کے ان کے برابر ہو جائیں۔ یہ دونوں قبائل نیکیوں اور فضائل میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کیا کرتے تھے، لہٰذا انھوں نے آپ سے ابو رافع کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی۔ آپ نے اجازت دے دی، البتہ کسی عورت یا بچے کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ یہ غزوۂ بنی قریظہ کے بعد کی

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قتل أبي رافع، حديث: 4039. [2] اسے ابن عائذ نے ابواسود عن عروۃ کی سند سے روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 216/15)

بات ہے۔[1]

بنوخزرج کے پانچ آدمی ابو رافع کو ٹھکانے لگانے کے لیے مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر کیا۔ جب وہ اس کے قلعے کے قریب پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ لوگ اپنے جانور چرا کر واپس لا رہے تھے۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے: ''تم یہیں بیٹھو، میں قلعے میں داخل ہونے کے لیے دربان سے مل کر کوئی چکر چلاتا ہوں۔'' پھر وہ دروازے کے قریب گئے اور کپڑا اوڑھ کر بیٹھ گئے جیسے قضائے حاجت کے لیے بیٹھے ہوں۔ لوگ داخل ہو چکے تھے۔ دربان نے انھیں آواز دی: ''او اللہ کے بندے! اگر اندر آنا چاہتے ہو تو آجاؤ تاکہ میں دروازہ بند کر دوں۔'' وہ اندر چلے گئے اور چھپ گئے۔ دربان نے دروازہ بند کر دیا اور چابیاں ایک کیل پر لٹکا دیں۔ موقع پا کر عبداللہ بن عتیک اٹھے اور چپکے سے تالا کھول دیا، پھر وہ ابورافع کے گھر کی طرف چلے۔ گھر میں داخل ہونے کے بعد ایک ایک کر کے دروازے کھولتے گئے۔ جو دراوزہ کھولتے داخل ہونے کے بعد اسے اندر سے بند کر لیتے تھے۔ اس طرح وہ ابورافع تک پہنچ گئے۔ وہ ایک تاریک کمرے میں اپنے بال بچوں کے درمیان لیٹا ہوا تھا۔ اس کی جگہ کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا، اس لیے انھوں نے اسے آواز دی: ''ابورافع!'' وہ کہنے لگا: ''کون؟'' انھوں نے آواز والی جگہ پر تلوار کی ضرب لگائی مگر ضرب کاری نہ لگی۔ انھوں نے آواز بدل کر دوبارہ پکارا۔ اس طرح انھیں صحیح اندازہ ہو گیا اور انھوں نے قابو پا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے کسی بچے اور عورت کو خراش تک نہیں آئی، پھر وہ جلدی میں گھر سے نکلنے لگے۔ ان کی نظر کمزور تھی، اس لیے وہ سیڑھی سے گر گئے اور پنڈلی ٹوٹ گئی۔ انھوں نے اپنی پگڑی سے اسے باندھا اور لنگڑاتے لنگڑاتے

[1] یہ ابن اسحاق کی ایک روایت کا جز ہے جس کی سند عبداللہ بن کعب پر موقوف ہونے کی وجہ سے مرسل ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام:3/380)

اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے اور انھیں خوشخبری سنائی، پھر سب ساتھی رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے۔ آپ نے انھیں دیکھتے ہی فرمایا: «أَفْلَحَتِ الْوُجُوهُ» ''یہ چہرے بتا رہے ہیں کہ وہ مقصد میں کامیاب رہے۔'' پھر انھوں نے پوری تفصیل بیان کی۔ آپ نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «اُبْسُطْ رِجْلَكَ» ''اپنی ٹانگ بچھاؤ۔'' پھر آپ نے ان کی ٹانگ پر اپنا دست مبارک پھیرا تو ان کا درد یوں کافور ہوگیا گویا کبھی تکلیف ہی نہیں ہوئی تھی۔ [1]

مؤرخین اس واقعے کی تاریخ کے بارے میں متفق نہیں۔ واقدی کا خیال ہے کہ یہ لوگ 12 ذوالحجہ پیر کی رات پچھلے پہر نکلے تھے۔ یہ ہجرت کے چھیالیسویں مہینے کی بات ہے۔ یہ حضرات دس دن مدینہ سے غائب رہے۔ [2]

ابن سعد کے نزدیک یہ رمضان المبارک 6 ھ کا واقعہ ہے۔ [3] امام طبری اسے 15 جمادی الآخرہ 3 ھ کا واقعہ بتاتے ہیں۔ ایک قول ذوالحجہ 5 ھ کا ہے۔ ایک 4 ھ کا اور ایک قول رجب 3 ھ کا ہے۔ [4]

راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ خندق اور قریظہ کے بعد کا ہے کیونکہ ابورافع ان لوگوں میں شامل تھا جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف کفار کے لشکر جمع کرنے میں سرگرمی دکھائی تھی۔ رسول اکرم ﷺ بنوقریظہ کے قضیے سے نصف ذوالقعدہ میں فارغ ہوئے تھے، لہٰذا یہ واقعہ لازماً اس سے کچھ عرصہ بعد کا ہوگا، البتہ میرے محدود علم کے مطابق اس (تعین تاریخ) کے بارے میں فن حدیث کے اصولوں پر پوری اترتی کوئی صحیح روایت نہیں آئی۔ واللّٰہ أعلم.

قرطاء کے خلاف محمد بن مسلمہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو تیس سواروں کا دستہ دے کر بنو بکر بن کلاب

[1] یہ واقعہ بخاری کی ایک روایت سے ماخوذ ہے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب قتل أبي رافع، حدیث:4039) [2] المغازي للواقدي:391/1. [3] الطبقات الکبرٰی: 91/2. یہ معلق روایت ہے۔ [4] فتح الباري: 214/15.

کے ایک قبیلے بنو قرطاء پر حملہ کرنے بھیجا۔ یہ 6 ھ 10 محرم کی بات تھی۔ [1] وہ بڑی رازداری سے دن کو چھپتے اور رات کو سفر کرتے ہوئے اچانک ان کے سر پر جا پہنچے۔ ان کے دس آدمی مارے گئے، باقی بھاگ گئے۔ مسلمان ان کے اونٹ اور بکریاں ہانک کر لے آئے۔

جب یہ دستہ مدینہ منورہ واپس آ رہا تھا تو راستے میں انھیں بنو حنیفہ کا سردار ثمامہ بن اُثال حنفی ملا۔ مسلمانوں نے اسے قید کر لیا۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ یہ کون ہے۔ وہ اسے مدینہ لائے اور مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور دریافت فرمایا: ''تمھارے پاس کیا ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''اے محمد! میرے پاس خیر ہے، اگر قتل کرو گے تو ایک خون (قصاص) والے کو قتل کرو گے اور اگر احسان کرو گے تو ایک قدردان پر احسان کرو گے۔ اگر تم مال چاہتے ہو تو مانگو، جتنا چاہو گے دیا جائے گا۔'' رسول اللہ ﷺ اسے اسی حال میں چھوڑ آئے۔ اگلا دن ہوا تو آپ نے پھر اس سے کل والی بات دہرائی۔ اس نے بھی کل والا ہی جواب دیا، پھر تیسرے دن بھی اسی طرح سوال و جواب ہوئے، آخر رسول اللہ ﷺ نے اسے آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔ وہ مسجد کے قریب ہی ایک نخلستان میں گیا، غسل کیا، پھر مسجد میں آیا اور کلمۂ اسلام پڑھ لیا، پھر کہنے لگا: ''اللہ کے رسول! اب آپ ﷺ کا چہرہ مجھے سب چہروں سے اور آپ کا دین سب دینوں سے زیادہ محبوب ہو گیا ہے جبکہ اس سے پہلے مجھے یہ چیزیں سب چیزوں سے زیادہ ناپسند تھیں۔'' پھر اس نے کہا: ''میں اپنی گرفتاری کے وقت عمرے کے لیے جا رہا تھا۔'' آپ نے اسے جنت کی خوشخبری دی اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جب وہ مکہ پہنچا تو کسی کہنے والے نے کہا: ''ثمامہ! بے دین ہو گئے ہو؟'' اس نے کہا: ''نہیں! میں مسلمان ہوا ہوں۔'' پھر قسم کھائی کہ جب تک رسول اللہ ﷺ اجازت نہیں دیں گے مکہ

[1] الطبقات الکبرٰی: 78/2، والمغازي للواقدي: 534/2. یہ معلق روایت ہے۔ واقدی کے نزدیک یہ واقعہ ہجرت کے 55 ویں مہینے کے آغاز میں پیش آیا۔

والوں کے پاس یمامہ سے ایک دانہ بھی نہیں آئے گا۔[1] پھر واقعی انھوں نے اپنی قسم پوری کر دی۔ مکہ والوں نے ذلیل ہو کر رسول اللہ ﷺ کو خط لکھا اور رشتے داری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ ثمامہ کو خط لکھیں کہ وہ غلہ مکہ آنے دے۔ بالآخر نبیِ رحمت ﷺ نے اجازت دے دی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ارتداد میں ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ اپنی قوم بنوسحیم سمیت اسلام پر نہ صرف ثابت قدم رہے بلکہ انھوں نے زبردست مجاہدانہ کردار ادا کیا۔ سہیلی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق یہ تین سو آدمی تھے۔

چند مفید باتیں

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''ثمامہ رضی اللہ عنہ کے واقعے میں بہت سے فوائد ہیں، مثلاً:

* کافر کو مسجد میں باندھا جا سکتا ہے۔ کافر قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑا جا سکتا ہے۔ غلطی اور بدسلوکی کرنے والے کو معاف کرنا عظیم نیکی ہے۔
* ثمامہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ نبیِ کریم ﷺ کے حسن سلوک، معافی اور احسان کی وجہ

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة و حديث ثمامة بن أثال، حديث:4372، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب ربط الأسير و حبسه وجواز المن عليه، حديث: 1764. ابن شبہ نے اسے بخاری کی سند اور اُن کے الفاظ سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے اپنے استاذ فلیح بن محمد اور ابن اسحاق کی اس روایت پر یہ اضافہ کیا کہ جب ثمامہ قید میں تھے تو صحابہ کرام نے نبی ﷺ کے گھروں میں موجود کھانا جمع کیا جس سے ثمامہ کی بھوک نہ مٹی۔ صحابہ نے تعجب کیا تو اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے۔'' دیکھیے: (تاريخ المدينة: 433/2-439) یہی حدیث صحیح البخاری میں بھی درج ہے لیکن انھوں نے اس حدیث کا سبب بننے والے آدمی کا نام بیان نہیں کیا، دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث:5393 - 5398)

[2] یہ روایت سیرت ابن اسحاق پر ابن ہشام کے اضافوں میں سے ہے اور یہ معلّق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام : 381/2)

سے ان کے دل کا بغض ایک آن میں زائل ہو کر محبت میں تبدیل ہو گیا۔

* اسلام قبول کرتے وقت غسل کرنا چاہیے۔
* احسان بغض کو ختم کر کے محبت پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص کفر کی حالت میں کسی نیک کام کا ارادہ کرے، پھر مسلمان ہو جائے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس نیک کام کو جاری رکھے۔
* اگر قیدیوں میں سے کسی کے بارے میں امید ہو کہ وہ مسلمان ہو جائے گا تو اس سے نرمی روا رکھی جائے، خصوصاً جب اس کے اسلام لانے سے اسلام کو فائدہ حاصل ہونے کی توقع ہو اور اس کے پیروکاروں کے بارے میں بھی امید ہو کہ وہ بھی اسلام قبول کر لیں گے۔
* کفار کے علاقے میں اسلامی دستے بھیجے جا سکتے ہیں۔ جو کافر بھی ملے اسے قید کیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد امیر کو اختیار ہو گا کہ چاہے وہ اسے قتل کر دے، چاہے اس پر احسان کر کے اسے چھوڑ دے۔"[1]

غزوۂ بنی لحیان

بنولحیان وہ لوگ تھے جنھوں نے رجیع کے واقعے میں خبیب رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے بدعہدی کی تھی۔ ان کی آبادیاں حجاز میں مکہ مکرمہ کی حدود تک پھیلی ہوئی تھیں اور مسلمانوں اور قریش و اعراب کے درمیان لڑائیوں میں ایک دوسرے کے کئی افراد قتل ہو چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ قریبی علاقوں میں دشمنوں کا عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔ جب غزوۂ خندق میں کفار کے تمام گروہوں کے عزائم ناکام ہو گئے تو آپ نے طے کر لیا کہ اب بنولحیان سے قصاص اور بدلہ لینے کا وقت آ گیا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] فتح الباري:16/212.

ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ 6 ھ میں [1] دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر نکل کھڑے ہوئے لیکن آپ نے رازداری برقرار رکھنے کے لیے ظاہر یہ کیا کہ شام کا ارادہ رکھتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ تیزی سے امج اور عسفان کے درمیان وادیِ غران پہنچے جہاں رجیع والے صحابۂ کرام کو شہید کیا گیا تھا۔ آپ نے ان صحابہ کے لیے رحمت و مغفرت کی دعا کی۔ بنولحیان کو بھی آپ ﷺ کی آمد کا پتہ چل گیا۔ وہ پہاڑی چوٹیوں میں روپوش ہو گئے۔ ان میں سے کوئی بھی آپ کے ہاتھ نہ لگا۔ آپ عسفان کی طرف چل پڑے۔ آپ نے دو شہسوار [2] کراعِ غمیم (54) کی طرف بھیج دیے تاکہ قریش کو پتہ چل جائے کہ مسلمان ادھر پھر رہے ہیں۔ اس طرح وہ مرعوب ہو جائیں گے اور انھیں مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔ [3]

(54) کراعِ غمیم: یہ عسفان کے جنوب میں آٹھ میل کے فاصلے پر ایک مقام ہے، جو مکہ سے 64 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

[1] یہ ابن اسحاق کی اپنے دو شیوخ عاصم بن عمر اور عبداللہ بن ابی بکر سے اور ان دونوں کی عبداللہ بن کعب سے روایت ہے۔ یہ سند مرسل اور مُعَنْعَنْ ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔ ابن سعد کی سند میں ابن اسحاق نے سماع کی صراحت کی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنو قریظہ کے چھٹے ماہ جمادی الاولیٰ میں نکلے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 387/3) واقدی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ 6 ھ کو ربیع الاول کے ابتدائی دنوں میں نکلے۔ ابن سعد نے واقدی کی موافقت کی ہے۔ اُن کی روایت معلق ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 535/2، والطبقات الكبرىٰ: 78/2) [2] یہ ابن اسحاق اور ابن سعد کی روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 388/3، والطبقات الكبرىٰ: 79/2) واقدی کے نزدیک یہ دس شہسوار تھے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 536/2) [3] یہ واقدی کی روایت ہے۔ یہاں تک اس غزوے کی روایت کو ابن اسحاق نے بسند ضعیف بیان کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 387/3-389) ابن سعد نے بھی اسے ابن اسحاق کی سند سے اور دیگر مؤرخین کی سندوں سے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 78/2-80، والمغازي للواقدي: 535/2-537)

عسفان میں رسول اللہ ﷺ کا سامنا قریش کی ایک جماعت سے ہوا جس کی قیادت خالد بن ولید (رضی اللہ عنہ) کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو ظہر کی نماز پڑھائی۔ مشرکین کہنے لگے: ''اوہو! بڑا مناسب موقع تھا اگر ہم ان پر اچانک حملہ کر دیتے۔'' پھر کہنے لگے: ''چلو، کوئی بات نہیں، ایک نماز آ رہی ہے جو انھیں اپنی اولاد اور جان سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔''[1]

اس موقع پر جبریل علیہ السلام یہ آیات لے کر آئے:

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۖ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَنْ تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝﴾

''اور جب تو ان میں موجود ہو اور ان کے لیے نماز کھڑی کرے تو ان میں سے ایک جماعت تیرے ساتھ کھڑی ہو اور وہ اپنا اسلحہ پکڑے رکھیں، پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو تیرے پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت جنھوں نے نماز نہیں پڑھی، آئے، پس وہ تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنا اسلحہ پکڑے رکھیں۔ اُن لوگوں نے چاہا جنھوں نے کفر کیا کہ اگر تم اپنے اسلحہ اور اپنے سامانوں سے غفلت برتو تو وہ تم پر ایک ہی بار حملہ کر دیں اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تمھیں بارش کی وجہ سے کوئی تکلیف ہو یا تم بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان کرو۔ بے شک اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''[2]

[1] یہ عصر کی نماز ہے۔ [2] النسآء 4:102. ابن کثیر کا کہنا ہے کہ یہ امام احمد کی روایت ہے، دیکھیے: ◄◄

کہا گیا ہے کہ یہ پہلی نماز خوف ہے جو رسول اللہ ﷺ نے پڑھی۔[1] علمائے کرام نے صلاۃ خوف کی کیفیت اور فرضیت کے وقت کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔[2] یہ بحث گزشتہ اوراق میں اپنے مقام پر گزر چکی ہے۔

اہم نتائج

* صلاۃ خوف مشروع ہے۔
* لڑائی کا بدلہ لڑائی سے دیا جا سکتا ہے اور خائن اور غدار کو قتل کیا جا سکتا ہے۔
* دشمن سے اپنے مقاصد پوشیدہ رکھے جا سکتے ہیں۔ دشمن کو دھوکہ بھی دیا جا سکتا ہے تاکہ ان پر اچانک حملہ کیا جا سکے۔
* دشمن کے علاقے میں اتر کر انھیں مرعوب کرنا اور ان کے سامنے اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا درست ہے۔[3]

عیص کے علاقے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے جمادی الاولیٰ 6 ھ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو ایک سو ستر سواروں

« (مسند أحمد: 60,59/4) اس روایت کی دو سندیں ہیں اور دونوں بخاری و مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں، دیکھیے: (البداية والنهاية: 93/4) محدث احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس کی کئی اور سندیں بھی نقل کی ہیں، دیکھیے: (تفسير الطبري: 132,131/9) [1] البداية والنهاية: 94/4. [2] یہ اختلاف تفسير الطبري اور تفسير ابن كثير میں سورۂ نساء کی آیات 101 اور 102 کی تفسیر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ حکمی نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ پہلی صلاۃِ خوف رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ میں عسفان کے مقام پر پڑھی، دیکھیے: (مرويات غزوة الحديبية، ص: 115-132) دراصل اشکال یہ ہے کہ غزوۂ بنولحیان اور حدیبیہ کے واقعات ایک جیسے ہیں اور عسفان میں نماز ادا کرنے کی روایت کو حدیبیہ کی روایت سے ملا کر بیان نہیں کیا گیا۔ اس کی تفصیل غزوۂ حدیبیہ کے واقعات میں اپنی جگہ آرہی ہے، ان شاء اللہ۔ [3] هذا الحبيب محمد ﷺ يا محب لجابر الجزائري، ص:326.

کے ساتھ قریش کا ایک تجارتی قافلہ روکنے کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ کو پتہ چلا تھا کہ یہ قافلہ شام سے آ رہا ہے۔ اسلامی دستے نے عیص (55) کے مقام پر قافلے کو جالیا اور سارا مال لوٹ لیا جس میں صفوان بن امیہ کی بھاری مقدار میں چاندی بھی شامل تھی۔ مزید برآں قافلے والے بہت سے آدمی قید بھی کر لیے گئے۔ ان میں آپ ﷺ کے داماد ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ ان سب کو مدینہ منورہ لایا گیا۔ ابوالعاص نے اپنی بیوی زینب بنت رسول اللہ ﷺ کے ہاں پناہ حاصل کر لی۔ زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں پناہ دے دی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی پناہ کو تسلیم کر لیا اور ابوالعاص کو ان کا مال واپس کر دیا۔[1] ابوالعاص رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ گئے اور ہر حق والے کو اس کا حق دے کر کلمۂ اسلام پڑھ لیا اور مشرکین سے کہنے لگے: ''میں مدینہ میں صرف اس لیے

(55) عیص: یہ مدینہ سے چار راتوں کی پیدل مسافت پر واقع ہے۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 87/2. یہ معلق روایت ہے۔ ابن اسحاق اور واقدی نے اس پر یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ابو العاص رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور رسول اللہ ﷺ نے اُن کی بیوی انھیں لوٹا دی۔ ''پناہ حاصل کرنے تک'' اُن کا واقعہ ابن اسحاق نے بلاسند روایت کیا ہے۔ انھوں نے ان کا مال لوٹائے جانے کی جو روایت بیان کی وہ منقطع ہے۔ انھوں نے پہلے نکاح ہی پر زینب رضی اللہ عنہا کو اُن کی طرف لوٹائے جانے کی روایت بسند متصل بیان کی جس میں سماع (سننے) کی صراحت ہے، البتہ اس سند میں داود بن حصین نامی ایک راوی ہے جس پر تنقید کی گئی ہے۔ نکاح کی حدیث کو ابن اسحاق ہی کی سند سے روایت کرنے والوں میں امام ترمذی رحمہ اللہ بھی شامل ہیں۔ انھوں نے کہا: ''اس حدیث کی سند میں کوئی خامی نہیں۔'' اسے ابن اسحاق کی سند کے علاوہ دوسری سند سے سعید بن منصور نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن سعید بن منصور: 73/2) ان کی سند شعبی کی مرسل ہے۔ غالباً ابن اسحاق کی حدیث اس کے ذریعے سے قوی ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شعبی کی مرسل روایات بعض کبار محدثین کے نزدیک صحیح ہیں، دیکھیے: (المراسیل لأبي داود (تحقیق عبدالعزیز السیروان)، ص: 44) ابن کثیر کا کہنا ہے کہ ابوالعاص نے فتح مکہ کے سال 8 ھ میں اسلام قبول کیا۔ واقدی نے جو یہ بتایا کہ اُن کا اسلام لانا 6 ھ میں تھا، درست نہیں۔ انھوں نے یہ بھی لکھا کہ ابوالعاص مومن عورتوں کے کافروں پر حرام ہونے کے دو سال ◄◄

نہیں ٹھہرا کہ تم کہو گے میں تمھارا مال ہڑپ کرنے کے لیے مسلمان ہوا ہوں۔" پھر مدینہ منورہ حاضر ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پہلے نکاح کی شرائط ہی پر زینب رضی اللہ عنہا کو لوٹا دیا۔ رسمی طور پر نیا نکاح پڑھا گیا۔ [1] عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت میں اس کی صراحت ہے۔ فقہاء کے نزدیک عمل بھی اسی پر ہے مگر یہ روایت کمزور ہے (کہ نیا نکاح پڑھا جائے گا۔) اس کی تفصیل ابن حجر رحمہ اللہ کے ہاں فتح الباری میں ملاحظہ فرمائیں۔ انھوں نے اس مسئلے میں لمبا چوڑا اختلاف بیان کیا ہے۔ [2] ابن کثیر، ابن قدامہ، علامہ سہیلی، مغلطائی، سعید بن منصور اور مہدی رزق اللہ (مؤلف کتاب) نے بھی یہ تفاصیل لکھی ہیں۔ [3]

زینب رضی اللہ عنہا اور ابو العاص بن ربیع رضی اللہ عنہ کے اس واقعے سے استدلال کیا گیا ہے کہ جب کوئی مسلمان عورت ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ جاتی تھی اور اس کا خاوند کافر ہوتا اور دارالکفر میں مقیم رہتا تو ان کا نکاح ٹوٹ جاتا تھا الّا یہ کہ خاوند عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے آ جاتا۔ اس صورت میں ان کا نکاح برقرار رہتا تھا، اسی طرح اگر وہ عورت نکاح نہ کرتی تو چاہے اس کا خاوند عدت ختم ہونے کے عرصہ دراز بعد بھی مسلمان ہو کر آ جاتا اور ولی بھی راضی ہوتا تو پہلے ہی نکاح کی شرائط برقرار رہتی تھیں۔ [4]

◄◄ بعد اسلام لائے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 201/4) [1] ابن اسحاق کی یہ روایت بسند متصل ہے۔ اس میں ابن الحصین ہے جس پر تنقید کی گئی ہے، اسی لیے سیرت ابن ہشام کے محققین نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 368/2) [2] فتح الباري: 20/96-98. [3] البداية والنهاية: 3/334,333، والمغني لابن قدامة: 11,10/10، والرّوض الأنف: 3/69، والإشارة إلى سيرة المصطفى، ص: 96، وسنن سعيد بن منصور: 2/73,72، والسيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية، ص: 472. (یہ پہلے ایڈیشن کا حوالہ ہے) [4] فقه السّنّة لسيد سابق: 2/240,239. یہاں سید سابق نے اس سلسلے میں اہم تفصیلات بیان کی ہیں۔ اُن میں سے بعض ہماری ◄◄

محقق فاضل ابن قدامہ رقم طراز ہیں: ”خاوند اور بیوی میں سے کوئی ایک مسلمان ہو جائے تو عدت گزر جانے پر نکاح ٹوٹ جائے گا۔ یہ عام علماء کا قول ہے۔ ابن عبدالبرؒ کا کہنا ہے: ”علماء کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں سوائے نخعی کے کہ وہ اس مسئلے میں اہل علم سے الگ ہیں اور کسی نے ان کی موافقت نہیں کی۔ ان کا خیال ہے کہ اگر عورت آگے نکاح نہ کرے تو وہ اپنے خاوند ہی کو ملے گی، چاہے درمیان میں کتنی ہی مدت گزر جائے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس پہلے نکاح کے ساتھ ہی واپس بھیج دیا تھا۔ اسے ابو داود نے روایت کیا اور امام احمد نے بھی اس حدیث سے دلیل پکڑی ہے......۔“[1] میں سمجھتا ہوں، اس مسئلے میں خاصا اختلاف ہے جس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اسے مذکورہ بالا کتب میں دیکھا جا سکتا ہے۔

فائدہ: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے الطرف، جذام اور وادی القریٰ میں بھی جنگی خدمات انجام دی تھیں۔

دومۃ الجندل میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کارروائی

شعبان 6 ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا، اپنے سامنے بٹھایا، اپنے دست مبارک سے انھیں عمامہ باندھا اور فرمایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ، فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، لَا تَغُلْ وَلَا تَغْدُرْ وَلَا تَقْتُلْ وَلِيدًا»

”اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستے میں جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں سے لڑائی لڑو۔ خیانت نہ کرنا، بدعہدی نہ کرنا اور کسی بچے کو قتل نہ کرنا۔“

آپ نے انھیں دومۃ الجندل کے علاقے میں بنو کلب کی طرف بھیجا اور فرمایا:

« بیان کردہ تفصیلات کے برعکس ہیں۔ [1] المغني لابن قدامة: 10/10.

«إِنِ اسْتَجَابُوا لَكَ فَتَزَوَّجِ ابْنَةَ مَلِكِهِمْ»

”اگر وہ تمھاری دعوت مان لیں تو ان کے سردار کی بیٹی سے شادی کر لینا۔“

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور تین دن ٹھہرے۔ انھیں دعوت اسلام دیتے رہے۔ ان کا سردار اصبغ بن عمرو کلبی مسلمان ہو گیا۔ یہ شخص پہلے عیسائی تھا۔ اس کے ساتھ اس کی قوم کے بہت سے لوگ بھی مسلمان ہو گئے۔ باقی لوگوں نے جزیہ دینا قبول کیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان کے سردار کی بیٹی تماضر بنت اصبغ سے شادی کر لی اور اسے مدینہ منورہ لے آئے۔ یہ تماضر، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بیٹے ابوسلمہ رحمہ اللہ کی والدہ ہیں۔[1]

فدک میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو شعبان 6 ھ میں فدک کے علاقے میں بنو عبداللہ بن سعد بن بکر کی طرف بھیجا۔ آپ کو پتہ چلا تھا کہ یہ لوگ اکٹھے ہو کر خیبر کے یہودیوں کی امداد کرنا چاہتے ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ سو آدمی تھے۔ یہ دستہ رات کو سفر کرتا اور دن کو چھپ جاتا تھا۔ انھیں راستے میں ایک جاسوس مل گیا۔ اسے گرفتار کر لیا گیا۔ پوچھ گچھ کی گئی تو وہ مان گیا کہ مجھے خیبر بھیجا گیا تھا تاکہ میں انھیں اس شرط پر مدد کی پیش کش کروں کہ وہ ہمیں خیبر کی کھجوریں دینے کا وعدہ کریں۔ جب مسلمانوں نے اس سے امان کا وعدہ کیا تو اس نے مسلمانوں کو بنو سعد کا ٹھکانہ بتا دیا۔ مسلمانوں نے ان پر اچانک حملہ کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں ہانک لائے۔ بنو سعد اپنی عورتوں اور بال بچوں سمیت

[1] الطبقات الکبریٰ: 89/2. یہ معلق روایت ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے بسند منقطع روایت کیا ہے۔ انھوں نے یہ نہیں بتایا کہ یہ سریہ (مہم) کس طرف روانہ کیا گیا۔ ابن ہشام نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا کہ یہ سریہ دومۃ الجندل کی طرف روانہ کیا گیا، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام :4/369-371) واقدی نے بھی اسے متصل سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي:2/560)

بھاگ گئے تھے۔ [1]

فائدہ: زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی بنو فزارہ میں جنگی کارروائی کی تفصیل کے لیے دکتور مہدی رزق اللہ کی کتاب السیرة النبویة (ص: 474-476) طبع اول دیکھیے۔

عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یسیر بن رِزام یہودی کے خلاف کارروائی

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ خیبر کے یہودیوں کا سردار یسیر بن رِزام غطفان کو لالچ دے کر اکٹھا کر رہا ہے تاکہ انھیں یہودیوں کے ساتھ ملا کر مدینے پر حملہ کرے۔ آپ نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں تیس سواروں کا ایک دستہ بھیجا۔ ان میں عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ یُسیر کے پاس پہنچے اور کہا: ''ہمیں رسول اللہ ﷺ نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ آپ کا ارادہ ہے کہ تجھے خیبر کا حکمران مقرر کر دیں۔ وہ اس سے اس قسم کی خوشگوار باتیں کرتے رہے حتی کہ وہ ان کے ساتھ مدینہ جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کے ساتھ بھی تیس آدمی تھے۔ ہر یہودی کے پیچھے ایک مسلمان سواری پر بیٹھا۔ یسیر بن رزام عبداللہ بن اُنیس رضی اللہ عنہ کے اونٹ پر ان کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ جب وہ خیبر سے چھ میل کے فاصلے پر قَرقَرۃْ ثِبار کے مقام پر پہنچے تو یسیر کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے سوچا کہ آخر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کیوں جا رہا ہوں؟ اس نے اپنے ساتھ بیٹھے عبداللہ بن اُنیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ اس کی بدنیتی سمجھ گئے۔ انھوں نے اسے اونٹ سے نیچے گرایا، پھر تلوار مار کر اس کی ٹانگ کاٹ دی، یسیر کے ہاتھ میں کمان تھی، اس نے کمان مار کر ان کا سر پھاڑ دیا۔ جب مسلمانوں نے یہ حالت دیکھی تو ہر مسلمان نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی کو قتل کر دیا۔ صرف ایک یہودی بچ گیا۔

[1] المغازي للواقدي: 2/562-564، والطبقات الكبرٰى: 2/89،90. یہ معلق روایت ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے مختصر اور معلق روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 4/344)

وہ پیدل بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو آپ نے ان کے زخم پر اپنا لعاب لگا دیا، پھر وہ زخم خراب ہوا نہ کوئی تکلیف محسوس ہوئی۔ [1]

واقدی کی روایت میں یسیر کے قتل کی وضاحت نہیں لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت سے کہا ہے کہ یسیر عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسی واقعے میں مارا گیا۔ [2] مغلطائی نے بھی وضاحت کی ہے کہ وہ بھی مارا گیا اور اس کے تقریباً تیس ساتھی بھی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ [3] یہ شوال 6 ھ کی بات ہے۔ [4]

عرینہ کے خلاف کرز بن جابر فہری کی کارروائی

شوال 6 ھ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس عُکل اور عرینہ کے قبیلوں کے کچھ لوگ آئے۔ [5] انھوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا، پھر کہنے لگے: ''اے اللہ کے نبی! ہم

[1] اسے ابن اسحاق نے معلق روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 353,352/4) ابن سعد نے بھی اسے معلق روایت کیا ہے۔ انھوں نے ابن انیس کے سر کے زخم پر رسول اللہ ﷺ کے لعاب لگانے کا ذکر نہیں کیا، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 92/2) عروہ نے بھی اس واقعے کو روایت کیا ہے۔ اُن سے روایت کرنے والے ابو اسود ہیں۔ اس سند میں عبداللہ بن لہیعہ ہے۔ اس پر کچھ تنقید ہوئی ہے، تاہم اس کی حدیث حسن درجے کی ہوتی ہے۔ یہ روایت بھی اگر مُرسَل نہ ہو تو حسن ہے، دیکھیے: (مغازي رسول الله ﷺ لعروة، ص: 196، ودلائل النبوة للبيهقي: 294,293/4) ابونعیم نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة لأبي نعيم: 517,516/2) موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسے زہری سے بسند مرسل روایت کیا ہے جس کا ذکر بیہقی نے کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 294/4) سعید بن منصور نے بھی اسے بریدہ بن سفیان کی مرسل سند سے روایت کیا جس کا ذکر ابن حجر نے کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 383/8) یاد رہے کہ سیرت کے مطبوعہ ماخذوں میں اس مہم کے امیر اور اس یہودی کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ [2] الإصابة: 306/2. [3] الإشارة إلى سيرة المصطفٰى لمغلطاني، ص: 274. [4] المغازي للواقدي: 566/2. [5] یہ واقدی اور ابن سعد کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 568/2، والطبقات الكبرٰى: 93/2)

جانوروں کے دودھ پر گزر بسر کرنے والے لوگ ہیں، ہم آبادیوں میں رہنے والے نہیں۔'' دراصل مدینہ میں رہنے کی وجہ سے ان کے پیٹ خراب ہو گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''آبادی سے باہر ہمارے اونٹ موجود ہیں، وہاں ان کا چرواہا بھی ہے، وہاں چلے جاؤ، اونٹوں کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو۔'' وہ چلے گئے۔ مقام حرہ پہنچے (اور صحت مند ہو گئے) تو اسلام چھوڑ کر مرتد ہو گئے۔ ان ظالموں نے نبی ﷺ کے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ ہانک کر لے بھاگے۔ نبیٔ اکرم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے ان کے پیچھے تلاش کرنے والے بھیجے۔[1] بالآخر وہ پکڑے گئے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کی آنکھوں میں سلائیاں گرم کر کے پھیری جائیں۔ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں اور انھیں مرنے کے لیے حرہ میں چھوڑ دیا جائے۔ وہ اسی طرح تڑپ تڑپ کر بھوکے پیاسے مر گئے۔

اس سزا کی اصل وجہ یہ تھی کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے چرواہے سے یہی سفاکانہ سلوک کیا تھا۔ آپ نے قصاص کے طور پر یہی برتاؤ ان سے کیا۔ اس حدیث کے راوی قتادہ کا کہنا ہے: ''آپ کا یہ عمل حدود نازل ہونے سے پہلے کا ہے۔''[2] ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ اس کے بعد نبیِ کریم ﷺ صدقہ کی رغبت دلایا کرتے تھے اور مثلہ کرنے سے منع فرماتے تھے۔[3] ابوقلابہ اپنی حدیث میں کہتے ہیں: ''ان لوگوں کا جرم کچھ کم سنگین نہ تھا۔ انھوں نے چوری کی، قتل کیا، مرتد ہوئے اور اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔''[4]

[1] اہلِ سیر و مغازی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کرز بن جابر فہری کو بیس شہسواروں کے ہمراہ اُن کے تعاقب میں روانہ کیا۔ چرواہے کا نام یسار تھا، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/384,383، والطبقات الكبرٰى: 2/93، والمغازي للواقدي: 2/569) ابن اسحاق کی سند ضعیف ہے۔
[2] صحيح البخاري، الطب، باب الدواء بألبان الإبل، حديث: 5686. [3] اس مہم کی روایت بخاری نے درج کی ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب قصة عكل وعرينة، حديث: 4192)
[4] صحيح البخاري، الحدود، باب سمر النبي ﷺ أعين المحاربين، حديث: 6805، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب حكم المحاربين والمرتدين، حديث: 1671.

جمہور اہل علم کا خیال ہے کہ یہ آیت:

﴿ اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ط﴾

''بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے جنگ کرتے اور زمین میں فساد پھیلانے کی تگ و دو کرتے رہتے ہیں، یہ ہے کہ ان کا عضو عضو کاٹا جائے یا انھیں بری طرح سولی پر لٹکایا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے بری طرح کاٹ دیے جائیں یا انھیں جلاوطن کر دیا جائے۔''[1]

عرنیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] اس آیت کی شان نزول میں دیگر اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں۔[3]

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب طبی لحاظ سے پیٹ کی تکلیف رفع کرنے کا مؤثر علاج ہے۔ جدید سائنس کے اس انکشاف کی تفصیل ہم معجزاتِ نبوی کے عنوان کے تحت بیان کریں گے۔

ابوسفیان کے قتل کے لیے عمرو بن امیہ ضمری کا سفر

ایک دفعہ ابوسفیان نے اپنی قوم کے سامنے تجویز پیش کی کہ خفیہ طور پر کوئی آدمی بھیجا جائے جو محمد ﷺ کا کام تمام کر دے۔ ایک پیشہ ور اجرتی قاتل اعرابی اس کے پاس آیا۔ اس نے یہ مذموم کام کرنے کی ہامی بھر لی۔ ابوسفیان نے اسے ایک اونٹ اور زاد راہ مہیا کیا اور تاکید کی کہ اس مہم کا پتہ کسی کو نہ چلے۔ وہ اعرابی چھ دن میں مدینہ منورہ پہنچ گیا۔ اس وقت آپ بنو عبدالاشہل کی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ ﷺ سے ملنے کی

[1] المآئدة 5:33. [2] فقه السنة لسيد سابق: 471/2. [3] تفسير الطبري: 10/242-244.

خواہش ظاہر کی تو لوگوں نے اسے آپ ﷺ کے پاس مسجد میں بھیج دیا۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا: ''یہ شخص بری نیت سے آیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے مقصد کے درمیان حائل ہے۔'' جب وہ اعرابی آپ سے ملنے کے لیے جھکنے لگا تو اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنی طرف کھینچ کر آپ ﷺ سے دور کر دیا۔ تلاشی لی گئی، پتہ چلا کہ اس نے اپنے ازار کے اندر خنجر چھپا رکھا ہے۔ اعرابی کو جان کے لالے پڑ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے اس شرط پر امان دی کہ وہ ساری بات سچ سچ بتا دے۔ اس نے پورا واقعہ بیان کر دیا کہ ابوسفیان نے مجھے بہت بڑے انعام کا لالچ دے کر بھیجا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ فوراً مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے جوابی کارروائی کے لیے عمرو بن امیہ ضمری اور سلمہ بن اسلم بن جریش رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ ابوسفیان کو قتل کر آئیں۔ یہ دونوں مکہ مکرمہ پہنچے، طواف کیا، نماز پڑھی تو مکہ والوں نے عمرو بن امیہ ضمری کو پہچان لیا۔ انھیں شک پڑ گیا، اس لیے انھوں نے ان دونوں کو قتل کرنے کا پروگرام بنا لیا۔ یہ دونوں مدینہ منورہ بھاگ آئے۔ [1]

پتوں والا لشکر یا ساحلِ سمندر پر کارروائی (سَرِیّہ سِیفُ البحر)

رسول اللہ ﷺ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو تین سو سوار دے کر سمندر کی طرف بھیجا

[1] ابن سعد اور ابن ہشام نے اسے معلّق روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 94,93/2، والسیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 375-372/4) اُن کی روایت میں ابوسفیان اور اعرابی کا واقعہ نہیں ہے۔ اسحاق بن راہویہ نے اس روایت کو اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ اُن کی سند میں ایک مجہول راوی ہے، دیکھیے: (المطالب العالیۃ: 234-231/4) بیہقی نے بھی اسے اختصار کے ساتھ واقدی کی سند سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (السنن الکبریٰ: 213/9، ودلائل النبوۃ للبیھقي: 334,333/3) طبری بھی اس روایت کو ابن اسحاق کی سند سے لائے ہیں۔ اس سند میں جعفر بن فضل ہے جس کے حالات کسی نے بیان نہیں کیے، دیکھیے: (تاریخ الطبري: 545-542/2)

تا کہ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے لیے گھات لگائیں۔ ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ کھانے پینے کا سامان ختم ہونے لگا۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ سب لوگ اپنا بچا کھچا زادِ راہ میرے پاس جمع کروا دیں۔ اس طرح کھجوروں کا ایک بورا جمع ہو گیا۔ وہ اس سے مجاہدین کو تھوڑا تھوڑا تقسیم کرنے لگے حتی کہ ایک ایک کھجور تک نوبت آ گئی۔ بالآخر وہ بورا بھی ختم ہو گیا تو انھیں مجبوراً کیکر وغیرہ کی پھلیاں اور پتے کھانے پڑے۔ اسی وجہ سے اس لشکر کو ''جیش الخبط'' (پتوں والا لشکر) کہا گیا، پھر لوگوں نے اونٹ ذبح کرنے شروع کر دیے۔ اونٹوں کے ختم ہونے کا خدشہ پیدا ہوا تو ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اونٹ ذبح کرنے سے روک دیا۔ پندرہ دن میں یہ لوگ ساحل سمندر پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے وہاں ان کے لیے ایک ٹیلے جتنی مچھلی پھینک دی۔ اس قسم کی مچھلی کو عنبر کہا جاتا تھا۔ انھوں نے پورے پندرہ دن اسے خوب سیر ہو کر کھایا اور اس کا تیل بھی استعمال کیا۔ ان کے جسم پہلے سے زیادہ طاقتور اور خوب موٹے تازے ہو گئے۔ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس کی پسلی کی ہڈی کھڑی کی تو اونٹ سوار شخص اس کے نیچے سے صاف گزر گیا۔ مسلمانوں کو وہاں کوئی فوجی کارروائی نہیں کرنی پڑی۔ وہ واپس مدینہ منورہ آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مچھلی والا واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُوا رِزْقًا أَخْرَجَهُ اللّٰهُ، أَطْعِمُونَا إِنْ كَانَ مَعَكُمْ مِّنْهُ»

''یہ رزق تھا، اللہ تعالیٰ نے تمھارے کھانے کے لیے بھیجا تھا۔ خود بھی کھاؤ اور اگر اس میں سے کچھ باقی ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔''

ایک صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مچھلی کا گوشت پیش کیا تو آپ نے تناول فرمایا۔[1]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة سيف البحر......، حديث: 4360-4362، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة ميتات البحر، حديث: 1935، والفتح الرباني: »

راجح یہ ہے کہ یہ کارروائی صلح حدیبیہ سے پہلے کی گئی۔ یہ رجب 8 ھ کا واقعہ نہیں جیسا کہ ابن سعد نے بیان کیا ہے[1] کیونکہ اولاً رسول اللہ ﷺ حرمت والے مہینے میں نہ خود کبھی جنگ کو گئے نہ کوئی لشکر بھیجا۔ ثانیاً رجب 8 ھ صلح حدیبیہ کے نفاذ کا وقت تھا، اس وقت قریش کے قافلے پر حملے کا کوئی سبب نہیں بنتا۔[2]

ابن سعد اور واقدی نے بیان کیا ہے کہ دراصل نبیِ کریم ﷺ نے یہ لشکر جہینہ کے قبیلے کی طرف بھیجا تھا۔[3]

ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''یہ صحیح کی روایت کے معارض نہیں بلکہ تطبیق ممکن ہے کہ اُن کا مقصد قریش کے قافلے پر حملہ کرنا تھا اور جہینہ کا قصد بھی رکھتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان کا مقصد قریش کے قافلے پر حملہ کرنا نہ تھا بلکہ وہ اس قافلے کو (صلح کی شرائط کے تحت) جہینہ کے حملے سے بچانا چاہتے تھے۔''[4]

اس تطبیق کی تائید مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ آپ نے یہ لشکر جہینہ کے علاقے کی طرف بھیجا تھا۔[5]

اس واقعے سے یہ فقہی مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ سمندر میں طبعی موت مر جانے والا (سمندری) جانور حلال ہے، اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے کیونکہ مسلمان خاصے دن اس مردہ مچھلی کا گوشت کھاتے رہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کا گوشت تناول فرمایا۔[6]

›› 142,141/21. ابن اسحاق نے اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 372,371/4) [1] الطبقات الكبرٰى: 132/2. یہ معلق روایت ہے۔ ذہبی نے اسے محض خیال سمجھا ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 519) ابن سید الناس نے ابن سعد کی پیروی میں یہی تاریخ درج کی ہے۔ ابن القیم نے اسے اُن کا وہم قرار دیا ہے، دیکھیے: (زاد المعاد: 389/3) [2] زادالمعاد لابن القيم: 390,389/3، والمجتمع المدني للعمري، الجهاد، ص: 125. [3] المغازي للواقدي: 774/2. [4] فتح الباري: 199/16. [5] صحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب إباحة ميتات البحر، حديث: 1935. [6] اس امر کی تفصیل حدیث اور فقہ کی کتب میں اطعمہ (کھانے) کے ››

عمرہ اور صلح حدیبیہ

عمرہ

ذوالقعدہ 6ھ میں پیر کے دن رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ عمرہ ادا کرنے کے لیے مدینہ منورہ سے چلے۔[1] رسول اللہ ﷺ کو خدشہ تھا کہ قریش خواہ مخواہ آپ سے لڑائی مول لیں گے یا آپ کو بیت اللہ جانے سے روکیں گے، اس لیے آپ نے مدینہ منورہ سے باہر رہنے والے اعرابیوں اور دوسرے عرب مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ تم بھی میرے ساتھ چلو۔ جب انھیں آنے میں دیر ہوئی تو آپ مدینہ میں رہنے والے مہاجرین و انصار اور ان عربوں کو جو آپ کے پاس پہنچ گئے تھے، ساتھ لے کر چل دیے۔[2] قرآن مجید نے اعرابیوں کی حالت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

﴿سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ قُلْ فَمَن يَمْلِكُ لَكُم مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ۚ بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ۝ بَلْ ظَنَنتُمْ أَن لَّن يَنقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ

» ابواب کے تحت دیکھی جا سکتی ہے۔ [1] یہ واقدی اور ابن سعد کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 573/1، والطبقات الكبرٰى: 95/2) پیر کے دن اور ماہِ ذوالقعدہ کی وضاحت ابن اسحاق کی معلق روایت میں ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 426/3) اسے موسیٰ بن عقبہ، زہری اور قتادہ نے بھی روایت کیا ہے، نیز اسے بیہقی نے خود بھی بسند حسن روایت کیا ہے لیکن یہ نافع مولیٰ ابن عمر کی مرسل ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ یہ ذوالقعدہ 6ھ کا واقعہ ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 91,90/3) اس کے ذوالقعدہ میں ہونے کی روایت صحیح بخاری میں بھی ہے۔ جمہور اہلِ سیرت کے نزدیک یہ واقعہ ذوالقعدہ 6ھ کا ہے۔ [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 427/3، والمغازي للواقدي: 575,574/2)

اَبَدًا وَّ زُيِّنَ ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُوْرًا ۝﴾

’’پیچھے رہ جانے والے اعراب عنقریب تجھ سے کہیں گے کہ ہمارے مالوں اور ہمارے اہل و عیال کی مصروفیت نے ہمیں روکے رکھا، لہٰذا آپ ہمارے لیے بخشش طلب فرمائیں۔ یہ لوگ زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ کہہ دیجیے: اگر اللہ تمھیں نفع یا نقصان پہنچانا چاہے تو کون اسے روک سکتا ہے؟ بلکہ اللہ تمھارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔ دراصل تم سمجھتے تھے کہ رسول اور مومنین کبھی (صحیح سلامت) اپنے گھروں کو واپس نہیں آئیں گے۔ یہ بات تمھارے دلوں میں مزین کر کے ڈال دی گئی اور تم بدگمانی میں پڑے رہے۔ اور تم ہلاک ہونے والے لوگ ہو۔‘‘ [1]

مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہاں جن اعراب کا ذکر ہے وہ جہینہ اور مزینہ سے تعلق رکھتے تھے [2] جبکہ واقدی کہتے ہیں جو اعراب اپنے مال و اولاد میں مشغول رہے وہ بنو بکر، مُزینہ اور جُہینہ سے تعلق رکھتے تھے۔ [3]

صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلحہ بھی ساتھ رکھا ہوا تھا تاکہ اگر ان پر حملہ ہو تو وہ دفاع کر سکیں۔ [4] اس غزوے میں شریک ہونے والے پانچ صحابہ متفق ہیں کہ آپ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد ایک ہزار چار سو تھی۔ [5] مسلمان

[1] الفتح 48: 12,11. [2] تفسير الطبري: 77/26. مجاہد تک اس کی سند حسن ہے۔ یہ مرسل ہے۔ قتادہ کی مرسل اس کی شاہد ہے جس کے مطابق یہ آیت اُن اعراب کے متعلق نازل ہوئی جو غزوۂ حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ [3] المغازي للواقدي: 574/2. واقدی نے یہ روایت اپنی کئی سندوں سے نقل کی ہے لیکن انھوں نے ان دونوں آیات کا تذکرہ نہیں کیا۔ [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4178. [5] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4151-4154، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة ذي قرد وغيرها، حديث: 1807 و 1856-1858.

ذوالحُلَیفة پہنچے تو انھوں نے وہاں نماز پڑھ کر عمرے کے لیے احرام باندھے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے جانوروں کو قلادے ڈالے اور اشعار (نشان زدہ) کیا۔ یہ ستر اونٹ تھے۔ [2] آپ نے انھیں ناجیہ بن جندب بن عُمیر خزاعی اسلمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ [3] ان سے پہلے آپ نے بشر بن سفیان خزاعی کعبی کو قریش کی طرف جاسوس بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کی خبریں لائیں۔ [4]

جب مسلمان روحاء (56) کے مقام پر پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ دشمن کے کچھ لوگ مکہ اور مدینہ کے درمیان ''غیقہ'' کے مقام پر موجود ہیں۔ آپ نے چند صحابہ کو ان کی طرف بھیجا۔ ان میں ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ انھوں نے احرام نہیں باندھا تھا۔ انھیں ایک جنگلی گدھا نظر آیا تو انھوں نے اس پر حملہ کر کے اسے شکار کر لیا۔ ان کے ساتھی صحابہ نے اس کام میں ان کے ساتھ ذرہ برابر بھی تعاون نہ کیا، البتہ اس کا گوشت کھا لیا۔ چونکہ وہ محرم تھے، انھیں شک پیدا ہوا کہ کہیں یہ ہمارے لیے حرام تو نہیں، پھر جب وہ ''سقیا'' (57) کے مقام پر اللہ کے رسول ﷺ سے ملے تو انھوں نے آپ سے یہ مسئلہ پوچھا۔ آپ ﷺ

(56) رَوْحاء: یہ مدینہ منورہ سے 73 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (57) سُقْیا: یہ مدینہ منورہ سے 180 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

[1] صحيح البخاري، الحج، باب من أشعر وقلد بذي الحليفة ثم أحرم، حديث: 1695,1694. [2] مسند أحمد: 328/4و333، بسند حسن. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 427/3) [3] یہ ابن اسحاق کی منقطع روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 431,430/3) احمد نے بھی اسے بسند صحیح روایت کیا ہے جو ناجیہ تک جا پہنچتی ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 334/4) نیز دیکھیے: (الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 273/31، حديث: 18943) الموسوعة کے محققین نے اس حدیث کی مکمل تخریج کی ہے۔ [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4179,4178. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے۔ اس روایت میں جاسوس کا نام بھی بتایا گیا ہے۔ اس کا نام البشر تھا۔ ابن ہشام کا کہنا ہے: ''یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ اس کا نام بُسر تھا۔'' دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 428/3)

نے انھیں اجازت دی کہ اگر تم نے اس کام میں کسی قسم کا تعاون نہیں کیا تو تم اس کا گوشت کھا سکتے ہو۔[1]

جب مسلمان عسفان (58) پہنچے تو بسر بن سفیان کعبی قریش کی خبر لے کر آئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی: ''اے اللہ کے رسول! قریش کو آپ کی تشریف آوری کا پتہ چل چکا ہے۔ وہ اپنے بال بچوں اور اونٹنیوں سمیت مکہ سے باہر آ چکے ہیں۔ انھوں نے اظہار شجاعت کے لیے چیتے کی کھالیں پہن رکھی ہیں۔ اور وہ ذوطوی کے علاقے میں ڈیرے ڈال چکے ہیں۔ انھوں نے عہد کر رکھا ہے کہ ان کے جیتے جی آپ بیت اللہ تک نہیں پہنچ سکیں گے۔ دوسری طرف خالد بن ولید بھی اپنے سوار دستے کو لے کر کراع غمیم میں پہنچ چکا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ وہ ان لوگوں کے گھر بار پر حملہ کر دیں جو قریش کی مدد کے لیے ان کے پاس پہنچے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں وہ لازماً اپنے گھر بار کو بچانے کے لیے قریش کو چھوڑ کر ادھر آ جائیں گے اور قریش اکیلے رہ جائیں گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! آپ بیت اللہ کی زیارت کے ارادے سے چلے ہیں۔ آپ کا مقصد کسی سے لڑائی کرنا یا کسی کو قتل کرنا نہیں، اس لیے آپ اپنی منزل مقصود کی طرف چلتے رہیں، پھر جو ہمیں روکے گا ہم اس سے دو دو ہاتھ کر لیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے، اللہ کا نام لے کر چلتے رہو۔''[2]

جب رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ مشرکین کا سوار دستہ قریب ہی ہے تو آپ نے صحابہ کرام کو عسفان میں صلاۃ خوف پڑھائی۔[3] مشرکین کے ساتھ جھڑپ سے بچنے کے لیے

(58) عسفان: یہ مکہ سے 80 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک بستی کا نام ہے۔

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب إذا صاد الحلال فأهدى للمحرم الصّيد أكله، حديث: 1821. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4178، 4179.
[3] سنن أبي داود، صلاة السفر، باب صلاة الخوف، حديث: 1236. محقق کا کہنا ہے: ''منذری نے اپنی مختصر سنن ابی داود میں بیہقی کے حوالے سے کہا: ''یہ سند صحیح ہے۔'' حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور ››

رسول اکرم ﷺ نے ثنیہ مرار کا انتہائی دشوار گزار راستہ اختیار کیا۔ جب آپ اس گھاٹی کے پاس پہنچے تو فرمایا: ''جو مرار گھاٹی پر چڑھے گا اس کے گناہ یوں معاف ہوں گے جیسے بنی اسرائیل کے گناہ معاف ہوئے تھے۔'' سب سے پہلے اس گھاٹی پر چڑھنے والے گھوڑے بنوخزرج کے تھے، پھر لوگوں کی قطار لگ گئی۔ [1]

خالد بن ولید کو جونہی اندازہ ہوا کہ مسلمانوں نے اپنا راستہ بدل لیا ہے تو وہ فوراً قریش کی طرف بھاگا۔ قریش مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بلدح (59) کے مقام پر جمع ہوئے اور مسلمانوں سے پہلے وہاں پہنچ کر پانی پر قبضہ کر لیا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی ''قصواء'' حدیبیہ (60) کے قریب پہنچی تو بیٹھ گئی۔ لوگ کہنے لگے: ''قصواء نکمی ہوگئی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«ما خَلَأَتِ الْقَصْوَاءُ، وَمَا ذَاكَ لَهَا بِخُلُقٍ، وَّلٰكِنْ حَبَسَهَا حَابِسُ الْفِيلِ»

(59) بلدح: یہ مکہ کی مغربی جانب ایک وادی ہے۔ اس کا بالائی حصہ آج کل وادی عشر اور وسطی منطقہ زاہر کہلاتا ہے۔ یہ وادی بہتی ہوئی حدیبیہ کے شمال میں مرّ الظہران میں جا پڑتی ہے، دیکھیے: (البلادي، ص: 49، ومعجم البلدان: 480/1)

(60) حديبية: یہ ایک کنویں کا نام ہے جو مکہ کے شمال مغرب میں بائیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ آج کل اس کا نام شمیسی ہے۔ یہاں حدیبیہ کے باغات اور مسجد رضوان واقع ہے، دیکھیے: (نسب حرب، ص: 350)

» صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 338/3) اس روایت میں یہ وضاحت نہیں کہ یہ کون سا غزوہ تھا۔ ابن حجر نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ یہ غزوۂ حدیبیہ تھا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ اس روایت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عسفان کے قریب اپنی موجودگی کا ذکر کیا ہے اور یہ غزوۂ حدیبیہ کا واقعہ ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 311/15)

[1] صحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث: 2780. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 112/4. یہ عروہ کی مرسل روایت ہے جس کی سند ضعیف ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 582/2، والطبقات الكبرٰى: 95/2) دونوں نے اسے معلق روایت کیا ہے۔

''قصواء نکمی نہیں ہوئی، نہ یہ اس کی عادت ہے بلکہ اسے اس ذات نے روک لیا ہے جس نے ہاتھیوں کو روکا تھا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یہ مجھ سے جو بھی مطالبہ کریں گے میں مان لوں گا بشرطیکہ اس سے اللہ کی محترم قرار دی ہوئی اشیاء کی تعظیم ہوتی ہو۔''

پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا تو وہ اٹھ کھڑی ہوئی، پھر آپ مکہ جانے والے راستہ سے ہٹ کر ایک طرف کو چل دیے اور حدیبیہ کے آخری کنارے پڑاؤ ڈالا۔ وہاں کنواں موجود تھا مگر اس میں پانی بہت کم تھا جو چند لمحوں میں ختم ہو گیا، پھر لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور اسے کنویں میں گاڑنے کا حکم دیا۔ تیر لگنے کی دیر تھی کنویں میں پانی اچھلنے لگا۔ لوگ خوب سیر ہو کر پانی پیتے رہے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ گئے، پھر پانی منگوایا، اسے منہ میں ڈالا اور پھر کنویں میں کلی کر دی۔[2] دونوں روایات میں تطبیق ممکن ہے کہ آپ نے دونوں کام کیے، کلی بھی کی اور تیر بھی ڈالا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں۔[3] واقدی اور عروہ کی روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک ڈول میں کلی کی اور پھر وہ ڈول کنویں میں انڈیل دیا اور اپنے ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور اسے کنویں میں گاڑ دیا، پھر دعا فرمائی تو کنویں سے پانی اچھلنے لگا۔[4]

---

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث:2732,2731. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث:3577. [3] فتح الباري:164/11.
[4] المغازي للواقدي:588/2. ابن حجر کے مطابق عروہ سے روایت کرنے والے ابو اسود ہیں، دیکھیے: (فتح الباري:164/11)

صلح حدیبیہ
(ذی القعدہ 6ھ)
﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾
"بے شک ہم نے آپ کو واضح فتح دی۔" (الفتح 1:48)
بیعت رضوان
﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾
"بلاشبہ اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے۔ اللہ نے ان کے دلوں کی کیفیت جان لی اور ان پر اطمینان وسکون نازل فرمایا اور ان کو ایک قریبی فتح عطا فرمائی۔" (الفتح 18:48)
X حدیبیہ کا مقام
آغازِ حرم کے مقامات
مقامِ میقات
حرمِ مکی کی حدود
عراق کا راستہ
مدینہ منورہ
ذوالحلیفہ (آبارِ علی)
اہل مدینہ کے لیے میقات
بدر
مکہ کا راستہ
ابواء
(حضرت آمنہ کا مقامِ وفات)
رابغ
اہل شام، مصریوں اور ان سب کے لیے میقات (رابغ) جو خشکی یا سمندر کے راستے ادھر سے آئیں
بحیرۂ احمر (قلزم)
کلومیٹر
200
150
100
50
0
اہل عراق کے لیے میقات
ذات عرق
وادی نخلہ
نجد کا راستہ
قرن المنازل
اہل نجد کے لیے میقات
عسفان
تنعیم
حدیبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
عرفہ
طائف
اضاءۃ لبن
یمن کا راستہ
یلملم
اہل یمن کے لیے میقات

قریش کی بعض اعلیٰ خصوصیات اور ان کے مقام و مرتبہ کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ آپ کو بڑا افسوس تھا کہ وہ ضد و عناد کی راہ اختیار کر کے خواہ مخواہ جنگوں میں مبتلا ہوتے اور اپنی جانیں گنواتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے اسی حسرت کا اظہار ہو رہا ہے: ''افسوس! قریش کو جنگوں نے تباہ و برباد کر دیا۔ کیا اچھا ہوتا کہ وہ مجھے دوسرے لوگوں کے ساتھ لڑنے بھڑنے دیتے۔ اگر وہ مجھ پر غالب آ جاتے تو قریش کا مقصد پورا ہو جاتا اور اگر اللہ تعالیٰ مجھے لوگوں پر غالب کر دیتا تو وہ بھی اسلام قبول کر لیتے اور صحیح سالم بھی رہتے اور اگر اسلام قبول نہ کرتے تب بھی قوت کے ساتھ تو لڑتے! قریش نے کیا سمجھ رکھا ہے۔ اللہ کی قسم! میں ان سے لڑتا رہوں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب فرما دے جو مجھے دے کر بھیجا گیا ہے یا پھر میری گردن تن سے جدا ہو جائے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے قریش کو یہ سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی کہ ہم تم سے جنگ نہیں کرنا چاہتے۔ ہمارا مقصد تو صرف بیت اللہ کی زیارت و تعظیم ہے اور ایسا کرنا ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کا بھی حق ہے جس طرح دوسرے لوگ یہ حق رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی اس بات کا قریش کو یقین ہو گیا تو انھوں نے مذاکرات کے لیے آدمی بھیجنے شروع کر دیے۔ ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی قوت کا اندازہ لگایا جا سکے اور یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمان جنگ کرنے کے بارے میں کس حد تک سنجیدہ ہیں اور مسلمانوں کو صلح صفائی سے بیت اللہ آنے سے روکنے میں کامیابی حاصل ہو سکے۔

بُدَیل بن ورقاء خزاعی اپنی قوم کے کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر آپ ﷺ کے پاس پہنچا۔ اہلِ تہامہ میں سے یہ لوگ آپ کے مخلص اور خیر خواہ تھے۔ انھوں نے بتایا کہ قریش نے

[1] مسند أحمد: 323/4. سند حسن ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 428/3)

مسلمانوں کو بہر صورت مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کا عزم کر رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے آنے کا مقصد بتایا، نیز واضح کیا کہ اگر جنگ ہوتی ہے تو قریش کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔ آپ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کچھ دیر کے لیے مجھ سے صلح کر لیں۔ لیکن اگر انھوں نے صلح سے انکار کیا تو پھر جنگ کے بغیر کوئی چارۂ کار نہ ہوگا، خواہ اس میں ہمیں جان بھی دینی پڑے۔ انھوں نے یہ سب باتیں قریش تک پہنچا دیں اور انھیں تنبیہ کی کہ قریشیو! تم خواہ مخواہ محمد (ﷺ) کے بارے میں جلد بازی کرتے ہو۔ وہ لڑائی کے لیے نہیں آئے وہ بیت اللہ کی زیارت کے لیے آئے ہیں۔ قریش نے ان کے اخلاص پر شک کیا اور سخت الفاظ میں کہنے لگے: "وہ اگرچہ اسی مقصد کے لیے آئے ہیں مگر وہ دندناتے ہوئے بیت اللہ میں داخل نہیں ہو سکتے کہ عرب ہمیں طعنے دیں اور اسے ہماری کمزوری خیال کریں۔"[1]

سفارت و بیعت رضوان

رسول اللہ ﷺ کا مقصد صرف یہ تھا کہ بیت اللہ کی زیارت کی تمنا پوری کریں اور اہل عرب کو بھی اس بات کا پتہ چل جائے، اس لیے آپ نے خراش بن اُمیہ خزاعی رضی اللہ عنہ کو اپنے اونٹ "ثعلب" پر قریش کی طرف بھیجا لیکن انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کی کونچیں کاٹ دیں اور خراش کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی مگر احابیش[2] جو ان کی قوم کے لوگ تھے، انھوں نے خراش کو بچا لیا۔[3]

پھر رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ بھیجنے کے لیے بلایا تاکہ وہ قریش

[1] مسند أحمد: 324/4. سند حسن ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 432/3) [2] ابن اسحاق نے اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 436,435/3) [3] الطبقات الکبرٰی: 97/2. یہ معلق روایت ہے۔

کو آپ کے آنے کا مقصد سمجھا سکیں۔ عمر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! مجھے خطرہ ہے قریش مجھے قتل کر دیں گے۔ میری قوم بنو عدی بن کعب کا کوئی ایسا فرد مکہ میں موجود نہیں جو میری حفاظت کر سکے۔ قریش جانتے ہیں کہ میں ان کا کس قدر دشمن ہوں اور ان سے کتنا سخت رویہ رکھتا ہوں، البتہ میں آپ ﷺ کو ایسے شخص کا نام بتاتا ہوں جو مکہ مکرمہ میں مجھ سے بڑھ کر عزت اور قوت رکھتا ہے اور وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں۔'' آپ نے عثمان رضی اللہ عنہ کو بلا کر قریش کے ہاں بھیج دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ ابان بن سعید بن عاص اموی کی پناہ میں مکہ پہنچے اور انھیں آپ کا پیغام پہنچایا۔ قریش نے انھیں بیت اللہ کا طواف کر لینے کی اجازت دی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف نہیں کرتے، میں طواف نہیں کر سکتا۔'' قریش نے عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ہاں روک لیا لیکن جب رسول اللہ ﷺ تک یہ خبر اس انداز میں پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے ہیں [1] تو رسول اللہ ﷺ یہ سن کر سخت رنجیدہ ہوئے اور ایک کیکر کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بیعت کی دعوت دی۔ تمام صحابۂ کرام نے آپ کے دست مبارک پر موت کی بیعت کی [2] البتہ جد بن قیس منافق نے بیعت نہیں کی۔ [3]

ایک روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام نے (صبر) جم کر لڑنے کی بیعت کی تھی۔ [4]

ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے بیعت کی تھی کہ بھاگیں گے نہیں۔ [5]

[1] مسند أحمد: 324/4. نیز ابن اسحاق نے اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 426/3-437) [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4169. [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش......، حديث: 1856. عذاب محمود جمش کی اپنی کتاب میں کی گئی تحقیق کے مطابق جد بن قیس انصاری کا منافق ہونا محلِ نظر ہے۔ یہ وقیع تحقیق ہے، دیکھیے: (ثعلبة بن حاطب، ص: 95-102) [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4169. [5] صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش......، حديث: 1856.

ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ تینوں الفاظ کا مفہوم ایک ہی ہے کہ ڈٹ کر لڑیں گے بھاگیں گے نہیں، چاہے موت آ جائے۔ [1]

سب سے پہلے یہ بیعت کرنے والے ابو سنان عبداللہ بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ [2]

پھر لوگ باری باری بیعت کرتے رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرنے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: ''تم روئے ارض کے تمام لوگوں میں سے بہترین ہو۔'' [3]

مزید فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ النَّارَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مِنْ أَصْحَابِ الشَّجَرَةِ أَحَدٌ مِّنَ الَّذِينَ بَايَعُوا تَحْتَهَا»

''ان شاء اللہ، درخت کے نیچے بیعت کرنے والوں میں سے کوئی شخص آگ میں نہیں جائے گا۔'' [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔'' اور پھر اسے اپنے بائیں ہاتھ پر مارا اور فرمایا: ''یہ عثمان کے لیے ہے۔'' اس طرح عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی اس بیعت کی فضیلت اور سعادت حاصل ہوگئی۔ [5]

مگر معاملہ آگے بڑھنے سے پہلے بیعت مکمل ہوتے ہی عثمان رضی اللہ عنہ واپس پہنچ گئے۔ اس بیعت کو ''بیعت رضوان'' کا نام دیا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بتا دیا تھا کہ میں بیعت کرنے

---

[1] فتح الباري: 79/12. [2] اسے ابن حجر نے شعبی کی روایت سے نقل کیا اور کہا: ''اسے ابن مندہ نے عاصم عن زِرّ بن حُبیش کی سند سے روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (الإصابة: 96,95/4) نیز بتایا کہ زر بن حُبیش اور شعبی کی دونوں سندیں صحیح ہیں، دیکھیے: (الإصابة: 264/4) ابن ہشام نے بھی اپنی سند سے جو شعبی تک پہنچتی ہے، روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 439,438/3)
[3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4154. [4] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل أصحاب الشجرة، حديث: 2496. [5] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حديث: 3699.

والے ان لوگوں سے سو فیصد راضی ہو گیا ہوں۔

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾

"بلا شبہ یقیناً اللہ مومنین سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔"[1]

مذاکرات و صلح حدیبیہ

قریش نے مسلمانوں سے مذاکرات کے لیے کئی سفیر بھیجے۔ بُدَیل بن ورقاء کے بعد انھوں نے عروہ بن مسعود ثقفی کو بھیجا۔ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں مجھ پر بھی وہی الزام تراشی نہ کی جائے جو بدیل پر کی گئی، اس لیے اس نے جانے سے پہلے اپنی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش کی۔ قریش کہنے لگے: "ہم تسلیم کرتے ہیں کہ تم ہمارے خیر خواہ اور مخلص ہو۔" عروہ نے کہا: "حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) نے جو پیش کش کی ہے وہ بہت مفید اور مناسب ہے۔ اسے قبول کر لو۔" قریش نے عروہ کی بات مان لی اور تفصیلات کے لیے اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا۔ عروہ بن مسعود رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا۔ آپ نے اس سے بھی وہی باتیں کہیں جو بدیل سے کہی تھیں۔ عروہ کہنے لگا: "محمد! فرض کر لو تم اپنی قوم کو تباہ و برباد کر دو گے تو کیا تم نے ایسی بات سنی ہے کہ کسی عربی نے

[1] الفتح 18:48. طبری نے یہ روایت اپنی تفسیر میں نقل کی ہے، دیکھیے: (تفسیر الطبري: 86/26) اس کی سند موسیٰ بن عبیدہ کے ضعیف ہونے کی بدولت ضعیف ہے، تاہم ترمذی کے ہاں جابر کی روایت اس کی تائید کرتی ہے، دیکھیے: (جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في بيعة النبي ﷺ، حديث: 1591) اس حدیث میں یہ آیت بھی ہے، نیز یحییٰ بن ابی کثیر کی تدلیس یہاں مضر نہیں کیونکہ حدیث کی اصل صحیح مسلم میں موجود ہے جو جابر اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت ہے، دیکھیے: (صحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش......، حديث: 1856)

اپنی ہی قوم کو تباہ کیا ہو؟ لیکن اگر معاملہ برعکس ہوا تو اللہ کی قسم! مجھے یہاں خاندانی اور معزز لوگ نظر نہیں آ رہے بلکہ یہ خلط ملط لوگ ہیں۔ اگر مشکل آ پڑی تو یہ تمھیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔" ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ بات سن کر طیش میں آ گئے اور عروہ سے کہا: "تو جا، لات کی شرمگاہ چوس۔ کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟" عروہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرتا تو آپ کی ڈاڑھی پکڑ لیتا تھا۔ مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ تلوار پکڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر کھڑے تھے۔ وہ تلوار کا دستہ عروہ کے ہاتھ پر مارتے اور کہتے: "اپنا ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے دور رکھ۔"

عروہ نے بطورِ خاص یہ بات نوٹ کی کہ صحابۂ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حد تعظیم کرتے، آپ سے بے پناہ محبت کرتے اور آپ کی اطاعت میں مر مٹنے کو تیار ہیں۔ جب وہ قریش کے پاس واپس گیا تو کہنے لگا: "لوگو! اللہ کی قسم! میں بادشاہوں کے پاس جاتا رہتا ہوں۔ میں قیصر و کسریٰ اور نجاشی کے پاس بھی گیا ہوں لیکن اللہ کی قسم! میں نے کسی بادشاہ کے درباریوں کو اس کی وہ تعظیم کرتے نہیں دیکھا جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہ محمد کی کرتے ہیں۔"[1]

پھر قریش نے احابیش کے سردار حُلَیس بن علقمہ کنانی کو بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو فرمایا: "یہ ایسی قوم سے ہے جو شعائر اللہ کی بہت زیادہ تعظیم کرتے ہیں، اس لیے اس کے سامنے قربانی کے جانوروں کی قطار کھڑی کر دو۔" جب حلیس نے دیکھا کہ وادی قربانی کے اونٹوں سے بھری ہوئی ہے اور ان کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے بغیر ہی واپس قریش کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا: "میں نے وہاں قربانی کے جانور دیکھے ہیں جنھیں قلادے ڈالے گئے ہیں اور اِشعار کیا گیا ہے۔ میں

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشّروط في الجهاد والمصالحة ......، حديث: 2732,2731.

تو صحیح نہیں سمجھتا کہ انھیں بیت اللہ سے روکا جائے۔''[1] قریش کہنے لگے: ''بیٹھ جا! تو دیہاتی ہے تجھے ان باریکیوں کا علم نہیں۔'' اسے غصہ آ گیا۔ وہ بولا: ''قریشیو! ہم نے تم سے اس بات کا معاہدہ نہیں کیا۔ کیا اس شخص کو بیت اللہ آنے سے روکا جا سکتا ہے جو بیت اللہ کی تعظیم کرنے آ رہا ہو؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں حُلَیس کی جان ہے! یا تو تم محمد کا راستہ چھوڑ دو اور اسے اپنا کام کرنے دو ورنہ میں اپنی پوری قوم کو لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔'' وہ کہنے لگے: ''بس بس! ہمیں مت سمجھا۔ ہم وہی کریں گے جو ہمیں پسند ہوگا۔'' پھر انھوں نے مکرز بن حفص کو بھیجا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: ''یہ مکرز ہے۔ یہ شریر آدمی ہے۔'' وہ رسول اللہ ﷺ سے باتیں کرنے لگا۔ ابھی وہ بات چیت کر ہی رہا تھا کہ سہیل بن عمرو قریش کی طرف سے سفیر بن کر آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے نام سے فال پکڑتے ہوئے فرمایا: ''اب تمھارا معاملہ آسان ہو گیا ہے۔''[2]

نیز فرمایا: ''قریش نے صلح کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تبھی اس شخص کو بھیجا ہے۔''[3]

قریش نے سہیل بن عمرو سے کہا تھا: ''محمد کے پاس جاؤ اور ان سے صلح کی بات چیت کرو لیکن صلح میں یہ بات لازمی ہونی چاہیے کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں۔ اللہ کی قسم! ہم یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ لوگ باتیں بنائیں کہ محمد زبردستی مکہ میں داخل ہوئے ہیں۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچا تو اس نے بڑے لمبے چوڑے مذاکرات کیے اور خوب بحث و تکرار کے بعد صلح طے پا گئی۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کی دستاویز کے کاتب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ[5] کو صلح کی

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث:2732,2731. [2] مسند أحمد:324/4. [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:439/3) [4] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:439/3) [5] معاہدے کی دستاویز کے کاتب کا نام واضح طور پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں آیا ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، الصلح، باب كيف يكتب......، حديث:2699,2698، ◄◄

شرائط لکھوانا شروع کیں تو سہیل نے لفظ رحمٰن لکھنے پر اعتراض کیا اور مطالبہ کیا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بجائے «بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ» لکھا جائے۔ جاہلیت میں اسی کا رواج تھا۔ مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات مان لی، پھر سہیل نے ''محمد رسول اللہ ﷺ'' لکھنے پر اعتراض کیا اور اس کے بجائے ''محمد بن عبداللہ'' لکھنے پر اصرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کا یہ اعترض بھی مان لیا کیونکہ اس نے دلیل یہ پیش کی تھی کہ اگر ہم تسلیم کرتے ہوتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے روکتے نہ آپ سے لڑائیاں کرتے۔'' جب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس شرط پر کہ تم ہمیں بیت اللہ پہنچنے اور طواف کرنے دو گے۔'' تو سہیل نے یہ کہتے ہوئے اعتراض کیا: ''پھر تو عرب باتیں بنائیں گے کہ مسلمان زبردستی داخل ہوئے ہیں اور قریش کچھ نہیں کر سکے، اس لیے یہ اِس سال کے بجائے آئندہ سال ہوگا۔ ہم آپ کے لیے مکہ خالی کر دیں گے۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت تین دن مکہ میں ٹھہریں گے۔ آپ کے پاس عام اسلحہ ہو گا جو عموماً ایک عام سوار کے پاس ہوتا ہے اور تلواریں میانوں میں ہونی چاہئیں۔''[1] رسول اللہ ﷺ نے اس کی یہ بات بھی مان لی، پھر سہیل کہنے لگا: ''یہ شرط بھی ہے کہ اگر آپ کے پاس ہمارا کوئی آدمی چلا جائے، خواہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو تو آپ اسے واپس کریں گے۔'' مسلمانوں نے کہا: ''سبحان اللہ! جو شخص مسلمان ہو کر آئے اسے کیسے واپس کیا جا سکتا ہے؟'' ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اسی سہیل کا بیٹا ابوجندل بیڑیوں میں جکڑا ہوا گرتا پڑتا پہنچ گیا۔ وہ مکہ کے نشیبی علاقے سے چلا تھا اور بڑی مشکل سے مسلمانوں تک پہنچا تھا۔ سہیل کہنے لگا: ''سب سے پہلے اسے واپس کریں تب صلح ہو گی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابھی ہم نے تحریر مکمل نہیں کی۔''

وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب صلح الحدیبیة، حدیث: 1783) [1] یہ عبارت ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 441/3)

سہیل نے کہا: ''تو پھر صلح بھی نہیں ہو گی۔'' رسول اللہ ﷺ نے اصرار فرمایا: ''چلو میری خاطر ابوجندل کو مستثنیٰ کر دو۔'' لیکن وہ نہ مانا، حالانکہ مکرز آپ کا یہ مطالبہ ماننے پر راضی تھا۔ مجبوراً رسول اللہ ﷺ کو سہیل کی بات ماننا پڑی۔ [1]

پھر اس کے بعد باقی شرائط پر بھی اتفاق ہو گیا جو یہ ہیں: ''دس سال تک جنگ بندی رہے گی۔ لوگ امن و امان سے آئیں جائیں گے۔ کوئی کسی کو کچھ نہیں کہے گا۔ دونوں فریق خلوص نیت کے ساتھ شرائط کی پابندی کریں گے۔ چوری چھپے بھی خلاف ورزی نہیں کی جائے گی نہ کسی خیانت کا ارتکاب کیا جائے گا۔ دیگر قبائل میں سے جو مسلمانوں کا حلیف بننا چاہے وہ حلیف بن سکتا ہے اور اس پر بھی صلح کی شرائط لاگو ہوں گی۔''

بنو خزاعہ نے فوراً اعلان کر دیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے حلیف ہیں۔ بنو بکر نے قریش کے حلیف بننے کا اعلان کر دیا۔ [2]

بہت سے صحابہ نے ان میں سے اکثر شرائط پسند نہیں کیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے لفظ ''رسول اللہ'' کو مٹانے سے معذرت کر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دکھاؤ، کہاں لکھا ہے۔''

علی رضی اللہ عنہ نے نشان دہی کی تو رسول اللہ ﷺ نے اسے مٹا دیا، پھر علی رضی اللہ عنہ نے اس کی جگہ ''ابن عبداللہ'' لکھ دیا۔ [3] اسی طرح مسلمان اس شرط پر بہت برا فروختہ ہوئے کہ قریش میں سے مسلمان ہو کر آنے والوں کو واپس کیا جائے گا۔ لوگ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! ہم یہ شرط بھی مان لیں؟'' فرمایا:

[1] صحیح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حدیث: 2732,2731. [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 441,440/3) [3] صحیح البخاري، الصلح، باب کیف یکتب......، حدیث: 2699، وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب صلح الحدیبیة، حدیث: 1783.

«نَعَمْ، إِنَّهُ مَنْ ذَهَبَ مِنَّا إِلَيْهِمْ فَأَبْعَدَهُ اللّٰهُ، وَمَنْ جَاءَنَا مِنْهُمْ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ لَهُ فَرَجًا وَّمَخْرَجًا»

''ہاں! ہم میں سے جو ان کے پاس (مرتد ہو کر) چلا گیا، اللہ تعالیٰ نے اسے دفع کر دیا اور جو ان میں سے (مسلمان ہو کر) ہمارے پاس آئے گا (اور ہم اسے واپس کر دیں گے) تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھی کوئی سبیل پیدا فرمائے گا۔''[1]

عمر رضی اللہ عنہ نے غصے کی حالت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کا واقعہ خود سنایا ہے۔ انھوں نے کہا: میں نبیِ کریم ﷺ کے پاس گیا اور عرض کی: ''کیا آپ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''کیوں نہیں!'' میں نے کہا: ''کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن باطل پر نہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''یقیناً!'' میں نے کہا: ''تو پھر ہم اپنے دین میں یہ ذلت کیوں قبول کریں؟!'' آپ نے فرمایا: ''میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ وہ میری مدد فرمائے گا۔'' میں نے کہا: ''کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بہت جلد بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بالکل! لیکن کیا میں نے تم سے یہ کہا تھا کہ تم اسی سال بیت اللہ جاؤ گے؟'' میں نے کہا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''یقیناً تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے۔'' پھر عمر، ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے بھی یہی سوال و جواب کیے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''عمر! محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی ضرور مدد فرمائے گا، اس لیے اُن کی رکاب کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اللہ کی قسم! آپ ﷺ حق پر ہیں۔''[2]

عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''میں حدیبیہ کے دن کی اپنی تیز کلامی اور غلطی کے ازالے کے لیے مسلسل روزے رکھتا رہا، صدقے کرتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا حتی کہ مجھے امید ہو گئی

[1] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: 1784. [2] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة......، حديث: 2732,2731. نیز دیکھیے: حدیث: 3182.

کہ اب اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے گا۔'' [1] لیکن عمر رضی اللہ عنہ اس وقت تک دلی طور پر مطمئن نہیں ہوئے جب تک قرآن مجید میں فتح کی خوشخبری نازل نہیں ہو گئی۔ [2]

جب ابوجندل رضی اللہ عنہ کو واپس کیا جا رہا تھا تو انھوں نے مسلمانوں کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے کہا: ''اے مسلمانو! کیا تم مجھے مشرکوں کے پاس واپس بھیج دو گے کہ وہ مجھے دین کے بارے میں گمراہ کر دیں؟!'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابو جندل! صبر کرو اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھو۔ اللہ تعالیٰ تمھارے اور تمھارے دوسرے کمزور ساتھیوں کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔''

ابوجندل جا رہے تھے، ساتھ ساتھ عمر رضی اللہ عنہ بھی جا رہے تھے اور انھیں ان کے باپ کے خلاف بھڑکا رہے تھے اور ساتھ ساتھ اپنی تلوار بھی ان کے ہاتھ کے قریب کر رہے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے باپ کو قتل کر دیں مگر ابوجندل نے ایسا نہ کیا۔ بہرصورت انھیں مشرکین کی طرف واپس بھیج دیا گیا۔ [3]

دراصل اس میں حکمت یہ تھی جس کا لوگوں کو بعد میں پتہ چلا کہ ابوجندل اور اس کے ساتھی اس شرط کے خاتمے کا سبب بن گئے اور یہی بات سہیل کے مسلمان ہونے کا سبب بن گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جب مکہ والوں کے ارتداد کا خطرہ پیدا ہوا تو سہیل رضی اللہ عنہ ہی تھے جنھوں نے انتہائی بلیغ کلام کے ذریعے سے مکہ والوں کو اسلام پر ثابت قدم رکھا۔ [4]

سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے صفین کی جنگ کے دن فرمایا تھا: ''اپنی رائے کو غلط سمجھو۔

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 440/3)
[2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحديبية، حديث: 1785. [3] امام احمد اور ابن اسحاق نے اسے حسن سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 325/4، والسيرة النبوية لابن هشام: 442/3) [4] یہ واقعات الاصابہ کے علاوہ دیگر کتب میں سہیل رضی اللہ عنہ کے حالات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

مجھے ابوجندل کی واپسی والا دن اچھی طرح یاد ہے۔ اگر مجھ میں رسول اللہ ﷺ کا حکم رد کرنے کی ہمت ہوتی تو میں اس دن رد کرتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ قربانی کے جانور ذبح کرو اور سر منڈوا دو مگر کوئی نہ اٹھا۔ آپ نے تین دفعہ حکم دیا لیکن نتیجہ وہی رہا۔ آپ پریشانی کی حالت میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور انھیں صورت حال بتائی۔ انھوں نے مشورہ دیا کہ حکم دینے کے بجائے خود عمل شروع کر دیں۔ آپ ﷺ نے جیسے ہی جانور ذبح کیا، سب لوگ اٹھ گئے اور انھوں نے بھی اپنے جانور ذبح کیے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے لیکن غم کی کیفیت اس قدر شدید تھی کہ خطرہ تھا کوئی کسی کا گلا ہی نہ کاٹ بیٹھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے سر منڈانے والوں کو تین دفعہ اور بال کٹوانے والوں کو ایک دفعہ دعا دی۔[3] کل ستر اونٹ ذبح کیے گئے۔[4] ہر اونٹ سات افراد کی طرف سے تھا۔[5]

رسول اللہ ﷺ نے اس دن جو اونٹ ذبح کیا وہ ابوجہل کا اونٹ تھا اور بدر کی غنیمت میں ملا تھا۔ اسے ذبح کرنے سے آپ کا مقصد قریش کو اشتعال دلانا تھا۔[6] بعض اونٹ حدیبیہ کے ایسے حصے میں ذبح کیے گئے جو حرمِ مکی کی حدود سے باہر تھا[7] اور بعض دیگر اونٹ ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ کے حرم مکی کی حدود والے حصے میں ذبح کیے۔[8]

اس امر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں کا اس موقع پر طرز عمل ان کے اجتہاد کی بنا پر تھا۔ وہ مشرکین کو ذلیل کرنا چاہتے تھے۔[9] وہ اللہ کے رسول ﷺ کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ قریش نے صلح کے مذاکرات اور

[1] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب: (18)، حديث: 3181. [2] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة......، حديث: 2732,2731. [3] مسند أحمد: 34/2و151. [4] مسند أحمد: 324/4. [5] صحيح مسلم، الحجّ، باب جواز الاشتراك في الهدي......، حديث: 1318. [6] مسند أحمد: 234/1. [7] صحيح البخاري، الصلح، باب الصّلح مع المشركين، حديث: 2701. [8] شرح معاني الآثار للطحاوي: 242/2. [9] مسند أحمد: 325/4.

دستاویز کی تحریر کے دوران میں حتیٰ کہ بعد میں بھی مسلمانوں کو اشتعال دلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام نے ان کے مقابلے میں انتہائی صبر و تحمل اور رواداری کا مظاہرہ کیا۔ مکہ کے اسّی جنگجو مسلمانوں کے پڑاؤ پر اچانک حملہ کرنے کی غرض سے آئے تھے مگر وہ مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھی معاف فرما دیا۔[1] پھر صلح کی بات چیت طے ہوتے وقت بھی تیس اور قریشیوں نے حملے کا پروگرام بنایا تو وہ بھی گرفتار ہو گئے مگر نبیِ کریم ﷺ نے انھیں بھی چھوڑ دیا۔[2] صلح نامہ لکھے جانے کے بعد بھی ستر مشرکین نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی اور وہ بھی گرفتار ہوئے۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے چار ایسے مشرکین کو گرفتار کیا جو صلح کے بعد بھی آپ کی شان میں گستاخی کرتے تھے مگر اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں بھی معاف فرما دیا۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ مِن بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾

''اور وہی ذات ہے جس نے وادیِ مکہ میں ان (کفار) کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے ہاتھوں کو ان سے روکے رکھا، حالانکہ اُس (اللہ) نے تمھیں اُن پر فتح دے دی تھی۔''[3]

پھر ڈیڑھ ماہ بعد مسلمان واپس مدینہ پہنچ گئے۔[4] ان میں سے تقریباً بیس دن وہ حدیبیہ میں ٹھہرے۔[5] واپسی پر بھی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں کھانے پینے میں برکت

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب قول الله تعالٰی: ﴿وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ﴾، حدیث: 1808، ومسند أحمد: 122/3 و124 و125 و290. [2] مسند أحمد: 86/4. ہیثمی کے مطابق سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 145/6) حاکم کا کہنا ہے: ''یہ روایت شیخین کی شرط کے مطابق ہے۔'' دیکھیے: (المستدرك للحاکم: 460/2) [3] الفتح 24:48. [4] عیون الأثر لابن سید الناس: 123/2. یہ ابن عائذ کی روایت ہے۔ [5] المغازي للواقدي: ◄◄

کے کئی معجزے صادر ہوئے۔ جس طرح غزوۂ خندق میں جابر رضی اللہ عنہ کے کھانے میں اور حدیبیہ میں کنویں کے پانی میں برکت ہوئی تھی۔

سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ راستے میں مسلمانوں کو بھوک نے بہت ستایا۔ تنگ آ کر وہ اپنی سواری کے اونٹ ذبح کرنے لگے تھے مگر نبیِ کریم ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر بچی کھچی اشیاء لانے کا حکم دیا۔ وہ تمام چیزیں مل کر ایک بکری کے برابر بھی نہیں تھیں جبکہ کھانے والے کم از کم چودہ سو تھے مگر وہ کھانا سب نے خوب سیر ہو کر کھایا اور انھوں نے اپنے تھیلے بھی بھر لیے، پھر پانی کا ایک لوٹا لایا گیا جس میں ذرا سا پانی تھا۔ آپ نے وہ پانی لکڑی کے ایک بڑے پیالے میں انڈیل دیا، پھر پورے لشکر نے اس سے وضو کیا۔[1]

ابھی آپ ﷺ راستے ہی میں تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی:

﴿ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝ ﴾

''بے شک ہم نے آپ (ﷺ) کو ایک کھلی فتح عطا فرمائی۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آج کی رات مجھ پر ایک سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے ہر اس چیز سے زیادہ محبوب ہے جس پر سورج طلوع ہوتا ہے۔''[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تعجب کرتے ہوئے عرض کی: ''کیا یہ فتح ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً!'' عمر رضی اللہ عنہ کا دل مطمئن ہو گیا اور وہ واپس چلے گئے۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ إِنَّهُ لَفَتْحٌ»

616/2، والطبقات الکبرٰی: 98/2. یہ معلق روایت ہے۔ [1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث 4152، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب استحباب خلط الأزواد إذا قلّت، والمؤاساة فيها، حديث: 1729. [2] الفتح 48:1. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحُديبية، حديث: 4177. [4] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب صلح الحُديبية، حديث: 1785.

''ہاں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! یہ فتحِ عظیم ہے۔''[1]

مسلمان یہ سن کر انتہائی خوش ہوئے اور ان کے چہروں سے غم کی پرچھائیاں غائب ہوگئیں۔ انھوں نے تسلیم کرلیا کہ ہم اسباب ونتائج کا مکمل سلسلہ سمجھنے سے قاصر ہیں اور اللہ اور رسول ﷺ کی بات تسلیم کرلینا ہی دانشمندی ہے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد جب ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط ہجرت کرکے مدینہ منورہ پہنچیں تو نبی ﷺ نے ان کے گھر والوں کے مطالبے کے باوجود انھیں واپس بھیجنے سے انکار کردیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں خصوصی حکم نازل فرما دیا تھا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ۖ فَإِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ ۖ﴾

''اے ایمان والو! جب مومن عورتیں ہجرت کرکے تمھارے پاس پہنچ جائیں تو اُن کے بارے میں اچھی طرح چھان بین کرلیا کریں۔ اُن کے ایمان کو صحیح طور پر جاننے والا تو اللہ ہی ہے، پھر اگر تم انھیں مومن جانو تو انھیں کفار کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ (عورتیں) کافروں کے لیے حلال ہیں نہ کافر ان کے لیے حلال ہیں۔''[2]

اسی لیے رسول اللہ ﷺ تحقیق کرلیا کرتے تھے۔ اگر وہ فی الواقع اسلام کی خاطر آئی ہوتیں تو انھیں واپس نہ کرتے بلکہ اُن کے مہر اُن کے خاوند کو بھیج دیتے تھے۔ صلح سے پہلے آپ مہر بھی نہیں بھیجتے تھے۔[3]

[1] المستدرك للحاكم: 459/2. حاکم کا کہنا ہے: ''یہ بڑی عظمت والی حدیث ہے جس کی سند صحیح ہے۔'' شیخین نے اسے درج نہیں کیا۔ ذہبی نے اُن کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4172، وكتاب التفسير، سورة الفتح، حديث: 4834)

[2] الممتحنة 10:60. صحيح البخاري، الشروط، باب ما يجوز من الشروط في الإسلام......، حديث: 2712,2711. [3] السنن الكبرى للبيهقي: 229/9. ابن اسحاق نے بھی اسے روایت کیا۔

گویا اس آیت نے معاہدۂ صلح کی واپسی والی شرط سے مسلمان عورتوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ مزید برآں مسلمان عورتوں کو مشرکین کے لیے مستقل طور پر حرام کر دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾ ''اور تم کافر عورتوں کے نکاح برقرار نہ رکھو۔''[1]

صلح حدیبیہ سے حاصل ہونے والے احکام واسباق

* اگر مسلمانوں کو احرام باندھنے کے بعد عمرہ ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو تو وہ احرام کھول سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمرہ کرنے والے کے لیے احرام کھول دینا جائز ہے اور اس کے لیے عمرہ کی قضائی دینا ضروری نہیں۔
* رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو، جب اُن کے سر میں جوئیں پڑ گئی تھیں، احرام کے باوجود سر منڈانے کی اجازت دی تھی اور انھیں پابند کیا تھا کہ وہ فدیے کے طور پر ایک بکری ذبح کریں یا تین روزے رکھیں یا چھ مساکین کو کھانا کھلا دیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ﴾

''پس جو تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو اس پر فدیہ ہے، خواہ روزے رکھ لے، خواہ صدقہ دے دے، خواہ قربانی کر لے۔''[2]

* حدیبیہ میں قیام کے دوران میں بارش ہو گئی تو نبی ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے

« ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام : 453/3) ان سب کی سندیں ضعیف اور مرسل ہیں۔

[1] الممتحنة 10:60. [2] البقرة 196:2. صحیح البخاري، المحصر، باب الإطعام في الفدية نصف صاع، حدیث: 1816-1818.

اپنے خیموں میں نماز پڑھنے کی اجازت دی۔[1]

* اسلام میں ''مشورے'' کی اہمیت کے پیش نظر اس کا عملی نظارہ کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کا ساتھ دینے والے مشرکین کے بال بچوں پر حملہ کرنے کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے احرام کھولنے میں کچھ تاخیر کی تو آپ ﷺ نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہ صرف مشورہ کیا بلکہ اُن کے مشورے پر عمل بھی فرمایا۔

* صلح کی مدت سے یہ مسئلہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کفار کے ساتھ صلح کی زیادہ سے زیادہ حد 10 سال ہے کیونکہ کفار کے ساتھ مسلمانوں کا اصل تعلق جنگ کا ہے نہ کہ صلح کا۔

* مجبوری ہو تو کافروں سے اس شرط پر صلح ہو سکتی ہے کہ اگر اُن میں سے کوئی شخص مسلمان ہو اور دار الاسلام میں آئے تو اُسے واپس کر دیا جائے گا۔

* فال لینا مستحب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مذاکرات کے لیے آنے والے سہیل کے نام سے فال پکڑتے ہوئے فرمایا: ''اب تمھارا معاملہ بسہولت طے ہوگا۔''

* جو شخص بارش کی نسبت ستاروں کی طرف کرتے ہوئے کہے: «مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا» ''ہمیں فلاں ستارے کی بنا پر بارش ملی۔'' وہ کافر ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے: «مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ» ''ہمیں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بارش نصیب ہوئی۔'' رسول اللہ ﷺ نے یہ بات صبح کی نماز کے بعد رات کو ہونے والی بارش کے سلسلے میں فرمائی تھی۔[2]

* نبیِ کریم ﷺ کے آثار مبارکہ سے تبرک حاصل کیا جا سکتا ہے، مثلاً آپ کے وضو کے پانی سے وضو کرنا۔[3] لیکن اس تبرک کو صالحین امت تک عام نہ کیا جائے کیونکہ یہ

[1] سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب الجماعة في الليلة المطيرة، حديث: 936. اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الحديبية، حديث: 4147. [3] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة ......، حديث: 2732,2731.

آپ ﷺ کا خاصہ معلوم ہوتا ہے۔ [1]

* کوئی شخص نماز کے وقت سویا رہے یا نماز پڑھنی بھول جائے، جونہی یاد آئے نماز پڑھ لے، چاہے اس نماز کا وقت گزر چکا ہو۔ حدیبیہ سے واپسی پر مسلمان صبح کی نماز کے وقت سوئے رہ گئے حتی کہ اُن کے مؤذن بلال رضی اللہ عنہ بھی بیدار نہ ہو سکے۔ سورج کی تمازت سے جاگے تو جاگتے ہی نماز پڑھی گئی۔ [2]
* اس صلح کے ذریعے سے قریش نے مسلمانوں کے سیاسی وجود کو پہلی دفعہ تسلیم کر لیا اور اُن کے ساتھ برابر فریق کی حیثیت سے بات چیت کی۔
* اس صلح سے قریش کا سارا رعب داب جاتا رہا۔ یہی وجہ تھی کہ صلح کے فوراً بعد بنوخزاعہ نے قریش کی پروا نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کا حلیف بننے کا اعلان کر دیا۔
* اس صلح نے مسلمانوں کو خیبر کے یہودیوں کے ساتھ خصوصًا اور تیماء وفدک کے یہودیوں کے ساتھ عمومًا نمٹنے کا بہترین موقع فراہم کر دیا۔
* اس صلح سے مسلمانوں کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کے لیے اپنی کوششوں کا دائرہ وسیع کرنے کا موقع ملا۔

اس سلسلے میں امام زہری کا کہنا ہے: ''اسلام کو اس سے پہلے اتنی بڑی فتح نصیب نہیں ہوئی تھی۔ پہلے تو جب بھی مسلمان اور کافر آپس میں ملتے، لڑائی ہوتی تھی۔ اب جب صلح ہوگئی تو جنگ ختم ہوگئی اور لوگ ایک دوسرے سے بے خوف ہوگئے۔ آپس میں آزادانہ ملاقاتیں ہونے لگیں تو بات چیت شروع ہوتی اور بحث وتحقیق کا موقع ملتا۔ جس عقل مند شخص کو بھی اسلام کی دعوت دی جاتی اور وہ غور وفکر کرتا تو مسلمان ہو جاتا تھا۔ ان دو برسوں میں (6ھ سے 8ھ تک) اتنے لوگ مسلمان ہوگئے جتنے اس سے

[1] الاعتصام للشاطبي: 8/2. [2] السنن الکبرٰی للنسائي: 268/5، حدیث: 8854. ہیثمی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 319/1)

پہلے نہ ہوئے تھے۔''[1] مؤرخ ابن ہشام اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''امام زہری کے اس قول کی صداقت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ عمرۂ حدیبیہ کے لیے تشریف لے گئے تو جابر رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق آپ کے ساتھ چودہ سو مسلمان تھے، پھر جب دو سال بعد فتح مکہ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے ساتھ دس ہزار مسلمان تھے۔[2]

* بعض شرائط جو مسلمانوں کو بہت ناگوار محسوس ہو رہی تھیں اُن کے نتائج مسلمانوں کے حق میں بہت اچھے نکلے۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ مشرکین کے ہاں سے بھاگ کر مسلمانوں کے پاس پہنچے تو مشرکین کے مطالبے پر رسول اللہ ﷺ نے انھیں واپس کر دیا۔ راستے میں انھوں نے اپنے گرفتار کنندگان پر حملہ کر کے ایک شخص کو قتل کر دیا جبکہ دوسرا بھاگ گیا۔ ابو بصیر رضی اللہ عنہ پھر مدینہ منورہ پہنچ گئے اور عرض پرداز ہوئے: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذمہ داری ادا کر دی ہے۔ آپ نے مجھے واپس لوٹا دیا تھا، اب تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اُن سے نجات دی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اس کی ماں مرے! اگر اس کا کوئی ساتھی ہو تو یہ جنگ کے شعلے بھڑکا دے۔''

ابو بصیر کو اندازہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھے دوبارہ واپس بھیج دیں گے تو وہ ساحل سمندر پر جا بسے۔[3] مکہ میں رہنے والے دوسرے بے بس اور مجبور مسلمان مکہ مکرمہ سے بھاگ کر ابو بصیر کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے سربراہ ابو جندل رضی اللہ عنہ تھے۔ اس طرح ایک مضبوط جھپٹ تیار ہو گئی اور انھوں نے قریش کے قافلوں پر حملے شروع کر دیے۔ قریش نے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کو پیغام بھیجا اور اللہ کا واسطہ

[1] یہ ابن اسحاق کی حسن روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 447/3) [2] ابن اسحاق نے روایت کیا ہے، اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 448/3) [3] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد......، حديث: 2731، 2732.

دے کر درخواست کی کہ اُن سب کو مدینہ بلا لیں۔ ہم کسی کو واپس نہیں لیتے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں پیغام بھیج کر بلا لیا۔ [1] وہ عیص کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔ آپ کے پیغام پر وہ مدینہ آگئے اُس وقت اُن کی تعداد ساٹھ ستر کے لگ بھگ ہو چکی تھی۔ [2]

* ابوبصیر، ابوجندل رضی اللہ عنہما اور عیص میں رہنے والے اُن کے رفقاء کی زندگی عزیمت و استقامت کا بہترین نمونہ ہے کہ اس قدر سنگین حالات میں بھی وہ اپنے عقیدے پر قائم رہے اور اسلام کی مدد کے لیے پوری طرح برسر پیکار رہے اور سرکش کافروں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے۔ حق وصداقت پر جمے رہنے کے لیے یہ ایک بے مثل نمونہ ہے۔

غزوۂ ذی قرد اور ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما کی کارروائی

صلح حدیبیہ اور غزوۂ خیبر کے دوران میں بعض واقعات پیش آئے۔ جن میں سے زیادہ مشہور غزوۂ ذی قرد اور ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما کی کارروائی ہے۔ غزوۂ ذی قرد کا

[1] صحيح البخاري، الشروط، باب الشروط في الجهاد والمصالحة......، حديث: 2732,2731.

[2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ اگر ہم اسے ابن اسحاق کی اُسی روایت کا حصہ مانیں جو حُدیبیہ کے متعلق ہے تو اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 449/3) ابن اسحاق کے نزدیک اُن کی تعداد ستر کے لگ بھگ تھی۔ بیہقی نے بھی اسے اپنی سند سے روایت کیا ہے جس میں ابن بکیر ہے جو صدوق ہے لیکن غلطی کر جاتا ہے، دیکھیے: (السنن الكبرى للبيهقي: 227/9) بیشتر تائیدی روایات کی بنا پر یہ حدیث حسن ہے۔ بیہقی نے اسے دلائل النبوۃ میں زہری کی روایت سے نقل کیا ہے۔ یہ مرسل روایت ہے۔ زہری کے نزدیک عیص میں ان افراد کی تعداد تین سو ہو گئی تھی۔ زہری ہی کی روایت میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا خط ابوبصیر رضی اللہ عنہ کو پہنچا تو وہ آخری دموں پر تھے۔ خط اُن کے ہاتھ میں تھا کہ اُن کی وفات ہو گئی۔ ابوجندل رضی اللہ عنہ نے انھیں دفن کیا اور باقی لوگوں کو لیے (مدینہ) لوٹ آئے۔ عروہ کی مرسل روایت میں یہی تفصیل ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 4/172-175، ومغازي رسول الله ﷺ لعروة، ص: 176,175)

خلاصہ صحیحین وغیرہ میں یوں مذکور ہے کہ عبدالرحمٰن بن عیینہ بن حصن فزاری نے اپنی قوم غطفان کے کچھ لوگوں کو لے کر نبیِ کریم ﷺ کے اونٹوں پر حملہ کیا اور انھیں ہانک کر لے گئے۔ یہ اونٹ ذوقرد کے مقام پر چرتے تھے۔ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو اس حادثے کا پتہ چلا تو انھوں نے بلند آواز سے اعلان کر کے تمام مدینہ والوں کو متنبہ کر دیا اور خود ڈاکوؤں کے تعاقب میں بھاگے۔ جب اُن کے قریب پہنچ گئے تو انھیں تیر مارنے شروع کر دیے۔ ڈاکو گھبرا کر اونٹ چھوڑ گئے حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ اور مسلمان اُن تک پہنچے تو وہ ڈاکوؤں سے تمام اونٹ چھڑوا چکے تھے۔ جب یہ مقصد پورا ہوگیا تو مسلمان واپس آ گئے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کو اپنی اونٹنی پر پیچھے بٹھالیا اور وہ اسی شان کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ [1] یہ غزوہ جنگ خیبر سے صرف تین دن پہلے ہوا۔

ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہما کی کارروائی کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں چندلوگوں کے ساتھ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ اپنی کارروائی سے فارغ ہوکر نبیِ کریم ﷺ کے پاس خیبر میں اُس وقت پہنچے جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے۔ [2]

کسی بھی کتابِ حدیث وتاریخ میں نجد کے اُس علاقے کا ذکر نہیں کیا گیا جہاں انھیں بھیجا گیا، نہ اُن کی کارروائی کی کوئی تفصیل اور نتائج بتائے گئے ہیں۔ اُن آدمیوں کی تعداد بھی نہیں بتائی گئی جنھیں اُن کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔

غزوۂ خیبر
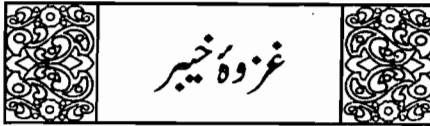
بنونضیر کی جلاوطنی کے بعد اُن کے سرداروں کے خیبر پہنچنے سے پہلے خیبر کے یہودیوں

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة ذاتِ قردٍ......، حدیث: 4194، وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب غزوة ذي قرد و غیرها، حدیث: 1806. [2] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة خیبر، حدیث: 4238.

نے مسلمانوں کے خلاف علانیہ دشمنی کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ہم گزشتہ اوراق میں بتا چکے ہیں کہ مدینہ چھوڑ کر خیبر جانے والے بنونضیر کے بڑے بڑے سردار سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق اور حُیَیّ بن اخطب تھے۔ جب یہ سردار وہاں پہنچے تو تمام خیبر والے اُن کے تابع فرمان ہو گئے۔[1]

یہ لوگ مسلمانوں کے خلاف غیظ وغضب سے بھرے ہوئے سینوں کے ساتھ پہنچے تھے۔ جب بھی مسلمانوں سے بدلہ لینے کا موقع ملتا وہ اُسے غنیمت سمجھتے۔ اُن کا خیال تھا کہ ہم قریش کی قوت اور بعض دوسرے قبائل کی مدد سے دوبارہ مدینہ پہنچ سکتے ہیں، چنانچہ انھوں نے قریش اور دوسرے قبائل کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ بالآخر وہ انھیں گھیر گھار کر غزوۂ خندق میں لے ہی گئے۔[2] انھوں نے بنوقریظہ کو بھی مسلمانوں کے خلاف بدعہدی کر کے مشرکین کے ساتھ ملنے پر آمادہ کیا۔[3] جب اللہ تعالیٰ نے تمام کافر جماعتوں کو ناکام ونامراد کر دیا تو بنوقریظہ کو مسلمانوں کے ہاتھوں بڑی عبرتناک سزا بھگتنا پڑی۔ رسول اکرم ﷺ نے عبداللہ بن عتیک اور اُن کے ساتھیوں کو اُن کے ایک سردار سلام بن ابی الحقیق کو قتل کرنے بھیجا۔ یہ بنوقریظہ کی جنگ میں سزا سے بچ کر بھاگ گیا تھا۔ بالآخر وہ مارا گیا۔

صلح حدیبیہ نے مسلمانوں کو موقع مہیا کر دیا کہ وہ اس جانب توجہ دیں جو مسلمانوں کے امن کے لیے مستقل خطرہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے وعدہ کر رکھا تھا کہ جب وہ خیبر کے یہودیوں کو شکست دیں گے تو انھیں بہت زیادہ مالِ غنیمت ملے گا۔ اس کے بارے

---

[1] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 269/3) دیگر اہلِ سیر و مغازی نے بھی اسے نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔
[2] ابن اسحاق کی یہ روایت بسند مرسل ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:299,298/3) [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:307-309/3)

میں سورۂ فتح میں واضح اشارات موجود ہیں جو حدیبیہ سے واپسی کے موقع پر نازل ہوئی:

﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ۝ وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ۝ وَأُخْرَىٰ لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ۝﴾

''یقیناً اللہ مومنین سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کررہے تھے، چنانچہ اُس نے جان لیا جو اُن کے دلوں میں تھا، اس لیے اُس نے اُن پر سکینت نازل کی اور انھیں قریبی فتح عطا کی۔ اور بہت سی غنیمتیں جنھیں وہ حاصل کریں گے اور اللہ ہمیشہ سے زبردست اور حکمت والا ہے۔ اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا تھا جنھیں تم حاصل کرو گے، پھر اس نے یہ فتح تو تمھیں فوراً ہی دے دی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دیے، اس لیے کہ یہ مومنین کے لیے نشانی بن جائے اور اللہ تمھیں سیدھا راستہ دکھائے۔ اور دوسری (فتح) جس پر تم قادر نہیں ہوئے، اللہ نے اس کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اور اللہ ہمیشہ سے ہر شے پر قادر ہے۔''[1]

[1] الفتح 48:18-21. مجاہد رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اس قول: ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ﴾ ''اُس نے یہ (فتح) تمھیں جلدی دے دی۔'' کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس فتح سے مراد فتح خیبر ہے، دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر: 322/7) ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا: ''یونس بن بکیر نے اپنی مغازی میں ابن اسحاق کے واسطے سے مسور اور مروان کی حدیث روایت کی ہے، ان دونوں کا کہنا ہے: ''رسول اللہ ﷺ حدیبیہ سے لوٹے تو مکہ اور مدینہ کے درمیان آپ پر سورت فتح نازل ہوئی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس سورت میں خیبر کی فتح عطا فرمائی اور جو اُس نے یہ فرمایا: ﴿وَعَدَكُمُ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَٰذِهِ﴾ تو اس سے مراد خیبر ہے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 41,40/16) اس غنیمت کے متعلق مفسرین کے درمیان ◄◄

غزوۂ خیبر کی تاریخ

مؤرخ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ یہ غزوہ محرم 7 ھ میں پیش آیا۔[1] واقدی کے مطابق غزوۂ حدیبیہ سے واپسی کے بعد صفر یا ربیع الاول 7 ھ میں وقوع پذیر ہوا۔[2] ابن سعد کا خیال ہے کہ یہ جمادیٰ الاولیٰ 7 ھ کی بات ہے۔[3] زہری اور مالک محرم 6 ھ بتاتے ہیں۔[4] ظاہر ہے کہ ابن اسحاق اور واقدی میں معمولی اختلاف ہے، یعنی ایک یا دو ماہ کا فرق ہے۔ امام زہری و امام مالک کا 6 ھ بتانا دراصل سن ہجری کی ابتدا میں اختلاف کی وجہ سے ہے کہ بعض مؤرخین کے نزدیک ہجرت والے سال کو ناقص ہونے کی بنا پر شمار نہیں کیا جاتا۔ اگلے محرم سے سن کی ابتدا کی جاتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے قول کو واقدی کی بات پر ترجیح دی ہے۔[5]

اسلامی لشکر پورے ایمانی جوش وخروش اور روحانی ولولے سے خیبر کی طرف بڑھا، حالانکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ خیبر کے قلعے بہت مضبوط اور محفوظ ہیں، یہودی سخت جنگجو ہیں اور اُن کی جنگی تیاری بھی بھرپور ہے۔ مسلمان نہایت بلند آواز سے اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کے پر جوش نعرے بلند کرتے جارہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مطالبہ کیا کہ اپنے آپ پر نرمی کریں اور فرمایا: ''بے شک تم سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو اور وہ تمھارے ساتھ ہے۔''[6]

مسلمانوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو خیبر اور غطفان کے درمیان سے گزرتا ہے تاکہ

◄◄ اختلاف ہے۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہوئے بتایا کہ یہ خیبر کی غنیمت ہے۔ دیگر مفسرین نے بھی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ [1] السيرة النبوية لابن هشام: 455/3. یہ معلق روایت ہے۔ [2] المغازي للواقدي: 634/2. [3] الطبقات الكبرٰى: 106/2. [4] تاريخ دمشق لابن عساكر: 33/1. [5] فتح الباري: 41/16. [6] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4202.

غطفان خیبر والوں کی مدد کو نہ پہنچ سکیں کیونکہ وہ بھی مسلمانوں کے دشمن تھے۔ [1]

صحابۂ کرام فجر طلوع ہونے سے پہلے یہودیوں کے علاقے میں پہنچ گئے۔ انھوں نے فجر کی نماز خیبر کے قریب ادا کی، پھر سورج طلوع ہوتے ہی خیبر پر حملہ کر دیا۔ یہودی بے خبر تھے اور اپنے اپنے کام پر جانے کے لیے گھروں سے نکل رہے تھے۔ وہ مسلمانوں کو اچانک اپنے علاقے میں دیکھ کر سناٹے میں آ گئے اور یہ کہتے ہوئے واپس بھاگے: ''محمد اور لشکر۔'' رسول اللہ ﷺ نے نعرۂ تکبیر لگایا اور فرمایا:

«اَللّٰهُ أَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ»

''اللہ اکبر! خیبر تباہ ہو گیا۔ جب ہم کسی قوم کے علاقے پر حملہ آور ہوتے ہیں تو اُس کا انجام برا ہوتا ہے۔'' [2]

یہودی بھاگ کر اپنے قلعوں میں چھپ گئے۔ مسلمانوں نے اُن کا محاصرہ کر لیا۔

بنوغطفان نے ارادہ کیا تھا کہ اپنے ساتھیوں (خیبر کے یہودیوں) کی مدد کریں۔ وہ چل پڑے۔ ابھی ایک ہی دن کا سفر طے کیا تھا کہ اچانک انھوں نے اپنے اہل و مال میں شور و غوغا سنا۔ وہ سمجھے کہ مسلمانوں نے خیبر کو چھوڑ کر ہمارے اہل و عیال پر حملہ کر دیا، چنانچہ وہ واپس بھاگے۔ اس طرح وہ خیبر کے یہودیوں کی مدد نہ کر سکے۔ [3] اُدھر مسلمان قلعہ پر قلعہ فتح کرتے چلے گئے۔ سب سے پہلے فتح ہونے والے قلعے النّطاۃ کے علاقے میں ''ناعم'' اور ''صعب'' تھے، پھر الشق کے علاقے میں ''ابونزار'' تھے۔ یہ دونوں علاقے خیبر کے شمال مشرق میں واقع تھے، پھر الکُتَیبۃ کے علاقے میں انتہائی مضبوط قلعہ ''قموص'' فتح

[1] یہ ابن اسحاق کی معلق رایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 458/2) [2] صحيح البخاري، الأذان، باب مايُحقن بالأذان من الدّماء، حديث: 610. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 458/3، والمغازي للواقدي: 650/2.

فتح خیبر (محرم 7ھ)
﴿ فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴾
"لہٰذا اللہ نے اس (خواب کے واقع ہونے) سے پہلے تمہارے لیے ایک قریبی فتح (فتح خیبر) مقرر فرمادی۔" (الفتح 27:48)
تل النطاۃ
تل الشق
تل الکتیبہ
رجیع
صخرہ
اُبی کا قلعہ
قموص کا قلعہ
ابوحقیق کا قلعہ
مسجد صخرہ
سُلالم کا قلعہ
خرصہ
نزار کا قلعہ
ناعم کا قلعہ
خیبر
صَعب کا قلعہ
زُبیر کا قلعہ
وطیح کا قلعہ
سَموان کا قلعہ
دُومہ
حرۃ خیبر
مرحب کا قلعہ اور اس کا محل
حرۃ الرجیع
وادی قناۃ
جبل ثمار
حرۃ الشقۃ
جبل اشمد
وادی الدومۃ
غابۃ السفلیٰ
غابۃ العلیا
مدینہ منورہ
وادی ذعا
خیبر
جُرف
ینبع النخل
وادی الفرع
عیون
آبار علی
مدینہ منورہ
ینبع البحر
الحمراء
بحیرۂ احمر
بدر
الصفراء
150
100
50
25
0

ہوگیا۔ یہ ابن ابی الحقیق کا قلعہ تھا۔ بعد ازاں مسلمانوں نے ''وطیح'' اور سُلَالِم کے قلعے فتح کر لیے۔ [1]

ان میں سے بعض قلعوں کو فتح کرنے میں زبردست مشکلات اور شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ناعم کا قلعہ فتح کرتے وقت محمود بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ ان کے سر پر مرحب نے قلعے کی بلندی سے چکی کا پاٹ پھینک دیا تھا۔ [2] اس قلعے کی فتح میں دس دن لگے۔ [3]

محاصرے کے وقت ابتدا میں مسلمانوں کے علم بردار ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ لیکن فتح حاصل نہ ہوسکی۔ جب لوگوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس سے اللہ اور اس کے رسول کو محبت ہے اور اُسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت ہے۔ وہ اس وقت تک واپس نہیں لوٹے گا جب تک فتح نصیب نہ ہوگی۔''

مسلمان بہت خوش ہوئے۔ اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے ہاتھوں فتح دلا دی۔ [4] جس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جھنڈا دینے کے لیے بلایا، اُن کی آنکھیں دُکھ رہی تھیں۔

[1] المغازي للواقدي:2/639-671. یہ بھی ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند منقطع ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام :3/461,462) [2] السیرۃ النبویۃ لابن ھشام:3/464. اس روایت میں محض اُن کی شہادت کا ذکر ہے۔ اس کی کیفیت بیان نہیں کی گئی۔ ابن اسحاق نے اس روایت کو معلق بھی بیان کیا ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 3/459) اس روایت میں چکی کے پاٹ سے انھیں قتل کرنے کا ذکر ہے مگر یہ ذکر نہیں کہ اُن پر چکی کا پاٹ پھینکا۔ واقدی کی روایت میں ہے کہ چکی کا پاٹ پھینکنے والا مرحب یہودی تھا، دیکھیے: (المغازي للواقدي:2/645) [3] المغازي للواقدي: 2/657. [4] مسند أحمد:5/353,354، والمستدرك للحاکم : 3/37. حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ اصل روایت صحیح مسلم میں ہے، دیکھیے: (صحیح مسلم، ◄◄

رسول اللہ ﷺ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب مبارک ڈالا اور انھیں دعا دی تو وہ ٹھیک ہوگئے۔ [1]

جب علی رضی اللہ عنہ چلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں نصیحت فرمائی کہ حملہ کرنے سے پہلے یہودیوں کو اسلام لانے کی دعوت دینا۔ مزید فرمایا: ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھوں کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت عطا فرمادے تو یہ تیرے لیے سرخ اونٹوں کی غنیمت سے بہت بہتر ہوگا۔'' [2]

علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! میں اُن لوگوں سے کس حد تک لڑائی کروں؟'' فرمایا: ''اُن سے لڑائی جاری رکھنا حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور محمد اللہ کا رسول ہے۔ جب وہ یہ کام کرلیں گے تو وہ اپنے جان ومال تجھ سے محفوظ کرلیں گے الا یہ کہ اُن کے ذمے کوئی حق بنتا ہو۔ باقی رہا اُن کا حساب کتاب تو وہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے۔'' [3]

اس قلعے کے محاصرے کے دوران میں قلعے کا سردار اور یہودیوں کا سُورما مرحب قلعے سے نکلا۔ اُس کے ہاتھوں عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ شہید ہوئے، پھر علی رضی اللہ عنہ نے اُس سے براہِ راست مقابلہ کیا اور بالآخر اُسے قتل کرڈالا۔ [4] مرحب کی ہلاکت سے یہودیوں کے حوصلے اور ولولے ماند پڑ گئے۔ وہ بہت بددل ہوئے اور بالآخر اسی بنا پر شکست کھا گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس جنگ میں نہایت عظیم محیر العقول کارنامے بیان کیے جاتے ہیں (جو سخت ضعیف ہیں)۔ ابن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ علی رضی اللہ عنہ قلعے کے قریب پہنچے تو قلعے والے مقابلے کے لیے باہر

◂◂ فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب ﷜، حديث 2405-2407) [1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب﷜، حديث: 2406. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب﷜، حديث 2404،2405. [3] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب﷜، حديث: 2405. [4] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة ذي قرد وغيرها، حديث: 1807.

نکلے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے لڑائی شروع کر دی۔ ایک یہودی نے تلوار کا زوردار وار کیا تو ان کی ڈھال دور جا گری۔ علی رضی اللہ عنہ نے فوراً قلعے کے پاس پڑا ہوا ایک دروازہ اٹھا لیا اور اسے بطور ڈھال استعمال کرتے رہے۔ دروازہ اُن کے ہاتھ ہی میں رہا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اس قلعے پر فتح عطا فرما دی۔ جب علی رضی اللہ عنہ جنگ سے فارغ ہوئے تب انھوں نے وہ دروازہ اپنے ہاتھ سے پھینکا۔'' [1]

راوی ابو رافع کا کہنا ہے: ''مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم آٹھ آدمیوں نے اس دروازے کو پلٹنے کے لیے پورا زور لگایا لیکن ہم مِل کر بھی اُسے پلٹ دینے میں ناکام رہے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ نے غزوۂ خیبر کے متعلق علی رضی اللہ عنہ کا دروازے والا قصہ دو متصل سندوں کے ساتھ جابر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا ہے۔ پہلی سند کے الفاظ یہ ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے وہ دروازہ اٹھائے رکھا حتی کہ مسلمانوں نے اسی دروازے پر چڑھ کر قلعہ فتح کیا۔ بعد میں چالیس آدمی مل کر بھی وہ دروازہ نہ اٹھا سکے۔ [2] دوسری سند کے الفاظ یہ ہیں کہ بعد میں ستر آدمیوں نے مل کر وہ دروازہ بڑی مشکل سے اس کی اصل جگہ پر رکھا۔ [3]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 467/3. اس روایت کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ایک راوی ہے جس کا ابن اسحاق نے نام نہیں بتایا۔ بنا بریں سند منقطع ہے۔ بیہقی نے ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نقل کرنے میں کچھ ردّ و بدل ہوا ہے کیونکہ اس روایت میں ہے کہ علی رضی اللہ عنہ نے قلعے کا دروازہ پکڑا اور اسے اپنے لیے ڈھال بنائے رکھا، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 212/4) [2] اس سند کے راوی ثقہ ہیں سوائے لیث بن ابی سُلیم کے جو بذات خود صدوق ہے لیکن اسے بہت اختلاط ہو گیا تھا، پھر اس کی روایات کو علیحدہ نہ کیا جا سکا کہ کون سی اختلاط سے پہلے کی ہیں اور کون سی بعد کی، چنانچہ اسے ترک کر دیا گیا، لہٰذا وہ ضعیف ہے۔ بیہقی کا کہنا ہے: ''فضیل بن عبدالوہاب نے مطلب بن زیاد سے روایت کرتے ہوئے اس کی متابعت (تائید) کی ہے۔'' دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 212/4) [3] امام شافعی نے لکھا: ''یہ سند ضعیف ہے۔'' دیکھیے: (السيرة للإمام الشافعي: 201/5) سخاوی نے بیہقی کی پہلی سند کے متعلق لکھا: ''لیث ضعیف ہے۔ اس سے روایت کرنے والا ◄◄

قلعہ ''ناعم'' کی فتح کے بعد مسلمان قلعہ ''صعب بن معاذ'' کی طرف متوجہ ہوئے۔ مسلمانوں کے علم بردار حُباب بن منذر نے خوب دادِ شجاعت دی حتی کہ وہ تین دن ہی میں فتح ہو گیا۔ اس قلعے میں مسلمانوں کو بڑی مقدار میں غلہ اور ساز و سامان ہاتھ لگا۔ اس دن غذائی قلت کی وجہ سے مسلمانوں کو کھانے پینے کی بڑی تنگی اور پریشانی تھی۔ اس کے بعد مسلمان قلعۂ ''زُبیر'' کی طرف چل دیے۔ ناعم، صعب اور فتح ہو جانے والے دیگر قلعوں سے بھاگنے والے یہودی اسی قلعے میں چھپ گئے تھے۔ مسلمانوں نے اس قلعے کا بھی محاصرہ کر لیا اور پانی کا رابطہ منقطع کر دیا۔ یہودی مجبور ہو گئے اور مقابلے کے لیے باہر نکل آئے۔ بالآخر تین دن کے بعد انھیں بھی شکست فاش کا مزہ چکھنا پڑا۔ اس قلعے کی فتح کے ساتھ ہی مسلمانوں کو علاقہ النّطاۃ پر مکمل غلبہ حاصل ہو گیا۔ یہی وہ علاقہ تھا جس میں یہودیوں کی اصل جنگی قوت جمع تھی۔

پھر مسلمان علاقہ ''الشق'' کے قلعوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب سے پہلے انھوں نے قلعہ ''اُبَیّ'' فتح کیا۔ اس قلعے سے بعض جنگجو یہودی بھاگ کر قلعۂ ''نزار'' میں پناہ گزین ہو گئے۔ مسلمان بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے وہیں پہنچ گئے اور ان کا محاصرہ کر لیا۔ بالآخر یہ قلعہ بھی مسلمانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ جونہی یہ قلعہ فتح ہوا، علاقہ ''الشق'' کے دوسرے قلعوں سے سارے یہودی نکل بھاگے اور سب سے مضبوط قلعوں: ''قموص، وطیح اور سلالم'' میں اکٹھے ہو گئے۔ مسلمانوں نے چودہ دن تک ان کا محاصرہ جاری رکھا۔ آخر کار

»» راوی شیعہ ہے۔ اس سے نیچے کا راوی بھی شیعہ ہے، تاہم اس نچلے راوی کی تائید ہوتی ہے جس کا ذکر بیہقی نے کیا ہے۔'' بیہقی کے دوسرے طریق کے متعلق وہ رقم طراز ہیں: ''بیہقی نے اسے ضعیف قرار دیتے ہوئے معلق بیان کیا ہے۔ میں (سخاوی) سمجھتا ہوں کہ یہ ساری سندیں بہت کمزور ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علماء نے ان کا انکار کیا ہے۔'' بنا بریں یہ روایت سخت ضعیف ہے، دیکھیے: (المقاصد الحسنة، ص: 313,312، حدیث: 418)

وہ صلح کی درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔ [1]

اس طرح خیبر شدید جنگ کے بعد فتح ہوا۔ [2] بخاری، مسلم اور ابو داود کی روایات میں صراحت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر پر حملہ کیا اور زبردست مقابلے کے بعد اُسے فتح کر لیا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فدک کے یہودیوں کے دلوں میں بھی مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ فدک خیبر کے شمال میں واقع ہے۔ اہل فدک نے رسول اللہ ﷺ کو مصالحت کا پیغام بھیجا کہ ہم آپ کو فدک کی نصف پیداوار ادا کیا کریں گے۔ آپ ﷺ نے ان کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اس طرح فدک مال غنیمت کے بجائے خالص رسول اللہ ﷺ کی ملکیت قرار پایا کیونکہ یہ بغیر کسی جنگی کارروائی کے فتح ہوا تھا اور مسلمانوں کو اس کے لیے کوئی تگ و تاز کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ [4]

خیبر کی مختلف جنگوں میں 93 یہودی قتل ہوئے۔ [5] ان کی عورتیں اور بچے قیدی بنا لیے گئے۔ ان عورتوں میں صفیہ بنت حُیَیّ بن اخطب بھی تھیں، جنھیں رسول اللہ ﷺ نے

---

[1] المغازي للواقدي:2/658-671. [2] بعض مؤرخین کا کہنا ہے: ''خیبر کا کچھ حصہ جنگ سے فتح ہوا اور کچھ حصے کو صلح کے ذریعے سے فتح کیا گیا۔'' ابن القیم اور ابن عبدالبر نے قطعی طور پر کہا ہے کہ خیبر جنگ کے بعد فتح ہوا، دیکھیے: (زاد المعاد لابن القيم:3/352-354، والدّرر، ص:214) عوض الشہری نے بھی اپنے مقالے میں اسی بات کی تائید کی ہے، دیکھیے: (مرويات غزوة خيبر، ص: 197-199)

[3] صحيح البخاري، الصلاة، باب ما يذكر في الفخذ، حديث:371، و صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة خيبر، حديث:1365، بعد الحديث :1801، وسنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في حكم أرض خيبر، حديث:3009.اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ [4] سنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في حكم أرض خيبر، حديث: 3016. منذری نے لکھا: ''یہ مرسل روایت ہے۔'' دیکھیے: (مختصر سنن أبي داود:4/239) یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:3/490؛491) [5] المغازي للواقدي:2/700. واضح رہے کہ واقدی کی اسانید ضعیف ہیں کیونکہ وہ حدیث کے معاملے میں متروک ہے۔

دحیہ رضی اللہ عنہ سے خریدا تھا کیونکہ یہ ان کے حصے میں آئی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خرید کر آزاد کیا اور ان سے نکاح کر لیا۔[1] مدینہ منورہ واپسی کے دوران راستے ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ رات گزاری۔ اس رات ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ رضا کارانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمے کے باہر پہرہ دے رہے تھے۔[2]

مسلمانوں میں سے، ابن اسحاق کے مطابق بیس آدمی[3] اور واقدی کے بقول پندرہ آدمی شہید ہوئے۔[4] شہید ہونے والوں میں بکریوں کا ایک حبشی چرواہا بھی تھا۔ وہ کسی یہودی کا نوکر تھا۔ ہوا یہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے ایک قلعے کا محاصرہ کیا ہوا تھا تو یہ شخص آپ کے پاس پہنچا۔ اس کے ساتھ وہ بکریاں بھی تھیں جنھیں وہ چرا رہا تھا۔ اس نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے اسلام سے آگاہ فرمائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلامی تعلیمات بتائیں تو وہ مسلمان ہو گیا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بکریوں کے متعلق پوچھا کہ ان کا کیا کرے؟'' آپ نے فرمایا: ''انھیں بھگا دو۔ یہ خود بخود اپنے مالکوں کے پاس پہنچ جائیں گی۔''

چرواہے نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی، بکریوں کے چہروں کی طرف پھینکی۔ وہ بھاگ کھڑی ہوئیں اور اپنے مالکوں کے پاس پہنچ گئیں، پھر وہ جہاد میں حصہ لینے کے لیے آگے بڑھا۔ اچانک اسے ایک پتھر آ لگا جس کی ضرب سے اس کی روح پرواز کر گئی اور وہ درجۂ شہادت پر فائز ہو گیا، حالانکہ اس نے ابھی تک ایک نماز بھی نہیں پڑھی تھی۔ اس کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنی چادر مبارک ڈال دی اور ایک نظر اُسے دیکھا لیکن فوراً ہی اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا۔ وجہ پوچھی گئی کہ

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة خیبر، حدیث: 4211. [2] المستدرك للحاكم: 28/4. حاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اُن کی موافقت کی ہے۔ [3] السیرة النبویة لابن هشام: 478/3. یہ روایت معلق ہے۔ [4] المغازي للواقدي: 700/2.

آپ ﷺ نے اپنا چہرہ کیوں پھیر لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَعَهُ الْآنَ زَوْجَتَيْهِ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ»

''اس وقت جنتی حوروں میں سے اس کی دو بیویاں اس کے ساتھ ہیں۔''[1]

ایک اور اعرابی بھی شہید ہوا۔ اس کا واقعہ مجاہدین کے لیے یکتا نمونہ بن گیا۔ اس کا پورا واقعہ یوں ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو گیا۔ اس نے درخواست کی کہ اُسے ہجرت کی اجازت دی جائے۔ غزوۂ خیبر ہوا، یا بقول بعض مؤرخین غزوۂ حنین ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کو غنیمت حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس اعرابی کا حصہ الگ نکال کر رکھ دیا کیونکہ تقسیم کے وقت وہ غائب تھا۔ دراصل وہ مسلمانوں کی سواری کے جانور چرا رہا تھا۔ جب وہ آیا تو لوگوں نے اُس کا حصہ اس کے سپرد کر دیا۔ وہ حصہ لے کر نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''اے محمد! یہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمھارا حصہ ہے۔'' وہ کہنے لگا: ''میں نے اس کے لیے تو آپ کی پیروی نہیں کی۔ میں تو اس لیے مسلمان ہوا تھا کہ مجھے یہاں تیر لگے (یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کیا) اور میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم سچ کہہ رہے ہو تو اللہ تعالیٰ تمھیں سچا ثابت کرے گا۔'' تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ اُسے اٹھا کر آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا۔ واقعی اُسے اسی جگہ تیر لگا تھا جہاں اس نے اشارہ کیا تھا۔

---

[1] یہ ابن اسحاق کی بلاغی روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 480,479/3) حاکم نے بھی اسے ابن اسحاق کے علاوہ ایک دوسری سند سے روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے ان کا حکم برقرار نہیں رکھا۔ ان کا کہنا ہے: ''اس روایت کی سند میں ایک راوی شرحبیل بن سعد ہے جس پر جھوٹ بولنے کا الزام ہے۔'' دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 136/2) بیہقی نے بھی اسے موسیٰ بن عقبہ اور عروہ کی مرسل سندوں سے روایت کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 220,219/4)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یہ سچ کہتا تھا تو اللہ نے بھی اسے سچا کر دکھایا۔“ پھر اللہ کے رسول ﷺ نے اُسے اپنے جبۂ مبارک میں کفن دیا اور دفن کر دیا۔ [1]

اس جنگ سے فراغت ہوئی تو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کو زہر کے ذریعے سے ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھتیجی زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کی خدمت میں بھنی ہوئی بکری پیش کی۔ اس میں زہر لگایا گیا تھا۔ بکری کے بازو کے گوشت پر زیادہ زہر لگایا گیا تھا کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ بازو کا گوشت رغبت سے تناول فرماتے ہیں۔ جب آپ ﷺ نے بازو کا گوشت منہ میں رکھا تو گوشت بول اٹھا کہ میں زہر آلود ہوں۔ آپ نے اُسے فوراً اُگل دیا۔ عورت کو بلا کر پوچھا گیا۔ اس نے اعتراف جرم کر لیا۔ آپ نے اُسے کوئی سزا نہ دی۔ [2] لیکن جب بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ زہر کے اثر سے شہید ہو گئے تو آپ نے اُسے قتل کرا دیا۔ [3] ویسے علماء کا اس میں اختلاف ہے۔

صلح کی شرائط

بالآخر فریقین میں مندرجہ ذیل شرائط پر صلح طے پا گئی:

* زمینوں اور باغات، یعنی جائیداد غیر منقولہ کے سلسلے میں طے پایا کہ وہ اس شرط پر یہودیوں کے حوالے کیے جائیں گے کہ وہ وہاں کام کریں گے اور اس کے عوض اُنھیں

[1] المصنف لعبد الرزاق: 276/5. [2] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إذا غدر المشركون بالمسلمين، هل يعفى عنهم؟ حديث: 3169، و صحيح مسلم، السلام، باب السّم، حديث: 2190. [3] المستدرك للحاكم: 220/3. ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عبدالرزاق نے اس روایت کو اپنی سند سے، جو اُبی بن کعب تک پہنچتی ہے، نقل کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 18/16) بیہقی نے بھی اسے بیان کیا ہے۔ انھوں نے اس موضوع کی تمام روایات جمع کر دی ہیں۔ اور دیکھیے: (شرح النووي على صحيح مسلم: 179/14)

آدھی پیداوار ملے گی۔ [1]

* زمین اور باغات پر اخراجات وہ اپنی گرہ سے کریں گے۔ [2]

* ان کی قانونی حیثیت یہ ہوگی کہ ان کا خیبر میں رہنا مسلمانوں کی مرضی پر موقوف ہوگا۔ جب وہ ضروری سمجھیں، انھیں نکال سکتے ہیں۔

بعد میں ایسا ہی ہوا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں خیبر سے نکال کر تیماء اور اریحاء کے علاقوں میں بھیج دیا۔ [3] ان کی دلیل یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں وصیت فرمائی تھی:

«أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ»

''مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔'' [4]

یہودیوں نے اپنے کرتوتوں میں خود بھی کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان پر عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے قتل کا قوی الزام لگا مگر وہ صاف مکر گئے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کوئی سزا نہ دی بلکہ دیت بیت المال سے ادا کر دی۔ [5] دوسری

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب معاملة النبي ﷺ أهل خيبر، حديث:4248، وصحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب المساقاة والمعاملة ......، حديث : 1551. [2] صحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب المساقاة والمعاملة ......، حديث:1551. [3] صحيح مسلم، المساقاة والمزارعة، باب المساقاة والمعاملة ......، حديث: 1551. [4] الطبقات الكبرٰى : 242/2. ابن اسحاق نے اسے زہری کی موقوف سند سے روایت کیا ہے۔ ابن اسحاق کے الفاظ ہیں: ''جزیرۂ عرب میں دو دین جمع نہ ہوں۔'' دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام : 495/3) احمد نے بھی اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 275/6) عبدالرزاق بھی اسے دوسندوں سے لائے ہیں: پہلی عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے متصل ہے۔ دوسری ابن جریج پر موقوف ہے، دیکھیے: (المصنف لعبدالرزاق : 257/6) [5] صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الكبير......، حديث:6143,6142، وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين......، باب القسامة، حديث:1669.

دفعہ انھوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر زیادتی کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پاؤں توڑ دیے۔ [1]

* یہ بھی طے پایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک نمائندہ خیبر آیا کرے گا اور فصل کا اندازہ لگا کر مسلمانوں کا حصہ وصول کیا کرے گا۔ [2]

* منقولہ جائیداد کے بارے میں طے پایا کہ سونا، چاندی، اسلحہ اور زرہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہوں گی۔ باقی سامان جو سواریوں پر لادا جا سکے ان کا ہوگا، بشرطیکہ وہ کوئی چیز چھپائیں نہ غائب کریں۔ اگر ایسا ہوا تو انھیں امان ملے گی نہ کوئی معاہدہ باقی رہے گا۔

اس کے باوجود انھوں نے حُیَیّ بن اخطب کی سونے چاندی سے بھری ہوئی مشک غائب کر لی۔ حُیَیّ غزوۂ خیبر سے پہلے قتل ہو گیا تھا۔ یہ مشک وہ مدینہ منورہ سے جلاوطن ہوتے وقت ساتھ لایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حُیَیّ کے چچا سعیہ سے اس مشک کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگا: ''! وہ تو جنگوں اور دیگر اخراجات میں ختم ہو گئی۔'' آپ نے فرمایا: ''ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا اور وہ مال تو بہت زیادہ تھا۔'' وہ نہ مانا۔ آپ نے اُسے زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا کہ اس سے حقیقت اگلواؤ۔ زبیر نے اُسے اذیت دی تو مان گیا کہ میں نے حُیَیّ کو یہاں ایک ویرانے میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے۔ ویرانہ کھودا گیا تو وہ مشک مل گئی۔ اس جرم میں ابو الحقیق کے دو بیٹے قتل کیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا، پھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کنانہ کے اس چچا زاد بھائی کو، جس نے ویرانے والے مال کا پتہ بتایا تھا، اپنے بھائی محمود بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کے قصاص میں قتل کر دیا۔ [3]

خیبر سے ملنے والی کھانے پینے کی چیزیں تقسیم نہیں کی گئیں نہ ان سے خمس لیا گیا بلکہ ہر

[1] مسند أحمد (تحقیق أحمد شاکر): 90/1، حدیث: 90. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 495/3) [2] مسند أحمد (تحقیق أحمد شاکر): 7/7.
[3] سنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في حکم أرض خیبر، حدیث: 3006.

شخص اپنی ضرورت کے مطابق لے لیتا تھا۔ [1] خیبر کی غنیمت صرف ان مسلمانوں میں تقسیم کی گئی جو حدیبیہ میں حاضر تھے جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے:

﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾

''جب تم غنیمت حاصل کرنے کے لیے (خیبر) جانے لگو گے تو (عمرۂ حدیبیہ سے) پیچھے رہنے والے لوگ کہیں گے: ہمیں بھی اپنے ساتھ جانے دو۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کا کلام (وعدہ) بدل دیں۔ (تو اے نبیٔ کریم!) کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں جاؤ گے۔ اللہ نے پہلے ہی سے یہ فرمایا ہے، پھر وہ کہیں گے: تم ہم سے حسد کرتے ہو (ایسا نہیں) بلکہ یہ لوگ (کام کی بات) بہت کم سمجھتے ہیں۔'' [2]

بیعت رضوان میں شامل ہونے والوں میں سے کوئی شخص بھی فتح خیبر سے غائب نہیں تھا، البتہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما شریک نہ ہو سکے۔ اس کے باوجود انھیں دوسرے مجاہدین کی طرح جو غزوۂ حدیبیہ میں حاضر تھے، پورا حصہ دیا گیا۔ [3]

حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے والے مسلمانوں میں سے کچھ لوگ کشتی کے ذریعے واپس آ گئے اور وہ آپ ﷺ سے فتح کے بعد خیبر میں جا ملے۔ آپ ﷺ نے انھیں بھی

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب مايصيب من الطعام في أرض الحرب، حديث: 3154، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب جواز الأكل من طعام الغنيمة في دارالحرب، حديث: 1772. [2] الفتح 15:48. اس آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیے: (تفسير الطبري: 50/26) [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 486/3) یہ بخاری کی بھی معلق روایت ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس معلق روایت کے بارے میں لکھا: ''یہ ایک حدیث کا حصہ ہے جسے ابوداود نے روایت کیا ہے۔ اس کے سیاق سے ظاہر ہوتا ہے کہ جابر کی حدیث جس کے ذریعے سے امام بخاری نے باب کا عنوان قائم کیا، اس کا ایک جز ہے۔'' دیکھیے: (سنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في حكم أرض خيبر، حديث: 3011، 3012، وفتح الباري: 219/12)

مال غنیمت سے کچھ حصہ دیا۔ یہ ترپن (53) آدمی تھے جو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں آئے تھے۔ روایات میں ہے کہ ان کے سوا آپ نے کسی ایسے شخص کو مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر میں شریک نہ ہوا تھا۔[1] رسول اللہ ﷺ ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے تھے۔ آپ نے جعفر رضی اللہ عنہ کے ماتھے پر بوسہ دیا اور انھیں اپنے جسد اطہر سے چمٹا لیا اور فرمایا: ''میں نہیں جانتا، مجھے کس چیز کی زیادہ خوشی ہے، فتح خیبر کی یا جعفر کے آنے کی۔''[2]

ممکن ہے انھیں خصوصی طور پر حصہ دینے کی وجہ یہ ہو کہ یہ لوگ عذر کی بنا پر بیعتِ رضوان میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے غنیمت کے حقدار لوگوں سے انھیں حصہ دینے کی رضا مندی حاصل کر لی ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ نے اس بات کا لحاظ رکھا کہ وہ انتہائی مخلص مسلمان تھے اور انھوں نے اپنے گھر بار سے دور رہ کر بہت مشقت برداشت کی تھی، اس لیے ان کو ''دو ہجرتوں والے'' کا لقب دیا گیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ نے غنیمتیں وصول کرنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رضا مندی سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے کچھ دوسی ساتھیوں کو بھی عطیہ کیا۔ یہ بھی فتح کے بعد خیبر آ کر

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس......، حديث:3136، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن أبي طالب، حديث:2502.
[2] سنن أبي داود، الأدب، باب في قبلة ما بين العينين، حديث:5220. یہ شعبی کی مرسل روایت ہے۔ یہ روایت دیگر سندوں سے بھی آئی ہے۔ حاکم نے اسے جابر سے روایت کر کے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے کہا: ''یہ مرسل ہے۔'' دیکھیے: (المستدرك للحاكم:211/3) طبرانی نے المعجم الکبیر میں جابر کے علاوہ دوسری سند سے روایت کیا ہے۔ الفاظ المعجم الکبیر کے ہیں، دیکھیے: (المعجم الكبير للطبراني:107/2) یہ تمام سندیں ضعف سے خالی نہیں۔ البانی نے اس حدیث کی سندیں اور شواہد بیان کیے ہیں۔ اُن کا میلان اس روایت کے حسن ہونے کی طرف ہے، دیکھیے: (فقه السيرة للغزالي، ص:367) [3] المجتمع المدني للدكتور أكرم ضياء العمري، تنظيماته، ص:174، ومرويات غزوة خيبر لعوض الشهري، ص:181.

آپ ﷺ سے ملے تھے۔ [1]

کچھ مسلمان عورتیں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خیبر میں حاضر ہوئی تھیں۔ آپ نے انھیں حصہ تو نہیں دیا، البتہ مالِ فے سے ان کے ساتھ بھی تعاون فرمایا۔ [2]

اسی طرح خیبر میں حاضر ہونے والے بعض غلاموں کو بھی کچھ نہ کچھ گھریلو سامان دیا گیا، مثلاً عمیر مولیٰ آبی اللحم کو آپ ﷺ نے کچھ سامان عطا فرمایا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے بنو عبدالدار کے کچھ لوگوں کے لیے خیبر کے مال سے وصیت بھی فرمائی۔ مؤرخ ابن اسحاق نے ان لوگوں کے نام بھی درج کیے ہیں۔ [4]

فتح خیبر کی خبر مکہ میں

کفار قریش خیبر کے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی معرکہ آرائی کی خبریں بڑی دلچسپی سے معلوم کر رہے تھے۔ وہ آنے جانے والے قافلوں سے جنگ کا نتیجہ پوچھتے رہتے تھے۔ ایک دن انھیں حجاج بن علاط سلمی کی زبانی پتہ چلا کہ مسلمانوں کو زبردست شکست ہوئی ہے اور یہودیوں نے محمد ﷺ کو قید کر لیا ہے اور یہودی عنقریب آپ ﷺ کو لے کر مکہ آئیں گے اور مکہ والوں کے سامنے آپ ﷺ کو مارے جانے والے قریشیوں کے قصاص میں قتل کریں گے۔ تو وہ بڑے خوش ہوئے۔ ان کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے

[1] المصنف لعبدالرزاق: 276/5. [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرة النبوية لابن هشام: 476/3) اسے اوزاعی نے بھی روایت کیا جس کے بارے میں البانی کا کہنا ہے: ''اس روایت کی سند صحیح مقطوع ہے۔'' دیکھیے: (صحیح سنن الترمذي: 106/2) مسلم اور دیگر کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان صحابیات کو غنیمت کے مال میں سے کچھ دیا کرتے تھے جو آپ کے ساتھ غزوے میں شریک ہوتیں۔ انھوں نے خاص غزوۂ خیبر کا ذکر نہیں کیا، دیکھیے: (صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب النساء الغازيات يرضخ لهن ولا يسهم.....، حديث: 1812) [3] سنن أبي داود، الجهاد، باب في المرأة والعبد يحذيان من الغنيمة، حديث: 2730، و صحيح سنن الترمذي للألباني: 106/2، حديث: 1616. [4] السيرة النبوية لابن هشام: 491/3. یہ معلق روایت ہے۔

تھے۔لیکن ان کی یہ خوشی نقش بر آب ثابت ہوئی۔ چند ہی دنوں بعد انھیں معلوم ہو گیا کہ معاملہ بالکل برعکس ہے اور حجاج بن علاط نے انھیں محض دھوکہ دینے کے لیے ایسی باتیں کی تھیں۔ دراصل حجاج کا مقصد یہ تھا کہ وہ مکہ مکرمہ سے اپنا سارا مال اسباب سمیٹ کر مدینہ چلے جائیں کیونکہ وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ حقیقت خاص جان کر انھیں سخت صدمہ ہوا کیونکہ نتیجہ ان کی توقعات کے سو فیصد خلاف تھا۔ وہ تو مسلمانوں کی شکست کے بارے میں شرطیں لگا رہے تھے۔ [1]

خیبر سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ کرلیا، پھر انھیں اسلام کی دعوت دی۔ آپ نے انھیں بتایا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو ان کا جان و مال محفوظ رہے گا اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے سپرد ہوگا۔ ان میں سے ایک آدمی مقابلے کے لیے نکلا۔ زبیر رضی اللہ عنہ اس کے مقابلے میں آئے اور اس کا کام تمام کر دیا، پھر ایک اور آدمی نکلا اُسے علی رضی اللہ عنہ نے ٹھکانے لگا دیا، پھر ایک اور نکلا تو ابودُجانہ رضی اللہ عنہ نے اُسے جہنم رسید کیا۔ ایک ایک کر کے ان کے گیارہ آدمی مارے گئے، پھر عام جنگ شروع ہوگئی اور شام تک مسلسل جاری رہی۔ اگلی صبح انھوں نے ہتھیار پھینک دیے۔ یوں یہ علاقہ بھی بزورِ شمشیر فتح کیا گیا۔ آپ ﷺ وہاں تین دن تک ٹھہرے اور مال غنیمت صحابہ میں تقسیم کیا۔ خیبر کی طرح زمین اور باغات یہودیوں ہی کے پاس رہنے دیے گئے کہ وہ بطور بٹائی وہاں کام کرتے رہیں۔

جب تیماء کے یہودیوں کو فدک اور وادی القریٰ کے یہودیوں کی ہزیمت کا علم ہوا تو انھوں نے بھی جزیہ دینے کی شرط پر رسول اللہ ﷺ سے مصالحت کر لی۔ ان کے مال انھی کے ہاتھوں میں رہنے دیے گئے۔ عمر رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت آیا تو انھوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو تو نکال دیا مگر تیماء اور وادی القریٰ کے یہودیوں کو نہیں نکالا کیونکہ یہ دونوں

[1] عبدالرزاق نے اسے صحیح سند سے درج کیا ہے، دیکھیے: (المصنَّف لعبد الرزاق: 5/466-469)

مقامات شام میں واقع ہیں جبکہ خیبر اور فدک حجاز میں ہیں اور رسول اللہ ﷺ کا حکم یہودیوں کو جزیرۂ عرب ہی سے نکالنے کا تھا۔ [1]

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام مِدعَم کو تیر لگا جس سے وہ شہید ہو گیا۔ اس وقت وہ رسول اللہ ﷺ کے اونٹ کا پالان اتار رہا تھا۔ ابھی مسلمان وادی القریٰ میں پہنچے ہی تھے کہ لوگ کہنے لگے: ''اسے جنت مبارک ہو!'' آپ نے فرمایا: ''ہرگز نہیں! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ چادر جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے ہی اٹھالی تھی، آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔'' جب لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسے سخت الفاظ سنے تو ایک آدمی ایک یا دو تسمے اُٹھائے آرہا تھا۔ اس نے کہا: ''میں نے یہ لے لیے تھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ایک یا دو تسمے آگ کے ہیں۔'' [2]

غزوۂ خیبر سے حاصل ہونے والے احکام و اسباق

* رسول اللہ ﷺ نے غنیمت میں خیانت سے منع فرمایا اور واضح کیا کہ جو شخص خیانت

---

[1] المغازي للواقدي: 2/709-711. یہ روایت واقدی کی اپنی سند سے ہے جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ واقدی نے اس زمانے کی انتظامی تقسیم کے لحاظ سے تیماء اور وادی القریٰ کو مقاماتِ شام میں شمار کیا ہے لیکن آج کل کی سیاسی تقسیم میں یہ دونوں شہر سعودی عرب میں واقع ہیں اور ملک شام (السوریہ) شمال میں محدود ہو گیا ہے بلکہ ماضی کے شام کا خاصا علاقہ ان دنوں اردن و فلسطین کہلاتا ہے جو شام اور سعودی عرب کے مابین واقع ہیں۔ اگر جغرافیائی تقسیم کو دیکھا جائے تو تیماء، وادی القریٰ (العلاء) اور تبوک کے شمال میں دومۃ الجندل تک کا علاقہ جزیرہ نمائے عرب (شبہ جزیرۃ العرب) میں پڑتا ہے۔ سعودی عرب اور جزیرہ نمائے عرب کی شمالی حدود کم و بیش ایک ہی ہیں۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4234، وصحيح مسلم، الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول ......، حديث: 115،114.

کرتا ہوا مر گیا وہ آگ میں جائے گا۔

اس بات کی وضاحت اس شخص سے متعلقہ روایت میں ہوتی ہے جس کے بارے میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا تھا: ''یہ شہید ہے۔'' مگر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَلَّا! إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْعَبَاءَةٍ»

''ہرگز نہیں! میں نے اسے اس چادر کی وجہ سے جو اس نے مالِ غنیمت سے چرائی تھی، آگ میں دیکھا ہے۔'' [1]

عقائد کے موضوع سے تعلق رکھنے والے اہل علم نے مِدْعَم اور چادر کے بارے میں مزید تفصیل بھی لکھی ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ [2]
* رسول اللہ ﷺ نے خچر کا گوشت کھانے کی بھی ممانعت فرمائی۔ [3]
* آپ ﷺ نے ہر شکاری درندے اور پرندے کا گوشت کھانے سے بھی منع فرمایا۔ [4]
* آپ نے ان قیدی عورتوں کے ساتھ جماع کرنے سے منع فرمایا جو حاملہ ہوں جب تک کہ وہ بچے کو جنم نہ دیں۔ [5]

---

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب غلظ تحريم الغلول......، حديث: 115,114. [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسيّة، حديث: 5529-5523، وصحيح مسلم، النكاح، باب نكاح المتعة، حديث: 1407. [3] مسند أحمد: 465/3. اس حدیث کی سند کے راوی ثقہ ہیں، البتہ اس میں ابو زبیر کا عنعنہ ہے۔ ابو زبیر مدلس ہے۔ لیکن ترمذی کی روایت اس کی تائید کرتی ہے، دیکھیے: (جامع الترمذي، الصيد، باب ماجاء في كراهية كل ذي ناب و ذي مخلب، حديث: 1478) [4] صحيح مسلم، الصيدوالذبائح......، باب تحريم أكل كلّ ذي ناب من السباع وكل ذي مخلب من الطير، حديث: 1932-1934. مسلم کی روایت میں کسی خاص جگہ کی تعیین نہیں ہے۔ یہ روایت ابن ماجہ اور ابو داود کی روایت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ یوں یہ حدیث بھی حسن ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الأطعمة، باب ماجاء في أكل السباع، حديث: 3802-3806) المنتقى لابن الجارود، كتاب النكاح، ص: 244.

* بکثرت گندگی کھانے والے جانوروں پر سواری، ان کا گوشت کھانا اور دودھ پینا سب حرام ہے۔ [1]
* تقسیم ہونے سے پہلے غنیمت کے مال سے لوٹ مار حرام ہے۔ [2]
* اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیِ کریم ﷺ کی نبوت کے اثبات اور عبرتِ عام کے لیے بعض معجزات ظاہر فرمائے، مثلاً علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لعاب مبارک لگانے کا واقعہ اور بکری کے زہر آلود گوشت کا آپ کو بتا دینا کہ میں زہر آلود ہوں۔ اسی طرح صحیح روایت ہے کہ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے گھٹنے پر تلوار کی ضرب لگی۔ آپ نے اس جگہ تین دفعہ اپنا لعاب مبارک لگایا۔ اس کے بعد اس جگہ کبھی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ [3]
* حبشہ سے آنے والے مہاجرین کو کچھ حصہ دینے کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ اگر کوئی اضافی لشکر مدد کے لیے آئے اور وہ جنگ کے بعد پہنچے تو انھیں مال غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا، البتہ لڑائی کرنے والے لشکر کی رضا مندی اور اجازت سے کچھ دیا جا سکتا ہے۔ [4]
* باغ اور کھیت بٹائی پر دینا جائز ہے، یعنی محنت کرنے والے کو اُسی باغ یا کھیت کی پیداوار سے معین حصہ دینا طے کر لیا جائے۔ یہ مشارکت اور مضاربت کی ایک صورت ہے جو شخص مضاربت کو تو جائز سمجھتا ہے مگر مزارعت، یعنی بٹائی پر زمین یا باغ دینے کو جائز نہیں سمجھتا، وہ گویا ایک جیسی دو چیزوں میں فرق کر رہا ہے اس کا یہ عمل ٹھیک نہیں۔ [5]
* بٹائی کی صورت میں ضروری نہیں کہ بیج یا دوسرے اخراجات مالک زمین کی طرف سے

---

[1] سنن أبي داود، الأطعمة، باب النهي عن أكل الجلالة وألبانها، حديث:3785-3787. دیگر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ سید سابق نے لکھا: ''اگر گندگی کھانے والے جانور کو ایک عرصہ گندگی سے دور رکھا اور پاکیزہ چارا ڈالا جائے تو گوشت صاف ستھرا اور بدبو سے پاک ہو جائے تب وہ حلال ہے کیونکہ نہی کا سبب گوشت کی بو کا بدل جانا ہے اور یہ سبب زائل ہو چکا۔'' دیکھیے: (فقه السنة: 285/3)
[2] مسند أحمد:348/4. اسے دیگر نے بھی روایت کیا ہے۔ [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث:4206. [4] زاد المعاد:342/3، وفتح الباري:82/16. [5] زاد المعاد:345/3.

ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں کو صرف زمین سپرد کی تھی۔ باقی ہر قسم کے اخراجات انھی کے ذمے تھے۔

* درخت پر لگے پھل یا کھیت میں کھڑی فصل کے غلے کا اندازہ لگانا اور پھر اس میں سے اندازے کے مطابق حصہ وصول کرنا جائز ہے۔ تقسیم اور بیع میں فرق ہے۔ ضروری نہیں کہ اندازہ لگانے یا تقسیم کرنے والے ایک سے زیادہ ہوں۔ ایک فرد بھی کافی ہے۔

* دشمن کے ساتھ جائز مصالحت درست ہے، البتہ امیر المومنین جب چاہے اُسے کالعدم کر سکتا ہے۔ دشمن کے ساتھ صلح کو کسی شرط سے مشروط کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودیوں سے معاہدہ کرتے وقت یہ شرط عائد کی تھی کہ نہ وہ کوئی چیز غائب کریں گے، نہ چھپائیں گے۔ خزانے سے بھری ہوئی مشک کا واقعہ اس کی واضح دلیل ہے۔

* احکام میں قرائن اور علامات بھی معتبر ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے کنانہ سے فرمایا تھا: ''وہ مال بہت زیادہ تھا، ابھی وقت اتنا نہیں گزرا۔'' آپ ﷺ نے یہ فرما کر اس کے اس جھوٹ کو ثابت کرنا چاہا کہ وہ مال تو جنگوں اور دیگر اخراجات میں ختم ہو گیا۔

* اگر درپیش حالات کا تقاضا ہو تو ذمیوں کو دارالاسلام سے نکالا جا سکتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا تھا۔

* خیبر کے یہودیوں سے جزیہ نہ لینے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ذمی نہیں تھے بلکہ اس وقت تک جزیہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

* اگر ذمیوں کی طرف سے عہد کی خلاف ورزی کی بنا پر معاہدہ ٹوٹ جائے تو اس کا اثر عورتوں اور بچوں پر بھی پڑے گا۔ ایسی صورت میں اگر چند افراد نقضِ عہد میں جبراً شریک نہ ہوں مگر اپنی قوم ہی کا ساتھ دیں تو انھیں بھی خلاف ورزی کرنے والا سمجھا جائے گا، بالخصوص جبکہ خلاف ورزی کرنے والے معزز اور سردار لوگ ہوں جیسا کہ کنانہ اور ابی الحقیق کے دو بیٹوں کے واقعے سے ظاہر ہے، البتہ جب خلاف ورزی

کرنے والا کوئی عام فرد ہو اور باقی افراد اس کا ساتھ نہ دیں تو اس خلاف ورزی کا اثر اس کے بیوی بچوں پر بھی نہیں پڑے گا۔

* آدمی کو حق ہے کہ اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اور اُسے بیوی بنا لے اور اس کی آزادی ہی کو اس کا حق مہر قرار دے۔ ایسے نکاح میں لونڈی کی رضا مندی، اس کے اولیاء کی اجازت اور گواہوں کی ضرورت نہیں بلکہ لفظ نکاح اور ایجاب وقبول بھی ضروری نہیں۔ مزید برآں سفر کے دوران میں رخصتی اور بیوی کے ساتھ شب بسری بھی جائز ہے۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ اور صفیہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے صاف ظاہر ہے۔
* اپنے آپ پر یا کسی دوسرے پر جھوٹ بولنا جنگ میں اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس دوسرے شخص کو اس جھوٹ سے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو۔ بشرطیکہ اس کا مقصد اپنا حق حاصل کرنا ہو۔
* اگر کوئی شخص کسی کو زہر دے کر مار دے تو اسے قصاص میں قتل کیا جا سکتا ہے۔
* اہل کتاب کا ذبح کیا ہوا جانور اور پکا ہوا کھانا جائز اور تحفہ بھی قبول کیا جا سکتا ہے۔
* جو علاقہ بزور شمشیر فتح کیا جائے اس کے بارے میں امیر المومنین کو اختیار ہے، چاہے مجاہدین میں تقسیم کر دے، چاہے سرکاری ملکیت میں رہنے دے اور چاہے تو کچھ زمین تقسیم کر دے اور باقی سرکاری ملکیت میں رکھے۔
* حرمت والے مہینے میں کافروں کو قتل کیا جا سکتا ہے اور جن کفار و مشرکین کو دعوت اسلام دی جا چکی ہو انھیں بغیر تنبیہ و اطلاع حملے کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔
* مال غنیمت غانمین میں برابر برابر تقسیم کیا جائے گا۔
* از قبیل غنیمت کھانے پینے کی چیزیں تقسیم سے پہلے بھی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت انفرادی طور پر استعمال کی جا سکتی ہیں، تاہم انھیں ذخیرہ نہیں کیا جا سکتا نہ کسی دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے۔

باب

2

مکتوباتِ گرامی اور جنگ موتہ تک کے واقعات

- بادشاہوں، گورنروں اور سرداروں کے نام نبی ﷺ کے خطوط
- عمرۂ قضا سے پہلے کی جنگی کارروائیاں
- عمرۂ قضا
- جنگ موتہ سے پہلے کے اہم واقعات
- جنگ موتہ

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ ﴾

''اے اہل کتاب! آجاؤ اس بات کی طرف جو ہمارے تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو: گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔''

[آل عمرٰن 3:64]

أَقْسَمْتُ يَانَفْسُ! لَتَنْزِلِنَّهْ لَتَنْزِلِنَّ أَوْ لَتُكْرَهِنَّهْ
إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّةْ مَا لِي أَرَاكِ تَكْرَهِينَ الْجَنَّةْ
قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّةْ هَلْ أَنْتِ! إِلَّا نُطْفَةٌ فِي شَنَّةْ

''اے جان! میں قسم اٹھاتا ہوں کہ تو پسند کرے یا نہ کرے تجھے موت کے گھاٹ اترنا ہی ہوگا۔ اگر کافروں نے لشکر جمع کیے ہیں اور وہ چلا رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ تو جنت کو ناپسند کرنے لگی ہے؟ تو عرصۂ دراز سے جذبۂ شہادت سے سرشار اور مطمئن تھی۔ تیری کیفیت تو وہ ہے جو مشکیزے میں پانی کے ایک قطرے کی ہوتی ہے۔''

[السيرة النبوية لابن هشام : 32,31/4]

بادشاہوں، گورنروں اور سرداروں کے نام نبی ﷺ کے خطوط

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو نسبتاً اطمینان سے اسلام کی دعوت و تبلیغ کی توسیع اور اسے فروغ کا موقع ملا۔ یہ دعوت ابدی اور آفاقی تھی، مقامی نہیں تھی، یعنی محض جزیرہ نمائے عرب تک ہی محدود نہ تھی بلکہ جزیرہ نمائے عرب سے باہر بھی دعوت اسلام کی اتنی ہی اشد ضرورت تھی۔ اس لیے کہ اسلام عالمگیر پیغام ہے اور کسی زمان و مکان کا پابند نہیں جیسا کہ بعض آیات قرآنی میں پوری وضاحت سے بتا دیا گیا ہے، مثلاً:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے ہی بھیجا ہے۔''[1]

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بلاشبہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[2]

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحمت کرنے کے لیے ہی بھیجا ہے۔''[3]

اس لیے یہ ناگزیر تھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے دور کے تمام عالمی رہنماؤں کو خطوط لکھ کر اسلام کی دعوت دیں۔ اس سلسلے میں خطوط ارسال کرنے کی تاریخوں کے بارے میں

[1] سبا 28:34. [2] الأعراف 158:7. [3] الأنبيآء 107:21.

روایات مختلف ہیں۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ذوالحجہ 6 ھ میں حدیبیہ سے واپس تشریف لائے تو آپ نے تمام بادشاہوں کو خطوط لکھے جن میں انھیں اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ یہ خطوط لے کر چھ مختلف صحابہ ایک ہی دن مختلف علاقوں کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ محرم 7 ھ کی بات ہے۔[1] طبری کے مطابق ان چھ صحابہ کو ذوالحجہ میں بھیجا گیا تھا۔[2] یہ واقدی کی روایت ہے۔ ابن سعد کے ہاں واقدی ہی کی روایت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حدیبیہ سے واپسی ذوالحجہ میں ہوئی تھی لیکن ان چھ حضرات کو محرم 7 ھ میں بھیجا گیا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نقل کرتے وقت امام طبری سے کوئی بھول چوک ہوگئی۔ ابن اسحاق خطوط بھیجنے کی کوئی معین تاریخ بیان نہیں کرتے بلکہ انھوں نے خطوط کا زمانہ صلح حدیبیہ اور آپ ﷺ کی وفات کے درمیان کا بتایا ہے۔ وہ ایک روایت میں کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ اور اپنی وفات کے درمیان صحابہ میں سے کچھ آدمیوں کو اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لیے عرب و عجم کے بادشاہوں کی طرف خطوط دے کر بھیجا۔[3] ابن ہشام نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ ﷺ نے عمرۂ حدیبیہ کے بعد جبکہ آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا گیا تھا، قاصد روانہ کیے تھے۔[4] ابن سعد نے کسریٰ کے نام خط کا وقت کسریٰ کے قتل سے پہلے کا بتایا ہے اور کسریٰ کا قتل 10 جمادی الاولیٰ 7 ھ منگل کی رات ہوا۔[5]

[1] الطبقات الکبریٰ: 258/1. یہ روایات ابن سعد کے استاذ واقدی کی سندوں سے ہیں۔ [2] تاریخ الطبري: 644/2. [3] ابن اسحاق کا قول طبری نے بیان کیا ہے۔ اس کی سند ضعیف ہے، دیکھیے: (تاریخ الطبري: 645/2) [4] السيرة النبوية لابن هشام: 338/3. یہ بات اُس روایت کے ضمن میں ہے جسے ابن ہشام نے بلاغی طور پر روایت کیا ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ اسے ابن عساکر نے اور دیلمی نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، دیکھیے: (کنزالعمال: 635,634/10) ہیثمی نے کہا ہے کہ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔ اس روایت کی سند میں محمد بن اسماعیل بن عیاش ہے جو ضعیف ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 306,305/5) [5] الطبقات الکبریٰ: 260/1.

امام بخاری رحمہ اللہ نے کسریٰ کے خط کا تذکرہ 9 ھ میں غزوۂ تبوک کے بعد کیا ہے۔ [1]
لیکن یہ بات واضح ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مضامین میں زمانی ترتیب کی پابندی نہیں کی بلکہ وہ اپنی شرط پر پورے اترنے والے واقعات جمع کرتے ہیں، چاہے ان کا زمانۂ وقوع آگے پیچھے ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی بتایا ہے کہ ممکن ہے صحیح بخاری کے کسی راوی نے تراجم کی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کر دی ہو، مثلاً صحیح بخاری میں حجۃ الوداع کو غزوۂ تبوک سے پہلے بیان کیا گیا ہے، حالانکہ حجۃ الوداع بالاتفاق سب سے آخر میں ہے۔ [2]
ان خطوط کے مفصل جائزے سے ابن اسحاق کا قول زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ [3]

نجاشی کے نام مکتوب نبوی

پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کے بادشاہ اصحمہ نجاشی کو خط لکھا تھا جو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا۔ [4]
دیگر روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس نجاشی کو خط لکھا یہ اُس نجاشی کے علاوہ تھا جو اسلام لایا اور نبی ﷺ نے جس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔ اس خط میں یہ الفاظ تھے:

«تَعَالَ إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ أَنْ لَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ، وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ»

”آؤ اس کلمے کی طرف جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے کہ ہم اللہ کے

[1] فتح الباري:257/16. [2] فتح الباري:16/204,205و237. [3] دبلو ماسية محمدﷺ، ص:60,59. [4] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب كتب النبيﷺ إلى ملوك الكفار يدعوهم إلى الإسلام، حديث:1774.

سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں۔
اگر وہ اعراض کریں تو (اے مسلمانو!) تم کہہ دو: گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو (یہ بات) تسلیم کرنے والے ہیں۔''

یہ خط پڑھ کر وہ خود بھی ایمان لے آیا اور اس کے درباری بھی مسلمان ہو گئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک پہناوہ بطور تحفہ بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک اہل حبشہ تم سے کوئی تعرض نہ کریں تم خواہ مخواہ ان سے لڑائی مول نہ لینا۔''[1]

نجاشی کے پاس آپ کا نامۂ مبارک لے جانے والے صحابی عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ تھے۔[2] علامہ زیلعی اور دوسرے محدثین نے واقدی کے حوالے سے بتایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے جو تحریر دے کر عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا، وہ یہ تھی:[3]

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ مَلِكِ الْحَبَشَةِ، أَسْلِمْ أَنْتَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ، الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ، السَّلَامُ، الْمُؤْمِنُ، الْمُهَيْمِنُ، وَأَشْهَدُ أَنَّ

[1] سنن أبي داود، الملاحم، باب ذكر الحبشة، حديث:4309. ابوداود کے الفاظ ہیں: ''حبشیوں سے تعرض نہ کرو جب تک وہ تم سے تعرض نہیں کرتے۔'' یہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے۔ احمد نے بھی مسند میں اسے انھی الفاظ سے روایت کیا ہے۔ یہ ابو امامہ بن سہل بن حُنَیف کی روایت ہے جو انھوں نے ایک صحابی سے کی ہے۔ ابوداود نے ہی دوسری جگہ اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الملاحم، باب في النهي عن تهييج الترك والحبشة، حديث:4302، وسنن النسائي، الجهاد، باب غزوة الترك و الحبشة، حديث:3178) یہ ابوسکینہ کی روایت ہے جو انھوں نے ایک صحابی سے نقل کی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''حبشیوں اور ترکوں سے تعرض نہ کرو جب تک وہ تم سے تعرض نہیں کرتے۔'' یہ حدیث حسن ہے، مزید دیکھیے: (جامع الأصول لابن الأثير: 223/9، 296/11) [2] أسد الغابة: 194,193/4. ابن ہشام کی یہ بلاغی روایت ہے اور ابن سعد نے اسے واقدی سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 338/4، والطبقات الكبرٰى: 258/2) [3] نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية: 421/4، وإعلام السائلين لابن طولون، ص: 51,50.

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ، أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ الْبُتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ، فَحَمِلَتْ بِهٖ، فَخَلَقَهُ مِنْ رُّوحِهٖ، وَنَفَخَهُ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهٖ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَالْمُوَالَاةُ عَلٰى طَاعَتِهٖ، وَأَنْ تَتَّبِعَنِي وَتُؤْمِنَ بِالَّذِي جَاءَ نِي فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ، فَاقْبَلُوا نَصِيحَتِي، وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى»

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کی طرف۔ مسلمان ہو جاؤ۔ میں تمھاری طرف اللہ تعالیٰ کی تعریف پیش کرتا ہوں جس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں جو شہنشاہ مطلق، صاحب تقدیس، سلامتی کا مالک، امن دینے والا اور سب کا نگران و محافظ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ تعالیٰ کی (ارسال کردہ) روح اور اس کا کلمہ تھے جو اللہ تعالیٰ نے پاکباز اور عفت مآب کنواری مریم کی طرف بھیجا تھا۔ وہ اُسی کے ذریعے سے حاملہ ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی روح پھونک کر انھیں پیدا فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنے بابرکت ہاتھ سے پیدا فرمایا تھا۔ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی اطاعت کی بنیاد پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں۔ اور اس بنیاد پر کہ تم میری پیروی کرو اور اس وحی پر ایمان لاؤ جو مجھ پر نازل ہوئی کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں تمھیں اور تمھاری فوجوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور خیر خواہی کر دی۔ میری نصیحت قبول کرو۔ اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔“

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس سے زیادہ تفصیلی روایت ابن اسحاق کے واسطے سے معلق (بلا سند)

بیان کی ہے جس میں یہ زائد الفاظ ہیں: ''......نجاشی اصحم کی طرف......'' یہ الفاظ بھی ہیں: ''میں نے تمھاری طرف اس سے پہلے اپنے چچازاد جعفر کو اور ان کے ہمراہ چند مسلمانوں کو بھیجا ہے......''[1]

یہ روایت محل نظر ہے۔ ایک دفعہ پھر وہ بحث دیکھ لیجیے جو ہم نے نجاشی رضی اللہ عنہ کے اسلام سے متعلقہ روایت میں لکھی ہے۔

امام ابوموسیٰ مدینی نے ابن مندہ کی صحابہ پر لکھی ہوئی کتاب کے تتمہ میں معلق سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ نجاشی نے مکتوب نبوی کے جواب میں ایک خط لکھ کر اپنے بیٹے ارہا بن اصحم کے ہاتھ بھیجا تھا۔ ابوموسیٰ نے اس خط کی پوری عبارت بھی نقل کی ہے جس میں اُس کے اقرارِ اسلام کا ذکر ہے اور یہ پیشکش بھی کہ اگر آپ پسند فرمائیں تو میں آپ کے پاس مدینہ منورہ آجاتا ہوں۔ نجاشی کے بیٹے کے ہمراہ ساٹھ اور حبشی بھی تھے مگر ان کی کشتی سمندر میں ڈوب گئی اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔[2] اور یہ تو صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جب جبریل علیہ السلام نے آپ کو نجاشی کی وفات کی اطلاع دی تو آپ نے اس کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھائی تھی اور یہ 9 ھ کی بات ہے۔

مکتوب نبوی بنام کسریٰ

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جو ابنِ عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچتی ہے، بیان کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کے نام اپنا مکتوب عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔[3]

[1] دلائل النبوة للبیهقي:2/309،310. [2] یہ ابن طولون کا قول ہے۔ ان کے ہاں اس خط کی عبارت بھی نقل کی گئی ہے، دیکھیے: (إعلام السائلین لابن طولون، ص:50) خط کی یہ عبارت زیلعی نے بھی نقل کی ہے،دیکھیے: (نصب الرایة:4/421) طبری نے اسے معلق بیان کیا ہے، دیکھیے: (تاریخ الطبري: 2/653) ابن سید الناس نے بھی اسے بیان کیا ہے،دیکھیے:(عیون الأثر:2/264،265) [3] صحیح البخاري، المغازي، باب کتاب النبي ﷺ إلٰی کسریٰ وقیصر، حدیث:4424.

آپ نے انھیں حکم دیا کہ وہ یہ خط بحرین کے گورنر کو پہنچا دیں۔[1] بحرین کے گورنر نے وہ خط کسریٰ کو بھیج دیا۔ جب کسریٰ نے خط پڑھا تو اُسے پھاڑ دیا۔ راویِ حدیث زہری کا کہنا ہے: ''میرا خیال ہے کہ ابن میسب نے کہا:'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ایرانیوں کے لیے بددعا کی کہ وہ بھی پوری طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جائیں۔'' پھر کسریٰ نے اپنے یمن کے گورنر باذان کو لکھا کہ دو مضبوط فوجی اس حجازی نبی کے پاس بھیجو جو میرے پاس اس کے متعلق پوری تفصیلات لائیں۔ باذان نے اپنے نائب اور ایک دوسرے شخص کو رسولِ اکرم ﷺ کی طرف بھیجا۔ (61) ساتھ ایک خط بھی لکھا۔ وہ دونوں مدینہ منورہ آئے اور باذان کا خط آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے کندھے کانپ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: '' آج تم واپس جاؤ اور کل میرے پاس آنا۔ میں تمھیں جو چاہوں گا بتاؤں گا۔''

اگلی صبح آئے تو آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا:''اپنے گورنر سے جا کر کہہ دو کہ آج رات میرے رب نے تمھارے رب (بادشاہ) کو قتل کر دیا ہے۔''

یہ 7 ہجری 10 جمادی الاولیٰ، منگل کی رات تھی۔ رات کے سات گھنٹے گزرنے پر کسریٰ کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ وہ دونوں یہ خبر لے کر باذان کے پاس واپس پہنچے تو اس کے پاس یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ باذان اور دوسرے اَبناء (62) جو یمن میں رہ رہے تھے،

(61) ایک تحقیق: اس نائب کا نام بابویہ تھا اور یہ اُس کا منشی و محاسب تھا اور دوسرے شخص کا نام خُرخُسرَہ تھا، دیکھیے: (تاریخ الطبري: 655/2)

(62) اَبناء: یہ ایک اصطلاح ہے جس کا اطلاق اُن ایرانیوں پر ہوتا تھا جو اُن دنوں یمن پر حکومت کرتے تھے۔

[1] زرقانی اور ابن حجر کے مطابق یہ منذر بن ساویٰ ہے، دیکھیے: (شرح المواهب اللدنية: 341/3، وفتح الباري: 257/16)

وہ مسلمان ہو گئے۔[1] بتایا جاتا ہے کہ اس کسریٰ کا نام پرویز بن ہرمز تھا۔[2] مؤرخ بٹلر کا اصرار ہے کہ کسریٰ پرویز کی موت مارچ 628ء میں ہوئی۔[3] اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نامۂ مبارک کسریٰ کو اس کی موت سے کئی مہینے پہلے پہنچ چکا تھا۔ اس سے واقدی کی روایت کی تائید ہوتی ہے۔ علامہ طبری نے کسریٰ کو لکھے گئے مکتوب نبوی کی عبارت بھی درج کی ہے۔[4] اور ابن طولون وغیرہ نے اس کی موافقت کی ہے۔[5] مکتوب نبوی کی عبارت یوں ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى كِسْرٰى عَظِيمِ فَارِسَ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَآمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَشَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ، وَأَدْعُوكَ بِدُعَاءِ اللّٰهِ، فَإِنِّي أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً لِّأُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ، فَأَسْلِمْ تَسْلَمْ فَإِنْ أَبَيْتَ، فَإِنَّ إِثْمَ الْمَجُوسِ عَلَيْكَ»

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ تعالیٰ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے فارس کے

[1] الطبقات الکبریٰ:260/1. یہ روایت اُن کے استاذ واقدی کے حوالے سے ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے اپنے استاذ یزید بن ابی حبیب مصری سے روایت کیا ہے۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اس میں کچھ اضافے بھی ہیں۔ مثال کے طور پر باذان کے نمائندوں کے نام، اُن کے اوصاف اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اُن کا مکالمہ۔ شیرویہ کے اپنے باپ کسریٰ کو قتل کرنے کی تاریخ، طبری کے مطابق واقدی نے بتائی ہے۔ [2] الزرقاني:341/3. [3] فتح مصر، ص:138-153. [4] تاریخ الطبري: 255,254/2. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند مرسل ہے۔ ابو عُبید نے بھی اسے مرسل سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے:(الأموال، ص: 253) یوں یہ حدیث حسن ہے جیسے کہ البانی نے فقه السيرة کے حاشیے میں بیان کیا ہے۔ [5] إعلام السائلین عن کتب سید المرسلین، ص: 62,61.

بادشاہ کسریٰ کی طرف۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور یہ گواہی دے کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں تاکہ میں ہر اس شخص کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں جو زندہ ہے اور کافروں پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے، اس لیے اسلام لے آؤ، محفوظ رہو گے۔ اگر انکار کرو گے تو تمام مجوسیوں (کے ایمان نہ لانے) کا گناہ بھی تمھاری گردن پر ہوگا۔''

مکتوب نبوی بنام قیصر

صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیصر کے نام خط لکھوا کر دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔[1] آپ ﷺ نے اسے بھی اسلام کی دعوت دی۔ یہ خط صلح حدیبیہ کی مدت کے دوران میں لکھا گیا۔ اس نامۂ مبارک کی عبارت محدثین کی معتبر شرائط کے مطابق ثابت ہے۔ یہی بات دیگر مکاتیب کے مقابلے میں اس خط کا امتیاز ہے۔ اس مکتوب گرامی کی عبارت یہ ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ وَأَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ

[1] صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی طویل روایت ہے جس میں انھوں نے نبی کریم ﷺ کے اوصاف بھی بیان کیے ہیں، دیکھیے: (صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب دعاء النبي ﷺ إلى الإسلام، حديث:2941، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب: كتب النبي ﷺ إلى هرقل ملك الشام يدعوه إلى الإسلام، حديث:1773، و تاريخ الطبري:2/651,650)

مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ إِثْمُ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○﴾

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور رسول محمد کی طرف سے، روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب۔ سلام ہو اُس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد: میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، محفوظ رہو گے۔ مسلمان ہوجاؤ، اللہ تعالیٰ تمھیں دگنا اجر عطا فرمائے گا۔ اگر تم نے اعراض کیا تو أَرِیسیین (63) (کے اسلام نہ لانے) کا گناہ بھی تمھارے سر ہوگا۔ اور "اے اہل کتاب! آجاؤ اس بات کی طرف جو ہمارے تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔ اگر وہ اعراض کریں تو تم کہہ دو: گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔"[1]

ممکن ہے کہ بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے قیصر کی طرف بھیجے گئے خط کی عبارت اس لیے درج کی ہو کہ وہ بتانا چاہتے ہیں کہ وہ روایات راجح اور صحیح ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ یہ آیت اس خط کے بھیجنے سے قبل اتر چکی تھی اور وہ روایات ضعیف اور غیر معتبر ہیں جن میں اس آیت کا نزول 9 ھ میں بتایا گیا ہے۔[2]

قیصر نے نبیِ کریم ﷺ کا نامۂ مبارک پڑھا تو اس نے اپنے (شہر یا ملک میں)

(63) أَرِیسیین: اس کے متعلق محدثین کے کئی اقوال ہیں۔ سب سے صحیح اور معروف قول یہ ہے کہ اس سے مراد "کسان" ہیں، دیکھیے: (فتح الباري: 81,80/17)

[1] آل عمران 64:3. [2] المجتمع المدني للدكتور أكرم ضياء العمري، تنظيماته، ص:153,152، و دبلوماسية محمد ﷺ للدكتور عون الشريف قاسم، ص:62,61.

کارندے بھیجے تاکہ وہ کسی ایسے شخص کو تلاش کر کے لائیں جو اس نبی کے ساتھ کوئی تعلق رکھتا ہو۔ زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ وہ اُس کے خاندان اور قبیلے سے ہو۔ اُسے پتہ چلا کہ یہاں عرب تاجروں کی ایک جماعت آئی ہوئی ہے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھے۔ اس نے ان سب کو بلا لیا اور ترجمان کے ذریعے سے پوچھا: ''تم میں سے کون اس شخصیت کا قریبی رشتہ دار ہے جس نے دعوائے نبوت کیا ہے؟ ابوسفیان کہنے لگے: ''میں ہوں۔'' اس نے ان کو اپنے قریب بلا لیا اور دوسرے تاجروں کو ان کے پیچھے کھڑا کر دیا تاکہ اگر ابوسفیان جھوٹ بولے تو ان کو اُسے جھٹلانے میں کوئی شرمندگی محسوس نہ ہو۔ اس کے بعد وہ ابوسفیان سے آپ ﷺ کے بارے میں تفصیلی سوالات کرنے لگا جن کا ذکر اُس طویل اور مشہور روایت میں موجود ہے جو ''حدیث ہرقل و ابوسفیان'' کے نام سے مشہور ہے اور صحیحین میں مروی ہے۔ اس نے ابوسفیان کے جوابات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ محمد ﷺ سچے نبی ہیں۔ اس نے ابوسفیان سے اپنی بات چیت کا خاتمہ ان الفاظ میں کیا: ''جو جوابات تو نے دیے ہیں اگر وہ سچے ہیں تو جہاں میرے قدم اب ہیں یہاں اُسی کی حکومت ہو گی۔ مجھے یہ تو یقین تھا کہ آخری نبی آنے والا ہے مگر یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہو کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا تو میں ضرور طویل اور پر مشقت سفر کر کے ان تک پہنچتا اور ان کے دیدار سے فیض یاب ہوتا۔ اگر میں ان کے پاس ہوتا تو میں ان کے پاؤں دھوتا۔'' پھر وہ دحیہ کلبی (قاصد) سے کہنے لگا: ''مجھے سو فیصد یقین ہے کہ تمھیں بھیجنے والے اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں اور یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے اور ان کا تذکرہ ہم اپنی کتاب میں بھی پاتے ہیں۔ لیکن مجھے خطرہ ہے کہ رومی مجھے جان سے مار دیں گے۔ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا تو میں ضرور ان کا پیروکار بن جاتا۔''

پھر ہرقل نے دحیہ کو صاحبِ فتویٰ اسقف کی طرف یہ بہانہ کر کے بھیج دیا کہ رومیوں میں اس معاملے سے سب سے زیادہ واقف وہی ہیں۔

محدث ابن حبان کی روایت ہے کہ ''جب دحیہ رضی اللہ عنہ شام پہنچے تو انھوں نے قیصر کو بیت المقدس میں پایا۔ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک اس کی نشست پر رکھ دیا اور ایک طرف ہٹ گئے۔ قیصر خط پڑھ کر کہنے لگا: ''جو شخص یہ خط لے کر آیا ہے وہ سامنے آئے۔ اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' دحیہ رضی اللہ عنہ سامنے آگئے۔ اس نے ان سے کہا: ''تم میرے دارالحکومت میں آنا۔'' پھر جب وہ اس کے پاس دارالحکومت پہنچے تو اس نے اپنے محل کے تمام دروازے مقفل کرنے کا حکم دے دیا، پھر اس نے ایک منادی سے کہا کہ وہ اعلان کرے: ''لوگو! قیصر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لے آیا ہے اور اس نے عیسائیت چھوڑ دی ہے۔'' اس کی فوج نے مسلح ہوکر اس کے محل کا محاصرہ کرلیا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد سے کہنے لگا: ''تم دیکھ رہے ہو کہ مجھے اپنی حکومت چھن جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔'' پھر اس نے اپنے منادی سے کہا کہ وہ اعلان کرے: ''لوگو! قیصر تم سے راضی ہے۔ وہ تو صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین پر کس قدر مضبوط ہو۔ تم مطمئن ہوکر واپس چلے جاؤ۔'' وہ سب راضی خوشی واپس چلے گئے، پھر قیصر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا: ''میں مسلمان ہوں۔'' اس کے ساتھ اس نے بڑی مقدار میں دینار بھی بھیجے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے۔ وہ نصرانیت کے دین پر قائم ہے۔''[1]

پھر آپ نے اس کے بھیجے ہوئے دینار تقسیم فرما دیے۔

قیصر کے اسلام نہ لانے سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے بادشاہت اور سرداری کو چھوڑنا گوارا نہ کیا اور ان چیزوں کو اسلام پر ترجیح دی۔ اگر اللہ تعالیٰ پسند فرماتا تو نجاشی کی طرح اُسے بھی ہدایت کی توفیق عطا کر دیتا۔ نجاشی مسلمان ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود ان کی حکومت ختم نہیں ہوئی۔[2]

[1] صحیح ابن حبان (موارد الظمآن)، حدیث: 1628. زاد المعاد کے محقق کا کہنا ہے کہ یہ سند صحیح ہے۔ ابوعبید بھی اسے مرسل صحیح سند سے لائے ہیں، دیکھیے: (الأموال، ص: 255) [2] شرح النووي علی ◄◄

مکتوب نبوی بنام حارث بن ابی شمر غسانی

واقدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی (64) کے نام ایک خط لکھا اور شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا۔ واقدی نے اس خط کی عبارت بھی بیان کی ہے۔ حارث خط پڑھ کر بہت چیں بجبیں ہوا اور اسلام قبول کرنے پر راضی نہ ہوا بلکہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے فوجیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ ہرقل نے دخل اندازی کی اور اُسے ایلیا (بیت المقدس) بلا لیا۔ [1]

۔ رسول اللہ ﷺ نے شجاع رضی اللہ عنہ کو حدیبیہ سے واپس آتے ہی بھیج دیا تھا۔ شجاع رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے حارث کو بھی اُسی وقت خط لکھا تھا جب ہرقل کو لکھا اور دحیہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا کیونکہ شجاع رضی اللہ عنہ جب حارث کے پاس پہنچے تو انھوں نے دحیہ رضی اللہ عنہ کو قیصر کے پاس ایلیا (بیت المقدس) میں پایا۔ [2] شجاع رضی اللہ عنہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حارث کا دربان، جو رومی تھا اور اس کا نام مری تھا، جب اُسے شجاع رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ اور اسلام کے بارے میں حقیقت بتائی تو وہ مسلمان ہو گیا۔

مکتوب نبوی بنام ہوذہ بن علی حنفی سردار یمامہ

رسول اللہ ﷺ نے اس کے نام خط لکھ کر سَلیط بن عمرو عامری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔

(64) منذر بن حارث بن ابی شمر غسانی: یہ شام کے اطراف میں غسان کے امراء میں سے تھا۔ اس کی رہائش غوطۂ دمشق میں تھی۔

◂◂ صحیح مسلم: 107/12. [1] اس روایت کو طبری نے واقدی کی سند سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (تاریخ الطبري:625/2) یہ روایت دیگر اہلِ سیر کے ہاں بھی ملتی ہے۔ ان سب کی اسانید ضعیف ہیں۔
[2] الطبقات الکبریٰ:261/1. ابن ہشام کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو حارث بن شمر کی طرف بھیجا، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام:339/4) اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ◂◂

سلیط ان چھ آدمیوں میں شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کی حدیبیہ سے مدینہ واپسی کے بعد بیک وقت خطوط لے کر چلے تھے۔ ہوذہ نے خط پڑھنے کے بعد اسلام قبول کرنے کے لیے یہ شرط لگائی کہ نبی کریم ﷺ اپنے ساتھ مجھے بھی اقتدار میں شریک کرلیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہ مانی تو وہ مسلمان نہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کی فتح کے بعد واپس تشریف لائے تو یہ شخص مرگیا۔ [1]

مکتوب نبوی بنام مقوقس شاہِ مصر

رسول اللہ ﷺ نے اپنا نامۂ مبارک اسکندریہ کے بادشاہ اور قبطیوں کے سردار مقوقس کو حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔ اس نے اچھا جواب دیا اور معاملے کو قریب کیا، البتہ وہ مسلمان نہ ہوا۔ اس نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں ماریہ اور ان کی بہن سیرین اور قیسریٰ بطور ہدیہ بھیجیں۔ ماریہ کو تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے مخصوص رکھا اور ان سے آپ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے اور ان کی بہن سیرین حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی جن سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے، نیز مقوقس نے آپ کو ایک ہزار مثقال سونا، دُلدل نامی خچر، ایک اور حبشی لونڈی بریرہ، ایک خصی غلام مابور اور ایک سفید گدھا یعفور، ایک گھوڑا الزاز، بہت سا شہد اور کچھ دیگر چیزیں بھی بطور تحفہ بھیجیں۔ جب رسول اللہ ﷺ کے پاس مقوقس کا خط پہنچا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس خبیث نے اپنی حکومت چھوڑنا گوارا نہیں کی، حالانکہ اس کی حکومت کو بقا حاصل نہیں ہے۔'' [2]

»» دیگر اہلِ سیر کے ہاں بھی یہ روایت قابلِ اعتماد سند سے نہیں ملتی۔ [1] الطبقات الکبریٰ: 262/1. ابن سعد کے ہاں ہوذہ کے خط کی عبارت تو موجود ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے خط کی عبارت نہیں ہے، مزید دیکھیے: (عیون الأثر: 270,269/2، وإعلام السائلین، ص: 105-107) [2] الطبقات الکبریٰ: 261,260/1. یہ واقدی کی روایت ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان موجود ہے: ''اس »»

مکتوب نبوی بنام منذر بن ساویٰ عبدی

ابن سید الناس کی روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے منذر بن ساویٰ عبدی امیر بحرین کے نام خط لکھ کر ابو العلاء حضرمی رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا۔[1] یہ غزوۂ حدیبیہ سے واپسی کے بعد کی بات ہے۔ ابن سید الناس نے مزید لکھا: ''واقدی نے عکرمہ سے اپنی سند سے روایت کیا، انھوں نے کہا: میں نے یہ خط ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات کے بعد ان کی کتابوں میں پایا تو اُسے نقل کر لیا۔ اس کی عبارت یہ تھی......''

پھر اس کے بعد ابن سید الناس نے رسول اللہ ﷺ کے خط کی جو عبارت نقل کی ہے وہ دراصل منذر کے جوابی خط کا جواب ہے جو اس نے آپ ﷺ کو لکھا تھا کہ میں اور بحرین والوں میں سے بہت سے دوسرے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ ابن سید الناس نے منذر کی

» خبیث نے اپنی حکومت چھوڑنا گوارا نہیں کی......'' ابن ہشام نے بھی اسے اپنی سند سے جو ابن لہیعہ تک پہنچتی ہے، روایت کیا ہے۔ یہ روایت نہایت مختصر ہے۔ اس میں خاص طور پر یہ ذکر ہے کہ مقوقس نے ماریہ قبطیہ نبی ﷺ کو بطورِ تحفہ بھیجی، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:1/247) بزار کی وہ روایت جس کا ذکر آگے آئے گا، اسے تقویت دیتی ہے۔ ابن حجر نے حاطب بن ابی بلتعہ کے تذکرے میں اس روایت کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة:1/300) حاطب کو مقوقس کی طرف نمائندے کے طور پر بھیجنے کی روایت کے متعلق ابن حجر کا کہنا ہے: ''اسے ابن شاہین نے یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب عن ابيه عن جده کی سند سے درج کیا ہے۔'' (میں کہتا ہوں کہ ابن شاہین کی سند میں سلیمان بن ارقم متروک راوی ہے۔) ابن حجر ہی نے مابور کے حالات میں بھی اس روایت کا تذکرہ کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة:3/335) انھوں نے چند احادیث بیان کی ہیں جو شواہد اور تائیدی روایات کی بنا پر قوی ہیں۔ ان احادیث میں ہے کہ نبی ﷺ کو ماریہ کے مابور سے تعلق پر شبہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے حرم کو شک و شبہ سے بری کیا اور آپ ﷺ کو ماریہ سے ایک بچے کی بشارت دی۔ یہ روایت ہماری کتاب (السيرة النبوية، ص:521) کی طبع اول میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔

[1] عیون الأثر: 2/266،267. نیز خطوط کی عبارت ابن سید الناس اور ابن طولون کے ہاں دیکھیے۔

طرف رسول اللہ ﷺ کے پہلے خط کی عبارت کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ کچھ ایسی روایات پائی جاتی ہیں جو منذر کی طرف رسول اللہ ﷺ کے پہلے خط کی عبارت کی طرف اشارے کرتی ہیں لیکن وہ خط رجب 9 ھ کا ہے جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ [1]

جلندیٰ کے بیٹوں جیفر اور عبد کی طرف مکتوب نبوی

رسول اللہ ﷺ نے ذوالقعدہ 8 ھ میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان میں جیفر اور عبد کی طرف نامۂ مبارک دے کر بھیجا۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اپنے علاقے کی مکمل زکاۃ حوالے کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس علاقے کی حکومت انھی کے پاس رہنے دی۔ [2]

دیگر متفرق مکاتیب نبوی

رسول اللہ ﷺ نے عُمان کی ایک بستی ''دَما'' والوں کو بھی خط لکھا تھا۔ اس بستی پر کسریٰ کا ایک فوجی کمانڈر بُستجان حکمران تھا۔ ابن طولون نے ''دَما'' والوں میں سے ایک شخص ابوشداد سے اپنی سند کے ساتھ یہ خط روایت کیا ہے۔ اس خط کی عبارت یہ تھی:

«مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلٰى أَهْلِ عُمَّانَ، سَلَامٌ، أَمَّا بَعْدُ: فَأَقِرُّوا بِشَهَادَةِ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَأَدُّوا الزَّكَاةَ، وَخُطُّوا

[1] ابن طولون نے اس خط کی عبارت نقل کی ہے، دیکھیے: (إعلام السائلین لابن طولون، ص: 58) خط کی روایت واقدی کی ہے جسے زیلعی نے اپنی کتاب کے آخر میں درج کیا ہے، دیکھیے: (نصب الرّاية في تخريج أحاديث الهداية: 420,419/4) قلقشندی نے نبی ﷺ کے منذر کو ارسال کیے گئے خط کی عبارت نقل کی ہے، دیکھیے: (صبح الأعشٰى: 376/6) اسے ابو عبید نے بھی بیان کیا ہے، دیکھیے: (الأموال، الفيء ووجوهه، باب الجزية، ص: 28) [2] عيون الأثر لابن سيد النّاس: 267/2، ونصب الرّاية: 424,423/4، وإعلام السائلين لابن طولون، ص: 92-96.

الْمَسَاجِدَ كَذَا وَكَذَا وَإِلَّا غَزَوْتُكُمْ»

''اللہ کے رسول محمد کی طرف سے اہلِ عمان کی طرف، (تم پر) سلام ہو۔ اما بعد! تم لوگ یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، زکاۃ ادا کرو اور فلاں فلاں طریقے سے مسجدیں بناؤ، ورنہ میں تم پر حملہ آور ہوں گا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے رعیہ سُحَیْمِي کی طرف بھی خط لکھا۔ یہ شخص یمامہ کا رہنے والا اور بنوحنیفہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے خط مبارک پکڑا اور اس کے ساتھ اپنے ڈول کو پیوند لگایا (مطلب یہ کہ کوئی پروانہ کی۔) رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف ایک فوجی دستہ بھیجا جس نے اس کا سب مال اور اہل و عیال قابو کر لیے، پھر یہ بڑی ندامت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا اور بیعت اسلام کی۔ اور اپنے اہل و عیال بچا لیے۔[2]

* رسول اللہ ﷺ نے یمامہ کے سردار مسیلمہ کذاب کی طرف بھی ایک خط لکھا جو عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔[3] آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی۔ مسیلمہ نے آپ کے خط کا جواب دیتے ہوئے لکھا: ''اللہ کے رسول مسیلمہ کی طرف سے اللہ کے رسول محمد کی طرف۔ سلام علیک۔ اما بعد! مجھے بھی آپ کے ساتھ رسالت میں شریک کیا گیا ہے۔ نصف زمین ہمارے لیے ہے اور نصف قریش کے لیے لیکن قریش ایک ایسی قوم ہے جو

[1] إعلام السائلين، ص:98,97، وابن الأثير:225/5. [2] الإصابة:516/1، وإعلام السائلين لابن طولون، ص:99. یہ دونوں روایات شعبی کی ہیں۔ یہ روایت مسند احمد میں بھی آئی ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 585/5) ابن حجر نے لکھا ہے: ''شعبی کی حدیث کو ابن ابی شیبہ نے روایت کیا اور کہا: ''ابن سکن کا کہنا ہے: ان کی حدیث کی سند صالح ہے (محدثین کی اصطلاح میں صالح ایسی حدیث کو کہتے ہیں جو قابل حجت ہو۔)'' دیکھیے: (الإصابة:5,6/1، والمغازي لابن أبي شيبة، ص:163) اس روایت کی سند متصل اور راوی ثقہ ہیں۔ محقق کے مطابق یہ شعبی کی مرسل روایت ہے۔ [3] الطبقات الکبریٰ:273/1. یہ روایت ان کے شیخ واقدی کی ہے۔ واقدی کے متروک الحدیث ہونے کے باعث یہ روایت ضعیف ہے۔

زیادتی کرتی ہے۔'' [1]

یہ خط دو قاصد لائے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو یہ خط پڑھ کر سنایا گیا تو آپ نے قاصدوں سے فرمایا: ''تم کیا کہتے ہو؟'' وہ کہنے لگے: ''ہم بھی وہی کہتے ہیں جو مسیلمہ نے کہا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! اگر یہ قانون نہ ہوتا کہ قاصد کو قتل نہیں کیا جاسکتا تو میں تم دونوں کی گردنیں اڑا دیتا۔'' [2] ......پھر رسول اللہ ﷺ نے مسیلمہ کو جوابِ خط تحریر کرایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنْ مُّحَمَّدٍ رَّسُولِ اللّٰهِ إِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّابِ، السَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: ﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلّٰهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾»

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف، سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد! (بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا تا ہے۔ اورانجام متقین کے لیے ہے۔)'' [3]

لیکن مسیلمہ اپنی ضد پر قائم رہا اور اس نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں عظیم فتنہ برپا کیا۔ طرفین کے وسیع جانی نقصان کے بعد بالآخر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا اور اس کے فتنے کا خاتمہ کردیا۔

* رسول اللہ ﷺ نے ایک خط بصریٰ کے گورنر کو لکھا اور حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 329/4. یہ معلق روایت ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔
[2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرسل، حديث:2761، ومسند أحمد:487/3. [3] اسے ابن اسحاق نے منقطع سند سے روایت کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے شیخ اشجعی کا نام واضح نہیں کیا جس نے ان سے یہ روایت بیان کی۔

ہاتھ بھیجا۔ موتہ میں شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں روک کر گرفتار کر لیا، پھر انھیں شہید کر دیا۔ ان کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔ [1]

* نبیِ کریم ﷺ نے بکر بن وائل کو بھی خط لکھا۔ [2]
* نبیِ کریم ﷺ نے حِمیَر کے ایک قبیلے بنوعمرو کو خط لکھا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ [3]
* رسول اللہ ﷺ نے غسان کے بادشاہ جبلہ بن ایہم کو خط لکھا اور اُسے اسلام کی دعوت دی۔ [4]
* رسول اللہ ﷺ نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو اپنا نامۂ مبارک دے کر ذوالکلاع بن ناکور اور ذوعمرو کی طرف بھیجا اور انھیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ دونوں مسلمان ہو گئے بلکہ ذوالکلاع کی بیوی بھی مسلمان ہو گئی۔ [5]
* رسول اللہ ﷺ نے معدیکرب بن ابرہہ کو خط لکھا کہ اگر وہ مسلمان ہو جائے تو خولان کی زمین پر وہی حکمران رہے گا۔
* رسول اللہ ﷺ نے بنوحارث بن کعب کے اسقف (بشپ)، نجران کے پادریوں، ان کے کاہنوں اور ان کی رعایا اور ان کے راہبوں کو بھی خطوط تحریر کرائے۔
* رسول اللہ ﷺ نے ایلہ کے حکمران یحنہ بن روبہ کو بھی خط لکھا۔
* رسول اللہ ﷺ نے بنو غامد کے ابوظبیان ازدی کو بھی خط بھیجا۔ وہ اپنی قوم کے چند افراد کو ساتھ لے کر مکہ مکرمہ میں آپ سے ملا۔
* رسول اللہ ﷺ نے بنوحِمیَر کے حارث، مسروح اور نُعَیم بن عبدکُلَال کو بھی خط لکھا۔

[1] المغازي للواقدي: 756,755/2. [2] صحيح ابن حبان (موارد الظمآن)، حديث: 1626. یہ روایت ابن حبان کی اپنی سند سے ہے جو انس رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے۔ [3] الطبقات الكبرٰى: 265/1. یہ واقدی کی روایت ہے۔ [4] الطبقات الكبرٰى: 265/1. یہ روایت بھی واقدی کی ہے۔ [5] الطبقات الكبرٰى: 266,265/1. اصل روایت صحیح بخاری میں ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب ذهاب جرير إلى اليمن، حديث: 4359)

یہ خط عیاش بن ابی ربیعہ مخزومی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا۔

* سماوہ کے بادشاہ نُفَاثَة بن فَروہ دُئلی کو بھی خط لکھا۔ [1]

ابن سعد نے الطبقات میں اور دیگر مؤرخین نے بھی مذکورہ بالا افراد کے علاوہ بعض اور لوگوں کا ذکر کیا ہے جنھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط لکھے۔

سیرت طیبہ کے اس مرحلے کے فوائد، حکمتیں اور عبرتیں

* یہ خطوط اس معلوم حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض تھا کہ آپ اُس دور کے ہر ممکن دستیاب ذرائع اختیار کر کے اس زمانے کے ہر معروف شخص کو اسلام کی دعوت پہنچائیں۔
* بعض حکمرانوں کا دعوت اسلامیہ کو رد کرنا اپنے اقتدار، تکبر اور نخوت کی بنا پر تھا۔ یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ اسلام کے پیغام سے مطمئن نہ تھے۔
* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطوط پر مہر لگانے کے لیے چاندی کی انگوٹھی بنوانا اس امر کی دلیل ہے کہ انگوٹھی پہننا اور اسے بطورِ مہر استعمال کرنا جائز ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انگوٹھی بنوانے والا اپنا نام انگوٹھی پر نقش کرا سکتا ہے۔ بہت سے علماء نے انگوٹھی والی روایت سے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ چاندی کی انگوٹھی اس انگلی میں پہننا مستحب ہے جس انگلی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی پہنا کرتے تھے، یعنی داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی۔
* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی کا نقش بنواتے وقت لفظ اللہ سب سے اوپر لکھوایا تھا اور اپنا نام سب سے نیچے۔ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ اور اس کے مبارک نام کی تعظیم و احترام تھا۔
* اسلام قبول کر لینے والے حکمرانوں کو حکمرانی پر قائم رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن تدبر اور بلند پایہ سیاست کی دلیل ہے۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 1/265-284. یہ سب واقدی کی روایات ہیں۔

عمرۂ قضا سے پہلے کی جنگی کاروائیاں

تربہ میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو تیں سوار دے کر بنونصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن اور بنو جُشَم بن بکر بن ہوازن کی طرف تربہ بھیجا۔ یہ جگہ مکہ مکرمہ سے قریب ہے۔ جب ان لوگوں کو مسلمانوں کے آنے کا پتہ چلا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی واپس آ گئے۔ بنونصر اور بنو جُشَم ہوازن سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ واقعہ شعبان 7 ھ کا ہے۔[1]

نجد میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نجد میں بنوفزارہ کی طرف بھیجا۔ انھوں نے ان پر حملہ کیا۔ کئی افراد قتل کر دیے۔ اس کارروائی میں ان کے ساتھ سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کفار کی بہت سی عورتیں اور بچے قیدی بنے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سلمہ رضی اللہ عنہ کو ایک خوبصورت لونڈی انعام میں دی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے وہ لونڈی ان سے مانگ لی اور اس کے بدلے میں مکہ مکرمہ میں قید چند مسلمان چھڑا لیے۔[2] یہ واقعہ شعبان 7 ھ میں پیش آیا۔[3]

فدک میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے انھیں تیں آدمی دے کر فدک میں بنومرّہ کی طرف بھیجا۔ وہ ادھر

[1] المغازي للواقدي: 722/2، والطبقات الكبرٰی: 117/2. یہ معلق روایت ہے۔ [2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب التنفيل وفداء المسلمين بالأسارٰی، حديث: 1755 مطولًا.
[3] الطبقات الكبرٰی: 117/2.

اُدھر صحرا میں گئے ہوئے تھے۔ یہ ان کے جانور ہانک لائے۔ جب انھیں پتہ چلا تو انھوں نے آ کر مسلمانوں کو گھیر لیا اور بشیر رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کو نقصان پہنچایا۔ ان میں سے جو بھاگ سکے وہ بھاگ گئے جبکہ بشیر رضی اللہ عنہ بڑی بہادری سے لڑتے رہے یہاں تک کہ گر پڑے۔ دشمنوں نے سمجھا کہ یہ بھی مر گیا ہے، چنانچہ وہ اپنے جانور لے کر واپس چلے گئے۔ شام کے وقت بشیر رضی اللہ عنہ نے فدک میں پناہ حاصل کی۔ چند دن ایک یہودی کے پاس رہے حتی کہ ان کے زخم بھر گئے تو وہ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ اس سے پہلے علبہ بن زید حارثی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھیوں کو پہنچنے والے نقصان کی خبر مدینہ منورہ پہنچا چکے تھے۔ یہ سانحہ بھی شعبان 7 ھ میں پیش آیا۔[1]

مَیفَعَہ میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی جنگی کارروائی

راجح یہ ہے کہ اسی جنگی کارروائی کو بخاری و مسلم اور ابن اسحاق رحمہ اللہ[2] نے اپنی روایات میں ''حدیث اسامہ بن زید'' کے عنوان سے مراد لیا ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جہینہ کے ایک قبیلے حرقہ کی طرف بھیجا۔ ہم نے ان پر صبح کے وقت حملہ کیا اور انھیں شکست دی۔ میرا اور ایک انصاری صحابی کا اس قبیلے کے ایک آدمی سے مقابلہ ہوا۔ جب ہم نے اُسے گھیر لیا تو اس نے کہا: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰه» انصاری رک گیا مگر میں نے اُسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم مدینہ منورہ پہنچے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ بات پہنچی۔

[1] المغازي للواقدي: 723/2، والطبقات الكبرٰى: 119,118/2. یہ معلق روایت ہے۔

[2] ابن اسحاق کے حوالے سے یہ روایت ابن کثیر نے نقل کی ہے۔ اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 248/4) حرقہ جہینہ کی ایک شاخ تھی۔ معلوم ہوتا ہے یہ قبیلہ ایک آدمی سے منسوب ہے جس کی کنیت حُرَقَہ تھی۔ اس کا نام جہیش بن عامر بن ثعلبہ تھا۔ اسے حرقہ اس لیے کہا گیا کہ اس نے ایک قوم کو جلا کر مار ڈالا تھا، پھر اس نے اپنے سب دشمنوں سے یہی سلوک کرنے کے متعلق بیعت لی تھی۔ عربی میں آگ سے جلانے کو حَرق کہتے ہیں، دیکھیے: (عمدة القاري للعيني: 271/17)

آپ نے مجھ سے فرمایا: ''اسامہ! تم نے اُسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر دیا؟'' میں نے کہا: ''اللہ کے رسول! وہ تو بچنے کے لیے ایسا کر رہا تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''ارے! تو نے اُسے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد قتل کر ڈالا؟'' آپ بار بار یہی سوال دہراتے رہے حتی کہ میں نے تمنا کی کہ کاش! میں آج سے پہلے مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔''[1]

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ مقتول کا نام مِرداس بن نہیک تھا۔ اس کا تعلق جہینہ کے ایک قبیلے حرقہ سے تھا اور وہ بنومرہ کا حلیف تھا۔ واقدی کی روایت کے مطابق اس کا نام نہیک بن مرداس تھا۔[2] لیکن ان کے نزدیک یہ غالب بن عبداللہ والا سریہ تھا جنھیں وہاں بھیجا گیا تھا جہاں بشیر اور ان کے ساتھیوں کو نقصان پہنچایا گیا۔ ابن ابی عاصم کے نزدیک اس کا نام مِرداس فدکی تھا اور وہ میدان جنگ میں مارا گیا۔[3] راجح یہی ہے کہ اس کا نام مِرداس بن نہیک تھا جیسا کہ مؤرخ ابن اسحاق نے لکھا ہے اور اُسے قتل کرنے والے اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے۔

واقدی اور ابن سعد کا بیان ہے کہ غالب بن عبداللہ کی کارروائی جس میں اُسامہ کا اس شخص کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا تھا، مَیفعہ میں ہوئی تھی اور اس میں مسلمانوں کی تعداد ایک سو تیس سوار تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بنوعبد بن ثعلبہ اور بنوعوال کی طرف بھیجا تھا۔ اس اسلامی دستے میں رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام یسار بھی تھے جو اسلامی دستے کو دشمن کے علاقے میں لے گئے تھے۔ وہیں یہ واقعہ پیش آیا کہ اس شخص کو قتل کر دیا گیا اور مسلمان اس کے اونٹ اور بکریاں ہانک لائے اور جو بھی سامنے آیا اُسے انھوں نے قتل کر دیا۔ یہ رمضان المبارک 7 ھ کی بات ہے۔[4]

---

[1] صحیح البخاري، الدّیات، باب: ﴿وَمَنْ اَحْیَاھَا......﴾، حدیث:6872، وصحیح مسلم، الإیمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا إله إلا الله، حدیث:96. [2] المغازي للواقدي: 724/2. [3] فتح الباري:13,12/26. [4] المغازي للواقدي:727,726/2، والطبقات الکبریٰ: 199/2. یہ واقدی کی سند سے معلق روایت ہے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اُسامہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ پتہ چلا کہ انھوں نے اس شخص کو کلمہ پڑھ لینے کے بعد قتل کر دیا ہے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَلَّا شَقَقْتَ قَلْبَهُ فَتَعْلَمَ صَادِقٌ هُوَ أَمْ كَاذِبٌ؟»

''کیوں نہ تم نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا اور تمھیں پتہ چل جاتا کہ وہ سچا ہے یا جھوٹا؟''

اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آئندہ کبھی کسی ایسے شخص سے لڑائی نہیں لڑوں گا جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتا ہو۔''

آپ ﷺ کا ان کو اس قدر ملامت کرنا دراصل ان کی تعلیم و تربیت اور نصیحت کی خاطر تھا تا کہ آئندہ کوئی بھی شخص کسی کلمۂ توحید پڑھنے والے کو قتل کرنے کی جرأت نہ کر سکے کیونکہ انسان ظاہری اعمال اور زبانی کلمہ پر اعتبار کرنے کا پابند ہے۔ باقی رہا دل کا معاملہ تو اسے جاننے کا کوئی طریقہ نہیں۔

اس واقعے میں دلیل ہے کہ احکام لاگو ہونے کا تعلق ظاہری اسباب سے ہے نہ کہ باطنی امور سے۔[1]

جناب علاقے میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ ''جناب'' کے علاقے میں غطفان کی ایک جماعت کے ساتھ عیینہ بن حصن نے معاہدہ کیا ہے کہ وہ میرے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کو بلایا، ان کو جھنڈا بنا کر دیا اور ان کے ساتھ تین سو آدمی بھیجے۔ بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ لشکر لے کر یُمن اور جَبار پہنچے۔ وہاں سے ''جناب'' کا قصد کیا۔ ''جناب'' سلاح، خیبر اور وادی القریٰ کے مقابل تھا۔ یہ لشکر سلاح میں فروکش ہوا، پھر وہ دشمن کی طرف بڑھے۔ مسلمانوں کو دیکھ کر چرواہے بھاگ گئے اور اپنی قوم کو حملے

[1] فتح الباري: 13/26.

سے مطلع کیا۔ مسلمانوں کو کثیر تعداد میں اونٹ وغیرہ غنیمت میں حاصل ہوئے۔ دشمن کو حملے کا پتہ چلا تو وہ بھاگے اور پہاڑوں پر چڑھ گئے۔ بشیر رضی اللہ عنہ ان کی آبادی میں پہنچے۔ وہاں صرف دو آدمی ملے۔ بشیر نے انھیں قید کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ دونوں مسلمان ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد کر دیا۔ یہ شوال 7 ھ کی بات ہے۔[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب مسلمان خیبر کے نشیبی علاقے میں پہنچے تو انھوں نے مشرکین پر حملہ کر دیا اور عیینہ کا ایک جاسوس قتل کر دیا، پھر ان کی مڈھ بھیڑ عیینہ کی جماعت سے ہوئی جس سے عیینہ کی جماعت بھاگ کھڑی ہوئی۔ ان میں سے دو آدمی قید کر لیے گئے۔[2]

مسلمانوں کی اس معرکہ آرائی ہی کے نتیجے میں عیینہ کے دل میں اسلام کی سوچ پیدا ہوئی اور اس سلسلے میں اس کے اپنے حلیف حارث بن عوف مری اور فروہ بن ہبیرہ قشیری کے ساتھ مذاکرات ہوئے۔ یہ تینوں تذبذب کا شکار ہو گئے۔ کبھی قدم آگے بڑھاتے کبھی پیچھے ہٹ جاتے۔ بالآخر عیینہ بن حصن مؤلفۃ القلوب میں شامل ہو گیا۔ بہت سی احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور یہ بات ثابت ہے کہ عیینہ رضی اللہ عنہ غزوۂ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لڑائی میں شریک رہا جیسا کہ ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔[3]

عمرۂ قضا
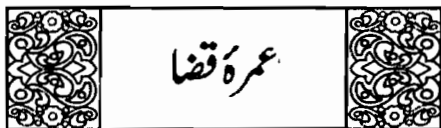
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ذوالقعدہ 7 ھ میں، صلح حدیبیہ کی طے شدہ شرائط کے تحت ادائے عمرہ کے لیے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔[4]

[1] الطبقات الکبرٰی: 120/2، والمغازي للواقدي: 2/220-227. ابن سعد کی روایت معلق ہے جبکہ دونوں روایات کی سندیں ضعیف ہیں۔ [2] المغازي للواقدي: 728/2. حدیث میں واقدی کے متروک ہونے کے باعث یہ سند نہایت ضعیف ہے۔ [3] السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 4/364-366. اس روایت کی سند حسن ہے۔ [4] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ◄◄

بیہقی اور ابن سعد کی روایت کے مطابق مسلمان مکمل اسلحہ ساتھ لے کر چلے تھے۔ انھوں نے زائد اسلحہ حرم سے باہر یَأْجَجْ (65) کے مقام پر رکھ دیا اور طے شدہ شرط کے مطابق مکہ مکرمہ میں صرف نیام میں تلواریں لے کر داخل ہوئے۔ یہ اس دور میں مسافر کا اسلحہ ہوتا تھا۔[1]

عمرۂ قضا میں حاضر ہونے والے مسلمانوں کی تعداد عورتوں، بچوں کے علاوہ دو ہزار تھی۔ ان میں صلح حدیبیہ کے حاضرین بھی شامل تھے۔[2]

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اس شان سے داخل ہوئے کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ آپ کے آگے آگے یہ اشعار پڑھ رہے تھے:

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ الْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلٰى تَنْزِيلِهِ

ضَرْبًا يَّزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَّقِيلِهِ وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ

''او کافر زادو! نبیِ کریم ﷺ کا راستہ چھوڑ دو۔ آج ہم آپ کے حکم سے تمھیں ایسی ضرب لگائیں گے جو کھوپڑیاں الگ کر دے گی اور دوست کو دوست سے غافل کر دے گی۔''[3]

(65) یَأْجَجْ: یہ مکہ کے قریب آٹھ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے، دیکھیے: (معجم البلدان: 424/5)

◄◄ 19,18/4) موسیٰ بن عقبہ نے بھی اسے زہری سے روایت کیا ہے۔ محمد بن عبدالاعلیٰ صنعانی نے اسے معتمر بن سلیمان تیمی سے، انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا۔ ابن لہیعہ نے بھی اسے ابوالأسود سے، انھوں نے عروہ سے روایت کیا، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 314,313/4) ابن حجر کے مطابق اسے یعقوب بن سفیان نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 84/16) نیز غزوۂ حدیبیہ کے باب میں شرائط کی تفصیلات دیکھیے۔ [1] دلائل النبوة للبيهقي: 314/4. یہ موسیٰ بن عقبہ کی زہری سے روایت ہے۔ اس کی سند مرسل ہے۔ ابن سعد نے اس روایت کو معلق نقل کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 121/2) [2] حاکم نے الاکلیل میں کہا: ''اس کے بارے میں تواتر سے روایات آئی ہیں۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 84/16) [3] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء ◄◄

قریش نے مشہور کر رکھا تھا کہ مسلمان یثرب کے موسمی بخار کی وجہ سے کمزور ہو چکے ہیں اس لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ وہ طواف کے ابتدائی تین چکروں میں رمل کریں، یعنی پہلوانوں کی طرح اچھل اچھل کر دوڑیں اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھاگ کر کریں تا کہ مشرکین ان کی قوت دیکھ لیں۔ صحابہ نے اسی طرح کیا۔ قریش اپنے گھر بار چھوڑ کر جبل "قعیقعان" پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ انھوں نے صحابۂ کرام کو رمل اور سعی کرتے دیکھا تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ وہ کہنے لگے: "ان کے بارے میں تم کہتے تھے کہ انھیں یثرب کے بخار نے کمزور کر دیا ہے؟ یہ تو پہلوانوں سے بھی زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔"[1] رسول اللہ ﷺ عمرہ ادا کر کے فارغ ہوئے تو آپ نے چند صحابہ کو حکم دیا کہ تم وادیِ یأجج جاؤ اور اسلحے کی حفاظت کرو اور جو صحابہ وہاں پہلے سے اسلحہ کی حفاظت کر رہے ہیں انھیں بھیج دو تا کہ وہ بھی عمرہ مکمل کر سکیں۔ اس حکم پر عمل ہوا، پھر آپ کعبہ میں داخل ہوئے۔ ظہر تک کعبہ میں رہے، پھر اللہ کے رسول ﷺ کے حکم سے بلال رضی اللہ عنہ نے کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان دی۔[2]

تین دن پورے ہو گئے تو چوتھے دن کی صبح قریش علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: "اپنے صاحب سے کہو: مقرر شدہ مدت پوری ہو چکی ہے، اب چلے جائیں۔" نبیِ کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے نکل کر سَرِف میں فروکش ہو گئے۔[3] جب سب مسلمان وہاں جمع ہو گئے تو آپ نے مدینہ منورہ کی راہ لی۔ تب تک ذوالحجہ شروع ہو چکا تھا۔[4]

◄◄ في إنشاد الشعر، حديث: 2847. یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ترمذی کا یہ قول ابن حجر نے بھی نقل کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 86/16) [1] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4257,4256، وصحيح مسلم، الحج، باب استحباب استلام الركنين اليمانيين في الطواف......، حديث: 1266، ومسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 239/4. [2] الطبقات الكبرٰى: 122/2. یہ معلق روایت ہے۔ [3] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4251، وفتح الباري: 90,89/16. [4] السيرة النبوية لابن هشام: 23,22/4، والطبقات الكبرٰى: 122/2. ◄◄

اس عمرے میں رسول اللہ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا۔ میمونہ بنت حارث عامریہ آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی بیوی ام الفضل کی بہن تھیں۔ سرف کے مقام پر ان کی رخصتی ہوئی۔ [1] راجح یہ ہے کہ یہ نکاح رسول اللہ ﷺ کے احرام ختم ہونے کے بعد ہوا۔ [2]

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا پہلے ابو رِہم بن عبدالعزیٰ یا اس کے بھائی حویطب یا سخبرہ بن رِہم کے نکاح میں تھیں۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ سے واپسی کا ارادہ کیا تو حمزہ رضی اللہ عنہ کی چھوٹی صاحبزادی عمارہ چچا! چچا! پکارتی آگئیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اٹھا کر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دیا کیونکہ وہ

«« دونوں کی روایت معلق ہے۔ [1] فتح الباري:97/16. [2] زاد المعاد:3/372-374. اس سلسلے میں امام ابن القیم کو ابن مسیب کے قول، ابو رافع اور خود ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی روایت کی تائید حاصل ہے۔ ابن مسیب کا قول ابو داود اور بیہقی نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، المناسك، باب المحرم يتزوّج، حديث:1843، ودلائل النبوة للبيهقي:4/332-336) ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مسلم، ابو داود، ابن ماجہ اور احمد نے روایت کی ہے، دیکھیے: (صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم وكراهة خطبته، حديث:1411، وسنن أبي داود، المناسك، باب المحرم يتزوج، حديث:1843، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب المحرم يتزوج، حديث:1964، و مسند أحمد: 335/6) ابو رافع کی حدیث احمد اور ترمذی نے روایت کی ہے، دیکھیے: (مسند أحمد:393/6، والفتح الرّباني:173/22، وجامع الترمذي، الحج، باب كراهية تزويج المحرم، حديث:841) ترمذی کا کہنا ہے: "یہ حدیث حسن ہے۔" ابو رافع ان لوگوں میں شامل تھے جنھوں نے یہ شادی کرانے کے سلسلے میں تگ و دو کی اور وہی مقام سَرِف میں میمونہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لائے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول صحیحین اور دیگر کتب میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی جبکہ آپ احرام میں تھے۔ اور میمونہ کی رخصتی ہوئی جبکہ آپ احرام کھول چکے تھے۔ ابن القیم نے اسے وہم قرار دیا ہے۔ اس قول کے لیے دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث:4258، وصحيح مسلم، النكاح، باب تحريم نكاح المحرم، حديث:1410) دکتور قلعجی نے حاشیے میں اس مسئلے کے متعلق علماء کے اقوال بیان کیے ہیں، دیکھیے: (حاشية دلائل النبوة:4/332-335) [3] فتح الباري:97/16.

ان کے چچا کی بیٹی تھی۔ علی، زید اور جعفر رضی اللہ عنہم اس سلسلے میں جھگڑنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے اِسے اٹھایا ہے۔ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔'' جعفر نے کہا: ''میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ زید نے کہا: ''تم دونوں چھوڑو۔ یہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ خالہ کے حق میں کیا اور فرمایا: ''خالہ ماں کے بمنزلہ ہے۔'' علی کی تشفی کے لیے فرمایا: ''تم مجھ سے ہو میں تم سے ہوں۔'' جعفر سے فرمایا: ''صورت اور سیرت میں تم مجھ جیسے ہو۔'' اور زید سے فرمایا: ''تم ہمارے بھائی بھی ہو اور مولا بھی۔''[1] اس فیصلے کی بنیاد یہ بھی تھی کہ جعفر اس بچی کے محرم تھے کیونکہ کوئی شخص ایک عورت اور اس کی بھانجی کو بیک وقت نکاح میں نہیں رکھ سکتا۔[2]

اس واقعے سے یہ فقہی مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ حق پرورش کے سلسلے میں ماں باپ کے بعد خالہ دیگر تمام رشتے داروں پر مقدم ہے۔ اس میں ان علماء کے لیے مضبوط دلیل ہے جو خالہ کو پھوپھی پر اور والدہ کے رشتے داروں کو والد کے رشتے داروں پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے عمارہ کو اس کی خالہ کے سپرد کیا، حالانکہ اس کی پھوپھی صفیہ رضی اللہ عنہا بھی اس وقت موجود تھیں۔ امام شافعی، امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بھی اسی کے قائل ہیں جبکہ ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ پھوپھی خالہ پر مقدم ہے۔ حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔[3]

یہ عمرہ بعد میں کئی ناموں سے مشہور ہوا۔ ہر نام کا اس کے کسی نہ کسی واقعے سے تعلق ہے۔ مثلاً اِسے عمرۃ القضا یا عمرۃ القضیہ اس بنا پر کہا گیا کہ اس عمرے کے بارے میں صلح حدیبیہ کی صریح عبارت میں مسلمانوں اور کفارِ قریش کے درمیان اتفاق طے پایا تھا، یا اسے عمرۃ القضا اس لیے کہا گیا کہ یہ عمرۂ حدیبیہ کی قضا تھا کیونکہ اس عمرے میں مسلمانوں

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث:4251، وسنن أبي داود، الطّلاق، باب من أحق بالولد، حديث:2278. [2] فتح الباري:92/16. [3] زادالمعاد:376,375/3.

کو کفار کی مزاحمت کی وجہ سے عمرہ کیے بغیر احرام کھولنے پڑے تھے۔ اسے عمرۃ القصاص بھی کہا جاتا تھا۔ یہ پوری بحث ''سیرت مغلطائی'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ [1]

جنگ موتہ سے پہلے کے اہم واقعات

اخرم بن ابی عوجاء سلمی رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرۂ قضاء سے واپس تشریف لائے تو آپ نے اخرم بن ابی عوجاء سلمی رضی اللہ عنہ کو پچاس شہسوار دے کر بھیجا۔ ان کے ساتھ بنو سلیم کا ایک جاسوس بھی تھا۔ جب یہ دستہ مدینہ منورہ سے نکلا تو جاسوس چپکے سے کھسک کر اپنی قوم کے پاس پہنچ گیا اور انھیں خبر کردی۔ انھوں نے ایک عظیم لشکر تیار کیا اور مسلمانوں کے مقابلے کی پوری تیاری کر لی۔ جب مسلمان ان کے پاس پہنچے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور مسلمانوں کو گھیر لیا اور اکثر کو شہید کر ڈالا۔ ابن ابی عوجاء بھی شدید زخمی ہوگئے۔ انھوں نے انھیں مردہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ وہ بڑی مشکل سے واپس مدینہ پہنچے۔ اس دن صفر 8 ھ کی پہلی تاریخ تھی۔ [2]

عمرو بن عاص اور خالد بن ولید کا قبول اسلام

احمد اور ابن اسحاق کی روایت ہے کہ جب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] الإشارة إلى سيرة المصطفى ﷺ لمغلطائي، ص: 290. [2] المغازي للواقدي: 741/2. یہ روایت واقدی کی اپنی سند سے ہے جو زہری تک پہنچتی ہے۔ ابن سعد نے اسے معلق ذکر کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرى: 123/2) بیہقی نے اسے مختصر اور موسیٰ بن عقبہ کی مرسل سند سے روایت کیا ہے۔ موسیٰ نے زہری سے روایت کیا۔ یہ تمام اسانید ضعیف ہیں، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 341/4)

کی شان دن بدن بلند ہو رہی ہے تو انھوں نے اپنے سمجھدار قریشی ساتھیوں سے مشورہ کیا اور انھیں قائل کیا کہ آؤ نجاشی کے پاس چلے جائیں کیونکہ اگر محمد غالب آگئے تو ان کے ماتحت رہنے کے بجائے نجاشی کے پاس رہنا زیادہ بہتر ہوگا اور اگر بالفرض قریش غالب آگئے تو بھی وہاں جانے کے اچھے نتائج ہی نکلیں گے کیونکہ یہ لوگ نجاشی (رضی اللہ عنہ) اور اس کے درباریوں سے خوب واقفیت رکھتے تھے۔ انھوں نے اچھی قسم کا بہت سا چمڑا اکٹھا کیا تاکہ نجاشی کو بطور تحفہ پیش کر سکیں کیونکہ حجاز سے حبشہ برآمد ہونے والی یہ بہترین چیز تھی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ جب یہ نجاشی کے ہاں پہنچے تو وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ بھی پہنچے ہوئے تھے۔ جونہی وہ نجاشی کے دربار سے نکلے، عمرو بن عاص پہنچ گئے۔ عمرو بن عاص نے نجاشی سے درخواست کی کہ یہ عمرو بن امیہ میرا دشمن ہے، لہٰذا اسے میرے سپرد کر دیا جائے تاکہ میں اسے قتل کر دوں۔ نجاشی رضی اللہ عنہ سخت غصے میں آگئے۔ انھوں نے عمرو بن عاص کی ناک پر زوردار ضرب رسید کی۔ عمرو بن عاص ڈر گئے اور معذرت کرنے لگے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی محبت ڈال دی کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے لوگ چاہے وہ عجمی ہوں یا عربی، آپ کے دفاع میں کس قدر پر جوش ہیں، چنانچہ جب نجاشی نے ان سے اسلام لانے کا مطالبہ کیا تو انھوں نے نجاشی کے ہاتھ پر بیعت اسلام کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی، پھر وہ دربار سے نکلے تو انھوں نے اپنے ساتھیوں پر اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا اور مکہ مکرمہ واپس آگئے۔[1]

فتح مکہ سے تھوڑا عرصہ قبل وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جانے کے لیے نکلے تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اسلام کا اعلان کریں۔ راستے میں خالد بن ولید مل گئے۔ اُن کا ارادہ بھی وہی تھا جو ان کا تھا۔ یہ دونوں سیدھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے

[1] الفتح الرباني:21/133-136، والسيرة النبوية لابن هشام:3/384-386. یہ سند حسن ہے۔ احمد نے اسے ابن اسحاق ہی کی سند سے روایت کیا ہے۔

اور اسلام کی بیعت کر لی۔ [1]

عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کے قبول اسلام کی جو تاریخ ابن اسحاق اور واقدی نے بیان کی ہے اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ جنگ موتہ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا نام اور کردار سامنے آیا جو جمادی الاولیٰ 8 ھ میں لڑی گئی۔ اسی طرح عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا نام اور کردار معرکۂ ذات السلاسل میں نمایاں طور پر سامنے آیا اور یہ معرکہ جمادی الآخرہ 8 ھ میں ہوا۔ اس کی وضاحت اپنے مقام پر آئے گی۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ واقدی نے اس طرح بیان کیا ہے: [2]

''جب اللہ تعالیٰ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر انعام کا ارادہ فرمایا تو ان کے دل میں اسلام وایمان کی سوچ پیدا کر دی۔ وہ اس طرح کہ وہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کسی جنگ میں حصہ لینے کے بعد مکہ واپس جاتے تو سوچنے لگتے اور اس نتیجے پر پہنچتے کہ میں صحیح کام نہیں کر رہا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں غالب آئیں گے۔ غزوۂ حدیبیہ میں تو انھیں یقین ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہی ہے کیونکہ جب انھوں نے عسفان کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اچانک حملے کا پروگرام بنایا تو اللہ تعالیٰ نے فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے منصوبے سے مطلع فرما دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے مسلمانوں کو صلاۃ خوف پڑھائی اور خالد بن ولید کو حملے کا موقع نہ مل سکا، پھر جب صلح حدیبیہ طے پا گئی تو وہ بخوبی سمجھ گئے کہ اب تو ہمارے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں رہا۔ انھوں نے ہرقل یا

[1] واقدی نے اپنے استاذ عبدالحمید بن جعفر سے روایت کرتے ہوئے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے مکہ سے چلنے کی تاریخ یکم صفر 8 ھ بتلائی ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 745/2) [2] المغازي للواقدي: 745/2-748، والطبقات الكبرٰى: 252/4. یہ معلق روایت ہے۔ یہاں اس واقعے کا آغاز خالد رضی اللہ عنہ کی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات سے ہوتا ہے۔ مدینہ جاتے ہوئے راستے میں خالد کی عمرو بن عاص سے ملاقات کا واقعہ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق ہی کی سند سے اسے احمد نے عمرو بن عاص کے اسلام لانے کی روایت کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

نجاشی کے پاس چلے جانے کے لیے سوچ بچار شروع کر دی۔ ابھی وہ اسی حیص بیص میں تھے کہ رسولِ اکرم ﷺ عمرۂ قضا کے لیے مکہ پہنچ گئے۔ خالد بن ولید روپوش ہو گئے، البتہ ان کے بھائی ولید اس عمرے کے دوران میں مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے خالد کو بھی تلاش کرنے کی کوشش کی مگر وہ نہ مل سکے، پھر انھوں نے ان کے نام خط لکھا جس میں تعجب ظاہر کیا کہ تم جیسا عاقل اور ذہین شخص اسلام سے کیسے دور رہ سکتا ہے؟ انھوں نے خط میں یہ بھی لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی تمھاری بابت پوچھا تھا اور فرمایا تھا کہ اس جیسا شخص اسلام سے جاہل نہیں رہ سکتا۔ اور اگر اس نے اپنی جنگی خدمات مسلمانوں کے ساتھ مل کر کافروں کے خلاف انجام دی ہوتیں تو یہ اس کے لیے بہت بہتر ہوتا اور ہم اُسے دوسرے لوگوں سے مقدم رکھتے۔'' جب انھیں اپنے بھائی کا یہ خط ملا تو ان کے دل میں ہجرت کا شوق پیدا ہو گیا۔

قبول اسلام کی ترغیب میں ان کا ایک خواب بھی محرک ثابت ہوا۔ انھوں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک تنگ اور بے آب و گیاہ علاقے میں ہوں، پھر میں ایک کھلے سرسبز و شاداب میدان میں نکل آیا ہوں۔ وہ کہنے لگے یقیناً یہ اہم خواب ہے۔ مدینہ آنے کے بعد انھوں نے یہ خواب ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: ''اس کا مطلب یہی ہے کہ تم شرک کی تنگنائے کو چھوڑ کر اسلام کے وسیع سمندر میں پہنچ گئے ہو۔'' جب انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا تو وہ چاہتے تھے کہ میرے ساتھ میرے مرتبے کے چند اور لوگ بھی چلیں۔ انھوں نے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل سے بھی رابطہ کیا لیکن وہ نہ مانے۔ خالد بن ولید انھیں چھوڑ کر اکیلے ہی چل پڑے۔ عین اسی وقت ان کی ملاقات ان کے ایک دوست عثمان بن طلحہ سے ہو گئی۔ خالد بن ولید نے ان سے اپنے دل کی بات کہہ دی تو پتہ چلا کہ خود عثمان بن طلحہ کی خواہش بھی یہی ہے۔ دونوں نے اتفاق کیا کہ کل صبح یأجج کے مقام پر ملیں گے۔ رات کے پچھلے پہر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور فجر کے وقت یأجج

میں اکٹھے ہو کر چل پڑے۔ جب یہ دونوں ہَدَّہ کے مقام پر پہنچے تو وہاں عمرو بن عاص سے ملاقات ہوگئی۔ اب پتہ چلا ان کا مقصد بھی یہی ہے، پھر تینوں سیدھے مدینہ منورہ پہنچے اور مسلمان ہو گئے۔ یہ صفر 8 ھ کی بات ہے۔

کدِید کے علاقے میں غالب بن عبداللہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو کدید کے علاقے میں بنو ملوح پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کی طرف جاتے ہوئے راستے میں قُدَید [66] کے مقام پر حارث بن مالک سے آمنا سامنا ہوا۔ وہ ابن برصا لیثی کے نام سے مشہور تھا۔ مسلمانوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ وہ کہنے لگا: ''میں تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اسلام قبول کرنے جا رہا ہوں۔'' لیکن مسلمانوں کو اس کی بات کا یقین نہ آیا، لہٰذا انھوں نے اُسے جکڑ لیا اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے: ''تجھے ایک رات کی قید سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اور اُسے ایک کالے آدمی کے سپرد کر دیا اور اُسے تاکید کی کہ اگر یہ گڑ بڑ کرے تو اسے قتل کر دینا۔ غروب کے وقت مسلمان کدید پہنچے اور چھپ گئے۔ انھوں نے جندب بن مکیث جہنی کو بطور جاسوس بھیجا۔ وہ ایک اونچے ٹیلے پر چڑھے۔ دشمن کے ایک آدمی کی نظر پڑ گئی۔ اُسے خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے تیر چلا دیا۔ ان کو تیر لگا مگر انھوں نے حرکت نہیں کی تاکہ کافروں کو مسلمانوں کی موجودگی کا پتہ نہ چل سکے۔ انھوں نے اپنے جسم سے تیر نکالا اور رکھ دیا۔ رات کے پچھلے پہر مسلمانوں نے دشمن پر اچانک حملہ کر دیا اور ان کے جانور ہانک کر چل پڑے۔ راستے میں ابن برصا اور اس کے ساتھی کے پاس سے گزرے تو

[66] قُدَیْد: یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بڑا قصبہ ہے۔ اس میں جابجا پانی کے چشمے بہتے ہیں، دیکھیے: (وفاء الوفا للسمهودي: 1287/4) یہ مکہ کے شمال میں تقریباً 160 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

انھیں بھی ساتھ لے لیا۔ اسی دوران میں دشمن نے مدد طلب کر لی۔ ان کی مدد کے لیے اتنا بڑا لشکر آ گیا کہ مسلمان ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ مسلمانوں کا پیچھا کرتے کرتے ان کے قریب پہنچ گئے۔ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان صرف وادیِ قُدید حائل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے غیبی مدد فرمائی۔ وادی میں سیلابی پانی بھیج دیا، حالانکہ نہ کوئی بادل تھا نہ بارش۔ دشمن وادی عبور نہ کر سکا۔ اس طرح مسلمانوں کو نجات مل گئی۔ [1]

یہ کارروائی صفر 8 ھ میں کی گئی اور اس میں صرف تیرہ یا چودہ مسلمان شامل تھے۔ [2]

اس کارروائی کے نصائح و اسباق

- مسلمانوں کو دشمنوں سے محفوظ کرنے کے لیے وادی میں سیلاب بھیج دینا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کی کرامت کا اظہار ہے۔
- جندب رضی اللہ عنہ کا جسم میں تیر لگنے کے باوجود حرکت نہ کرنا اس زبردست حقیقت کی دلیل ہے کہ اولین مسلمان دعوت اسلام پر مر مٹنے کے لیے تیار رہتے تھے اور ہر قسم کی تکلیف بخوشی برداشت کرتے تھے۔
- مسلمانوں کے ابن برصا کو باندھ کر رکھنے سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ دشمن کے معاملے میں ہر ممکن احتیاط برتی جا سکتی ہے۔

[1] ابن اسحاق نے اسے جس سند سے روایت کیا اسے محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک راوی مسلم بن عبداللہ مجہول ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/341-343) ابن اسحاق کی اسی سند سے اسے احمد نے بھی روایت کیا اور ساعاتی نے اس کی سند کو جید کہا ہے، دیکھیے: (الفتح الرباني: 21/128) ابن سعد نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 2/124) اور دیکھیے: (سنن أبي داود، الجهاد، باب في الأسير يوثق، حديث: 2678) ابو داود کے ہاں ابن اسحاق نے سماع کی تصریح نہیں کی، نیز دیکھیے: (المغازي للواقدي: 2/750-752)

[2] یہ واقدی کی روایت ہے۔ ابن سعد نے بھی اسے روایت کیا ہے اور یہ روایت ضعیف ہے۔

■ دشمنوں کی صورت حال سے مطلع رہنے کے لیے جاسوس بھیجنے سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ اپنی جانوں کے تحفظ اور دشمنوں کی سرکوبی کے لیے اسباب اختیار کرنا بہت ضروری ہے اور ان پر اچانک حملہ بھی کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انھیں اسلامی دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ مسلمانوں کے امن کے لیے مستقل خطرہ بن چکے ہوں۔

فدک میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تادیبی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے فدک میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی شہادت گاہ کی طرف جانے کے لیے زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کو دو سو مجاہدین کی معیت میں تیار کر لیا تھا۔ اتنے میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کدید کی کارروائی سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تو رسول اللہ ﷺ نے زبیر کی جگہ انھیں بھیج دیا۔ کہا گیا ہے کہ اس تادیبی کارروائی میں اسامہ بن زید اور علبہ بن زید رضی اللہ عنہم بھی ساتھ گئے تھے۔ اس لشکر نے ان کے کچھ آدمی قتل کیے اور ان کے جانور لوٹ لیے۔[1] کہا گیا ہے کہ یہ صفر 8 ھ کی بات ہے۔[2]

واقدی نے بیان کیا ہے کہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس لڑائی میں نہیک بن مِرداس کو اس کے کلمہ پڑھ لینے کے باوجود قتل کر دیا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اس غلطی کی بنا پر انھیں نہایت سخت سست کہا تھا۔[3] واقدی نے مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ سے یہ روایت باسند بیان کی ہے کہ انھوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جس نے کلمۂ توحید پڑھ لیا تھا تو رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں سخت ڈانٹ پلائی تھی۔ واقدی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ یہ اسی جنگ کا واقعہ ہے۔

[1] المغازي للواقدي: 2/723-726، والطبقات الكبرٰی: 2/126. یہ روایت واقدی کی اپنی سند سے ہے۔ [2] الطبقات الكبرٰی: 2/126. یہ معلق روایت ہے۔ [3] المغازي للواقدي: 2/724,725. روایت نہایت ضعیف ہے کیونکہ واقدی متروک ہے۔

ظاہری طور پر اس واقعے کے بارے میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے کہ اُسے کس صحابی نے کہاں قتل کیا۔ کہیں تو یہ ذکر ہے کہ وہ اسامہ تھے اور کہیں مقداد کا نام آتا ہے، پھر کہیں تو حرقہ کی لڑائی کا ذکر ہے جس میں قاتل کا نام تو ملتا ہے مگر مقتول کے نام کا کوئی ذکر نہیں۔ کہیں سریہ کدید کا ذکر ہے اور کہیں سریہ مَیْفَعہ کا۔ راجح وہ ہے جو ہم پیچھے بیان کر چکے ہیں، نیز جو صحیحین میں ہے کہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس شخص کو قتل کرنے کا واقعہ جہینہ کی شاخ حرقہ کے ساتھ لڑائی میں پیش آیا۔ ابن اسحاق نے صحیح سند کے ساتھ مقتول کا نام مرداس بن نہیک بیان کیا ہے۔

ذات اَطلاح میں قضاعہ کے ساتھ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو پندرہ مجاہدین دے کر بھیجا۔ وہ وادی القریٰ سے آگے شام کے علاقے ذات اَطلاح میں پہنچے۔ یہ ربیع الاول 8 ھ کی بات ہے۔[1] یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے تھے حتی کہ ان کے بالکل قریب جا پہنچے۔ قبیلے کے ایک جاسوس نے مسلمانوں کو دیکھ لیا اور جا کر بتایا کہ مسلمان تو بالکل معمولی تعداد میں ہیں۔ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر آئے اور ایک کے علاوہ سب کو شہید کر دیا۔ بچ رہنے والا ایک آدمی بھاگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثے کی خبر دی۔ آپ نے ان کی طرف لشکر بھیجنے کا ارادہ فرمایا مگر آپ کو پتہ چلا کہ وہ قبیلہ کسی اور جگہ منتقل ہو چکا ہے تو آپ خاموش ہو گئے۔[2] اس سانحے سے پتہ چلتا ہے کہ صحابۂ کرام کو دعوت اسلامیہ کی خاطر کن کن حالات سے گزرنا پڑا۔ اس قسم کے سانحات کئی مقامات پر ہوئے جن کی تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکی ہیں۔

---

[1] المغازي للواقدي: 753,752/2، والطبقات الكبرىٰ: 128,127/2. یہ واقدی کی روایت ہے۔

[2] یہ ابن اسحاق کی مختصر اور معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 357,356/4)

بنو عامر کے علاقے اَلسِّيّ میں شجاع بن وہب کی کارروائی

ربیع الاول 8 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو چوبیس آدمی دے کر بنوعامر کے علاقے السِّيّ میں ہوازن کی ایک جماعت کی طرف بھیجا۔ اس دستے نے ان پر اچانک حملہ کیا اور بہت سے اونٹ اور بکریاں غنیمت میں حاصل کیں۔ پندرہ دن کے بعد یہ دستہ قیدی اور جانور لیے مدینہ منورہ پہنچا۔ ان کے معاً بعد مفتوح قبیلے کا وفد بھی آن پہنچا اور انھوں نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ مسلمانوں نے ان کے قیدی انھیں لوٹا دیے۔ ان قیدیوں میں ایک خوبصورت لڑکی بھی تھی۔ اس نے اپنی مرضی سے شجاع بن وہب ہی کے ساتھ رہنا پسند کیا۔[1]

اس لڑکی کے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں مسلمانوں کے اخلاقِ عالیہ کس طور پر اثر انداز ہوتے تھے۔ ان کے وہ دشمن بھی جو ہر وقت ان سے لڑتے بھڑتے رہتے تھے مسلمانوں کی بے داغ سیرت اور نیک چلنی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ بے ساختہ مسلمان ہو گئے۔ ممکن ہے یہ وہی سریہ ہو جس کی طرف بخاری و مسلم کی اس روایت میں اشارہ ہے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دستہ نجد بھیجا جس میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔[2] انھوں نے غنیمت میں بہت زیادہ اونٹ حاصل کیے۔ ہر ایک مجاہد کو بارہ اونٹ ملے۔ گیارہ اونٹ حصے کے لحاظ سے اور ایک بطور انعام۔[3]

[1] المغازي للواقدي: 754,753/2، والطبقات الکبرٰی: 127/2. یہ بھی واقدی کی ضعیف روایت ہے۔ [2] صحیح البخاري، فرض الخمس، باب: ومن الدّلیل علی أن الخمس لنوائب المسلمین......، حدیث: 3134 و 4338، وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب الأنفال، حدیث: 1749. بخاری نے اس واقعے کا ذکر غزوۂ طائف کے بعد کیا ہے جبکہ دیگر اہل سیر و مغازی کے ہاں اس کا ذکر فتح مکہ کے لیے روانگی سے قبل ملتا ہے۔ [3] البدایة والنّهایة: 267/4.

یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سریۂ نجد جس کی طرف بخاری و مسلم ؒ نے اشارہ کیا ہے، ابوقتادہ بن ربعی انصاری کا سریہ ہو جو نجد میں غطفان کے ایک قبیلہ محارب کے علاقے خضرہ کی طرف گیا تھا۔ یہ شعبان 8 ھ کی بات ہے۔ ان کے ساتھ پندرہ آدمی تھے۔ انھوں نے دشمن کی ایک بہت بڑی ٹولی پر حملہ کیا اور جو بھی سامنے آیا اُسے قتل کر دیا، نیز بہت سے قیدی اور اونٹ ہانک لائے تو ان میں سے ہر مجاہد کو بارہ اونٹ ملے۔ ابوقتادہ کے حصے میں ایک خوبصورت لڑکی آئی جو ان سے رسول اللہ ﷺ نے مانگ لی۔ انھوں نے بخوشی دے دی۔ نبیِ کریم ﷺ نے وہ لڑکی مَحْمِيَه بن جَزْء کو ہبہ کر دی۔ اس معرکہ آرائی میں پندرہ دن لگے۔ [1]

مدین کی جانب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدین کی طرف بھیجا۔ ان کے ساتھ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام ضُمَیرہ اور ان کا ایک بھائی بھی تھا۔ انھوں نے ساحلی علاقے سے جنگی قیدی پکڑے۔ اس علاقے میں ملے جلے لوگ رہتے تھے۔ جب ان قیدیوں کو بیچا گیا تو مائیں اور بچے الگ الگ ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو وہ رو رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: ”انھیں کیا ہوا؟“ بتایا گیا: ”اللہ کے رسول! ان کو الگ الگ بیچ دیا گیا ہے۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ماؤں اور ان کے بچوں کو اکٹھا فروخت کرو، الگ الگ نہ کرو۔“ [2]

[1] المغازي للواقدي: 777/2، والطبقات الكبرىٰ: 132/2، وتاريخ الطبري: 34/4، وفتح الباري: 173/16، حديث: 4338. ابن سعد نے اسے معلق ذکر کیا ہے۔ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ [2] اس روایت کو ابن ہشام نے منقطع سند سے بیان کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 376,375/4، والإصابة: 206/2) عبدالرزاق نے بھی اسے ابن اسحاق کی سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المصنف لعبدالرزاق: 307/8) اسی سند سے اسے سعید بن منصور نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن سعيد بن منصور: 248/2) ان دونوں کی سند منقطع ہے۔ یوں یہ حدیث ◄◄

تاریخی کتابوں میں اس سریے کی تاریخ کا تعین نہیں کیا گیا، البتہ شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوۂ مؤتہ سے قبل کی بات ہے کیونکہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما غزوۂ مؤتہ میں شہید ہوئے تھے۔

جنگ موتہ

اس جنگ کا ایک سبب یہ بنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنا نامۂ مبارک دے کر بُصریٰ کے بادشاہ کی طرف بھیجا۔ جب وہ مؤتہ [67] کے مقام پر پہنچے تو شرحبیل بن عمرو غسانی نے انھیں باندھ کر قتل کر دیا، حالانکہ قاصدوں کو کسی صورت قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سانحے کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا، چنانچہ آپ نے جمادی الاولیٰ 8 ھ میں [1] یہ لشکر موتہ کی طرف

(67) مؤتہ: آج کل یہ ایک آباد قصبہ ہے جو مشرقی اردن اور کرک کے جنوب میں گیارہ میل کے فاصلے پر ہے۔

◄◄ ضعیف ہے۔ غلاموں کی خرید وفروخت میں انھیں جدا جدا کر کے فروخت کرنا دیگر صحیح احادیث میں ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے ماں اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالی، اللہ روزِ قیامت اس کے اور اس کے پیاروں کے درمیان جدائی ڈالے گا۔'' دیکھیے: (صحیح سنن الترمذي: 25,24/2) البانی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، نیز دیکھیے: (سنن أبي داود، الجهاد، باب في التفريق بين السبي، حديث: 2696، وسنن الدارمي، السير، باب النهي عن التفريق بين الوالدة وولدها، حديث: 2475، والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 126/9) یہ مختلف سندوں سے کئی احادیث ہیں۔ [1] اہل سِیَر و مغازی اس تاریخ پر متفق ہیں۔ ابن اسحاق نے اس تاریخ کو بسند حسن، جو عروہ تک پہنچتی ہے، روایت کیا ہے۔ عروہ نے اسے مرسل سند سے بیان کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 23/4، والطبقات الكبرىٰ: 128/2) یہ معلق روایت ہے ◄◄

بھیجا۔ [1] اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔ آپ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو امیر مقرر کیا اور ہدایت کی کہ ''اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں گے، اگر جعفر قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں گے۔'' [2]

واقدی اور ابن سعد نے یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں: ''اگر عبداللہ بن رواحہ بھی قتل ہو جائیں تو مسلمان اتفاق رائے سے کسی کو اپنا امیر بنا لیں۔'' [3]

لشکر تیار ہو گیا اور کوچ کا وقت آ گیا تو لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ امراء کو الوداع کہنا شروع کیا۔ عین اس وقت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ رونے لگے۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو بولے: ''یقین رکھو! اللہ کی قسم! مجھے نہ تو دنیا سے محبت ہے اور نہ تم سے جدائی کا غم بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ایک آیت تلاوت کرتے سنا ہے جس میں آگ کا تذکرہ ہے، فرمایا گیا ہے:

﴿ وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾

''اور تم میں سے ہر ایک اس (آگ) میں وارد ہونے والا ہے۔ یہ تیرے رب کے ذمے حتمی ہے جس کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔'' [4]

<< ابن حجر نے لکھا کہ اسے موسیٰ بن عقبہ اور ابوالاسود نے بھی عروہ سے روایت کیا ہے۔ ابن حجر ہی نے لکھا کہ خلیفہ بن خیاط نے اس سلسلے میں سب سے الگ موقف اپنایا ہے کہ یہ معرکہ 7 ھ میں پیش آیا، دیکھیے: (فتح الباري: 97/16) جب ہم نے تاریخ خلیفہ بن خیاط کے مطبوعہ نسخے سے رجوع کیا تو ہمیں یہ بات ابن حجر کے کہنے کے مطابق نہیں ملی بلکہ ابن خیاط نے ابن اسحاق کی پہلی مرسل روایت نقل کی ہے۔ بنا بریں ممکن ہے ابن حجر نے ابن خیاط کا یہ قول کسی اور جگہ سے نقل کیا ہو۔ [1] المغازي للواقدي: 756,755/2، والطبقات الکبریٰ: 128/2. یہ معلق روایت ہے۔ بنا بریں یہ سندیں ضعیف ہیں۔ [2] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوۃ مؤتة من أرض الشام، حدیث: 4261. [3] المغازي للواقدي: 756/2. یہ روایت واقدی کی اپنی سند سے ہے جو ضعیف ہے۔ ابن سعد نے اسے معلق روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 128/2) [4] مریم 71:19.

''میں نہیں جانتا وارد ہونے کے بعد واپسی کیسے ہوگی۔'' مسلمانوں نے کہا: '' اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ رہے۔ دشمنوں کو تم سے ہٹائے اور تمھیں صحیح سلامت واپس لائے۔''
عبداللہ بن رواحہ نے شعروں میں جواب دیا:

لٰكِنَّنِي أَسْأَلُ الرَّحْمٰنَ مَغْفِرَةً ... وَّضَرْبَةً ذَاتَ فَرْغٍ تَقْذِفُ الزَّبَدَا

أَوْ طَعْنَةً بِيَدَيْ حَرَّانَ مُجْهِزَةً ... بِحَرْبَةٍ تُنْفِذُ الْأَحْشَاءَ وَالْكَبِدَا

حَتّٰى يُقَالَ إِذَا مَرُّوا عَلٰى جَدَثِي ... أَرْشَدَهُ اللّٰهُ مِنْ غَازٍ وَّقَدْ رَشَدَا

''لیکن میں تو اللہ تعالیٰ سے بخشش کے ساتھ تلوار کے ایسے وسیع زخم کی دعا کرتا ہوں جو جھاگ پیدا کرنے والا تیز خون بہائے یا نیزے کا جان لیوا زخم جو کسی غضبناک شخص کے ہاتھ سے میدان جنگ میں اس طرح لگے کہ پیٹ اور جگر کے آر پار ہو جائے حتی کہ جب لوگ میری قبر سے گزریں تو بے ساختہ کہہ اٹھیں: اللہ کے راستے میں جنگ کرنے والے اس مجاہد کو اللہ کامیاب فرمائے بلکہ وہ تو کامیاب ہو گیا۔''[1]

پھر یہ لشکر چل پڑا اور شام میں معان کے مقام پر فروکش ہو گیا۔ پتہ چلا کہ ہرقل ایک لاکھ رومیوں کا لشکر لے کر بلقاء کے علاقے مآب میں ٹھہرا ہوا ہے۔ ان کے ساتھ لخم، جذام، بلقین، بہراء اور بلِّی کے قبائل کے ایک لاکھ جنگجو بھی آن ملے ہیں۔ ان کا کمانڈر بلِّی قبیلے کا ایک شخص مالک بن رافلہ تھا۔ جب مسلمانوں کو ان تفصیلات کا پتہ چلا تو وہ دوراتیں معان میں ٹھہر کر سوچ بچار کرتے رہے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو پوری صورتحال لکھ بھیجی جائے، پھر آپ یا تو مزید لشکر بھیج دیں یا ہمیں کوئی حکم دیں اور ہم

---

[1] اسے ابن اسحاق نے ایک حسن سند سے روایت کیا ہے، جو عروہ تک پہنچتی ہے۔ لیکن یہ سند مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 24/4)

جنگ مُؤتہ
(جیش الامراء)
کمانڈر: زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ
بحیرۂ روم
مصر
سیناء
مدین
صحرائے نفود
صحرائے نوبیہ
سُودان
بحیرۂ قلزم (احمر)
حجاز
دریائے نیل
الاقصر
بابلیون
فیوم
عقبہ
ایلہ
معان
تبوک
ضبا
الوجہ
العلا
خیبر
مدینہ منورہ
ینبع
رابغ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
مہد الذہب
دومۃ الجندل
0
50
100
200
400
600
800
1000
کلومیٹر
مُؤتہ کی جائے وقوع
القدس
اریحا
مغادر قران
بیت اللحم
الخلیل
بحیرۂ مردار
مادبا
وادی زرقاء معین
ذیبان
وادی موجب
بلقاء
اُردن
مُؤتہ
کرک
مزار
غور الصافی
وادی الحسا
الحسا
طفیلہ
شوبک
بتراء (پٹرا)
وادی موسیٰ
اذرح
معان
جفر
0
10
20
40
60
80
100
کلومیٹر

اس پر عمل پیرا ہوں۔ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی ہمت بندھائی۔ وہ کہنے لگے:

''اے میری قوم کے لوگو، اللہ کی قسم! اب جس چیز سے تم گھبرا رہے ہو یہی تو وہ ہے جس کی خاطر تم نکلے تھے، یعنی شہادت۔ ہم دشمنوں کے ساتھ تعداد، اسلحہ اور کثرت کی بنیاد پر نہیں لڑتے بلکہ ہم تو اس دین کی قوت سے لڑتے ہیں جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے۔ اٹھو، دشمن کی طرف بڑھو، ہمیں غلبہ نصیب ہو یا شہادت، یہ دونوں نعمتیں ہمارے لیے ایک دوسری سے بڑھ کر ہیں۔''

یہ بات سن کر لوگ بول اُٹھے: ''اللہ کی قسم! ابن رواحہ کی بات صحیح ہے۔'' لشکر چل پڑا، جب وہ بلقاء کی سرحد پر پہنچے تو ان کو رومیوں اور عربوں کا ملا جلا لشکر بلقاء کی ایک بستی شارف میں ملا، پھر دشمن بالکل قریب آن پہنچا تو مسلمان موتہ کی بستی میں جمع ہو گئے اور وہاں انھوں نے صف بندی کی۔ میمنہ پر قطبہ بن قتادہ عذری رضی اللہ عنہ اور میسرہ پر عبادہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا، پھر لشکر آمنے سامنے ہوئے اور جنگ چھڑ گئی۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما شہید ہو گئے اور جھنڈا جعفر رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا۔ وہ اپنے بھورے گھوڑے سے نیچے کود پڑے، پھر گھوڑے کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں اور مردانہ وار لڑنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بھی شہادت سے سرفراز فرما دیا۔ اس وقت وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

يَا حَبَّذَا الْجَنَّةُ وَاقْتِرَابُهَا طَيِّبَةٌ وَّبَارِدًا شَرَابُهَا

وَالرُّومُ رُومٌ قَدْ دَنَا عَذَابُهَا كَافِرَةٌ بَعِيدَةٌ أَنْسَابُهَا

عَلَيَّ إِذْ لَاقَيْتُهَا ضِرَابُهَا

''واہ! کیا خوب ہے جنت اور اس کا قرب! پاکیزہ جگہ اور ٹھنڈا میٹھا پانی۔ کافر ذلیل النسب رومیوں کے عذاب کا وقت قریب آ گیا ہے۔ اب جب ان سے

مڈھ بھیڑ ہو چکی ہے تو ان سے دو دو ہاتھ کرنا میری ذمہ داری ہے۔'' [1]

ابن ہشام کی روایت ہے کہ جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے دائیں ہاتھ میں جھنڈا پکڑا۔ وہ کاٹا گیا، پھر بائیں ہاتھ میں پکڑا۔ وہ بھی کاٹا گیا تو انھوں نے جھنڈا بازوؤں کے ساتھ سینے سے چمٹا لیا حتی کہ وہ شہید ہو گئے۔ [2] ان کی عمر صرف تینتیس سال تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں ہاتھوں کی جگہ جنت میں دو پر عطا فرمائے جن کے ذریعے سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں۔ [3]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/26-30. یہ روایت جس میں جعفر رضی اللہ عنہ کا اپنے بھورے گھوڑے کی ٹانگیں کاٹنے اور شعر پڑھنے کا ذکر ہے، اسے ابن اسحاق نے ایک متصل سند سے روایت کیا جو حسن درجے کی ہے۔ ابن سعد نے اختصار سے اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔ ابن سعد کی روایت معلق ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 2/129,128) واقدی نے اسے تفصیل سے اپنی سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 2/756-761) اس روایت میں بلقین و بہراء کے قبائل کا ذکر ہے جو بنوقضاعہ کی شاخیں ہیں۔ اس سلسلے میں دیکھیے: (الفتح الرّباني: 21/139) [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/31. سند منقطع ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ [3] اس سلسلے کی اصل حدیث ہیثمی نے درج کی ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 9/273,272) ہیثمی کا کہنا ہے: ''اس حدیث کو طبرانی نے دو سندوں سے روایت کیا ہے جن میں سے ایک حسن ہے۔'' حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جعفر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: ''اللہ نے جعفر کو ان کے ہاتھوں کے بدلے دو پَر دیے ہیں جن سے وہ جنت میں جہاں چاہیں اڑتے پھرتے ہیں۔'' ابن حجر نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو ذکر کیا ہے جسے طبرانی نے حسن سند سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''تمھیں مبارک ہو، تمھارے والد آسمان میں فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 14/222) اس روایت کو مزید تقویت اس حدیث سے ملتی ہے جسے بخاری نے روایت کیا۔ اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما جب بھی جعفر کے بیٹے کو سلام کہتے تو فرماتے: ''ذوالجناحین (دو پروں والے) کے بیٹے! السلام عليك.'' دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، حديث: 4264) ابن حجر نے اسی مضمون کی دیگر احادیث بھی نقل کی ہیں۔ ان میں سے کچھ احادیث صحیح ہیں اور کچھ ضعیف جو متابعت و شواہد »

ابن ہشام نے مزید لکھا: ''مشہور ہے کہ ایک رومی نے تلوار کا وار کر کے ان کے دو ٹکڑے کر دیے تھے۔''[1] واقدی اور ابن سعد نے چند روایات بیان کی ہیں جن سے شہادت کے بعد ان کے جسم کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔ ایک روایت کے مطابق ان کے جسم کے ایک ٹکڑے میں تیس بلکہ تیس سے بھی زیادہ زخم تھے جبکہ ایک تیسری روایت کی رو سے ان کے جسم میں ساٹھ سے زائد زخم تھے اور ایک نیزے کا زخم جو بدن کے آر پار ہو گیا تھا۔[2] صحیح بخاری میں ہے کہ ان کے جسم میں نیزوں اور تیروں کے نوے سے زائد زخم تھے۔[3]

ابن اسحاق اور دیگر کی روایت ہے کہ جب جعفر رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھا لیا، پھر آگے بڑھے۔ وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ ایک لمحہ کو ٹھٹکے، پھر یہ شعر پڑھے:

أَقْسَمْتُ يَا نَفْسُ! لَتَنزِلِنَّهْ   لَتَنْزِلِنَّ أَوْ لَتُكْرَهِنَّهْ

إِنْ أَجْلَبَ النَّاسُ وَشَدُّوا الرَّنَّةْ   مَا لِي أَرَاكِ تَكْرَهِينَ الْجَنَّةْ

قَدْ طَالَ مَا قَدْ كُنْتِ مُطْمَئِنَّةْ   هَلْ أَنْتِ! إِلَّا نُطْفَةٌ فِي شَنَّةْ

''اے جان! میں قسم اٹھاتا ہوں کہ تو پسند کرے یا نہ کرے تجھے موت کے گھاٹ اترنا ہی ہوگا۔ اگر کافروں نے لشکر جمع کیے ہیں اور وہ چلا رہے ہیں تو کیا وجہ ہے

»» (تائیدی روایات) کی بدولت قوی ہیں۔ سہیلی نے لکھا: ''اس سے مراد یہ ہے کہ جعفر کو ملائکہ کی سی صفات دی گئی ہیں، اسی طرح ملائکہ کے پر بھی۔ یہ ایسی صفات ہیں جن کی حقیقت معلوم نہیں کی جا سکتی۔ واللہ اعلم۔'' دیکھیے: (الروض الأنف: 80/4) [1] السيرة النبوية لابن هشام: 31/4. سند منقطع ہے۔ [2] المغازي للواقدي: 761/2. یہ روایات واقدی کی اپنی سندوں سے ہیں جو ضعیف ہیں۔ ابن سعد کی روایات بھی معلق ہونے کی وجہ سے ضعیف ہیں، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 129/2)
[3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة مؤتة من أرض الشام، حديث: 4261.

کہ تو جنت کو ناپسند کرنے لگی ہے؟ تو عرصۂ دراز سے جذبۂ شہادت سے سرشار اور مطمئن تھی۔ تیری کیفیت تو وہ ہے جو مشکیزے میں پانی کے ایک قطرے کی ہوتی ہے۔''

انھوں نے یہ شعر بھی پڑھے:

يَا نَفْسُ! إِلَّا تُقْتَلِي تَمُوتِي هٰذَا حِمَامُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيتِ

وَمَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ أُعْطِيتِ إِنْ تَفْعَلِي فِعْلَهُمَا هُدِيتِ

''اے جان! اگر تجھے میدان جنگ میں قتل نہ کیا گیا تب بھی تجھے موت تو بہر حال آنی ہی ہے۔ اب تو موت کے گھمسان میں گھس چکی ہے۔ عرصۂ دراز سے تیری جو تمنا تھی اب پوری ہو رہی ہے اگر تو بھی اپنے پیش روؤں (زید اور جعفر) کی طرح جرأت کا مظاہرہ کرے گی تو تجھے بھی ہدایت نصیب ہوگی۔''[1]

پھر وہ میدان جنگ میں اتر پڑے۔ اسی لمحے ان کا ایک چچا زاد بھائی گوشت والی ایک ہڈی لے آیا اور کہنے لگا: ''یہ کھالو تاکہ کچھ قوت حاصل ہو جائے۔ تم نے کئی دنوں سے کچھ نہیں کھایا۔'' انھوں نے ابھی تھوڑا سا گوشت ہی کھایا تھا کہ لوگوں کی طرف سے شکست کی آواز سنی۔ بولے: ''ارے! تو ابھی تک دنیا میں ہے؟'' یہ کہہ کر ہڈی پھینک دی اور تلوار لے کر لڑنے لگے حتی کہ اپنا وہ مطلوب حاصل کر لیا جس کی طلب میں عرصۂ دراز سے تڑپ رہے تھے۔ ان کی یہ خواہش ان کی اس تقریر میں صاف نظر آ رہی ہے جس میں انھوں نے دشمن کی کثرت کے باوجود اپنے ساتھیوں کو جنگ پر ابھارا تھا اور ان کے اشعار میں بھی جن کے ذریعے سے وہ اپنے جذبات ظاہر کر رہے تھے۔ اور خصوصاً وہ بات جو انھوں نے

[1] السيرة النبوية لابن هشام:4/32,31. سند حسن ہے۔ ان کے علاوہ اسے سعید بن منصور نے اپنی سنن میں منقطع سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن سعید بن منصور، باب جامع الشهادتين، وفتح الباري:16/98)

اپنے گھر پرورش پانے والے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے کہی تھی۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ غزوۂ موتہ کے سفر میں ان کے پیچھے ان کی سواری پر بیٹھے تھے۔ انھوں نے عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو زیرِ لب اپنے اشعار پڑھتے سنا جن میں وہ شہادت کی خواہش کر رہے تھے۔ زید رونے لگے تو عبداللہ بن رواحہ نے ان پر اپنا درہ لہرایا اور جوش سے کہنے لگے: ''احمق! تیرا کیا بگڑتا ہے اگر اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دے۔ تو پالان پر بیٹھا گھر واپس پہنچ ہی جائے گا۔'' [1]

ان کے بعد جھنڈا ثابت بن اَقرم رضی اللہ عنہ نے اٹھا لیا۔ انھوں نے مسلمانوں سے بلند آواز سے کہا: ''کسی ایک آدمی پر اتفاق کر لو۔'' لوگوں نے انھی کو نامزد کر دیا مگر وہ نہ مانے تو لوگوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر اتفاق کر لیا۔ انھوں نے جھنڈا پکڑا اور مسلمانوں کو محفوظ نکال لائے۔ [2] روایت ہے کہ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ شام کے وقت قتل ہوئے تو لڑائی اسی طرح جاری رہی۔ رات گزری تو اگلے دن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لشکر کی ترتیب بدل دی۔ مقدمہ کو ساقہ، ساقہ کو مقدمہ، میمنہ کو میسرہ اور میسرہ کو میمنہ بنا دیا۔ دشمن یہ منظر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے کہ مسلمانوں کو مدد پہنچ چکی ہے کیونکہ جھنڈے بھی بدلے ہوئے تھے اور کمانڈر بھی۔ وہ اس قدر مرعوب ہوئے کہ ڈھنگ سے لڑ بھی نہ سکے۔ اُدھر مسلمانوں نے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ ان جیسی لڑائی کسی قوم نے کبھی نہ کی ہوگی۔ [3] اس دن خالد کے ہاتھوں نو تلواریں ٹوٹیں۔ [4] اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ میدان جنگ سے نکلنے سے پہلے زبردست لڑائی ہوئی تھی۔

---

[1] ابن اسحاق نے اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی بکر نے اس راوی کا نام نہیں بتایا جس نے انھیں زید بن ارقم سے روایت کر کے بیان کیا، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 29,28/4) [2] یہاں تک کا مضمون ابن اسحاق کی روایت سے ہے۔ اس کی سند حسن ہے۔ [3] المغازي للواقدي: 764/3. اس کی سند نہایت ضعیف ہے۔ [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة المؤتة من أرض الشام، حديث: 4266,4265.

اس روایت کی تائید مسلم اور دیگر کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو عوف بن مالک نے بیان کی ہے کہ ایک یمنی مجاہد نے جو اس جنگ میں ان کے ساتھ تھا، ایک رومی کمانڈر کو قتل کر دیا اور اس کا اسلحہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اس سامان کو مالِ کثیر قرار دیتے ہوئے اُسے عام غنیمت کی طرح تقسیم کرنے کا خیال کیا۔ اس یمنی نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کی شکایت کر دی۔[1]

اس جنگ کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کا یہ معجزہ صادر ہوا کہ آپ نے جنگ کی خبر آنے سے پہلے ہی زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر صحابۂ کرام کو سنا دی تھی۔ اس وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ آپ نے یہ بھی بتایا تھا کہ اب خالد نے جھنڈا پکڑ لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں فتح نصیب کرے گا۔ اسی دن آپ نے انھیں "سیف اللہ" کا خطاب دیا تھا۔[2] رسول اللہ ﷺ کو اس سانحے پر سخت صدمہ ہوا۔[3] بعد میں یعلی بن امیہ رضی اللہ عنہ جنگ کی باقاعدہ خبر لے کر آئے تو ان کی خبر میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کردہ باتوں سے بڑھ کر کوئی اضافی بات نہیں تھی۔[4] ایک روایت کے مطابق یہ باقاعدہ خبر عامر اشعری رضی اللہ عنہ لے کر آئے تھے۔[5]

یہ جنگ انتہائی خطرناک تھی اور دشمن کے لشکر کی تعداد بے انتہا تھی۔ اس کے باوجود مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ بارہ آدمی شہید ہوئے۔[6] دشمن کے مقتولوں کی تعداد معلوم

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب القتيل، حديث: 1753.
[2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة المؤتة......، حديث:4262. طبری نے بھی اسے ابوقتادہ کی روایت سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (تاريخ الطبري:41,40/3) [3] فتح الباري: 101/16. [4] البداية والنهاية:275/4. ابن حجر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 101/16) [5] فتح الباري: 101/16. یہ طبرانی کی روایت ہے۔ [6] ابن اسحاق نے ایک معلق روایت میں ان شہداء میں سے دس کے ناموں کا ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام نے اس پر دو ناموں کا اضافہ کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 45,44/4) واقدی نے آٹھ شہداء کے نام بتائے ہیں، دیکھیے: (المغازي للواقدي:769/2)

نہیں ہوسکی تاہم جنگ کی تفصیلات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بہت زیادہ ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہداء موتہ کا درجہ بہت بلند ہے۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے (یا فرمایا: انھیں) یہ بات پسند نہیں کہ وہ ہمارے پاس ہوتے۔''[1]

باقی رہی ابن اسحاق کی روایت کہ لوگوں نے موتہ والوں سے کہا تھا: ''ارے جنگ سے بھاگنے والو! تم جہاد سے بھاگ آئے ہو......''[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے میں لکھا ہے: ''میرا خیال ہے کہ ابن اسحاق کو اس کے بیان میں غلطی لگی کہ یہ جملہ عام لشکر کے بارے میں کہا گیا ہے، حالانکہ یہ جملہ صرف ان افراد کے لیے کہا گیا جو مقابلہ شروع ہوتے ہی نکل بھاگے تھے۔ باقی لشکر نہیں بھاگا تھا بلکہ وہ ڈٹ کر لڑا۔

رسول اللہ ﷺ نے منبر پر مسلمانوں کو خبر دی تھی:

«ثُمَّ أَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ، فَفَتَحَ اللّٰهُ عَلٰى يَدَيْهِ»

''اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار (خالد بن ولید) نے تھام لیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں فتح عطا فرمائی ہے۔''

آپ ﷺ کے اس ارشاد کے بعد لوگ ان لوگوں کو ''بھاگنے والے'' کیونکر کہہ سکتے تھے۔ مسلمانوں نے تو لشکر کا استقبال بڑے احترام سے کیا تھا۔ ملامت تو ان چند افراد کو کی گئی جو لشکر کو وہاں چھوڑ کر بھاگ آئے تھے۔ انھی کے چہروں پر مٹی پھینکی گئی۔ ان چند لوگوں میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔[3]

اس کے بعد حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے چند دلائل کی رو سے ثابت کیا ہے کہ لشکر کے عام

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب من تأمّر في الحرب من غير إمرة إذا خاف العدو، حديث:3063. [2] السيرة النبوية لابن هشام:37/4. سند حسن ہے جو عروہ تک پہنچتی ہے، تاہم یہ روایت مرسل ضعیف ہے۔ ابن کثیر نے لکھا ہے: ''یہ روایت اس سند سے مرسل ہے اور اس میں عجیب و غریب باتیں ہیں۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية:276/4) [3] البداية والنهاية:276/4.

افراد نہیں بھاگے تھے۔ صرف چند افراد بھاگے تھے۔ اس کے بارے میں مسند احمد میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث آتی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے: ''میں ان چند لوگوں میں شامل تھا جو جنگ سے نکل بھاگے تھے۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ اگر ہم مدینہ منورہ گئے تو لوگ ہمیں قتل کر دیں گے۔ خیال آیا کہ ہم سمندر کی طرف چلے جائیں مگر پھر ہم نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ہم خاموشی سے رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں پیش ہو جائیں وہ جو فیصلہ فرمائیں گے ہمارے لیے وہی مفید ہو گا، چنانچہ ہم آپ کے حضور میں پیش ہو گئے اور اپنے بھاگنے کا اعتراف کر لیا۔ آپ نے فرمایا: ''نہیں! تم بھاگے نہیں بلکہ تم دوبارہ حملہ کرو گے (تم تو اپنے مرکز کے پاس لوٹے ہو۔) میں تمھارا اور مسلمانوں کا مرکز ہوں۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے: ''نہیں! بلکہ تم واپس جا کر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو۔'' جعفر رضی اللہ عنہ کے بیٹوں کو لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پیار محبت اور دل لگی کی باتیں کیں، پھر ان کے سر منڈانے کا حکم دیا۔ ان کے لیے دعائیں کیں اور جب ان کی والدہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر ان کی یتیمی کا تذکرہ کرنے لگیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھے ان کے فقر کا ڈر ہے؟ حالانکہ دنیا اور آخرت میں ان کا ولی (سرپرست) میں ہوں۔'' [2] جب جعفر رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انھیں مشغول کر دیا ہے۔'' [3]

جنگ مؤتہ سے حاصل ہونے والے اسباق

■ رسول اللہ ﷺ کا اس جنگ میں لشکر پر تین امیر مقرر فرمانا اس امر کی دلیل ہے کہ

[1] مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 204/7. ابن کثیر نے لکھا: ''اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے یزید بن زیاد کی روایت سے نقل کیا ہے۔ ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔ ہم اسے یزید بن زیاد ہی کی روایت سے جانتے ہیں۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 277/4) [2] مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 192/3-194. [3] مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 194/3.

امارت مشروط ہو سکتی ہے اور بالترتیب کئی امراء مقرر کیے جا سکتے ہیں۔

* رسول اللہ ﷺ کا باقاعدہ خبر آنے سے پہلے ہی تینوں کمانڈروں کی شہادت کی اطلاع دے دینا نبوت کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی ہے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کسی کی وفات کی اطلاع دینا جائز ہے اور یہ اس نعي ''موت کی اطلاع دینے'' میں داخل نہیں جس سے منع کیا گیا ہے۔

* تینوں کمانڈروں کی شہادت کے بعد مسلمانوں کا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کر لینا اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی میں بھی اجتہاد کرنا جائز تھا۔

* تینوں کمانڈروں کی شہادت کی خبر آنے پر آپ ﷺ کے اظہارِ غم سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں بہت رقت و رحمت رکھی تھی۔ شہادت پر اظہارِ غم رضا بالقضاء کے منافی نہیں بلکہ جب کوئی مصیبت آئے تو انسان پر غم کے آثار ظاہر ہونے چاہئیں۔ اس سے انسان صبر و رضا سے خارج نہیں ہوتا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''جو شخص مصیبت پر بے قرار ہوتا ہے مگر اپنے آپ کو صبر و رضا پر کاربند رکھتا ہے وہ اس شخص سے بہت بلند مرتبہ ہے جو مصیبت کی سرے سے پروا ہی نہیں کرتا۔'' لیکن ضروری ہے کہ بے چینی اور اظہارِ غم کے موقع پر بھی اس کا دل مطمئن ہو۔ [1]

* رومیوں کے ساتھ اس پہلی جنگ میں مسلمانوں کو بہت سے اسباق ملے جن کی روشنی میں آئندہ جنگوں کے لیے مفید معلومات حاصل ہوئیں کہ مسلمانوں کو ان کی تعداد، اسلحہ، جنگی منصوبوں اور ان کے علاقے کی آب و ہوا کا پتہ چل گیا۔ [2]

* تینوں کمانڈروں کے دِلیرانہ موقف سے اس ایمانی قوت کا اندازہ ہوتا ہے جو صحابۂ کرام کو جہاد کے میدانوں میں سرگرم اور متحرک رکھتی تھی۔

[1] فتح الباري: 100/16. [2] المُجْتَمَع المَدَني للدكتور أكرم ضياء، الجهاد، ص: 168.

باب

3

غزوۂ فتح مکہ

- فتح مکہ سے قبل کے اہم واقعات
- غزوۂ فتح مکہ
- عام معافی کا اعلان
- مکہ سے فوجی دستوں کی ترسیل

﴿لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ﴾

"آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمھیں معاف فرمائے۔"

[یوسف 12:92]

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝﴾

"حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل (ہمیشہ سے) مٹنے ہی والا ہے۔"

[بنیٓ إسرآء یل 17:81]

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

"جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور تو لوگوں کو دیکھ لے کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ پس تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر اور اس سے مغفرت مانگ، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔"

[النصر 110:1-3]

فتح مکہ سے قبل کے اہم واقعات

سریہ ذات السلاسل

جنگ مؤتہ سے واپسی کے چند دن بعد، ابن سعد کے مطابق جمادی الآخرہ 8 ھ میں [1] رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ بنو قضاعہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے لیے دوبارہ اکٹھے ہو رہے ہیں۔ آپ نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بلا بھیجا۔ وہ، آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا ارادہ ہے کہ تمھیں ایک لشکر پر امیر مقرر کر کے بھیجوں اللہ تعالیٰ تمھیں صحیح سالم رکھے گا اور غنیمت بھی عطا فرمائے گا۔ میں تمھیں کافی مال دینا چاہتا ہوں۔''

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! میں مال لینے کے لیے مسلمان نہیں ہوا بلکہ میں تو اسلام کو اچھا دین سمجھ کر مسلمان ہوا ہوں، میری خواہش ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو! پاکیزہ مال نیک آدمی کے لیے بہترین معاون ہوتا ہے۔'' [2]

[1] الطبقات الکبریٰ: 131/2. یہ معلق روایت ہے۔ [2] الفتح الرباني: 141,140/21. یہ عامر شعبی کی مرسل روایت ہے جس کی سند صحیح ہے۔ ساعاتی نے اسے روایت کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔ ابن حجر نے اس حدیث کے متعلق لکھا: ''احمد نے اور بخاری نے الأدب المفرد میں اسے روایت کیا ہے اور ابوعوانہ، ابن حبان اور حاکم نے علی بن رباح عن عمرو بن عاص کی سند سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔'' پھر ابن حجر نے پوری حدیث نقل کی ہے، دیکھیے: (فتح الباري:196/16) عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ''

پھر آپ نے انھیں تین سو مہاجرین و انصار کا امیر بنا کر بھیجا تا کہ وہ بنو قضاعہ کو ان کے گھروں میں جا کر تباہ و برباد کریں۔ آپ نے انھیں حکم دیا کہ دشمن کے خلاف قضاعہ ہی کے بعض قبیلوں بَلِّی، عذرہ اور بَلْقَین سے بھی مدد حاصل کریں کیونکہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی والدہ قبیلہ بَلِّی سے تعلق رکھتی تھیں۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بھیجنے سے ان کی تالیف قلب مقصود تھی۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ چلتے چلتے جذام کے علاقے میں سلسل نامی چشمے پر پہنچے جس کی وجہ سے اس غزوے کا نام ذات السلاسل پڑا تو انھیں پتہ چلا کہ دشمن کی جمعیت بہت زیادہ ہے۔ انھوں نے رافع بن مکیث جہنی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید دو سو مہاجرین وانصار، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں بطور کمک بھیجے۔ ان میں ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو تاکید کی کہ آپس میں اختلاف نہ کریں، لہٰذا جب عمرو بن عاص نے نمازوں کی امامت خود کرنے پر اصرار کیا تو ابوعبیدہ نے مخالفت نہیں کی تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔[1]

امام احمد کی بیان کردہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مہاجرین پر اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو اعراب پر امیر مقرر فرمایا تھا اور انھیں حکم دیا کہ بنوبکر پر حملہ کریں۔ مگر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ گئے تو انھوں نے بنو قضاعہ پر حملہ کر دیا کیونکہ بنوبکر ان

ذات السلاسل کی مہم پر روانہ کرنے کی روایت صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ثابت ہے، تاہم ان میں اتنی تفصیلات نہیں جتنی اہل سیر و مغازی کے ہاں ملتی ہیں، دیکھیے: (صحیح البخاري، الفضائل، باب قول النبي ﷺ: لو كنت متخذا خليلا، حديث: 3662) [1] المغازي للواقدي: 2/769-771. یہ روایت واقدی کی اپنی اسانید سے ہے۔ ابن سعد اور ابن اسحاق نے اسے معلق روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/359،360، و مغازي رسول الله ﷺ لعروة، ص: 207) یہ تمام سندیں ضعیف ہیں۔

کے ننھیال تھے۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کی مخالفت نہ کی کیونکہ وہ اختلاف کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شعبی کی بیان کردہ یہ توجیہ بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے۔ [1]

عمرو بن عاص لشکر لے کر چلے حتی کہ انھوں نے قبیلہ بَلّی کا علاقہ روند ڈالا اور انھیں تابع فرمان بنا لیا، پھر عذرہ اور بلقین کے علاقوں کو فتح کیا۔ آخر میں ان کا مقابلہ ایک جماعت سے ہوا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد وہ مدینہ منورہ لوٹ آئے۔ [2] واپسی کے دوران میں ایک انتہائی سرد رات میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو احتلام ہو گیا۔ انھوں نے مارے سردی کے غسل نہیں کیا۔ تیمم سے گزارا کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے دلیل پکڑی:

﴿وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا﴾

''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقیناً اللہ تم پر بہت رحیم ہے۔'' [3]

پھر انھوں نے اسی طرح لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ اجتہاد برقرار رکھا۔ [4]

---

[1] الفتح الرباني: 140,139/21. یہ شعبی کی مرسل روایت ہے۔ یہ سند ضعیف ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ [2] الطبقات الکبرٰی: 131/2. یہ معلق روایت ہے۔ واقدی نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 2/769-771) [3] النسآء 4:29. [4] سنن أبي داود، الطهارة، باب إذا خاف الجنب البرد تيمم، حديث: 335,334. البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسے بیہقی نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 403,402/4، والسنن الکبرٰی للبيهقي: 226,225/1) زاد المعاد کے محققین نے اس حدیث کے متعلق کہا: ''اس کی سند قوی ہے۔ بخاری نے اسے اپنی کتاب الصحیح میں بطورِ معلق درج کیا اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے قوی قرار دیا ہے۔ ابن حبان نے اسے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے، انھوں نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح ابن حبان (موارد الظمآن)، ص: 202) حاکم نے بھی اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 177/1) منذری نے اسے حسن قرار دیا ہے۔'' دیکھیے: ◄◄

جب لوگوں کو شدید سردی سے تکلیف ہوئی تو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے انھیں آگ جلانے اور دشمن کا پیچھا کرنے سے روک دیا۔ بعض مسلمانوں نے اس پر اعتراض کیا، پھر جب انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی شکایت کی تو عمرو بن عاص نے جواب دیا: ''میرے ساتھی تعداد میں کم تھے۔ مجھے خطرہ تھا کہ جب وہ آگ جلائیں گے تو دشمن کو ان کی قلیل تعداد کا پتہ چل جائے گا اور دشمن کا پیچھا کرنے سے اس لیے روکا تھا کہ مجھے خطرہ تھا مبادا ان کے آدمی چھپے ہوئے ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس حکمت عملی سے بہت خوش ہوئے۔ [1]

اہم باتیں

- ایک ایسے لشکر پر جس میں ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسی برگزیدہ شخصیت موجود ہو، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ افضل کی موجودگی میں ادنیٰ کو امیر بنانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ایسا امتیاز پایا جاتا ہو جو اُسے امیر بننے کا اہل بنا دے۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ جنگی ماہر تھے۔ [2]
- عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے تیمم سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے ہلاکت کا خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے۔
- یہ بھی معلوم ہوا کہ تیمم کرنے والا وضو کرنے والوں کی امامت کر سکتا ہے۔
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی اجتہاد جائز تھا۔ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے عمل، یعنی حالت جنابت میں تیمم کرنے اور پھر نماز پڑھانے سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ [3]

‹‹ (زاد المعاد: 388/3) احمد نے بھی اسے نقل کیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 203/4) ان کی سند میں ابن لہیعہ ہے۔ مزید دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر: 235/2) [1] تاریخ دمشق: 254/13ب، وصحیح ابن حبان (ابن بلبان): 404/10، حدیث: 4540، و فتح الباري: 195/16. [2] فتح الباري: 196/16. [3] زاد المَعاد: 389,388/3.

غابہ کی طرف ابن ابی حَدرَدْ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک آدمی جسے قیس بن رفاعہ یا رفاعہ بن قیس کہا جاتا ہے، ایک بہت بڑی تعداد لے کر غابہ پہنچ چکا ہے۔ اس کا مقصد قبیلہ قیس کو رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنا ہے۔ قیس بن رفاعہ بنوجشم میں نامور اور معزز تھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ اور دو دوسرے مسلمانوں کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا۔ یہ لوگ نکلے اور ابن ابی حدرد نے موقع پا کر رفاعہ بن قیس کو قتل کر دیا۔ اس کی قوم کے لوگ فرار ہو گئے۔ مسلمانوں نے جتنی عورتیں اور بچے ممکن تھے پکڑ لیے۔ جتنا مال آسانی سے اٹھا سکے اٹھا لیا۔ اور بڑی تعداد میں اونٹ اور بکریاں بھی ہانک لائے۔ وہ یہ سب کچھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ ابن ابی حدرد کے پاس رفاعہ کا سر تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان اونٹوں میں سے تیرہ اونٹ دیے۔[1] طبری کے مطابق یہ کارروائی شعبان 8 ھ میں کی گئی۔ اس کے امیر ابوقتادہ رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جسے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 250,249/4) اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں جعفر بن عبداللہ بن اسلم ہے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ یہ روایت اس نے ابن ابی حدرد سے سنی ہے۔ اس کے باوجود ابن حجر کے مطابق وہ مقبول ہے، یعنی جہاں اس کی تائید میں روایت موجود ہو ورنہ وہ ضعیف ہی ہے۔ یہاں اس کی تائید کسی راوی نے نہیں کی، اس لیے یہ سند ضعیف قرار دی گئی۔ ابن ہشام نے بھی اسے ابن اسحاق کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اس میں ابن اسحاق نے اس راوی کا نام نہیں لیا جس نے ان سے بیان کیا، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 369-367/4) اس حدیث کو احمد نے بھی ابن اسحاق کی سند کے علاوہ ایک دوسری سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 12,11/6) ہیثمی نے لکھا ہے: ''اس میں ایک راوی ہے جس کا نام نہیں بتایا گیا، باقی راوی ثقہ ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 207/6، والمغازي للواقدي: 777/2) اسے بیہقی نے بھی ابن اسحاق کے علاوہ دوسری سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 304,303/4) [2] تاريخ الطبري: 34/3. یہ معلق روایت ہے۔

بطن اِضَم میں ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے وادیِ اِضَم (68) کی طرف ایک مہم روانہ کی جس میں ابو قتادہ اور محلم بن جثامہ بن قیس بھی تھے۔ یہ لوگ وادیِ اضم میں پہنچے۔ ان کے پاس سے عامر بن اَضبط اشجعی کا گزر ہوا۔ اس نے انھیں اسلامی طریقے سے سلام کیا۔ اس لیے کسی نے اُسے کچھ نہ کہا لیکن محلّم کی اس سے دشمنی تھی۔ انھوں نے اُسے قتل کر دیا اور اس کے اونٹ اور سازوسامان پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ﴾

”اے ایمان والو! جب تم اللہ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو شخص تمھیں سلام کرے اُسے یہ نہ کہا کرو کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیا کا سامان حاصل کرنا چاہتے ہو۔“ [1]

(68) وادیِ اضم: یہ وادی مدینہ کی وادیوں کا سنگم ہے۔ جغرافیہ دانوں کا کہنا ہے کہ یہ سمینہ کے نزدیک مکہ اور یمامہ کے درمیان ایک پانی ہے جس سے راستہ گزرتا ہے، دیکھیے: (معجم البلدان: 282/1) بعض جغرافیہ دانوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک وادی ہے جو حجاز سے گزرتی ہوئی مدینہ کے قریب سمندر میں جا گرتی ہے۔ اس وادی میں اشجع اور جہینہ آباد تھے۔ ابن سعد کے نزدیک ”بطن اضم“ ذی خشب اور ذی المروہ کے درمیان ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان تین برید (تقریباً 86 کلومیٹر) کا فاصلہ ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 179/3)

[1] النسآء 4:94. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 364,363/4) واقدی کے ہاں یہ متصل سند سے ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 797/2) ابن سعد نے اسے معلق نقل کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 133/2) ابن سعد کی روایت میں ہے کہ اس مہم کے امیر ابو قتادہ بن ربعی انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ ابن اسحاق کی عبارت سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے۔ طبری نے اس روایت کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔ اس کی سند متصل ہے لیکن اس میں ابن اسحاق ◄◄

بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین میں محلّم کی استدعا کے باوجود اس کے لیے استغفار کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ [1]

مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ سات دن کے بعد فوت ہو گیا۔ لوگوں نے اُسے دفن کر دیا مگر زمین نے اُسے دو دفعہ باہر نکال پھینکا۔ اس کی قوم کے لوگوں نے اُسے دو پہاڑوں کے درمیان رکھ کر اُوپر سے پتھر جوڑ دیے۔ اس طرح اُسے ڈھانپا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! زمین تو اس سے بھی برے لوگوں کو قبول کر لیتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھیں یہ چیز دکھا کر باہمی حرمت کے بارے میں نصیحت کرنا چاہی ہے۔'' [2]

محدثین نے اس آیت کے بارے میں ایک سے زائد شان نزول بیان کی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جن کے پاس سے ایک آدمی اپنی بکریاں لے کر گزرا۔ اس نے انھیں سلام کیا لیکن انھوں نے اُسے

« نے عن سے روایت کی ہے، دیکھیے: (تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 72/9) [1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 366,365/4) طبری نے بھی اسے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے۔ طبری کی سند متصل ہے لیکن اس میں ابن اسحاق نے عن سے روایت کی ہے، دیکھیے: (تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 72/9) [2] تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر) 72/9. اس روایت کی سند متصل ہے لیکن اس میں ابن اسحاق نے عن سے روایت بیان کی ہے، نیز اسے ابن اسحاق نے مرسل سند سے بھی روایت کیا ہے مگر یہ سند ضعیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ انھوں نے اس راوی کا نام نہیں بتایا جس نے ان سے بیان کیا۔ انھوں نے اس سند کو البصری پر موقوف کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 366/4) اسے بیہقی نے بھی مرسل سند سے روایت کیا ہے جو البصری پر موقوف ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 310/4) بیہقی اور ابن اسحاق کی روایات میں قدرے اختلاف ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے اور شعیب نے بھی اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے۔ ان کی سند متصل ہے اور قبیصہ بن ذُویب تک پہنچتی ہے...... قبیصہ ابنائے صحابہ میں سے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے، انھوں نے محلّم یا عامر میں سے کسی کا نام نہیں لیا......، دیکھیے: (البداية والنهاية: 252/4)

قتل کر دیا اور اس کی بکریاں اپنے قبضے میں لے لیں۔ [1] احمد، ترمذی اور حاکم رحمۃ اللہ نے بھی اسی مفہوم کی روایات بیان کی ہیں۔ [2]

بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب انھیں ایک فوجی دستے میں بھیجا گیا۔ دشمن ادھر ادھر بھاگ گئے۔ ایک آدمی باقی رہ گیا۔ اس کے پاس بہت سا مال تھا۔ اس نے کلمۂ توحید پڑھ لیا۔ لیکن مقداد نے اُسے قتل کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقداد سے فرمایا: ''وہ مومن تھا۔ کافروں میں رہنے کی وجہ سے اس نے اپنا ایمان مخفی رکھا تھا۔ اب اس نے ایمان ظاہر کر دیا تو تم نے اُسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو کسی وقت مکہ مکرمہ میں اسی طرح اپنا ایمان چھپائے پھرتے تھے۔'' [3]

ان تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا واقعہ ایک سے زائد دفعہ ہوا اور یہ آیت بھی ایک سے زائد افراد کے بارے میں نازل ہوئی۔ [4]

بطنِ اِضم کا سریہ رمضان 8 ھ کی پہلی تاریخ کو وقوع پذیر ہوا۔ [5]

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾، حدیث: 4591. [2] مسند أحمد (تحقیق أحمدشاکر): 153/4، وجامع الترمذي، التفسیر، سورة النساء، حدیث: 3030. سند حسن ہے۔ البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاکم: 235/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [3] یہ روایت بزار کے حوالے سے ابن کثیر نے نقل کی ہے، دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر: 338/2) [4] دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر کے محققین کا حاشیہ: 338/2) [5] الطبقات الکبرٰی: 133/2. یہ روایت بغیر سند کے ہے۔ واقدی نے اسے بسند متصل روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 797/2) اس تاریخ کی تائید اس واقعے سے بھی ہوتی ہے کہ حنین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن نے عامر بن اَضبط کے بارے میں جھگڑا کیا۔ عیینہ عامر کے خون کا قصاص مانگ رہے تھے۔ وہ ان دنوں غطفان کے سردار تھے۔ ابن حابس، محلّم کا خندف میں اس کے مرتبے کی وجہ سے دفاع کر رہے تھے۔ آخر کار عیینہ نے دیت قبول »

واقدی نے اس سریہ کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا تو ابو قتادہ کو آٹھ ساتھیوں کے ساتھ وادیِ اضم کی طرف بھیجا تاکہ لوگ سمجھیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قصد اس طرف ہے اور یہی خبر مشہور ہو جائے۔ مکہ جانے کا ارادہ معلوم نہ ہو۔ [1]

اہم نکتہ

رسول اللہ ﷺ کا مقداد بن اسود کو یہ فرمانا کہ ”تم بھی تو اب سے پہلے مکہ میں اپنا ایمان چھپائے پھرتے تھے۔“ ہمیں شدت سے توجہ دلاتا ہے کہ جب کسی شخص کو قوت کے اسباب حاصل ہو جائیں تو اُسے اپنی کمزوری کے دن نہیں بھلانے چاہئیں۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو مغرور ہو کر تکبر کے نرغے میں آجائے گا۔ [2]
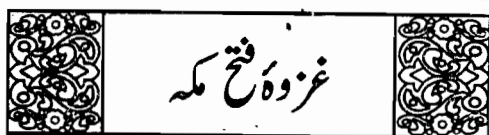
غزوے کے اسباب

صلح حدیبیہ میں طے پانے والی ایک شرط یہ تھی کہ جو شخص یا قبیلہ مسلمانوں کا حلیف بننا چاہے، وہ ان کا حلیف بن جائے اور جو قریش کا حلیف بننا چاہے، وہ ان کا بن جائے۔ اس صلح کے بعد بنوخزاعہ مسلمانوں کے حلیف بن گئے اور بنوبکر قریش کے۔ یہ صلح سترہ یا

« کی اور طے یہ پایا کہ دیت کا نصف اسی سفر میں ادا کیا جائے اور نصف واپسی پر۔ اس واقعے کو ابن اسحاق نے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 365,364/4، والإصابة: 292/2) [1] المغازي للواقدي: 797,796/2. [2] دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر کے محققین کا حاشیہ: 338/2)

اٹھارہ ماہ برقرار رہی، پھر ایک رات ایسا ہوا کہ بنو بکر نے مکہ مکرمہ کے قریب ایک چشمے ''وتیر'' کے کنارے خزاعہ پر اچانک حملہ کر دیا۔ قریش کہنے لگے: ''محمد کون سا ہمیں دیکھ رہے ہیں اور پھر یہ رات کا وقت ہے۔ کسی کو پتہ بھی نہیں چلے گا۔'' یہ سوچ کر انھوں نے اپنے گھوڑے اور اسلحہ بہم پہنچا کر بنو بکر سے تعاون کیا بلکہ ان کے ساتھ شامل ہو کر بنو خزاعہ سے لڑے کیونکہ انھیں دکھ تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے حلیف کیوں بنے۔ بنو خزاعہ نے مسلمانوں سے مدد مانگ لی۔ عمرو بن سالم خزاعی مدینہ منورہ آیا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے چند دردناک شعر پڑھے اور آپ ﷺ سے مدد کا طالب ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عمرو بن سالم! فکر نہ کرو تمھاری مدد کی جائے گی۔'' ابھی وہ وہیں کھڑا تھا کہ ایک بادل گزرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بادل بنو کعب کی مدد کے لیے گرج رہا ہے۔''[1]

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بنو بکر نے بنو خزاعہ کا پیچھا کرنا حرم میں بھی نہیں چھوڑا اور

[1] اس واقعے کو ابن اسحاق نے بسند حسن لذاتہ روایت کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 310,309/4) بزار نے بسند حسن و موصول وہ چند اشعار روایت کیے ہیں جو خزاعہ کے قائد نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے کہے تھے، دیکھیے: (كشف الأستار للبزار، ص: 342، وفتح الباري: 108/16) اس واقعے کو ابن ابی شیبہ بھی بسند مرسل لائے ہیں، دیکھیے: (فتح الباري: 108/16) عبدالرزاق نے بھی اس واقعے کو اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان کے الفاظ قدرے مختلف ہے، ان کی سند صحیح ہے۔ ان کی روایت میں یہ اشعار بھی نہیں ہیں، دیکھیے: (المصنف لعبد الرزاق: 374/5) ان اشعار کا ترجمہ یہ ہے: ''اے رب! میں محمد (ﷺ) کو ان کے اور اپنے والد کا پرانا عہد یاد دلاتا ہوں۔ پس آپ، اللہ آپ کو راہِ راست پر رکھے، ہماری بھرپور مدد کریں۔ اور اللہ کے بندوں کو بلائیں، وہ بھی مدد بن کر آئیں۔ بلاشبہ قریش نے آپ کے وعدے کی خلاف ورزی کی اور آپ کے پختہ عہد کو توڑ دیا ہے۔ انھوں نے ''وتیر'' میں ہم پر شبخون مارا اور ہمیں رکوع اور سجدے کی حالت میں قتل کیا۔ ان کا خیال تھا کہ میں کسی کو نہیں پکاروں گا جبکہ وہ کمزور اور تعداد میں کم ترین ہیں۔'' دیگر ماخذوں، بالخصوص طبرانی کی المعجم الكبير و الصغير میں میمونہ بنت حارث سے نقل کردہ مزید اشعار کے لیے دیکھیے: (سبل الهدى والرشاد للشامي: 308/5)

وہاں جا کر بھی انھیں قتل کیا۔ [1] بنوخزاعہ کے مقتولین کی تعداد بیس تک پہنچ گئی تھی۔ [2]

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ قریش کے سرداروں میں سے خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کرنے والے صفوان بن اُمیہ، شیبہ بن عثمان اور سہیل بن عمرو تھے۔ انھوں نے اسلحہ اور غلاموں کی کمک پہنچا کر ان کی مدد کی۔ [3] ابن حجر کی ایک روایت المطالب العالية [4] اور دوسری فتح الباري میں ہے۔ [5] ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ تمھیں اختیار ہے یا تو بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کرو یا بنوبکر کے ساتھ معاہدے سے دست بردار ہو جاؤ یا صلح ختم کر کے جنگ کا اعلان کر دو۔ قریش نے جنگ کرنا قبول کر لیا۔

چونکہ قریش کی یہ کارستانی صلح حدیبیہ کو ختم کرنے کے مترادف تھی۔ بعد میں قریش کو اس پر ندامت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ضمرہ کی واپسی کے بعد قریش نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کے لیے ابوسفیان کو مدینہ بھیجا۔ [6] مشہور ہے کہ جب قریش کو اپنی اس شرارت کے نتائج کا احساس ہوا تو انھوں نے مسلمانوں تک اس وقوعے کی خبر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 47,46/4. یہ معلق روایت ہے۔ [2] المغازي للواقدي: 784/2. یہ سند نہایت ضعیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اور اس کی سند میں عبداللہ بن عامر اسلمی ضعیف راوی ہے۔ علاوہ ازیں واقدی متروک ہے۔ [3] موسیٰ کی یہ روایت بغیر سند کے ہے جو ابن کثیر اور ابن حجر کے ہاں موجود ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 313/4، وفتح الباري: 108/16) [4] المطالب العالية: 244,243/4. محقق حبیب الرحمٰن اعظمی نے کہا: ''یہ مرسل روایت صحیح الاسناد ہے۔'' [5] فتح الباري: 114/16. یہ محمد بن عائذ دمشقی کی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ واقدی نے اسے بے حد ضعیف سند سے جو ابن عمر رضی اللہ عنہما تک پہنچتی ہے، روایت کیا ہے۔ اس سند کے ضعیف ہونے کی دو وجوہات ہیں: ایک واقدی، دوسرے سند کا منقطع ہونا، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 786/2) خود واقدی نے بھی اس روایت کو منکر جانا ہے۔ واقدی اور ابن عائذ کے نزدیک خزاعہ نے جو آدمی بھیجا اس کا نام ضمرہ تھا۔ [6] فتح الباري: 114/16، عن ابن عائذ، والمغازي للواقدي: 787,786/2. یہ وہی روایت ہے جسے واقدی نے منکر جانا ہے۔

طور پر ابوسفیان کو مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ ابوسفیان مدینہ آیا تو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی جرأت نہ کر سکا۔ وہ یکے بعد دیگرے ابوبکر، عمر، فاطمہ اور علی رضی اللہ عنہم سے ملا۔ کسی نے اس کی بات نہ مانی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ وہ ناکام و نامراد واپس مکہ آ گیا۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان سے کہا تھا: ''بھلا میں رسول اللہ ﷺ سے تمھاری سفارش کروں؟ اللہ کی قسم! اگر تم سے جنگ کرنے کے لیے میرے ساتھ چیونٹیوں کے علاوہ اور کوئی نہ ہو تب بھی میں انھیں لے کر تم سے جنگ کروں گا۔''[2] واقدی کی روایت میں ہے: ''اللہ کی قسم! اگر میں چیونٹیوں کو تم سے جنگ کرتا پاؤں تو ان کی بھی مدد کروں گا۔'' ابوسفیان نے کہا: ''تمھیں رشتے داروں کی طرف سے برا بدلہ دیا جائے۔''[3]

ابوسفیان جب مدینہ پہنچا تو وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجۂ نبی کریم ﷺ کے گھر گیا۔ جب وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھنے لگا تو انھوں نے بستر لپیٹ دیا۔ ابوسفیان نے کہا: ''بیٹی! تو نے اس بستر کو میرے قابل نہیں سمجھا یا میں اس بستر کے قابل نہیں؟'' انھوں

---

[1] اسے ابن اسحاق نے بسند حسن لغیرہ روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 55/4، و المصنف لعبدالرزاق: 375/5) یہ سند صحیح ہے۔ [2] السيرة النبوية لابن هشام: 46/4. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ محققین کا کہنا ہے: ''اسے عبدالرزاق نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (المصنف لعبدالرزاق: 5/372-376) اس کی سند میں عثمان جزری ہے جس پر کچھ تنقید کی گئی ہے۔ اسے ابن سعد نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 134/2) یہ معلق روایت ہے۔ بیہقی بھی اسے ابن اسحاق کی سند سے لائے ہیں، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 9,8/5) یوں یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوسفیان نے جب ابوبکر، علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہم سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے سفارش کریں تو انھوں نے کیا جواب دیا اس کی تفصیل بھی ابن ہشام کے ہاں ابن اسحاق کی روایت میں موجود ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 56,55/4) [3] المغازي للواقدي: 793/2.

نے جواب دیا: ''یہ رسول اللہ ﷺ کا بستر ہے جبکہ آپ مشرک ہیں، اس لیے ناپاک بھی ہیں۔ مجھے پسند نہیں کہ آپ اس بستر پر بیٹھیں۔'' ابوسفیان نے کہا: ''بیٹی! اللہ کی قسم! میرے ہاں سے آنے کے بعد تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔'' پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور آپ سے بات چیت کی مگر آپ نے اُسے کوئی جواب نہ دیا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر والوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔ لیکن یہ نہیں بتایا کہ کدھر کا ارادہ ہے۔ پھر بعد میں آپ ﷺ نے بتا دیا کہ مکہ مکرمہ جائیں گے۔ آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو بھی اچھی طرح تیاری کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''یا اللہ! قریش کے جاسوسوں سے خبریں محفوظ رکھنا تاکہ ہم انھیں اچانک جالیں۔''

لوگوں نے تیاری شروع کر دی اور حسان رضی اللہ عنہ نے بنوخزاعہ کے سانحے کا تذکرہ کرتے ہوئے شعروں کے ذریعے سے لوگوں کو گرما کر جنگ کے لیے جوش دلانا شروع کر دیا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے اردگرد کے قبائل سُلیم، اشجع، مزینہ، اسلم اور غفار کو بھی ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ اُن قبائل کے کچھ لوگ آپ ﷺ کی مدینہ منورہ میں موجودگی کے دوران ہی میں آپ کے پاس پہنچ گئے اور باقی مکہ مکرمہ کے راستے میں آکر ملتے گئے۔ اس طرح مسلمانوں کے لشکر کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی۔ [3] مہاجرین و انصار میں سے ایک

[1] یہ ابن اسحاق کی اس طویل روایت کا حصہ ہے جس میں فتح مکہ کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 55/4، والمغازي للواقدي: 793,792/2)

[2] ابن اسحاق نے اس حدیث کو محمد بن جعفر عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنہا کی روایت سے بسند حسن نقل کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 315/4) یہ حدیث زهري عن عروة عن مسور و مروان کی روایت سے بھی نقل کی گئی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 57,56/4) [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، حديث: 4276. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن لذاتہ روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4) واقدی اور ابن سعد نے بھی اسے معلق بیان کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 801/2، والطبقات الكبرىٰ: 135/2)

بھی پیچھے نہ رہا۔[1] بنو مزینہ کے آنے والے جنگجو ایک ہزار تھے۔ بنو سُلیم بھی ایک ہزار یا سات سو تھے۔[2]

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے کے لیے بالکل پا بہ رکاب تھے کہ بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ایک غلطی ہو گئی۔ انھوں نے ایک عورت کے ہاتھ مشرکین مکہ کے نام ایک خط لکھ دیا جس میں انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے سے مطلع کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم کو اس عورت کے پیچھے دوڑا دیا اور فرمایا: ''چلتے جاؤ۔ روضۂ خاخ کے مقام پر تمھیں ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے چھین لاؤ۔''

ٹھیک اسی مقام پر انھیں وہ عورت مل گئی۔ انھوں نے اس سے کہا کہ خط نکالو۔ اس نے انکار کر دیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انھوں نے خبردار کیا: ''تجھے خط نکالنا ہوگا ورنہ ہم تیرے کپڑے کھول دیں گے۔'' اس نے اپنے بالوں کا گچھا کھولا اور خط نکال کر پیش کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب کو بلا بھیجا اور دریافت فرمایا: ''حاطب! یہ کیا ماجرا ہے؟''

حاطب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ کے رسول! میرے معاملے میں جلد بازی میں کوئی فیصلہ نہ فرمایئے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں قریشی نہیں ہوں بلکہ ان کا حلیف تھا۔ آپ کی اور دیگر مہاجرین کی قریش کے ساتھ رشتہ داریاں ہیں جن کی بنا پر ان کے اہل و مال کی حفاظت ہو جائے گی۔ میں نے سوچا چلو قریش سے رشتہ داری نہ سہی۔ کیوں نہ ان پر احسان ہی کر دیا جائے۔ اس طرح میرے اہل و مال کی بھی حفاظت ہو جائے گی ورنہ اے اللہ کے

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن لذاتہ کے درجے کی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4) [2] یہ بھی ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4)

رسول! میں نے یہ کام ارتداد کی بنا پر نہیں کیا اور نہ میں کفر کو پسند کرتا ہوں۔ میں پکا مسلمان ہوں۔[4]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''حاطب نے تم سے صحیح بات کہہ دی ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ قَدْ شَهِدَ بَدْرًا وَّمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ اللّٰهَ اطَّلَعَ عَلٰى مَنْ شَهِدَ بَدْرًا وَّقَالَ: اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ»

''یہ بدر کی جنگ میں شریک ہوا ہے۔ تمھیں کیا معلوم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کی طرف جھانکا اور کہہ دیا ہو: جو چاہو کرو۔ میں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ۖ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝﴾

''اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے ہو، حالانکہ وہ اس حق کا انکار کر چکے ہیں جو تمھارے پاس آیا۔ وہ رسول کو اور تمھیں اس بنا پر (مکہ سے) نکالتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو (چنانچہ ہرگز ایسا نہ کرو) اگر تم میرے رستے میں جہاد کرنے اور میری رضا کی تلاش میں نکلے ہو۔ تم انھیں خفیہ طور پر دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جبکہ میں، جو تم چھپاؤ یا جو ظاہر کرو، اسے خوب جانتا ہوں۔ اور تم میں سے جو ایسا کرے وہ

سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔“ [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ کہنے لگے: ”اللہ اور اس کا رسول ﷺ زیادہ جانتے ہیں۔“ [2]

لشکر کی روانگی

رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف رمضان المبارک 8ھ میں عازم سفر ہوئے۔ وہ روزے سے تھے۔ بعد میں بھی روزے رکھتے رہے۔ جب کدید (69) پہنچے تو آپ نے بھی روزہ کھول لیا اور تمام لوگوں نے بھی۔ [3]

(69) کدید: یہ ایک جاری چشمہ ہے جو مکہ سے 86 کلومیٹر اور مدینہ منورہ سے 301 کلومیٹر دور عسفان اور قدید کے درمیان واقع ہے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، حديث: 4275) ابن اسحاق کے ہاں بسند حسن یہ تفصیل ہے کہ یہ عسفان اور امج کے درمیان واقع ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4) امام ابن القیم کا کہنا ہے: ”یہ وہی جگہ ہے جسے لوگ آج کل قدید کہتے ہیں۔“ دیکھیے: (زاد المعاد: 400/3)

[1] الممتحنة 1:60. صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، حديث: 4274، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل حاطب بن أبي بلتعة، حديث: 2494. ابن اسحاق کا بیان ہے کہ ان کے استاذ ابن جعفر کا خیال ہے کہ یہ عورت مزینہ قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ دیگر اساتذہ کا خیال ہے کہ اس کا نام سارہ تھا، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 85/4) سند حسن لذاتہ ہے۔ واقدی کی ایک روایت میں ہے کہ اس کا نام سارہ اور اس کا تعلق مزینہ قبیلے سے تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس عورت کا نام کنود تھا، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 799,798/2) یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا نام ام سارہ تھا۔ یہ بیہقی کی روایت ہے جسے ابن کثیر نے نقل کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 333/4) اس کی سند میں حکم بن عبدالملک ہے جو ضعیف ہے۔ اس روایت میں حاطب کا نام نہیں ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب فضل من شهد بدرًا، حديث: 3983. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الفتح في رمضان، حديث: 4275، وصحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم......، حديث: 1113. مسلم ہی کی اگلی روایت (1114) ◄◄

مؤرخین اور سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ آپ 10 رمضان المبارک کو چلے تھے۔ 19 تاریخ کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ [1] فتح کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ 12، 13، 16، 17، 18 یا 19 رمضان المبارک۔ اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ رمضان 8 ھ کی بات ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں صریح روایات ہیں۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ پر ابو رُہم کلثوم بن حصین بن عتبہ بن خلف غفاری رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ کے مکہ مکرمہ میں داخلے سے پہلے قریش کے بعض سردار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قبول اسلام کا اعلان کیا۔ رسول اللہ ﷺ کے رضاعی بھائی اور چچازاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب ''ابواء'' میں آپ کے پاس آئے۔ عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ ''سقیا اور عرج'' کے درمیان ایک مقام پر رسول اللہ ﷺ سے ملے۔ یہ دونوں اسلام کے زبردست مخالف رہے تھے بالخصوص ابوسفیان جو بیس سال تک مسلمانوں کی ہجو کرتے رہے اور تمام جنگوں میں ان سے برسرپیکار رہے۔ لیکن جب مسلمان ہو گئے تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے دفاع میں انتہائی جرأت مندانہ کردار ادا کیا، خاص طور

» میں ہے کہ روزہ کراع غمیم میں افطار کیا گیا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ روزہ عسفان میں افطار کیا گیا تھا۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو بسند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4)

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4) واقدی اور ابن سعد نے یہ اضافہ کیا ہے کہ روانگی کا دن بدھ تھا، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 801/2، والطبقات الكبرٰى: 135/2، وفتح الباري: 6/9) [2] صحيح مسلم، الصيام، باب جواز الصوم و الفطر في شهر رمضان......، حديث: 1113-1116. ابن سعد کی ایک روایت میں ہے کہ فتح مکہ کا واقعہ رمضان کی 10 تاریخ کو پیش آیا۔ [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن لذاتہ ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4) ابن سعد کی ایک معلق روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو نائب مقرر کیا تھا، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 135/2)

پر غزوۂ حنین میں جب تقریباً سب لوگ بھاگ گئے تھے یہ رسول اللہ ﷺ کے شانہ بشانہ ڈٹے رہے۔[1] اس کی تفصیل آگے آئے گی۔ عبداللہ بن ابی امیہ، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے والد کی طرف سے بھائی تھے۔ انھوں نے بڑی قوت اور مضبوطی سے اسلام کے دفاع کا فریضہ انجام دیا۔ طائف کے محاصرے کے دوران شہید ہوئے۔[2]

رسول ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بھی آپ کو راستے ہی میں ملے۔[3] ابن ہشام کے مطابق یہ مقام جحفہ تھا۔ وہ اپنے بال بچوں سمیت ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔[4] یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے[5] بلکہ بعض مؤرخین کے مطابق وہ ہجرت مدینہ سے بھی پہلے اسلام لا چکے تھے۔[6]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''مشہور قول کے مطابق عباس رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام فتح مکہ سے پہلے کی بات ہے، یعنی جب رسول اللہ ﷺ فتح کی نیت سے مکہ مکرمہ کی طرف چل پڑے تھے۔ بعض نے اس سے بھی پہلے بتلایا ہے اور یہ کوئی بعید نہیں کیونکہ حضرت

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 61/4) طبری نے اسے ابن اسحاق کی اسی سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (تاريخ الطبري: 115,114/3) حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 43/3-45) ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ بیہقی نے بھی اسے نقل کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 28,27/5) ہیثمی نے لکھا ہے کہ اسے طبرانی نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 164/6-167)
[2] الاستيعاب لابن عبدالبر: 263/2. [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 60/4) [4] السيرة النبوية لابن هشام: 61/4. ابن ہشام زہری سے نقل کرتے ہیں اور یہ روایت معلّق ہے۔ [5] الطبقات الكبرىٰ: 10/2. اس کی سند میں حسین بن عبداللہ ہاشمی ضعیف ہے، علاوہ ازیں اس سند میں واقدی اور ابن ابی سبرہ ہیں جو قابل اعتماد نہیں۔ [6] الطبقات الكبرىٰ: 31/2. یہ سند منقطع ہے۔ اس میں واقدی کے علاوہ ابن ابی حبیبہ بھی ہے جو ضعیف ہے۔

انس رضی اللہ عنہ کی روایت حجاج بن علاط کے واقعے کی تائید کرتی ہے۔"[1] واقعہ یوں ہے کہ جب عباس رضی اللہ عنہ نے حجاج بن علاط کی یہ بات سنی کہ خیبر کی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہو گئی ہے اور وہ بڑی تعداد میں مارے گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرفتار ہو چکے ہیں تو عباس رضی اللہ عنہ اس خبر کی تاب نہ لا سکے۔ وہ کھڑے ہی نہ رہ سکے بلکہ صدمے کے مارے بیٹھ گئے اور پھر چت لیٹ گئے۔ اس دوران انھوں نے اپنے ایک بیٹے قثم کو سینے پر بٹھا لیا اور اسے پیار کرنے لگے۔ قثم کی شکل و صورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی جلتی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے: "قثم تو مجھے بہت پیارا ہے۔ اونچی ناک والے نبی سے ملتا جلتا ہے۔ اس نبی پر اس کے رب کی بے شمار نعمتیں ہیں، چاہے کوئی کتنا ہی ناپسند کرے۔" پھر انھوں نے اپنا ایک غلام حجاج بن علاط کے پاس بھیجا کہ خبر کی تحقیق کر کے آئے۔ حجاج نے غلام کو مطمئن کر دیا کہ ایسی کوئی بات نہیں۔ میں نے تو مشرکین کو جھانسہ دیا ہے۔ غلام نے آ کر عباس رضی اللہ عنہ کو خوش خبری دی تو وہ جوش میں آ کر اٹھ بیٹھے، غلام کے ماتھے پر بوسہ دیا اور اُسے آزاد کر دیا، پھر جب مسلمان آئے تو عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں یہ بات بتائی جس سے وہ بے حد خوش ہوئے اور ان کی افسردگی جاتی رہی۔[2]

حافظ ابن عبدالبر نے خیبر سے پہلے ان کے مسلمان ہونے کی وضاحت کی ہے اور دلیل میں حجاج بن علاط ہی کا واقعہ بیان کیا ہے۔[3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح مکہ سے عین پہلے ان کے اسلام لانے کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے

---

[1] فتح الباري: 223/14. [2] المصنف لعبدالرزاق: 469-466/5، ومسند أحمد: 138/3، والفتح الرباني: 122/21. احمد نے عبدالرزاق کی سند سے نقل کیا ہے، مزید دیکھیے: (صحیح ابن حبان (ابن بلبان) 391,390/10، حدیث: 4530، وکشف الأستار: 341/2) ابن کثیر نے لکھا ہے: "یہ سند شیخین کی شرائط کے مطابق ہے۔ اس کے باوجود سوائے نسائی کے اسے کتب ستہ کے مصنفین میں سے کسی نے درج نہیں کیا۔ نسائی نے اسے اسحاق بن إبراهيم عن عبدالرزاق کی سند سے روایت کیا ہے۔" دیکھیے: (البداية والنهاية: 242/4) [3] الاستيعاب بهامش الإصابة لا بن حجر: 95/3.

ہیں: ''...... ابو رافع رضی اللہ عنہ کا قول (بدر کے واقعے میں) کہ ''اسلام ہم اہل بیت کے دلوں میں داخل ہو چکا تھا'' عباس رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ وہ بدر کے میدان میں قید ہوئے تھے اور انھوں نے اپنا اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب کا فدیہ بھی ادا کیا تھا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت نہیں کی تھی۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنی مجلس شوریٰ میں شامل نہیں کیا، حالانکہ وہ ان کی فضیلت کو تسلیم کرتے تھے اور ان سے بارش کی دعا کرایا کرتے تھے......''

میرے نزدیک قابل ترجیح وہی ہے جس کا ذکر ابن عبدالبر نے کیا ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ خیبر کی فتح سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، البتہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بنا پر دعوتِ اسلامیہ کی مصلحت کی خاطر اپنا اسلام چھپائے رکھا تا کہ وہ قریش کے معاملات کی خبریں آپ تک پہنچاتے رہیں۔

مسلمانوں کا لشکر مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک مقام مرّالظہران میں جمع ہو گیا۔ ابھی تک قریش کو ان کی کوئی اطلاع نہیں ملی تھی، تاہم ابوسفیان کی سفارت کی ناکامی کے پیش نظر وہ کسی اقدام کا خطرہ ضرور محسوس کر رہے تھے کیونکہ انھوں نے خزاعہ کے خلاف بنوبکر کی مدد کر کے صلح کی خلاف ورزی کی تھی، چنانچہ انھوں نے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور بدیل بن ورقاء کو بھیجا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں کی سن گن لیں۔ انھیں عباس رضی اللہ عنہ ملے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خچری پر سوار تھے۔ وہ اس کوشش میں تھے کہ قریش کی طرف کوئی قاصد بھیجیں تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں داخلے سے پہلے پہلے وہ آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مصالحت کر لیں۔ یہ تینوں سردار لشکر کے پڑاؤ والی جگہ کے بارے میں اظہار خیال کر رہے تھے کیونکہ وہاں جگہ جگہ کثرت سے آگ جلتی نظر آ رہی تھی۔ بدیل نے خیال ظاہر کیا کہ یہ آگ بنوخزاعہ نے جلا رکھی ہے۔ ابوسفیان نے یہ خیال رد کر دیا۔ آخر عباس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ یہ مسلمانوں کا لشکر ہے جو ان کے سر پر

آن پہنچا ہے۔ عباس رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے خچری پر بٹھایا اور رسول اللہ ﷺ کی جانب چلے۔ راستے میں عمر رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ اُسے قتل کرنے کے لیے پیچھے بھاگے مگر اس وقت تک عباس ابوسفیان کو لے کر رسول اللہ ﷺ تک پہنچ چکے تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں قتل کرنے سے روک دیا، پھر آپ نے ابوسفیان کو اسلام کی دعوت دی۔ رات کا بڑا حصہ دین اسلام کی ترغیب ہی میں بیت گیا۔ ابوسفیان کچھ کچھ نرم ضرور پڑ گیا لیکن وہ اسلام قبول کرنے سے اب بھی ہچکچا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اسے اپنے خیمے میں لے جائیں اور صبح لے کر آئیں۔ دوسرے دن صبح کے وقت تھوڑی سی حیل و حجت کے بعد ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا۔ عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ابوسفیان کے لیے بطور اعزاز کوئی خصوصی اعلان فرمائیں کیونکہ وہ فخر و بزرگی کا رسیا ہے۔ آپ نے ان کی بات تسلیم کی اور ''اعلان مکہ'' میں فرمایا: ''مکہ والوں میں سے جو بھی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گا اُسے امن حاصل ہو گا......۔''

اسلامی افواج مکہ میں

مکہ مکرمہ میں اسلامی فوج کے داخلے کے وقت رسول اللہ ﷺ نے عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ابوسفیان کو تنگ پہاڑی راستے کے پاس لے کر کھڑے ہو جائیں تاکہ وہ اللہ کے لشکروں کو گزرتا دیکھے۔ عباس رضی اللہ عنہ اُسے لے کر کھڑے ہو گئے اور ساتھ ساتھ اسے ہر لشکر کا تعارف بھی کرواتے رہے اور اس کی تعداد بھی بتاتے رہے۔ مرّالظہران میں تمام قبائل کے لشکر ایک ایک کر کے گزرتے رہے۔ جب مہاجرین وانصار کا لشکر گزرا جن میں رسولِ اکرم ﷺ بھی تھے تو ابوسفیان نے عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: ''اللہ کی قسم! تمھارے بھتیجے کی بادشاہت تو آج عظیم الشان ہو گئی ہے۔'' عباس رضی اللہ عنہ بولے: ''ابوسفیان! یہ نبوت ہے۔''

ابوسفیان بولا: ''ہاں! فی الواقع یہی بات ہے۔'' ابوسفیان نے یہ انتہائی حیرت انگیز منظر دیکھا تو اپنی قوم کے پاس پہنچا اور اعلان کیا۔ ہم اس لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتے جو محمد ﷺ لے کر آئے ہیں، پھر وہی اعلانات کیے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائے تھے۔ ''جو ابوسفیان کے گھر داخل ہو جائے اسے امن حاصل ہوگا۔ جو دروازہ بند کر کے اپنے گھر بیٹھ جائے اسے امن ہوگا۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے بھی کچھ نہیں کہا جائے گا۔'' اس اعلان کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ منتشر ہو گئے، کوئی گھر جا کر بیٹھ گیا، کوئی مسجد میں پہنچ گیا۔[1] ابوسفیان کے دوست بُدَیل بن ورقاء اور حکیم بن حزام رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچتے ہی مسلمان ہو گئے۔[2]

جب انصار کا دستہ ابوسفیان کے پاس سے گزرا تو ان کے علم بردار، سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آج خون ریزی کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا لحاظ بھی نہیں رکھا جائے گا۔''[3] ابوسفیان نے احتجاج کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سعد نے غلط کہا، آج تو اللہ تعالیٰ کعبہ کو خصوصی عظمت بخشے گا اور آج کعبہ کو نیا غلاف پہنایا جائے گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ سے جھنڈا واپس لے کر ان کے بیٹے قیس رضی اللہ عنہ کو دے دیا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ ان کے بیٹے کو اس منصب پر مقرر نہ کیا جائے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی غلط کام کر بیٹھے۔ آپ ﷺ نے ان کی درخواست منظور فرمالی۔[4] کہا گیا ہے

---

[1] یہ اسحاق بن راہویہ کی روایت ہے۔ ابن حجر کا کہنا ہے: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' دیکھیے: (المطالب العالیة:4/244-248، حدیث:4362) اسے ابن اسحاق نے بھی بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام:4/62-67) ان دونوں کی روایات کا مضمون بخاری کی روایت کے مضمون سے زیادہ مکمل ہے۔ ان روایات کا موازنہ کر لیا جائے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب: أین ركز النبي ﷺ الرّایة یوم الفتح؟ حدیث:4280) [2] یہ معلق روایت ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 135/2، والمغازي للواقدي:815/2) [3] صحیح البخاري، المغازي، باب: أین ركز النبي ﷺ الرّایة یوم الفتح؟ حدیث:4280. [4] مختصر زوائد البزار لابن حجر، ص:248. ابن حجر نے کہا: ◄◄

کہ پھر آپ ﷺ نے یہ جھنڈا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ یوں زبیر رضی اللہ عنہ دو جھنڈوں کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔[1] امام مغازی موسیٰ بن عقبہ نے زہری سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے جھنڈا زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا تھا۔[2]

واقدی نے اسلامی لشکر کے جھنڈوں کی تقسیم اور فوجی کمانڈروں کی جزئی تفصیلات درج کی ہیں۔ اسی طرح ان قاصدوں کے نام بھی لکھے ہیں جنھیں نبی کریم ﷺ نے دوسرے قبائل کی طرف بھیجا تھا تاکہ انھیں بھی ساتھ چلنے کی ترغیب دلائی جائے۔ انھوں نے اسلامی لشکر کے افراد کی تعداد اور ہر قبیلے کی تعداد الگ الگ تحریر کی ہے۔[3] یہ بات صحیح ثابت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ مرّ الظّھران پہنچے تو آپ نے فوجی کمانڈروں کا تقرر کیا اور لشکر کو قلب، میمنہ اور میسرہ میں تقسیم کیا۔ خالد بن ولید کو دائیں دستے، زبیر کو بائیں دستے اور ابوعبیدہ کو پیدل لشکر کا امیر مقرر کیا۔[4] رسول اللہ ﷺ کا بڑا جھنڈا سیاہ اور چھوٹا جھنڈا سفید تھا۔[5]

« ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 177/16) یہاں ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ [1] المطالب العالية: 241/4، ومجمع الزوائد: 169/6. ابن حجر اور ہیثمی دونوں کا کہنا ہے کہ اس روایت کی سند نہایت ضعیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں محمد بن حسن بن زبالہ ہے۔ یاد رہے کہ صحیح بخاری میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جھنڈا زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4280) [2] فتح الباري: 117/16، والبداية والنهاية: 4/323-328. [3] المغازي للواقدي: 2/799-801. [4] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث: 1780. ابن اسحاق نے بھی اسے عبداللہ بن ابی نجیح سے روایت کیا ہے۔ سند منقطع ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 69/4، 70) [5] صحيح سنن ابن ماجه للألباني: 133/2، حديث: 2274 و 2818. البانی کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' چھوٹے جھنڈے کے سفید ہونے کی روایت سنن ابی داود میں ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرّايات والألوية، حديث: 2591، 2592) سند حسن ہے۔ وسنن النسائي، الحج، باب دخول مكة باللواء، حديث: 2869.

قریش نے بھی مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے مختلف قبائل اور ان کے حلیفوں کو اکٹھا کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے ہم ان قبائل کو آگے کریں گے۔ اگر انھیں فتح حاصل ہوئی تو ہم بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے اور اگر انھیں شکست ہو گئی تو ہم مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کر لیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے لڑائی کا حکم دیا۔ اسلامی لشکر لڑتا بھڑتا صفا تک پہنچ گیا۔ جو بھی سامنے آتا تھا اُسے قتل کر دیا جاتا تھا۔ [1] کفار کے اس لشکر کی قیادت صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو کر رہے تھے اور انھوں نے خندمہ (70) کے علاقے کو لڑائی کے لیے منتخب کیا تھا۔ [2]

رسول اللہ ﷺ مکہ کی بالائی جانب کداء [3] سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ آپ پر

(70) خندمہ: یہ مکہ مکرمہ کے قریب (جنوب مشرقی سمت میں) ایک پہاڑ کا نام ہے۔

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث: 1780. [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو انھوں نے اپنے دو ثقہ اساتذہ عبداللہ بن ابی بکر اور عبداللہ ابی نجیح سے روایت کی ہے، یہ مرسل روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام) [3] صحيح البخاري، المغازي، باب دخول النبي ﷺ من أعلى مكة، حديث: 4291،4290. حافظ ابن حجر نے لکھا: ''بیہقی نے دلائل النبوۃ (66/5) میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت حسن سند کے ساتھ بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ نے دیکھا کہ مکہ کی عورتیں گھوڑوں کے چہروں پر اپنے دوپٹے مار رہی ہیں۔ آپ ﷺ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا: ''ابو بکر! حسان نے کیا کہا تھا؟'' ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حسان رضی اللہ عنہ کے یہ شعر پڑھے:

عَدِمْتُ بُنَيَّتِي إِنْ لَّمْ تَرَوْهَا تُثِيرُ النَّقْعَ مَوْعِدُهَا كَدَاءُ
يُنَازِعْنَ الْأَسِنَّةَ مُسْرَجَاتٍ يُلَطِّمُهُنَّ بِالْخُمُرِ النِّسَاءُ

''میری بیٹی مر جائے اگر ایسا نہ ہو کہ تم ہمارے گھوڑوں کو مقام کداء پر غبار اڑاتے دیکھو۔ وہ جوش میں سواروں سے اپنی لگامیں چھڑانے کی کوشش کریں گے اور تمھاری عورتیں انھیں اپنے دوپٹے ماریں گی۔'' رسول ﷺ نے فرمایا: ''گھوڑوں کو اسی مقام سے داخل کرو جس کا ذکر حسان نے کیا ہے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 119/16) یہ اشعار جو اس وقت رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے موقع کی مناسبت ◄◄

فتح مکہ (20 رمضان 8ھ)
﴿إِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ﴾
"جب آگئی مدد اللہ کی اور فتح" (النصر 1:110)
ذی طویٰ
اذاخر
عراق کا راستہ
ابوعبیدہ بن جراح
زبیر بن العوام
رسول اللہ ﷺ
جبل ہند
الحجون
نبی ﷺ کا قیام
قبر خدیجہ رضی اللہ عنہا
عرفات کا راستہ
کداء
قیس بن سعد بن عبادہ
مکہ مکرمہ
مسجد الحرام
صفا
بیت رسول اللہ ﷺ
خندمہ
جبل ابی قبیس
خالد بن ولید
جدہ کا راستہ
اجیاد

انتہائی خشوع وخضوع طاری تھا۔ دل تشکر کے جذبات سے معمور تھا۔ زبان پر سورۂ فتح جاری تھی۔ آپ اونٹنی پر سوار تھے۔[1] خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نشیبی جانب سے داخل ہوئے۔[2] خندمہ کے پاس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی بعض مشرکین کے ساتھ جھڑپ بھی ہوئی جس میں مسلمانوں کے دو[3] یا تین[4] سوار شہید ہوئے اور مشرکین کے بارہ یا تیرہ[5] بلکہ ایک قول کے مطابق تقریباً بیس آدمی مارے گئے۔ بنو ہذیل کے تین یا چار مقتول ان کے علاوہ تھے۔[6] بعض کہتے ہیں کہ چوبیس قریشی اور چار ہذلی مارے گئے۔[7] بعض مؤرخین نے مقتولین کی تعداد ستر بھی بتائی ہے۔[8] امام مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت راجح ہے کیونکہ

» سے پڑھے، حسان رضی اللہ عنہ کے ایک طویل قصیدے سے لیے گئے ہیں جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ایما پر قریش کی ہجو میں کہا تھا۔ مسلم نے اس قصیدے کے تیرہ اشعار روایت کیے ہیں، دیکھیے: (صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فضائل حسان بن ثابت، حدیث: 2490) کداء مکہ مکرمہ میں ایک گھاٹی کا نام ہے۔ [1] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4281. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4280. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح؟ حديث: 4280. یہ دونوں شہداء جیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری تھے۔ اشعر لقب ہے۔ اس کا اصل نام خالد بن سعد بن منقذ بن ربیعہ خزاعی تھا۔ یہ ام معبد کا بھائی تھا، دیکھیے: (فتح الباري: 119/16) ابن اسحاق نے دوسرے شہید کا نام خنیس بن خالد بن ربیعہ لکھا ہے۔ [4] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو انھوں نے اپنے دو ثقہ اساتذہ سے کی ہے۔ یہ روایت مرسل ہے۔ یہ تین شہداء کرز بن جابر، سلمہ بن میلاء اور خنیس بن خالد بن ربیعہ بن اصرم تھے۔ خنیس بنی منقذ کے حلیف تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ کرز اور خنیس جب قتل کیے گئے تب وہ راستہ بھول چکے تھے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 71/4) واقعے کی جو تفصیل صحیح بخاری میں ہے وہ زیادہ درست ہے۔ [5] السيرة النبوية لابن هشام: 71/4. [6] یہ موسیٰ بن عقبہ کی مرسل روایت ہے۔ یہ روایت ان کے حوالے سے بیہقی نے نقل کی ہے، دیکھیے: (السنن الكبرى للبيهقي: 120/9) اس میں کئی مجہول راوی ہیں۔ [7] المغازي للواقدي: 827/2-829، والطبقات الكبرى: 136/2. دونوں کی روایت معلّق ہے۔ [8] ابن کثیر نے لکھا کہ یہ طبرانی کی روایت ہے۔ اس کی سند میں شعیب بن صفوان ثقفی ہے جو مقبول ہے۔ عطاء بن سائب صدوق «

وہ صحاح ستہ کے راوی ہیں، نیز ابن اسحاق، ابن سعد اور واقدی سے زیادہ ثقہ ہیں۔

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کے رسول! قریش کی اکثریت قتل کر دی گئی۔ آج کے بعد قریش نہ رہیں گے۔''[1]

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قریش کے تمام مشرک اس امان کا احترام کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دی تھی تو یہ محدود قتل بھی نہ ہوتا۔[2] اس امان سے بعض انصار کو یہ غلط فہمی بھی ہوگئی تھی کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی پیدائشی بستی کی طرف رغبت اور اپنی قوم قبیلے سے شفقت کا نتیجہ ہے۔ آپ کو بذریعہ وحی ان کی اس غلط فہمی کا پتہ چلا تو آپ نے ان سے خطاب فرمایا:

«كَلَّا، إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ، هَاجَرْتُ إِلَى اللّٰهِ وَإِلَيْكُمْ، وَالْمَحْيَا مَحْيَاكُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُكُمْ»

» ہے جسے اختلاط ہوگیا تھا، دیکھیے: (البداية والنهاية: 331/4) یوں یہ حدیث ضعیف ہے۔ دکتور محسن احمد الدُّوم نے اپنے ماسٹرز کے تھیسز مرويات غزوة فتح مكة میں لکھا کہ یہ حدیث دیگر روایات سے تائید حاصل کرتی ہے۔ [1] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث: 1780.

[2] اس سلسلے میں وہ حدیث دیکھیے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت سعد سے جھنڈا لے لیا جب انھوں نے کہا: ''آج خونریزی کا دن ہے۔ آج کعبہ کی حرمت کا خیال نہیں رکھا جائے گا۔'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''سعد نے غلط کہا۔'' ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعینات کردہ امراء سے عہد لیا تھا کہ وہ صرف اسی سے لڑیں گے جو ان سے لڑے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 72/4) یہ معلق روایت ہے۔ امان یہ تھی: ''جو ابوسفیان کے گھر داخل ہوگیا وہ امن میں ہے، جو ہتھیار ڈال دے وہ امن میں ہے، جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا وہ امن میں ہے۔'' دیکھیے: (صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث: 1780) ابن اسحاق کی روایت جس کی سند حسن ہے اور اسحاق بن راہویہ کی صحیح روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''جو مسجد میں داخل ہوگیا وہ امن میں ہے۔'' دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/ 62-67، والمطالب العالية: 4/ 244-248، حديث: 4362)

”ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی خاطر تمھاری طرف ہجرت کر چکا ہوں۔ اب میری زندگی بھی تمھارے ساتھ ہے اور موت بھی تمھارے ساتھ ہے۔“

انصار روتے ہوئے آپ کی طرف لپکے، وہ کہہ رہے تھے: ”جو بات ہم نے کہی تھی اللہ کی قسم! وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں ہمارا لالچ تھا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ اور اس کا رسول تمھاری تصدیق کرتے ہیں اور تمھارا عذر قبول کرتے ہیں۔“ پھر کچھ لوگ ابوسفیان کے گھر کی طرف آگئے اور کچھ نے اپنے گھروں میں آکر دروازے بند کر لیے۔ [1]

عام معافی کا اعلان

رسول اللہ ﷺ نے معافی کے اعلانِ عام سے چار مردوں اور دو عورتوں کو مستثنیٰ کیا تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے، چاہے وہ کعبہ مشرفہ کے پردوں سے لٹک جائیں۔ مرد یہ تھے: عکرمہ بن ابی جہل [2]، عبداللہ بن خطل [3]، مقیس بن صبابہ [4] اور عبداللہ بن سعد بن

[1] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب فتح مكة، حديث: 1780. [2] المغازي للواقدي: 825/2. عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی تفصیلات اُس بات کا ثبوت ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کا خون رائیگاں قرار دے دیا تھا۔ [3] یہ پہلے مسلمان ہوگیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک انصاری صحابی کے ساتھ صدقہ وصول کرنے بھیجا۔ ان دونوں کے ساتھ ایک مسلمان غلام بھی خدمت کے لیے گیا۔ اس نے محض اتنی سی بات پر اس غلام کو قتل کر دیا کہ اس نے کھانا بروقت تیار نہیں کیا تھا، پھر مرتد ہوکر مشرک بن گیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ [4] ایک انصاری نے اس کے بھائی کو غزوۂ مریسیع میں غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اسے دیت دے دی گئی۔ اس کے باوجود اس نے موقع پا کر انصاری کو قتل کر دیا اور مرتد ہوکر مکہ بھاگ آیا۔ یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، ››

ابی سرح۔ [1] عبداللہ بن خطل نے کعبہ کے غلاف کو پکڑ رکھا تھا۔ وہ اسی حال میں قتل کر دیا گیا۔ [2] مقیس کو بازار میں واصل جہنم کیا گیا۔ عکرمہ اور عبداللہ بن سعد روپوش ہو گئے۔ انھوں نے کسی نہ کسی طریقے سے رسول اللہ ﷺ سے پروانۂ امن حاصل کر لیا اور مسلمان ہو کر سامنے آ گئے۔ آپ ﷺ نے انھیں معاف فرما دیا۔ [3] عورتیں سارہ اور فَرْتَنٰی تھیں۔

◄◄ دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 75/4) بزار بھی اس روایت کو کشف الأستار (343/2) میں لائے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی سُدّی ضعیف ہے۔ طبرانی نے اسے المعجم الأوسط میں روایت کیا ہے۔ اس میں حکم بن عبدالملک ایک راوی ضعیف ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 168,167/6) عبدالرزاق نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المصنف لعبدالرزاق: 378,377/5) ان کی سند میں عثمان جزری ہے جس پر قدرے تنقید ہوئی ہے۔ ابن ابی شیبہ نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المصنف لابن أبي شيبة: 491/14) اس حدیث کی سند میں سدی ہے۔ نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن النسائي، تحريم الدم، باب الحكم في المرتد، حديث: 4072) یوں یہ حدیث شواہد و متابعات (تائیدی روایات) کی بنا پر حسن لغیرہ ہے۔ [1] یہ پہلے مسلمان ہو گیا تھا۔ وحی بھی لکھتا رہا، پھر مرتد ہو گیا۔ یہ ابن سعد کی مرسل روایت ہے جو سعید بن مسیب سے ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 141/2) اسے طبرانی نے اوسط میں، عبدالرزاق نے المصنف میں اور نسائی نے بھی السنن میں روایت کیا ہے۔ دیکھیے سابقہ حاشیہ جس میں بقیہ معلومات دی گئی ہیں۔ ابن اسحاق نے بھی اسے معلق روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 73/4) ابوداود نے بھی اسے اپنی سنن میں روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الجهاد، باب قتل الأسير......، حديث: 2683) اس روایت میں دو راوی: سُدّی اور اسباط ضعیف ہیں۔ ان شواہد و متابعات کی بنیاد پر یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجے پر قرار دی جاتی ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح؟ حديث: 4286، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، حديث: 1357. [3] زهر الرُّبٰى شرح سنن النسائي للسيوطي: 105/7، بسند ضعيف. اس کی مانند میں دو ضعیف روایات آتی ہیں، پہلی جسے بیہقی نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة: 61,60/5) اس کی سند میں حکم بن عبدالملک ضعیف راوی ہے۔ دوسری روایت بھی بیہقی کی ہے، دیکھیے: (السنن الكبرٰى. [illegible]) اس میں عمرو بن عثمان مخزومی ہے جو مقبول درجے کا راوی ہے۔ تیسرا شاہد ◄◄

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دونوں ابن خطل کی لونڈیاں تھیں، فرتَنیٰ اور ایک دوسری عورت۔ [1]
سارہ عکرمہ بن ابی جہل کی لونڈی تھی۔ [2] ابن خطل کی دو لونڈیوں میں سے ایک ماری گئی،
دوسری بھاگ گئی۔ اس کی طرف سے جان بخشی کی درخواست پیش کی گئی تو آپ ﷺ نے
اسے معاف فرما دیا۔ سارہ بھی بھاگ اٹھی۔ آخر اس کی طرف سے امان کی درخواست کی
گئی۔ آپ ﷺ نے اُسے بھی امان دے دی۔ یہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک زندہ رہی، پھر کسی
شخص کے گھوڑے کی نیچے آ کر کچلی گئی اور مر گئی۔ [3]

« (تائیدی روایت) جو دلائل النبوة میں ہے، شدید ضعیف ہے۔ اس کی سند میں اسباط اور سُدّی دونوں ضعیف راوی ہیں، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 95/5) یوں یہ حدیث اپنی متعدد سندوں کی بنا پر حسن قرار پائے گی۔ [1] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے۔ ابن اسحاق کا کہنا ہے: ''یہ دونوں لونڈیاں رسول اللہ ﷺ کی ہجو میں گیت گایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 74/4) المطالب العالية میں ہے کہ ان دونوں لونڈیوں کے قتل کی روایت الحارث بن اسامہ نے اپنی مسند میں نقل کی ہے، دیکھیے: (المطالب العالية لابن حجر رحمہ اللہ: 243/4) ابو داود نے بھی اسے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ یہ روایت مختصر ہے۔ اس کی سند میں سدی اور اسباط ہیں، دیکھیے: (سنن أبي داود، الجهاد، باب قتل الأسير......، حديث: 2685) نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن النسائي، تحريم الدم، باب الحكم في المرتد، حديث: 4072) یہ سند ضعیف ہے۔ یوں یہ حدیث ان سندوں کی بدولت حسن لغیرہ قرار پاتی ہے۔ [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 76/4)
[3] فتح الباري: 120/16. حافظ ابن حجر نے ان سب کے ناموں، ان کے ماخذوں اور ماخذوں کے آپس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ ان میں سے ہر فرد کے خون کو رائیگاں قرار دینے کا کیا سبب تھا، پھر انھوں نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ ان میں سے کسے قتل کیا گیا اور کسے معاف کر دیا گیا۔ اس سلسلے میں دیکھیے ابن اسحاق کی معلق روایت اور اس پر ابن ہشام کے اضافات: (السيرة النبوية لابن هشام: 74،73/4) اس معاملے میں روایات کا آپس میں اختلاف ہے، دیکھیے: (مرويات غزوة فتح مكة للدكتور محسن أحمد الدوم، ص: 127-138)

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ جن لوگوں کے قتل کا آپ نے حکم دے رکھا تھا وہ نو مرد اور چھ یا آٹھ عورتیں تھیں۔ دراصل گانے بجانے والی لونڈیوں میں اختلاف ہے کہ وہ کون کون تھیں۔ ممکن ہے اَرنب اور ام سعد ہی ہوں۔ ہمارے بیان کردہ آدمیوں کے علاوہ جن کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

* حویرث بن نقیذ: اس نے رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادیوں فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے اونٹ کو کچوکا دیا تھا جس سے اونٹ بدک گیا اور وہ دونوں زمین پر گر پڑی تھیں۔ یہ ان کی ہجرت کے وقت کی بات ہے۔ اسے علی رضی اللہ عنہ نے قتل کر دیا۔
* ہبّار بن اسود: اس نے ہجرت کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے اونٹ کو کچوکا دیا۔ وہ اونٹ سے نیچے پتھر پر گر پڑیں اور ان کا حمل ضائع ہو گیا۔ یہ فتح مکہ کے دن بھاگ گیا۔ بعد میں مسلمان ہو گیا اور بہت اچھا مسلمان ثابت ہوا۔
* حارث بن طلاطِل خزاعی: اسے بھی علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔
* کعب بن زُہیر: یہ فرار ہو گیا۔ بعدازاں واپس آ کر مسلمان ہو گیا۔
* وحشی بن حرب، قاتل حمزہ: یہ بھی طائف بھاگ گیا، پھر بنو ثقیف کے وفد میں قاصد کا بھیس بدل کر آیا اور مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔
* ہند بنت عتبہ، ابوسفیان کی بیوی: یہ بھی مسلمان ہو گئی۔

واقدی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چھ مردوں اور چار عورتوں کے قتل کا حکم جاری فرمایا تھا۔ عکرمہ، ہبار، ابن سعد، مقیس، حویرث، ابن خطل، ہند بنت عتبہ، عمرو بن ہشام کی آزاد کردہ لونڈی سارہ اور ابن خطل کی دو گانے والی لونڈیاں (جو آپ ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھیں۔)[1] ان کے قتل کا حکم جاری کرنے کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو شدید تکلیف پہنچائی تھی اور مسلمانوں کے خلاف سنگین جرائم کے مرتکب ہوئے تھے۔

[1] المغازي للواقدي: 825/2.

اس حکم میں ہر دور اور ہر علاقے کے ان بدمعاشوں کے لیے عبرت ہے جو بے گناہ لوگوں کے خون سے ہاتھ رنگتے رہتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے بنوخزاعہ کو اجازت دی تھی کہ وہ فتح مکہ کے دن عصر کی نماز تک بنوبکر سے "وتیر" میں قتل کیے گئے اپنے مقتولوں کا قصاص لے سکتے ہیں۔ عصر کا وقت شروع ہو گیا تو آپ نے بنوبکر سے تلوار روک لینے کا حکم جاری کر دیا۔ اس کے بعد آپ نے حرم مکہ کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ اگلے دن بنوخزاعہ نے مزدلفہ میں بنوبکر کا ایک آدمی قتل کر دیا تو اللہ کے رسول ﷺ سخت ناراض ہوئے اور اس بکری شخص کی دیت ادا کی۔ اور اعلان فرمایا: "اگر اب کوئی کسی کو قتل کرے گا تو مقتول کے ورثاء کو اختیار ہو گا کہ قصاص لے لیں یا دیت۔"[1]

ابن اسحاق نے بنوبکر کے اس آدمی کے قتل کی تفصیلات بھی بیان کی ہیں۔ اس کا نام ابن اَثوع ہذلی تھا۔ اس نے بنوخزاعہ کا ایک شہسوار "احمر" قتل کر دیا تھا۔ اس لیے اسے خراش بن امیہ نے قتل کر دیا۔[2]

[1] الفتح الرّباني: 159/21. سند حسن لذاتہ ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے ابوشریح خزاعی سے روایت کیا ہے۔ ابوشریح خزاعی کی یہ روایت حرمت مکہ کے بارے میں ہے۔ ان کی سند بھی حسن لذاتہ ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 83,82/4) ابن اسحاق کی یہ روایت مسند أحمد میں ہے، دیکھیے: (الفتح الرباني: 162/21) مسند احمد میں اس کے ساتھ ایک دوسری روایت بھی ہے جس کی سند میں مسلم بن زید سعدی ہے۔ یہ راوی مقبول ہے جس کی متابعت (تائید) کی گئی ہے۔ یوں یہ روایت قوی ہے اور حسن لغیرہ کے درجے پر پہنچتی ہے۔ حرمت مکہ کے متعلق ابوشریح کی روایت بخاری نے بھی نقل کی ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب: (52)، حديث: 4295، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها وشجرها ولقطتها إلا لمنشد على الدّوام، حديث: 1354) [2] السيرة النبوية لابن هشام: 82,81/4. سند حسن ہے بشرطیکہ یہ ثابت ہو جائے کہ جس راوی کا نام نہیں لیا گیا وہ صحابی ہے۔

جب تمام اہل مکہ کعبہ کے قریب جمع ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کا انتظار کرنے لگے تو آپ نے ان کے لیے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارے خیال کے مطابق میں تم سے کیا سلوک کروں گا؟'' وہ بیک زبان بول اُٹھے: ''بہترین سلوک کریں گے۔ آپ ایک معزز شخصیت ہیں اور ایک معزز اور شریف انسان کے بیٹے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ﴾

''آج تم پر کوئی ملامت نہیں۔ اللہ تمھیں معاف فرمائے۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ نے فرمایا: ''جاؤ! تم آزاد ہو۔''[2] اسی بنا پر وہ تاریخ میں ''طُلَقاء'' یعنی آزاد کردہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ طرز عمل قرآن کریم کے اس حکم کی بنا پر تھا:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ○﴾

[1] یوسف 92:12. الأموال لأبي عبيد، ص: 143. اس کی سند حسن مرسل ہے، مزید دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 78,77/4، والطبقات الكبرى: 142,141/2) ان دونوں کی سندوں میں مجہول راوی ہے۔ یہ زہری کی روایت ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مجہول راوی صحابی ہے تو روایت صحیح قرار پائے گی۔ اس کا مضمون ابو عبید اور ابن اسحاق کی روایات کے مضامین سے قدرے مختلف ہے۔ کنز العمال میں ہے کہ ابن ابی دنیا نے اسے غصے کی مذمت کے عنوان کے تحت اختصار سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (كنز العمال: 389/10) ابن سنی بھی اسے عمر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے لائے ہیں، دیکھیے: (عمل اليوم والليلة، ص: 99) اس کی سند میں عبداللہ بن مؤمل ہے۔ ابن عدی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن مؤمل ضعیف راوی ہے، دیکھیے: (الكامل لابن عدي: 456-454/4) یوں یہ حدیث ان سندوں کی بدولت قوی ہو جاتی ہے لیکن اس کے متن میں نکارت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کفار کے لیے مغفرت کی دعا کیسے کر سکتے ہیں؟

[2] یہ ابن اسحاق کی زہری سے روایت ہے جس کی سند میں مجہول راوی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 78/4)

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی لو جتنی تمھیں تکلیف پہنچی ہو اور اگر تم صبر کرو تو صبر کے نتائج صابرین کے لیے بدر جہا بہتر ہوتے ہیں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «نَصْبِرُ وَلَا نُعَاقِبُ» ''ہم صبر کریں گے، بدلہ نہیں لیں گے۔'' [2] گویا آپ نے فضیلت اور ثواب کی خاطر عفو و صبر کو ترجیح دی (اور لطف و کرم کی عدیم النظیر مثال قائم کر دی۔)

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کے سامنے مکہ کی حرمت واضح کی اور فرمایا کہ فتح کے بعد اس پر حملہ نہ کیا جائے۔ [3]

آپ نے قریش کا مرتبہ بلند کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے بعد روز قیامت تک کسی قریشی کو باندھ کر قتل نہ کیا جائے۔ [4]

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو اس کے تقدس کی وجہ سے عام مفتوحہ علاقوں کے حکم سے مستثنیٰ رکھا۔ اس لیے آپ نے یہاں قتل کرنے اور لونڈی غلام بنانے کی ممانعت فرمائی اور مکہ کے اموال منقولہ وغیر منقولہ اہل مکہ ہی کے ہاتھوں میں رہنے دیے اور مکہ والوں پر کوئی ٹیکس یا جزیہ لاگو نہیں کیا۔ اسی لیے جمہور ائمۂ کرام کا مذہب یہ ہے کہ مکہ کی زمین کی خرید و فروخت اور مکہ کے مکانات کا کرایہ لینا درست نہیں۔ یہاں کے رہائشی اپنی ضرورت کے مطابق رہائش اختیار کر سکتے ہیں اور ضرورت سے زائد مکانات حج و عمرہ و زیارت کے لیے آنے والوں کے لیے بلامعاوضہ ہیں۔ وہ انھیں بغیر کرائے کے رہائش کے لیے

[1] النحل 126:16۔ [2] مسند أحمد: 135/5، وصحیح سنن الترمذي: 67/3. البانی کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن صحیح الاسناد ہے۔'' حاکم نے کہا: ''صحیح الاسناد ہے۔ اس کے باوجود شیخین نے اسے درج نہیں کیا۔'' ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 359/2) [3] جامع الترمذي، الحج، باب في حرمة مكة، حدیث: 809. یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ و مسند أحمد: 412/4. سند حسن لذاتہ ہے۔ [4] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب لا يقتل قرشي صبرًا بعد الفتح، حدیث: 1782.

استعمال کریں گے۔ دیگر فقہاء مکہ کی سرزمین کی خرید وفروخت اور مکانات کے کرایہ کے جواز کے قائل ہیں۔ انھوں نے اس مسئلے میں مضبوط دلائل سے استدلال کیا ہے۔ مانعین کے دلائل مرسل احادیث اور صحابۂ کرام کے اقوال پر مشتمل ہیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ مقام حجون میں ایک خیمے میں ٹھہرے جو آپ کے لیے لگایا گیا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں قریش نے بنو ہاشم اور مسلمانوں کے بائیکاٹ کا معاہدہ کیا تھا۔ اسے خیف بنی کنانہ اور محصب بھی کہتے تھے کیونکہ آپ کے گھر پر تو عقیل بن ابی طالب نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آپ اس کے وارث نہیں بنتے تھے کیونکہ عقیل کافر تھا۔ [2] ابو طالب کے بیٹوں میں سے علی اور جعفر کسی گھر کے وارث نہیں بنے تھے کیونکہ وہ دونوں مسلمان تھے۔ ابو طالب بحالت کفر فوت ہوئے تھے۔ ویسے بھی عقیل اور طالب نے تمام گھر بیچ دیے تھے۔ [3]

بیت اللہ سے بتوں کو نکال باہر کرنا

رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ بیت اللہ سے بت نکال کر اسے پاک صاف کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ بتوں کی شکست و ریخت میں بنفس نفیس شریک ہوئے۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک میں ایک لکڑی پکڑی ہوئی تھی جس سے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور فرما رہے تھے:

[1] علامہ ابن القیم ؒ نے یہ بحث درج کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مانعین میں مکہ کے ائمہ مجاہد اور عطاء، مدینہ کے امام مالک، عراق کے ائمہ ابو حنیفہ اور ثوری، نیز امام احمد واسحاق بن راہویہ شامل ہیں۔ علامہ ابن القیم ؒ خود جواز کے قائلین کی حمایت کرتے ہیں، دیکھیے: (زاد المعاد: 3/435-441)

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح؟ حديث: 4282، وكتاب الحج، باب نزول النبي ﷺ مكة، حديث: 1589، وصحيح مسلم، الحج، باب نزول الحجاج بمكة وتوريث دورها، حديث: 1351. [3] صحيح البخاري، الحج، باب توريث دور مكة وبيعها و شرائها......، حديث: 1588.

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ۝﴾

’’کہہ دے: حق آگیا اور باطل نہ پہلے کچھ کرتا تھا نہ دوبارہ کرے گا۔‘‘ [1]

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝﴾

’’حق آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بلاشبہ باطل (ہمیشہ سے) مٹنے ہی والا ہے۔‘‘ [2]

بتوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ [3] کعبہ کے اندر ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی تصویریں اور مجسمے بنائے گئے تھے۔ ان کو تیروں کے ساتھ قسمت آزمائی کرتے دکھایا گیا تھا۔ ان پر زعفران مَل دیا گیا۔ جب تک یہ مجسمے بیت اللہ سے نکال نہیں دیے گئے، آپ کعبے میں داخل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ ان مجسمے بنانے والوں پر لعنت فرمائے۔ ابراہیم کبھی بھی تیروں سے قسمت آزمائی نہیں کرتے تھے۔‘‘ [4]

ایک روایت میں ہے: ’’یہ ابراہیم علیہ السلام کا مجسمہ ہے۔ بھلا وہ تیروں سے قسمت کیونکر معلوم کرتے؟‘‘ [5]

---

[1] سبا 34:49. [2] بنيِ إسرآء يل 17:81.صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبيﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4287.اس روایت میں فقط سورۂ سبا کی آیت ہے، مزید دیکھیے: (صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب إزالة الأصنام من حول الكعبة، حديث:1781) اس روایت میں دونوں آیات ہیں۔ مسلم کی دیگر دو روایتوں میں صرف سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ہے۔ ابن ہشام نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ان کی سند میں وہ راوی جو ابن ہشام سے بیان کرتا ہے، ضعیف ہے۔ اس کے باقی راوی سب ثقہ ہیں، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:85,84/4) انھوں نے سورۂ بنی اسرائیل کی آیت کا ذکر کیا ہے۔ [3] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبيﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4287، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب إزالة الأصنام من حول الكعبة، حديث:1781.
[4] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبيﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث:4288، و مسند أحمد: 365/1، سند صحیح ہے۔ شفاء الغرام میں ہے کہ ابن قانع نے بھی اس روایت کو اپنی معجم میں نقل کیا ہے، دیکھیے: (شفاء الغرام:230/1) شفاء الغرام کی تحقیق ڈاکٹور تدمری نے کی ہے۔ اس روایت میں ہے کہ تصویروں پر پہلے مٹی مل گئی، پھر زعفران۔ [5] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ۝﴾ ......، حديث:3351.

ایک روایت میں ہے کہ مریم علیہا السلام کا مجسمہ بھی بیت اللہ کے اندر رکھا ہوا تھا۔ [1] لکڑی سے بنا ہوا ایک کبوتر بھی تھا۔ آپ نے اُسے بھی توڑ پھوڑ کر کعبے سے باہر پھینک دیا۔ [2] جب کعبہ اور اس کا ماحول بتوں سے پاک ہو گیا تو آپ کعبے میں داخل ہوئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ [3] پھر آپ باہر نکلے اور کعبے کی چابی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمائی۔ اور جس طرح جاہلیت میں عہدۂ حجابت بنوشیبہ کے پاس تھا آپ نے بھی یہ عہدہ انھی کے پاس رہنے دیا، [4] پھر آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور احرام کے بغیر بیت اللہ کا طواف کیا۔ جب آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے تو آپ کے سر پر خود تھا، پھر آپ ﷺ نے سیاہ عمامہ پہن لیا۔ [5]

دوران طواف آپ اپنی چھڑی سے حجر اسود کو چھوتے رہے [6] تاکہ لوگوں کے طواف میں رکاوٹ نہ پڑے اور امت اسلامیہ اس عمل سے تعلیم حاصل کرے، پھر آپ نے

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَٰهِيمَ خَلِيلًا ۝﴾......، حديث: 3351. [2] یہ روایت ذہبی نے ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کی ہے، اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 552) [3] صحيح البخاري، المغازي، باب حجة الوداع، حديث: 4400. اس روایت میں یہ تفصیل بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعبے کے اندر نماز کہاں پڑھی اور اس کی کیفیت کیا تھی۔ [4] المصنف لعبدالرزاق: 5/83-85، حديث: 9073,9074,9076، وفتح الباري: 16/128,129. ان دونوں نے متعدد ضعیف احادیث روایت کی ہیں لیکن تمام مل کر اور اپنی اسناد کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہیں۔ [5] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4286، وصحيح مسلم، الحج، باب النهي عن حمل السلاح بمكة من غير حاجة، حديث: 1358. صحیح بخاری کی روایت میں سیاہ عمامہ پہننے کا ذکر نہیں۔ [6] صحيح البخاري، الحج، باب استلام الركن بالمحجَن، حديث: 1607، وصحيح مسلم، الإيمان، باب ذكر المسيح ابن مريم والمسيح الدجال، حديث: 172، وسنن أبي داود، المناسك، باب الطواف الواجب، حديث: 1877,1878. اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔ طبرانی نے بھی اسے روایت کیا ہے، اس کی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 3/244)

بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا۔ بلال نے کعبے کی چھت پر چڑھ کر اذان پڑھی۔ سعید بن عاص کا ایک بیٹا کہنے لگا: ”اللہ تعالیٰ نے اچھا ہی کیا جو سعید کو پہلے ہی اٹھا لیا ورنہ اُسے بھی اس کالے کلوٹے کو بیت اللہ کی چھت پر چڑھا دیکھنا پڑتا۔“ [1] قریش کے بعض دوسرے زعماء نے بھی ایسے ہی جملے کہے۔ [2]

جب بیت اللہ اور اس کے اردگرد کی تطہیر ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں میں نصب بڑے بڑے بت ختم کرنے کے لیے مختلف لوگوں کو روانہ کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو تیس آدمیوں کے ساتھ بنو ثقیف کے علاقے بطن نخلہ میں ”عزّیٰ“ کی شکست و ریخت کے لیے بھیجا جو مضر، قریش اور کنانہ کا مشترکہ بت تھا۔ انھوں نے اُسے ملیا میٹ کر دیا۔ [3]

[1] المغازي للذهبي، ص: 555. سند حسن ہے بشرطیکہ یہ معلوم ہوجائے کہ یسار سے بیان کرنے والا راوی صحابی ہے۔ کعبے پر بلال کے اذان دینے کی روایت عروہ نے بھی بیان کی ہے۔ ان کی سند مرسل ہے۔ بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 78/5) ابن سعد نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرى: 235,234/3) یہ روایت مرسل ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اس روایت میں حارث بن ہشام اور صفوان بن امیہ کا ذکر ہے۔ انھی دونوں نے اذان پر تبصرہ کیا تھا۔ ایک نے کہا: ”اس حبشی کو تو دیکھو۔“ دوسرے نے کہا: ”اگر اللہ نے اسے ناپسند کیا تو اسے بگاڑ دے گا۔“ اسے بیہقی نے دلائل النبوة میں عبدالرزاق کی مرسل سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 79/5) یوں یہ حدیث قوی ہے۔ اسے واقدی نے بھی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 346/2) [2] المغازي للواقدي: 864/2. اس روایت میں واقدی نے اپنی سندوں کے ساتھ قریشی زعماء کی باتیں لکھی ہیں۔ ابن ہشام نے اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 180/4) [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے۔ اس روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عزّیٰ کے متولی بنو شیبان اور بنو سُلیم کے لوگ تھے جو بنی ہاشم کے حلیف تھے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 112/4، والطبقات الكبرى: 145/2، والمغازي للواقدي: 873/2، والسنن الكبرى للنسائي: 474/6) اس حدیث کی سند میں ولید بن جُمَیع صدوق راوی ہے جسے وہم ہوجاتا ہے۔

اس وقت رمضان المبارک کے پانچ دن باقی تھے۔[1] سعد بن زید اشہلی کو بیس سوار دے کر قُدید کے علاقے میں مشَلّل کے مقام پر نصب بت ''منات'' کو ڈھانے کے لیے بھیجا۔ ''قدید کو آج کل ''قدیدیہ'' کہتے ہیں۔ اس بت کو عرب، خصوصاً اوس اور خزرج قبل از اسلام بہت قابلِ تعظیم سمجھتے تھے۔ انھوں نے اس بت کو ریزہ ریزہ کیا۔[2] اس وقت رمضان المبارک کے چھ دن باقی تھے۔[3] عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ہذیل کا بت ''سواع'' توڑنے کے لیے بھیجا۔ انھوں نے اس کا تیا پانچہ کر دیا۔[4] یہ وہ بت تھے جن کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

﴿ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى ۝﴾

''ذرا بتاؤ یہ لات وعزیٰ اور تیسرا گھٹیا بت منات (معبود ہو سکتے ہیں؟)[5]

لوگ آپ کے دست مبارک پر سمع و اطاعت کی بیعت کے لیے بھاری تعداد میں جمع ہو گئے۔ مرد بیعت سے فارغ ہوئے تو عورتوں کی بیعت شروع ہوئی۔ قریش کی عورتیں جمع ہوئیں۔ ان میں ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی نقاب پہنے ہوئے بھیس بدلے ہوئے موجود تھی کیونکہ اُسے حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش سے کیا گیا سلوک یاد تھا۔ جب عورتیں بیعت کے لیے آپ کے قریب آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم مجھ سے اس بات کی بیعت کر رہی ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی۔'' ہند کہنے لگی: ''اللہ کی قسم! آپ ہم سے وہ عہد لے رہے ہیں جو آپ نے مردوں سے نہیں لیا۔ خیر ہم آپ کو یہ عہد بھی دیتی ہیں۔''

[1] الطبقات الکبریٰ: 145/2، والمغازي للواقدي: 874/2. [2] الطبقات الکبریٰ: 146/2. یہ معلق روایت ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس بت کو علی رضی اللہ عنہ نے توڑا تھا، دیکھیے: (الأصنام للکلبي، ص: 15)
[3] الطبقات الکبریٰ: 147/2. یہ معلق روایت ہے۔ [4] الطبقات الکبریٰ: 146/2. یہ معلق روایت ہے۔ [5] النجم 20,19:53.

آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور تم چوری نہیں کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: ''اللہ کی قسم! میں تو ابوسفیان کے مال سے کچھ نہ کچھ لیتی رہی ہوں۔ پتہ نہیں وہ میرے لیے حلال تھا یا حرام؟'' ابوسفیان بھی پاس ہی موجود تھے، وہ کہنے لگے: ''جو تو نے اس سے پہلے لے لیا وہ سب تجھے معاف ہے۔'' نبیٔ اکرم ﷺ چونکے اور فرمایا: ''اوہو! تو ہند بنت عتبہ ہے؟'' وہ کہنے لگی: ''جی ہاں! میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ لیکن جو کچھ اس سے پہلے ہو چکا اس سے درگزر فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو معاف فرمائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور تم زنا نہیں کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: ''کیا کوئی آزاد عورت زنا بھی کرتی ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اور تم اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: ''ہم نے تو اپنے بچوں کو پال پوس کر جوان کیا تھا مگر جب وہ کڑیل جوان بن گئے تو آپ نے انھیں بدر کے میدان میں قتل کر دیا۔ اب آپ جانیں یا وہ۔'' یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ اتنا ہنسے کہ لوٹ پوٹ ہو گئے۔ [1]

آپ نے فرمایا: ''تم اپنے من سے گھڑ کر دوسروں پر بہتان طرازی نہ کرو گی۔'' ہند کہنے لگی: ''اللہ کی قسم! بہتان طرازی قبیح بات ہے اور درگزر کرنا ہی افضل ہوتا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اور تم کسی نیک کام میں میری نافرمانی نہیں کرو گی۔'' رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ان عورتوں سے بیعت لے لو۔'' آپ نے ان عورتوں کے لیے مغفرت کی دعا کی اور عمر نے ان سے بیعت لی۔ رسول اللہ ﷺ عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتے تھے، نہ کوئی عورت آپ کو ہاتھ لگاتی تھی، نہ آپ کسی عورت کو ہاتھ لگاتے تھے سوائے ان عورتوں کے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا تھا۔ [2]

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں سے زبانی کلامی بیعت لیا کرتے تھے اور یہ آیت تلاوت فرمایا کرتے تھے: ﴿لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا﴾ ''وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گی۔'' [3]

---

[1] السيرة الشامية: 372/5. [2] تاريخ الطبري: 62،61/3. [3] الممتحنة 12:60.

نبی ﷺ کا دست مبارک زندگی بھر کسی اجنبی خاتون کے ہاتھ سے مس نہیں ہوا۔ [1]

ہم نے ''شمائل نبویہ'' کی فصل میں ''رسول اللہ ﷺ کی تواضع'' کے تحت صحیح بخاری کی ایک روایت بیان کی ہے جو اس طرح ہے: ''اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی بھی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر مدینہ میں جہاں چاہتی آپ کو لے جاتی تھی۔'' حافظ ابن حجر اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''ہاتھ پکڑنے کے الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق لے جا سکتی تھی۔'' انھوں نے مزید لکھا: ''ہاتھ پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ انتہائی نرمی سے پیش آتے تھے اور وہ جو درخواست کرتی، آپ ﷺ اسے بخوشی منظور فرما لیتے تھے۔'' یعنی اس جملے کے یہ ظاہری الفاظ مراد نہیں کہ کوئی لونڈی عملاً آپ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو لے جاتی تھی۔

صحیحین کے علاوہ دیگر کتب میں آپ ﷺ کی حدیث ہے: ''میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔ ایک عورت سے زبانی عہد لینا اور سو عورتوں سے عہد لینا برابر ہے۔'' [2]

اس فتح کا واضح نتیجہ یہ نکلا کہ عرب کے قبائل اور اہم افراد بڑی تیزی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگے کیونکہ پورا عرب مسلمانوں اور قریش کی باہمی آویزش کا نتیجہ دیکھنے کا منتظر تھا۔ صحیح بخاری میں عمرو بن سلمہ جرمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عرب لوگ اسلام قبول کرنے کے لیے فتح کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کہتے تھے: ''اس نبی اور اس کی قوم کو آپس میں لڑنے دو۔ اگر یہ ان پر غالب آ گیا تو ضرور سچا نبی ہوگا۔'' جب مکہ فتح ہو گیا تو ہر قوم

[1] صحيح البخاري، الطلاق، باب : إذا أسلمت المشركة أوالنصرانية تحت الذمي أوالحربي، حديث: 5288، وصحيح مسلم، الإمارة، باب كيفية بيعة النساء، حديث: 1866. [2] جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في بيعة النساء، حديث: 1597، وسنن النسائي، البيعة، باب بيعة النساء، حديث: 4186، وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب بيعة النساء، حديث: 2874، ومسند أحمد: 357/6، والموطأ للإمام مالك، حديث: 1842. دیگر محدثین نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اس روایت کی سند صحیح ہے۔

نے اسلام کا اعلان کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کی ......۔ [1] لوگوں کی نظر قریش پر اس لیے تھی کہ وہ عرب کے زعماء، بیت اللہ کے خادم و محافظ، اسماعیل علیہ السلام کی خالص نسل سے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسرِ پیکار بھی تھے۔ جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا، قریش رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع فرمان ہو گئے اور اسلام نے انھیں اپنے زیرِ نگین کر لیا تو عرب سمجھ گئے کہ ہم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اور جنگ کی طاقت نہیں، چنانچہ وہ جوق در جوق اسلام میں داخل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

''جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے اور تو لوگوں کو دیکھ لے کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔ پس تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ پاکی بیان کر اور اس سے مغفرت مانگ، بلاشبہ وہ ہمیشہ سے بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' [2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامِ مکہ کے دوران میں چند خطبات ارشاد فرمائے جن میں دین کے مختلف امور و احکام واضح کیے۔ سب سے پہلے خطبے میں جو آپ نے بیت اللہ کے دروازے پر ارشاد فرمایا، قتل خطا و شبہ عمد کی دیت بیان کی، نیز آپ نے دورِ جاہلیت کے تمام مآثر و مفاخر کے خاتمے کا اعلان فرمایا، البتہ سقایہ حجاج اور حجابت کعبہ کے مناصب قائم رکھے۔ [3]

دوسرے خطبے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسلام میں مزید کسی حلیفانہ معاہدے کی

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب:(54)، حديث:4302. [2] النصر110:1-3. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 73/4. یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے۔ سورۂ نصر کے مضمون کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کی ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، المغازي، باب:(52)، حديث:4294) [3] سنن أبي داود، الديات، باب في دية الخطأ شبه العمد، حديث:4547، ومسند أحمد:410/3. اس حدیث کی سند حسن لذاتہ ہے۔

ضرورت نہیں۔ اس سے پہلے جو حلیفانہ معاہدے ہو چکے ہیں اسلام انھیں مزید مضبوط کرتا ہے۔ تمام مومن اپنے دشمن کے خلاف یکمشت ہیں۔ ایک عام مسلمان بھی کسی کو پناہ دے سکتا ہے اور دور دراز رہنے والا مسلمان بھی مال غنیمت میں دوسروں کو شریک کرے گا۔ جنگ کو جانے والا دستہ اپنی غنیمت میں بڑے لشکر کو بھی شریک کرے گا۔ کوئی مومن کسی کافر کے بدلے قتل نہیں کیا جائے گا۔ کافر کی دیت مسلمان کی دیت سے نصف ہو گی۔ جانوروں کو زکاۃ کے تعین کے لیے دفتر میں طلب نہیں کیا جائے گا اور زکاۃ کی تشخیص کے وقت جانوروں کو ان کے باڑوں سے دور دراز علاقوں میں منتقل نہیں کیا جائے گا۔ جانوروں کی زکاۃ کا تعین ان کے باڑوں میں ہوگا۔''[1]

تیسرے خطبے میں آپ ﷺ نے مکہ کو حرم قرار دینے کا تائیدی اعلان فرمایا۔ حرم کے شکار، گھاس، خودرو درخت، گری پڑی چیز اور حرم میں لڑائی کی حرمت کا اعلان فرمایا۔ مزید وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے حرم مکہ کو میرے لیے دن کے ایک معین حصے میں فتح کے وقت حلال کیا تھا۔[2] فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کی ضرورت نہیں، البتہ جہاد کے مواقع موجود ہیں اور ہر نیک کام کی نیت کی جا سکتی ہے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد مسلمانوں سے اسلام، ایمان اور جہاد کی بیعت تو لی مگر ہجرت کی بیعت نہیں لی۔[3]

چوتھے خطبہ میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا رشتہ دار قتل کر دیا جائے اُسے

[1] اس حدیث کا پہلا حصہ مسلم نے روایت کیا ہے: ''اسلام انھیں مزید مضبوط کرتا ہے'' تک، دیکھیے: (صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبي ﷺ بين أصحابه، حديث: 2530) احمد نے اپنی مسند میں مختلف جگہوں پر اس کے دیگر حصے روایت کیے ہیں۔ انھوں نے اسے مکمل طور پر بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (الفتح الرّباني: 161,160/21) ساعاتی کا کہنا ہے: ''یہ صحیح حدیث ہے، ترمذی اور دیگر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کے بیشتر شواہد اسے تقویت دیتے ہیں۔'' [2] صحيح البخاري، المغازي، باب: (52)، حديث: 4295. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب: (54)، حديث: 4312، وصحيح مسلم، الإمارة، باب المبايعة بعد فتح مكة......، حديث: 1864.

اختیار ہے کہ قصاص لے یا دیت کا مطالبہ کرے۔" [1]

فتح مکہ کے سلسلے میں یہ واقعہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کو اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے۔ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال ثغامہ بوٹی کے پھل اور پھولوں کی طرح بالکل سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«غَيِّرُوهُمَا وَجَنِّبُوهُ السَّوَادَ»

"ان کے سر اور ڈاڑھی کو رنگ دو، البتہ سیاہ رنگ نہ لگانا۔" [2]

غزوۂ فتح مکہ سے متعلقہ احکام و اسباق

* مسافر ماہِ رمضان میں روزہ رکھ بھی سکتا ہے اور چھوڑ بھی سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سفر میں روزے رکھے، البتہ جب کدید کے علاقے میں پہنچے تو روزہ کھول دیا۔
* نبیِ کریم ﷺ نے ضحیٰ (چاشت) کی آٹھ ہلکی رکعات پڑھیں۔ [3] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ صلاۃ ضحیٰ مسنون ہے۔
* عمرو بن سلمہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازیوں میں امامت کا زیادہ حقدار وہ ہے جس نے قرآن مجید کا زیادہ حصہ حفظ کیا ہو۔ [4]
* مسافر چار رکعت والی نماز کو قصر کر کے دو رکعت پڑھ سکتا ہے۔ نبیِ کریم ﷺ فتح مکہ کے موقع پر انیس دن مکہ مکرمہ میں ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے۔ [5]

[1] صحيح البخاري، الديات، باب من قتل له قتيل فهو بخير النظرين، حديث: 6880، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها وخلاها و شجرها ولقطتها إلا لمنشد على الدوام، حديث: 1355. [2] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة وحمرة، وتحريمه بالسواد، حديث: 2102، ومسند أحمد: 160/3، واللفظ له. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب منزل النبي ﷺ يوم الفتح، حديث: 4292، وصحيح مسلم، الحيض، باب تستر المغتسل بثوب ونحوه، حديث: 336. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب: (54)، حديث: 4302. [5] صحيح البخاري، المغازي، باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح، حديث: 4298.

* عورت بھی امان دے سکتی ہے اور دیگر مسلمانوں کے لیے اس امان کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ام ہانی کے امان و جوار کو تسلیم فرمایا تھا جو انھوں نے اپنے خاوند کے دو رشتہ داروں کو مہیا کیا تھا۔[1]

* تین دن تک متعہ مباح رکھنے کے بعد اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔ امام نووی کا خیال ہے کہ متعہ دو دفعہ مباح کیا گیا اور دو دفعہ حرام۔ غزوۂ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا۔ خیبر کے دن اسے حرام قرار دیا گیا، پھر فتح مکہ کے دن تین دن کے لیے حلال قرار دیا گیا، پھر دوبارہ ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔[2]
امام ابن القیم رحمہ اللہ کی رائے ہے کہ خیبر کے دن متعہ حرام نہیں کیا گیا۔ صرف فتح مکہ کے موقع پر حرام کیا گیا۔[3] انھوں نے غزوۂ خیبر اور غزوۂ فتح مکہ سے فقہی احکام اخذ کرتے ہوئے اس کے بارے میں طویل بحث کی ہے، البتہ اس بات پر اتفاق ہے کہ فتح مکہ کے بعد قیامت تک کے لیے متعہ حرام قرار دے دیا گیا۔

* آپ نے قاعدہ بیان فرمایا کہ بچہ صاحب فراش (یعنی خاوند یا آقا) کی طرف منسوب ہوگا نہ کے زانی کی طرف جیسا کہ زمعہ کی لونڈی کے بچے کے بارے میں آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا۔ اس بچے کے بارے میں سعد بن ابی وقاص اور عبد بن زمعہ کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا۔ آپ نے عبد بن زمعہ کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا کیونکہ یہ بچہ ان کے باپ کی لونڈی سے پیدا ہوا تھا۔[4]

* مشرک میاں بیوی میں سے اگر بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح قائم رہے گا بشرطیکہ

---

[1] صحیح البخاري، الجزیة والموادعة، باب أمان النساء وجوارهن، حدیث: 3171، وصحیح مسلم، صلاة المسافرین وقصرها، باب استحباب صلاة الضحی......، حدیث: (82)-336، قبل الحدیث: 720. [2] صحیح مسلم، النکاح، باب نکاح المتعة، حدیث: 1406، وشرح النووي علی صحیح مسلم: 181/9. [3] زاد المعاد: 343/3-345و459-464. [4] صحیح البخاري، المغازي، باب: (54)، حدیث: 4303.

بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے پہلے خاوند مسلمان ہو جائے جیسا کہ صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھ ہوا۔ ان دونوں کی بیویاں ان سے پہلے مسلمان ہو گئیں، پھر عدت گزرنے سے پہلے یہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے اور سابقہ نکاح برقرار رہے۔[1]

* ترکے کے ایک تہائی سے زائد کی وصیت نہیں کی جا سکتی۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد وہیں بیمار ہو گئے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے وصیت کی اجازت طلب کی تو آپ نے ایک تہائی مال سے زائد کی وصیت کی اجازت نہیں دی۔[2]

* اگر شوہر طبعاً کنجوس ہو، بال بچوں کے اخراجات کما حقہ پورے نہ کرتا ہو تو بیوی اپنے بال بچوں اور اپنی ضروریات کے لیے خاوند کو بتائے بغیر اس کے مال سے مناسب رقم لے سکتی ہے جیسا کہ ہند بنت عتبہ اور ابوسفیان کے واقعے سے ثابت ہوتا ہے۔[3]

* شراب، مردار اور بتوں کی خرید و فروخت حرام ہے۔[4]

[1] شرح الزرقاني على الموطأ للإمام مالك، كتاب النكاح، باب نكاح المشرك إذا أسلمت زوجته قبله 202/3، حديث: 1181. یہ روایت زہری کی مرسل ہے۔ زرقانی کا کہنا ہے: ابن عبدالبر نے کہا: "مجھے علم نہیں کہ یہ حدیث کسی صحیح سند سے متصل روایت ہوئی ہو، تاہم یہ حدیث اہل سیَر کے ہاں معروف ہے۔ ابن شہاب زہری اہل سیر کے امام ہیں اور اس حدیث کی شہرت اس کی سند سے زیادہ قوی ہے۔" ابن عساکر نے بھی اسے تاریخ دمشق میں عورتوں کے احوال میں روایت کیا ہے، دیکھیے: (تاريخ دمشق، ص:502) ابن اسحاق نے بھی زہری کی یہ حدیث مرسل سند کے ساتھ روایت کی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 87/4) [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب الوصية بالثلث، حديث: 2744,2743. ابن حجر نے اس باب کی احادیث کی تشریح میں علماء کے اقوال بیان کر کے اپنی رائے پیش کی ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 208,207/11) وجامع الترمذي، الوصايا، باب ماجاء في الوصية بالثلث، حديث: 2116. ترمذی کا کہنا ہے: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

[3] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب ذكر هند بنت عتبة بن ربيعة رضي الله عنها، حديث: 3825.

[4] صحيح البخاري، البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، حديث: 2236.

* سفید بالوں کو مہندی یا کسی دوسرے رنگ سے رنگا جا سکتا ہے، البتہ سیاہ رنگ لگانا حرام ہے جیسا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے واقعے سے معلوم ہوتا ہے۔[1] اس سے یہود و نصاریٰ کی مخالفت مقصود ہے۔

* حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہونے کے بعد اللہ کی حدود ختم کرنے کی سفارش کرنا منع ہے، جیسا کہ مخزومی عورت کے بارے میں ہوا۔ اس نے چوری کی تھی۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس کی سفارش کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے، پھر فرمایا:

«إِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ، وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''تم سے پہلے لوگ اسی بنا پر ہلاک ہوئے کہ جب ان کا کوئی معزز چوری کر لیتا تو اُسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کر لیتا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''[2]

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو قتل کرنے سے منع فرمایا جب تک کہ وہ لڑائی میں حصہ نہ لے جیسا کہ روایت ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ کا ایک مقتول عورت پر گزر ہوا تو آپ نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار کیا اور ارشاد فرمایا: ''یہ کون سی جنگ کرتی

---

[1] صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب استحباب خضاب الشيب بصفرة وحمرة......، حديث: 2102. ابن اسحاق نے بھی اسے حسن سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 68,67/4) ابن اسحاق ہی کی سند سے اسے احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ ساعاتی کا کہنا ہے: ''اس کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' دیکھیے: (الفتح الرباني: 152,151/21) اور دیکھیے: (المغني لابن قدامة: 125/1) [2] صحيح البخاري، المغازي، باب: (54)، حديث: 4304.

تھی......؟!''[1]

کسی معین غزوے اور سریہ سے قطع نظر آپ نے ویسے بھی عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ہے۔[2]

* ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے والد محترم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، وہ نابینا ہو چکے تھے۔ انھیں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور احترام فرمایا: ''تم نے اپنے والد بزرگوار کو گھر ہی پر کیوں نہ رہنے دیا؟ میں خود ہی ان کے پاس حاضر ہو جاتا۔''

ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: '' اللہ کے رسول ! ان کا آپ کی خدمت میں آنا ہی زیادہ مناسب تھا بجائے اس کے کہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے۔'' پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے والد ماجد کو آپ کے سامنے بٹھا دیا۔ آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''مسلمان ہو جایئے۔'' وہ مسلمان ہو گئے۔[3]

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کے والد محترم کے مسلمان ہونے کی مبارک باد دی۔[4]

* جو شخص حج و عمرہ کا ارادہ نہ رکھتا ہو اس کے لیے مکہ مکرمہ میں احرام کے بغیر داخل ہونا

[1] مسند أحمد: 115/2. اس حدیث کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس کی سند میں شریک بن عبداللہ نخعی کوفی ہے جو صدوق مگر کمزور حافظے کا مالک تھا، البتہ یہ دیگر کے ساتھ مل کر قوی بن جاتا ہے۔ طبرانی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطے سے اسی طرح کی ایک روایت نقل کی ہے، دیکھیے: (المعجم الأوسط: 1/ 200، حدیث: 673) ابن حجر نے بھی یہ بات لکھی ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 12/ 114) [2] صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب قتل الصبيان في الحرب، وباب قتل النساء في الحرب، حديث: 3015,3014، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، حديث: 1744. مقتول عورت کے متعلق بخاری و مسلم کی روایات کی مزید وضاحت احمد اور طبرانی کی روایت سے ہوتی ہے۔ یہ دونوں روایات بتاتی ہیں کہ یہ واقعہ فتح مکہ کا ہے۔ [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/ 67-69) ابن اسحاق کی سند سے اسے دیگر مؤرخین نے بھی روایت کیا ہے۔ [4] المغازي للذهبي، ص: 559. اس حدیث کی سند مرسل ہے۔

جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے دن جنگ کی حالت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ اس موقع پر آپ احرام میں نہیں تھے۔ [1]

* جن لوگوں سے معاہدہ ہوا اگر وہ ایسے لوگوں پر حملہ آور ہوں جنھیں امام نے عہد و پیمان دے رکھا ہو تو اس صورت میں کوئی عہد باقی نہیں رہے گا اور ان پر ان کے گھروں میں شبخون مارنا جائز ہوگا اور اعلان جنگ کی بھی ضرورت نہیں۔ اعلان کی تو اس وقت ضرورت ہے جب ان سے خیانت کا خدشہ ہو۔ جب عملاً خیانت ثابت ہو جائے تو عہد ختم ہو جائے گا۔ [2]

* جاسوس کو قتل کرنا امام کی صوابدید پر موقوف ہے۔ اگر وہ دیکھے کہ اسے قتل کرنے سے مسلمانوں کو مجموعی طور پر فائدہ ہوگا تو اُسے قتل کر دے اور اگر اسے زندہ رکھنے میں مصلحت ہو یا اُسے قتل کرنے میں کوئی رکاوٹ ہو تو قتل نہ کرے جیسا کہ حاطب رضی اللہ عنہ کے واقعے میں ہوا۔ [3]

* اگر مجبوری ہو یا کوئی اہم مصلحت کے تحت (یقین کی صورت میں) عورت کے کپڑے اتار کر اس کی تلاشی کی ضرورت ہو تو تلاشی لی جا سکتی ہے جیسا کہ حاطب رضی اللہ عنہ کا رقعہ لے جانے والی عورت کے بارے میں ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ نے (یقین کی صورت میں) اُسے لباس اتار کر تلاشی لینے کی دھمکی دی تھی اور اس عورت نے اس دھمکی سے خائف ہو کر تلاشی دیے بغیر ہی اپنے سر کے بالوں میں چھپایا ہوا رقعہ نکال کر دے دیا تھا۔ [4]

* جب کوئی شخص کسی مسلمان کو غصے کی حالت میں اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ یا دین اسلام

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبي ﷺ الراية يوم الفتح؟ حديث: 4286، وصحيح مسلم، الحج، باب النهي عن حمل السلاح بمكة من غير حاجة، حديث: 1358.
[2] زاد المعاد: 3/420. [3] زاد المعاد: 3/422,423. [4] زاد المعاد: 3/423.

کی حمایت کرتے ہوئے منافق یا کافر کہہ دے تو وہ خود کافر ہوگا نہ گنہگار بلکہ اُسے اپنی نیت اور خلوص کی وجہ سے ثواب ہوگا بشرطیکہ اس میں اس کا کوئی ذاتی مفاد یا نفسانی خواہش نہ ہو۔

* جو شخص قبیح انداز سے مرتد ہوا ہو اُس سے توبہ کا مطالبہ کیے بغیر اُسے قتل کیا جا سکتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن ابی سرح کے معاملے میں ہوا۔

* ہجرت سے متعلقہ احکام ہجرت مدینہ اور ہجرت حبشہ کے عنوانات کے تحت بیان ہو چکے ہیں۔

مکہ سے فوجی دستوں کی ترسیل
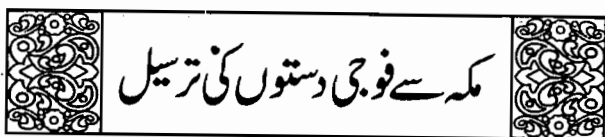
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کنانہ کے بنو جذیمہ کی طرف روانگی

شوال 8 ھ میں اقامت مکہ کے دوران ہی [1] رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو عزیٰ کی توڑ پھوڑ سے فارغ ہوتے ہی بنو جذیمہ (71) کی طرف بھیجا۔ وہ مہاجرین، انصار اور بنو سلیم کے ساڑھے تین سو افراد لے کر چلے۔ مقصد انھیں دعوت اسلام دینا تھا۔ [2]

(71) بنو جذیمہ: یہ قبیلہ مکہ کے نشیبی جانب ایک رات کے فاصلے پر یلملم کی طرف آباد تھا، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 147/2) یلملم طائف سے دو تین رات کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے۔ بعض نے اسے وادی بھی بتلایا ہے۔ یہ مکہ سے جنوب کی جانب 80 کلومیٹر دور واقع ہے۔ یہ اہل یمن یا یمن کی طرف سے گزر کر آنے والے لوگوں کے لیے احرام کی میقات ہے، دیکھیے: (معجم البلدان: 441/5)

[1] الطبقات الکبریٰ: 147/2. یہ معلق روایت ہے۔ [2] الطبقات الکبریٰ: 147/2. یہ معلق روایت ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے ایک مرسل سند سے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے۔ اس میں ایک راوی حکم بن حکیم ہے جس پر قدرے تنقید کی گئی ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 100/4) ◄◄

جب وہ ان کے پاس پہنچے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گئے مگر انھوں نے أَسْلَمْنَا (ہم مسلمان ہو گئے) کے بجائے صَبَأْنَا (ہم اپنے سابقہ دین سے نکل گئے) کہنا شروع کر دیا۔ خالد بن ولید نے غلط فہمی میں انھیں قید اور قتل کرنا شروع کر دیا۔ انھوں نے ہر مجاہد کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا، پھر ایک دن حکم دیا کہ ان سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ بہت سے لوگوں نے یہ حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ ان لوگوں میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ وہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! میں اپنا قیدی قتل نہیں کروں گا اور میرے ساتھیوں میں سے کوئی بھی اپنے قیدی کو قتل نہیں کرے گا۔'' جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا واقعہ سنایا تو آپ نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: ''اے اللہ! میں اس کام سے لاتعلق ہوں جو خالد نے کیا ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ یہی فرمایا۔ [1]

مؤرخ ابن سعد کا بیان ہے کہ بنو سلیم نے خالد کے کہنے پر اپنے قیدی قتل کر دیے مگر مہاجرین و انصار میں سے کسی نے اپنا کوئی قیدی قتل نہیں کیا بلکہ انھیں آزاد کر دیا۔ [2]

اس موضوع پر خالد بن ولید اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان بات چیت ہوئی جس کے نتیجے میں ان کے درمیان تلخی پیدا ہو گئی۔ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو خدشہ تھا کہ دراصل خالد بن ولید نے اپنے چچا فاکہ بن مغیرہ کا بدلہ لیا ہے جسے بنو جذیمہ نے دور

◀◀ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا اس مہم پر روانگی کا اصل سبب یہی ہے جسے بخاری نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الولید إلی بني جذیمة، حدیث: 4339) [1] صحیح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ خالد بن الولید إلی بني جذیمة، حدیث: 4339، و الفتح الرباني: 167,166/21. [2] الطبقات الکبریٰ: 148/2. یہ معلق روایت ہے جو ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔

جاہلیت میں قتل کر دیا تھا۔ شاید اسی جھڑپ کی طرف اس روایت میں اشارہ ہے جو امام مسلم اور دیگر نے بیان کی ہے کہ خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی۔ خالد بن ولید نے ان کی شان میں نازیبا الفاظ کہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”میرے ساتھیوں سے بدتمیزی نہ کرو۔ تم میں سے کوئی شخص اُحد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کر دے تو وہ اِن کے خرچ کیے ہوئے ایک یا نصف مُدّ کو بھی نہیں پہنچتا۔“ [1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ انھوں نے ان کے تمام مقتولوں کی دیت ادا کی بلکہ ان کی دلجوئی کے لیے زائد مال بھی دیا تاکہ انھیں پتہ چل جائے کہ رسول اللہ ﷺ اس خونریزی سے بری ہیں۔ [2]

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا بنو جذیمہ کو قتل کرنا غلط فہمی اور اجتہادی غلطی کا نتیجہ تھا، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے انھیں کوئی سزا نہیں دی۔ [3]

ابن اسحاق [4] نے بنو جذیمہ کے ایک نوجوان قیدی کا قصہ بیان کیا ہے۔ اس نے

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب تحريم سبّ الصحابة رضی اللہ عنہم، حديث: 2541.
[2] ابن اسحاق نے اس حدیث کو ایک مرسل سند سے روایت کیا ہے جو ضعیف ہے۔ یہ ابن جعفر محمد بن علی پر موقوف ہے۔ اس کی سند میں حکم بن حکیم ہے جس پر تنقید کی گئی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 103,102/4) ابن سعد نے بھی اسے معلق اور مختصر بیان کیا ہے، اس کا مضمون درست ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ خطا کے معاملے میں ایسے ہی کیا کرتے تھے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 148,147/2)
[3] فتح الباري: 174/16. [4] ابن اسحاق نے یہ واقعہ نوجوان کے قتل ہونے تک حسن سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/107-109) البتہ لڑکی کی موت کے بارے میں ابن اسحاق نے جو روایت بیان کی اس کی سند آخر سے منقطع ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آخر سے کچھ راوی مجہول ہیں۔ اگر ان مجہول راویوں کا صحابی ہونا ثابت ہوجائے تو روایت صحیح ہو گی، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 109/4) روایت کے اس منقطع حصے کے صحیح ہونے کے متعلق تائیدی روایات ◄◄

ابن ابی حدرد سے استدعا کی کہ مجھے رسی میں بندھا ہوا ہی عورتوں کے پاس لے جائیں۔ میں ان سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں، پھر واپس لا کر آپ مجھ سے جو سلوک چاہیں کر لیں۔ انھوں نے اس کی بات مان لی اور اُسے لے کر عورتوں کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ وہ ان میں سے ایک عورت سے مخاطب ہوا۔ اس عورت سے اُسے عشق تھا، کہنے لگا:

''حبیشہ ! تو ہمیشہ ہمیشہ سلامت رہے۔'' پھر اس نے اسے مخاطب کر کے انتہائی جذباتی شعر پڑھا۔ وہ لڑکی بھی بے قرار ہو گئی۔ اس نے جواب میں کہا: '' اللہ کرے تو بھی سترہ اور آٹھ سال (پچیس سال) زندہ سلامت رہے۔''

اس کے بعد ابن ابی حدرد اُسے واپس لائے اور قتل کر ڈالا۔ اس کی معشوقہ بے تاب ہو کر بھاگتی ہوئی آئی اور نوجوان کی لاش پر اوندھی گر پڑی، اُسے بے تحاشہ بوسے دینے لگی اور اس کی لاش سے لپٹی لپٹی ہی مر گئی۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ بتایا گیا تو آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے اور ارشاد فرمایا:

»» ملتی ہیں۔ پہلی روایت بیہقی کی ہے جسے انھوں نے دلائل النبوۃ میں نقل کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 5/116-118) یہ ابن عیینہ کی روایت ہے۔ یہ سند ابن عصام مزنی کے والد تک پہنچتی ہے۔ دوسری روایت جو بیہقی ہی نے نقل کی، نسائی کی سند سے ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچتی ہے۔ ابن حجر کے مطابق یہ دونوں سندیں صحیح ہیں، دیکھیے: (فتح الباري: 16/175) ابن عصام مزنی کی روایت ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں نقل کی ہے، دیکھیے: (موارد الظمآن، ص: 160، حديث: 6697) انھوں نے اسے طبرانی اور بزار کی طرف منسوب کیا ہے۔ طبرانی نے اسے المعجم الكبير میں نقل کیا ہے۔ محقق نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ بیہقی اور ابن حبان کی روایات کی عبارتوں میں قدرے اختلاف ہے۔ بیہقی کی روایات میں یہ ذکر نہیں کہ یہ واقعہ بنو جذیمہ پر کی گئی کارروائی کے دوران میں پیش آیا۔ ابن عیینہ کی روایت بھی نسائی سے مختلف ہے۔ تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ یہ نوجوان لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار تھے۔

"کیا تم میں رحم کرنے والا کوئی آدمی نہ تھا؟"[1]

فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اقامت مکہ کے دوران میں مشرکین پر حملہ آور ہونے کے لیے ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ کو دو سو صحابہ کے ساتھ یلملم کی طرف اور خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو تین سو صحابہ کے ساتھ وادئ عرنہ کی طرف بھیجا۔[2]

[1] یہ نسائی کی روایت ہے جس کی سند ابن حجر کے بقول صحیح ہے۔ اس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ مجمع الزوائد کے محقق محمد عبدالرزاق حمزہ کا کہنا ہے کہ یہ سند حسن ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 210/6) [2] المغازي للواقدي: 873/3. واقدی متروک ہے اور اس کی روایات نہایت ضعیف ہوتی ہیں۔

باب

4

غزوۂ حنین سے غزوۂ تبوک تک

- غزوۂ حنین
- غزوۂ طائف
- غزوۂ تبوک سے قبل کے اہم واقعات
- غزوۂ تبوک (یا غزوۃ العسرہ)

***

﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ﴾

''اور حنین کے دن بھی جب تمھیں اپنی کثرت کا غرور ہو گیا تھا لیکن تمھاری کثرت نے تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی تھی، پھر تم میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔'' [التوبة 9:25]

﴿وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؁﴾

اور نہ ان لوگوں پر (کوئی حرج ہے) کہ جب بھی وہ آپ کے پاس آتے ہیں تا کہ آپ انھیں سواری دیں تو آپ نے کہا کہ میں کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمھیں سوار کروں تو وہ پلٹے جبکہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، اس غم سے کہ وہ نہیں پاتے جو خرچ کریں۔'' [التوبة 9:92]

غزوۂ حنین

نبیِ کریم ﷺ فتح مکہ کے بعد مکہ مکرمہ میں انیس دن ٹھہرے۔ [1] آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ ہوازن اور بنو ثقیف وادیٔ حنین (72) میں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں۔ [2] دراصل جب انھیں پتہ چلا تھا کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے لشکر سمیت روانہ ہو چکے ہیں تو انھیں خدشہ ہوا کہ مسلمان ہم پر حملہ آور ہوں گے، اس لیے وہ اسی وقت اکٹھے ہو گئے تھے۔ لیکن بعد میں انھیں معلوم ہوا کہ آپ تو مکہ مکرمہ کی طرف گئے ہیں، تب انھوں نے آپ سے مقابلے کے لیے مزید تیاری شروع کر دی اور ادھر اُدھر سے لشکر اکٹھے کیے۔ [3] وہ سمجھتے تھے ابھی وقت ہے کہ مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے۔ انھوں نے لشکر کے ساتھ ساتھ مال اور اہل لشکر کے بیوی بچے بھی جمع کر لیے تاکہ کوئی شخص بال بچوں اور مال و منال کو چھوڑ کر بھاگ نہ سکے۔ اس لشکر کی قیادت مالک بن عوف نصری کر رہا

(72) وادی حنین: یہ طائف کے قریب ایک وادی ہے۔ عرفات کی طرف سے اس کے اور مکہ کے درمیان تیرہ میل سے زیادہ فاصلہ ہے۔" دیکھیے: (فتح الباري: 139/16)

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح، حديث: 4299،4298.

[2] یہاں تک کا مضمون طبری کی روایت سے ماخوذ ہے۔ اس کی سند عروہ پر موقوف ہونے کی بنا پر مرسل ہے، دیکھیے: (تاریخ الطبري: 70/3) اس کی تائید ابن اسحاق کی روایت سے ہوتی ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 571) [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ◄◄

تھا۔اس نے اپنے ساتھ غطفان اور دیگر قبائل کو بھی ملا لیا۔ [1] ان قبائل میں بنو نصر، بنوجشم، بنو سعد بن بکر اور بنو ہلال کے مختلف گروہ شامل تھے۔ یہ تعداد میں تھوڑے ہی تھے۔ بنوعمرو بن عامر میں سے کچھ لوگ، بنوعوف بن عامر، ثقیف اوران کے تمام حلیف اور بنو مالک بھی شامل تھے۔ [2] ہوازن میں سے بنوکعب اور بنو کلاب شامل نہیں ہوئے تھے۔ بنوجشم کا سرداران دنوں دُرَید بن صِمَّہ تھا۔ یہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا۔ مشورہ دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ تجربہ کار اور ماہر جنگجو رہا تھا۔ اس نے مالک کے اس اقدام کو پسند نہیں کیا کہ عورتوں، بچوں اور جانوروں کو بھی میدان جنگ میں لایا جائے کیونکہ جب جان پر پڑی ہو تو کوئی چیز بھاگنے سے نہیں روک سکتی۔ مالک نے بزرگ سردار کی بات نہ مانی۔ دُرَید نے بنوکعب و بنوکلاب کی عدم شرکت پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''دشمن کو روکنے والے (اول الذکر) اور آزمودہ کار جوانمرد (آخر الذکر) دونوں غائب ہیں۔ اگر آج غلبے اور بلندی کا دن ہوتا تو بنوکعب اور بنوکلاب ضرور شریک ہوتے۔ میری خواہش تھی کہ تم بھی وہی کرتے جو کعب اور کلاب نے کیا ہے۔'' اس کے اور بھی چند اقوال مذکور ہیں جن سے اس کی جنگی مہارت اور تجربہ کاری کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُسے اپنی قوم کی شکست کا یقین ہو گیا تھا کیونکہ لشکر کی قیادت مالک کے سپرد تھی جو تیس سال کا ناتجربہ کار نوعمر تھا۔ تبھی مالک نے درید پر طنز کی کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو اور تمھارا علم ناقص ہے۔ پھر اس بیوقوف آدمی نے بنو ہوازن کے سامنے قسم کھائی کہ اگر تم

«الطائف......، حديث: 4337، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1059. [1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ اس کی سند ذہبی کے بقول حسن ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 571) حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 48/3) [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 114/4) ابن اسحاق نے یہ روایت جابر کے واسطے سے بیان کی ہے جس کی سند ذہبی کے مطابق حسن ہے۔

نے میری اطاعت نہ کی تو میں خودکشی کر لوں گا۔ وہ مجبوراً آمادہ ہو گئے۔ اس نے انھیں حکم دیا کہ جب مسلمانوں کو دیکھو تو اپنی تلواروں کی نیامیں توڑ دینا اور ان پر یکبارگی حملہ کر دینا۔ [1] مالک کا جنگی منصوبہ یہ تھا کہ اس نے اپنے لشکر کی بہت اچھی صف بندی کی۔ گھوڑ سواروں کو سب سے آگے رکھا، پھر پیدل فوج تھی، پھر عورتیں بچے، پھر بھیڑ بکریاں، پھر اونٹ۔ [2] اس کے لشکر کی کل تعداد بیس ہزار تھی۔ [3] وہ یہ لشکر لے کر رسولِ اکرم ﷺ کی طرف روانہ ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں سنا تو عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی کو بھیجا کہ ان کے لشکر میں شامل ہو کر اچھی طرح ان کا جائزہ لیں اور آپ کو حقیقت حال سے مطلع کریں۔ وہ گئے، ایک دو دن ان کے ساتھ ٹھہرے، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو پوری صورتحال کی خبر دی۔ [4]

شاید ابن ابی حدرد کی فراہم کردہ معلومات ہی کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے تبسم کیا اور ارشاد فرمایا:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا ـ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

''ان شاء اللہ کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے مال غنیمت بنے گا۔''

اس وقت مسلمان دشمن کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے۔ [5]

[1] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 114/4) امام ذہبی نے جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ابن اسحاق ہی کی روایت سے نقل کی ہے۔ اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 573). [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام......، حديث: (136)-1059. [3] المغازي للواقدي: 893/2. [4] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 572,571) حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حاکم کے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے عبدالرحمن بن ابی حدرد کو ان کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا تھا، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 47/3) [5] سنن أبي داود، الجهاد، باب في فضل الحرس في سبيل الله عزّوجلّ، حديث: 2501. اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ ◄◄

تمام مطلوبہ جنگی معلومات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان کے مقابلے کی تیاری شروع کر دی۔ آپ نے تیس اونٹ اور تیس زرہیں یعلی بن امیہ سے [1] اور ایک سو زرہیں صفوان بن امیہ سے مستعار لیں۔ غزوۂ حنین کے بعد آپ ﷺ نے زرہیں صفوان بن امیہ کو واپس کیں اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ [2] روایت ہے کہ آپ ﷺ نے حویطب عبدالعزی سے چالیس ہزار درہم بھی قرض لیے تھے [3] اور نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار نیزوں کی مالیت کی اعانت بھی قبول فرمائی تھی۔ [4]

رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ میں قیام کیے ہوئے انیس دن گزر گئے [5] تو آپ چھ شوال کو حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ابھی رمضان کے دو دن باقی تھے۔ تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روانگی کی ابتدا تو رمضان المبارک کے آخر میں ہو گئی تھی مگر آپ ﷺ چھ شوال کو چلے تھے اور دس شوال کو حنین پہنچے۔ [6] آپ ﷺ نے عتاب بن اسید بن ابی العیص کو مکہ مکرمہ کا امیر مقرر فرمایا تھا۔ [7]

»» اس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی حدرد کو ان کی خبر لانے کے لیے روانہ کیا تھا۔

[1] یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے: (الاستیعاب: 3/661-665، والإصابة: 3/668) یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور حنین، طائف اور تبوک کے معرکوں میں شریک ہوئے۔ اس لین دین کی روایت ابو داود نے بھی نقل کی ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الإجارة، باب في تضمين العارية، حديث: 3562) البانی نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے۔ ذہبی اور حاکم نے اسے روایت کیا ہے۔ حاکم نے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 572، والمستدرك للحاكم: 3/49) صفوان ان لوگوں میں شامل تھے جنھیں مال دے کر ان کی تالیف قلب کی گئی۔ [3] الاستیعاب: 1/385. یہ معلق روایت ہے۔ [4] الاستیعاب: 3/537. یہ معلق روایت ہے۔ [5] صحيح البخاري، المغازي، باب مقام النبي ﷺ بمكة زمن الفتح، حديث: 4298، 4299. [6] فتح الباري: 16/139. باب کا عنوان حدیث کی شرح کے ضمن میں ہے۔ والسنن الكبرىٰ للبيهقي: 3/151. [7] الإصابة: 2/451. یہ طیالسی کی روایت ہے۔ بخاری نے بھی اسے نقل کیا ہے، دیکھیے: (التاريخ الكبير: 1/419) ««

غزوہ حنین (شوال 8ھ/فروری 630ء)
﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا﴾
"اور دن حنین کے (بھی) جب کہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمہاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی۔" (التوبہ 25:9)
اردن
عراق
فارس (ایران)
نجد
جزیرہ نمائے عرب
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
سوڈان
بحیرۂ احمر (قلزم)
اریٹیریا
یمن
بحیرۂ عرب
حبشہ
خلیج عدن
اندرونی چھوٹا چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو اور بڑا چوکھٹا دائیں طرف چھوٹے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
جعرانہ
جدہ
مکہ مکرمہ
طائف
بحیرۂ احمر
100
50
0
کلومیٹر
طائف کا راستہ
نخیق
مشرکوں کی حنین کی طرف پیش قدمی
زیمہ
مسلمانوں نے بنو ہوازن کا تعاقب کیا
مسلمانوں نے ہوازن کا تعاقب کیا
وادی اوطاس
جعرانہ
مال غنیمت کی منتقلی
شرائع
وادی حنین
اسلامی لشکر کی حنین کی طرف پیش قدمی
وادی حنین میں مشرکوں کی کمین گاہ
بنو ثقیف کی طائف کی طرف واپسی
مکہ مکرمہ

صحیحین میں ثابت ہے کہ ''طلقاء'' بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حنین گئے۔ [1] صحیحین میں ان کی تعداد نہیں بتائی گئی۔ مؤرخین اور جنگی وقائع نگاروں (اہلِ مغازی) نے ان کی تعداد دو ہزار بتائی ہے۔ دس ہزار وہ صحابۂ کرام تھے جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ساتھ روانہ ہوئے تھے۔ یوں اسلامی لشکر کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ [2] اس وقت تک رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں اتنا بڑا اسلامی لشکر کبھی نہ نکلا تھا۔ اس لیے بعض لوگوں کو یہ خوش فہمی ہوگئی کہ اب ہم مغلوب نہیں ہو سکتے۔ ایک نے تو اس خوش فہمی کا اظہار بھی کر دیا۔ [3] رسول اللہ ﷺ

« اس حدیث کی سند میں ایوب بن عبداللہ بن یسار ہے۔ بخاری نے اس کے بارے میں سکوت کیا ہے۔ ابن حجر کا کہنا ہے: ''اس کی سند حسن ہے۔'' دیکھیے: (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 251/2)

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوّال سنة ثمان، حديث: 4333، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم على الإسلام......، حديث: 1059، و مسند أحمد: 157/3 و190. [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 118/4) ذہبی نے بھی ابن اسحاق کی یہ روایت نقل کی ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 572) یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔ اس روایت میں ابن اسحاق نے وضاحت سے بتایا ہے کہ انھوں نے یہ روایت سنی ہے۔ ابن خیاط نے اس روایت کو اپنی تاریخ میں جگہ دی ہے۔ حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 121/2) ہیثمی نے اس کی سند کے ایک راوی عبداللہ بن عیاض کی وجہ سے اسے معلّل قرار دیا ہے۔ یہ راوی ہیثمی کے نزدیک ثقہ نہیں ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 186/6) ان کے علاوہ دیگر محدثین نے اس روایت کو ضعیف اسانید سے نقل کیا ہے۔ [3] کہا گیا ہے کہ یہ بات کہنے والا سلمہ بن سلامہ بن وقش تھا۔ کہا گیا ہے کہ اس کا نام عباہل تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کا نام ابوبکر تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بات خود رسول اللہ ﷺ نے کہی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنوبکر کا کوئی آدمی تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ انصار کا کوئی غلام تھا جس نے اس احساس کا اظہار کیا، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 890/3، وكشف الأستار: 347,346/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 124/4، ودلائل النبوة للبيهقي: 123/5) محققین کے مطابق یہ تمام روایات ضعیف ہیں۔ سب روایات میں ایک امر مشترک ہے کہ یہ بات اسلامی لشکر ہی کے کسی فرد نے کہی تھی۔ مجموعی اعتبار سے یہ روایات ایک دوسری کی تقویت کا باعث ہیں۔ اللہ تعالیٰ «

پر یہ بات بہت شاق گزری۔ قرآن مجید میں بھی ان لوگوں پر ناراضی ظاہر کی گئی اور انھیں سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی پر بھروسا نہیں کرنا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ انھیں بے یار و مددگار چھوڑ دے گا۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بہترین سبق یاد دلایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم﴾

''اور حنین کے دن بھی جب تمھیں اپنی کثرت کا غرور ہو گیا تھا لیکن تمھاری کثرت نے تمھیں کوئی فائدہ نہ پہنچایا اور زمین باوجود وسیع ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی تھی، پھر تم میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی انھیں ایک نبی کا واقعہ سنایا جنھیں اپنی امت کی کثرت پر ناز ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بطور سزا ان پر موت مسلط کر دی تھی۔ [2]

رسول اللہ ﷺ وادیٔ حنین کے بالکل قریب پہنچے تو آپ نے ایک صحابی کو کسی قریبی پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے دشمن کا جائزہ لینے کا حکم دیا۔ اس وقت عشاء کی نماز کا وقت ہو چکا تھا۔ انھوں نے یہ اہم کام انجام دیا۔ انھوں نے جائزہ لے کر رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا کہ وہ لوگ اپنی عورتیں بچے، اونٹ اور بھیڑ بکریاں لے کر حنین میں جمع ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ مسکرائے اور فرمایا:

«تِلْكَ غَنِيمَةُ الْمُسْلِمِينَ غَدًا۔ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ»

◂◂ کا یہ فرمان: ﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ﴾ ''اور حنین کے دن۔'' ان روایات کو مزید قوت بخشتا ہے، دیکھیے: (زاد المسیر لابن الجوزي: 414/3، وتفسیر الطبري: 100/10، ومحمد رسول اللہ ﷺ لمحمد صادق عرجون: 4/367-370، ومرویات غزوة حنین للدکتور قریبي، ص: 210-219) [1] التوبة 25:9. [2] دلائل النبوة للبیهقي: 123/5. سند ضعیف ہے۔ دیگر نے بھی اسے ضعیف سند سے روایت کیا ہے، تاہم آیت مذکورہ روایت کی تائید کرتی ہے۔ سنن الدارمي: 135/5، ومسند أحمد: 333/4.

''ان شاء اللہ، کل یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے غنیمت بنے گا۔''

جب سونے کا وقت ہوا تو انس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ طور پر صبح تک سب کا پہرہ دینے کی پیشکش کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اور ان سے جنت کا وعدہ بھی فرمایا۔[1]

حنین جاتے ہوئے طلقاء میں سے کسی نے ایک درخت دیکھا جس پر مشرکین اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے تاکہ شکست نہ ہو۔ اس درخت کا نام ''ذَاتُ اَنواط'' تھا۔ طلقاء نے کہا: ''اللہ کے رسول! ہمارے لیے بھی کوئی ذات انواط مقرر کریں جیسے ان کا ایک ذات انواط ہے۔''

آپ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! یہ تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی بات ہوئی۔ انھوں نے کہا تھا:

﴿اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ﴾

''ہمارے لیے بھی ایک خدا (بت) بنائیں جیسے ان کے خدا ہیں۔''[2]

قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور اپنے سے پہلی امتوں کے نقشِ قدم پر چلو گے۔''[3]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ طلقاء کے دلوں میں ابھی تک اسلام نہیں اترا تھا کیونکہ اسلام سے اُن کی شناسائی کی ابھی بالکل ابتدا تھی بلکہ روایت ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اسی طلقاء ایسے بھی جنگ کے لیے روانہ ہوئے جو مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے،[4] لہٰذا تعجب کی بات نہیں کہ جب مسلمان ابتدائی حملے میں بھاگ کھڑے ہوئے تو صفوان بن امیہ کے اخیافی (ماں کی طرف سے) بھائی کلدہ بن حنبل نے خوش ہوتے ہوئے کہا تھا:

[1] سنن أبي داود، الجهاد، باب في فضل الحرس في سبيل الله، حديث: 2501. اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [2] الأعراف 7:138. [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/120، 121، ومسند أحمد: 5/218، وصحيح ابن حبان (موارد الظمآن)، ص: 454) ان دونوں کی سندیں ابن اسحاق کے علاوہ ہیں۔ [4] المواهب اللدنية للقسطلاني مع شرح الزرقاني: 1/162. اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔

''آہا! آج جادو کا اثر ختم ہو ہی گیا۔'' صفوان بن امیہ جو ابھی مشرک ہی تھا کہنے لگا: ''چپ، اللہ تیرا منہ توڑے! اللہ کی قسم! کوئی قریشی مجھ پر حکومت کرے، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس بات سے کہ بنو ہوازن کا کوئی شخص مجھ پر حکم چلائے۔''[1] مکہ کے زعماء لشکر کے پیچھے کھڑے تھے اور انجام کے انتظار میں تھے کہ کسے غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ ان زعماء میں ابوسفیان، صفوان بن امیہ اور حکیم بن حزام شامل تھے۔[2] صفوان لشکر کے آخری حصے میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہ بار بار اپنے غلام کو بھیجتا تھا کہ جنگ کی تازہ ترین خبریں لائے۔[3]

ابتدائی مرحلے میں مسلمانوں میں بھگدڑ مچی تو ابوسفیان قسمت آزمائی والے تیر اٹھائے انھیں دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''یہ بھگدڑ سمندر سے پہلے رکنے والی نہیں۔''[4]

بنو ہوازن مسلمانوں سے پہلے وادیٔ حنین میں پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے راتوں رات اپنا لشکر وادی میں پہنچا دیا اور راستوں، گزرگاہوں، گھاٹیوں، غاروں اور تنگنائیوں پر اپنے تیرانداز دستے چھپا دیے۔ ان کے قائد نے انھیں حکم جاری کیا کہ مسلمانوں کے وادی کے

[1] مجمع الزوائد للهيثمي: 180,179/6. ہیثمی کا کہنا ہے: ''اسے احمد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا ہے۔ احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ابو یعلیٰ کی روایت میں ابن اسحاق نے وضاحت سے بتایا ہے کہ انھوں نے یہ روایت سنی ہے۔ موارد الظمآن میں لکھا ہے کہ ابن حبان نے بھی اسے اپنی کتاب صحیح میں روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (موارد الظمآن، ص:417) طبری اسے اپنی تاریخ میں لائے ہیں، دیکھیے: (تاريخ الطبري: 128/3) ابن حبان اور طبری دونوں کی روایت ابن اسحاق کی سند سے ہے جو حسن درجے کی ہے۔ [2] یہ موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے جو انھوں نے اپنی مغازی میں زہری کے واسطے سے نقل کی ہے۔ یہ مرسل روایت ہے۔ ابن لہیعہ نے بھی اسے ابو اسود کے واسطے سے روایت کیا ہے۔ ابو اسود نے عروہ سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 328/4) [3] یہ بھی عروہ کی اوپر ذکر کی گئی روایت سے ماخوذ ہے۔ [4] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت سے ماخوذ ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 122/4) واقدی نے بھی اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 910/3)

نشیب میں اترتے ہی ان پر تیروں کی بوچھاڑ ماری جائے۔ جب وہ حواس باختہ ہو جائیں تو یک بارگی ان پر زبردست حملہ کر دیا جائے۔[1] اس نے یہ کہہ کر ان کے حوصلے بڑھائے کہ مسلمانوں کا اس سے پہلے تم جیسے بہادر، مسلح اور تجربہ کار جنگجوؤں سے سامنا نہیں ہوا اور نہ اتنی بڑی تعداد میں کسی دشمن سے جوڑ پڑا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے رات کے پچھلے پہر مسلمانوں کی صف بندی کی۔ جھنڈے اور جھنڈیاں باندھیں اور لشکر کو منظم صفوں میں پرویا۔[3] آپ ﷺ صبح کے اندھیرے میں اپنے لشکر کو لے کر وادیٔ حنین میں اُترے۔[4] ان کے آگے آگے گھوڑ سوار دستہ تھا جس کی قیادت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔[5] مکہ سے روانگی کے بعد سے لے کر اب تک اس دستے میں سب سے آگے بنو سلیم تھے۔[6]

مسلمان وادی میں داخل ہوئے تو انھوں نے بنو ہوازن پر زبردست حملہ کر دیا۔ بنو ہوازن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ مسلمان ان کے چھوڑے ہوئے مال غنیمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اُدھر دشمن نے دوبارہ صف بندی کی اور مسلمانوں پر تیروں کی ایسی بوچھاڑ برسائی کہ ان کا ایک تیر بھی ضائع نہ جاتا تھا۔[7]

مسلمانوں کو یہ توقع نہ تھی۔ وہ گھبرا گئے اور قرآنی الفاظ میں زمین باوجود وسیع ہونے

---

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 121/4) [2] المغازي للواقدي: 893/3. [3] المغازي للواقدي: 3/895-897. مؤرخین میں سے صرف واقدی نے جھنڈوں کی تعداد اور عرب کے قبائل میں سے ان کے علمبرداروں کی بابت تفصیل سے لکھا ہے۔ [4] یہ ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 121/4) [5] صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1059، نیز دیکھیے: (المغازي للواقدي: 897,896/3) [6] المغازي للواقدي: 897,896/3. [7] صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾......، حديث: 4317، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1776.

کے ان پر تنگ ہو گئی۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ کوئی کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتا تھا۔[1] اللہ کے رسول ﷺ دائیں جانب ہو کر پکار رہے تھے: ''لوگ کہاں ہیں؟ لوگو! میرے پاس آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں محمد بن عبداللہ ہوں۔''[2]

مسلمان سمجھتے تھے کہ رسمی سی کارروائی ہوگی اور دشمن بھاگ جائے گا، اس لیے بہت سے لوگ جلد بازی میں فوجی تیاری کے بغیر معمولی اسلحہ کے ساتھ ہی چل پڑے تھے، خصوصاً کچھ نوجوان ننگے سر ہی چلے آئے تھے۔ ان کے پاس ضروری اسلحہ تک نہ تھا۔[3]

سب سے پہلے مسلمانوں کے سوار دستے میں بدنظمی پیدا ہوئی۔ انھوں نے منہ پھیرا تو پیدل فوج میں گڑ بڑ پیدا ہو گئی۔ یہ دیکھ کر طلقاء اور اعراب بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کی بھگدڑ سے باقی لشکر کے بھی پاؤں اکھڑ گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سوائے ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب[4] اور چند دیگر لوگوں کے کوئی نہ رہا۔[5]

ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی تھی کہ طلقاء کو قتل کروا دیں کیونکہ یہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کی بھگدڑ سے سارا اسلامی لشکر تتر بتر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام سلیم! اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطی کا ازالہ کر دیا اور بہترین فتح عطا فرما دی۔'' اس سے پتہ چلتا ہے کہ لشکر کی بھگدڑ میں اصل کردار طلقاء نے

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾......، حديث: 4315، وصحيح مسلم، الجهاد، باب غزوة حنين، حديث: 1776,1775. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 122,121/4) [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 122,121/4) [3] صحيح البخاري، الجهاد والسّير، باب من صفّ أصحابه عند الهزيمة ......، حديث: 2930، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1776. [4] صحيح البخاري، الجهاد و السّير، باب من صفّ أصحابه عند الهزيمة، حديث: 2930، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1059. [5] یہ قول بعض محدثین اور سیرت نگاروں کا ہے۔ اس قول کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 122/4)

ادا کیا تھا۔ [1]

رسول اللہ ﷺ اپنے سفید یا سرخ خچر پر سوار تھے۔ اس خچر کا نام دلدل تھا۔ آپ اُسے ایڑ لگا رہے تھے۔ ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھام رکھی تھی اور آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے آپ کے خچر کی لگام پکڑ رکھی تھی۔ یہ دونوں آپ کے خچر کو دشمن کی طرف جانے سے روک رہے تھے۔ [2] یہ بے مثل دلیری اور بے خوفی ہے کہ ایسے خوفناک موقع پر جبکہ سارا لشکر تتر بتر ہو چکا ہے اور آپ ایک خچر پر سوار ہیں جو نہ تو تیز رفتار سواری ہے نہ وہ حملہ کرنے یا آگے پیچھے ہٹنے اور جان بچانے کے لیے بھاگنے کا کام دے سکتی ہے۔ اس کے باوجود آپ اُسے ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بھگا رہے ہیں اور اپنا نام لے لے کر اپنی طرف متوجہ کر رہے ہیں۔ یہ بے مثل جرأت اور استقامت اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسے اور اس زبردست یقین کا نتیجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ لازماً مدد کرے گا اور اپنے دین کو تمام دینوں پر غالب فرمائے گا۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا محترم عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو ثابت قدم رہنے کی پکار دیں اور خصوصاً بیعت رضوان کرنے والوں، انصار اور بنو حارث بن خزرج کے نام لے لے کر پکاریں۔ عباس رضی اللہ عنہ بہت بلند آواز تھے۔ ان کی آواز سے پوری وادی گونج اٹھی، پھر جس کے کان میں آواز پڑی وہ لبیک لبیک پکارتا یوں آپ کی طرف بھاگا جیسے ماں اپنے بچے کی طرف دیوانہ وار لپکتی ہے۔ لمحوں میں میدان جنگ بھر گیا اور بنو ہوازن

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة النساء مع الرجال، حديث: 1809. اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ ام سلیم نے اس غزوے میں اپنے ساتھ ایک خنجر اٹھا رکھا تھا۔ ان کے شوہر ابوطلحہ نے انھیں دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن سے خنجر کے بارے میں پوچھا تو وہ بولیں: ''میں نے اسے اپنے پاس اس لیے رکھا ہے کہ کوئی مشرک میرے قریب آیا تو اس سے اُس کا پیٹ چاک کر دوں گی۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیے۔ [2] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1775. [3] تفسير ابن كثير: 70/4.

کے خلاف معرکۂ کارزار گرم ہو گیا۔[1] رسول اللہ ﷺ خچر سے اترے اور پیدل ہی اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کرتے ہوئے دشمن کی طرف چل پڑے۔[2] آپ ﷺ باآواز بلند فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں۔ میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے بھی لڑائی شروع کر دی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ مردانہ وار لڑنے لگے۔ ایسے مشکل مواقع پر اس سے پہلے بھی ایسا ہی ہوتا تھا کہ صحابہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی ڈھال بنا لیا کرتے تھے۔[4] بھاگنے والوں نے عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور آپ ﷺ کی بے نظیر شجاعت اور بے خوفی کا نظارہ کیا تو لبیک لبیک کے نعرے لگاتے ہوئے دیوانہ وار واپس آئے حتی کہ اگر کسی کا اونٹ آسانی سے نہیں مڑتا تھا تو وہ اونٹ کو وہیں چھوڑتا اور اپنی زرہ، تلوار اور نیزے تھام کر آپ کی طرف دوڑ لگا دیتا اور آپ

---

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب غزوة حنین، حدیث: 1775. ابن اسحاق نے بھی قریب قریب مسلم ہی کے الفاظ سے اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 125/4) عبدالرزاق نے اسے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے: (المصنف لعبدالرزاق: 381,380/5)

[2] ان لمحات میں آپ ﷺ نے یہ دعا بھی کی: ''(اے اللہ!) اگر تو چاہے تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جائے گی۔'' دیکھیے: (مسند أحمد: 112/3) ابن کثیر نے اس کے متعلق لکھا: ''اس کی سند ثلاثی اور شیخین کی شرائط کے مطابق ہے۔ اس سند سے اسے محدثین میں سے کسی نے روایت نہیں کیا۔'' دیکھیے: (البدایة و النهایة: 366/4، واللفظ له) مسلم میں یہ الفاظ یوم حنین کے متعلق نہیں بلکہ یوم احد کے متعلق ہیں، دیکھیے: (صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب استحباب الدعاءبالنصر......، حدیث: 1743)

[3] صحیح البخاري، المغازي، باب: قول الله تعالٰی: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ﴾......، حدیث: 4315، وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب غزوة حنین، حدیث: 1775.

[4] صحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب غزوة حنین، حدیث: 1775. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 125/4)

کے پاس پہنچ کر ہی سانس لیتا، پھر دشمن سے گتھم گتھا ہو جاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے لڑائی کی شدت دیکھی تو فرمایا: ''لو! اب لڑائی شدت اختیار کر گئی ہے۔''[1] پھر آپ نے کنکریوں یا مٹی کی مٹھی پکڑی اور کفار کے منہ پر دے ماری اور فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ''چہرے بگڑ جائیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے دشمن کے ہر شخص کی آنکھوں میں وہ مٹی ٹھونس دی اور وہ سب میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ''محمد کے رب کی قسم! یہ شکست کھا گئے۔''[2] ایک روایت میں ہے: ''کعبے کے رب کی قسم! یہ شکست کھا گئے۔''[3] آپ نے یہ دو دفعہ کہا۔ جس کیفیت کے ساتھ مشرکین میدان جنگ سے بھاگے اور جو معجزہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں صادر فرمایا، اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پوری طرح سمجھ میں آجاتا ہے:

﴿ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ﴾

''پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنین پر سکینت نازل فرمائی اور ایسے لشکر بھیجے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ نے کافروں کو سزا دی۔''[4]

بنو ہوازن کا ایک جنگجو بیان کرتا ہے کہ جب ہم نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنے کا ارادہ کیا تو ہمارے اور اُن کے درمیان خوبصورت چہروں والے مرد حائل ہو گئے۔ وہ کہہ رہے تھے: ''چہرے بگڑ جائیں۔ واپس چلے جاؤ۔'' یہ بات سن کر ہم بھاگ کھڑے ہوئے۔[5]

---

[1] صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: 1775. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 135/4) ابن اسحاق کی روایت کے الفاظ ہیں: ''اب لڑائی شدید ہوگئی ہے۔'' [2] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: (76)- 1775. [3] صحيح مسلم، الجهاد والسير، باب غزوة حنين، حديث: (77)- 1775. [4] التوبة 26:9. تفسير الطبري: 14/186-189، و تفسير ابن كثير: 4/70-72. [5] المغازي للذهبي، ص: 583. یہ روایت جعفر بن سلیمان کی ہے۔ ذہبی کا کہنا ہے: ''اس روایت کی سند جید ہے۔''

شیبہ بن عثمان کا بیان ہے کہ جب میں نے جنگ بدر میں قتل ہونے والے اپنے والد اور چچا کے قصاص میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو آگ کا ایک شعلہ لپکا جو میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حائل ہو گیا۔ وہ شعلہ بجلی کی طرح کوند رہا تھا۔ مجھے خطرہ ہوا کہ وہ مجھے بھسم کر دے گا۔ میں نے اپنا ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیا اور اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹنے لگا۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے مجھے دیکھ لیا۔ آپ نے مجھے اپنے قریب آنے کو کہا۔ میں آپ کے قریب چلا گیا۔ آپ نے دعا کی: ''اے اللہ! اس سے شیطان کو دور کر دے۔'' اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ایمان ڈال دیا۔ آپ نے فرمایا کہ جاؤ کافروں سے لڑو۔ [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ شیبہ نے کہا: ''اللہ کے رسول! مجھے چتکبرے گھوڑے نظر آ رہے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''شیبہ! یہ گھوڑے تو کافروں کو نظر آتے ہیں۔'' پھر آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ مارا اور دعا فرمائی: ''اے اللہ! شیبہ کو ہدایت عطا فرما۔'' آپ نے یہ دعا تین دفعہ کی تو شیبہ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت و محبت کے جذبات بھر گئے اور بغض و عداوت کے سابقہ ارادے معدوم ہو گئے۔ [2]

ابن اسحاق نے جُبیر بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ قوم (کافروں) کی ہزیمت سے قبل جبکہ گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی، مجھے یوں نظر آیا کہ ایک سیاہ چادر آسمان سے اتر کر

[1] المغازي للذهبي، ص: 583. یہ روایت ولید بن مسلم کی ہے۔ ذہبی کا کہنا ہے: ''یہ روایت نہایت غریب ہے۔ اس میں ابوبکر ہذلی متروک ہے۔'' دیکھیے: (تهذيب تاريخ دمشق لابن عساكر: 350/6، ودلائل النبوة للبيهقي: 145/5) ابن اسحاق نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ان کی روایت معلق ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 124/4) اسے واقدی نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 910,909/3) بنابریں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔ جعفر بن سلیمان کی جید روایت بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ [2] المغازي للذهبي، ص: 584، ودلائل النبوة للبيهقي: 146,145/5. اس روایت کی سند میں ابوبکر ہذلی ہے جو متروک ہے۔ بنابریں یہ سند نہایت ضعیف ہے۔

مسلمانوں اور قوم کے درمیان گر پڑی ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو سیاہ چیونٹیوں نے ساری وادی کو بھر دیا تھا۔ میں نے یقین کرلیا کہ یہ فرشتے ہیں، پھر چند ہی لمحوں میں قوم کے لوگ کلمۂ فرار پڑھ کر بھاگ گئے۔ [1]

جنگ اوطاس

جنگ کے اس دوسرے دور میں مشرکین زیادہ دیر نہ ٹھہر سکے۔ دن کے اختتام پر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگنے لگے۔ ان کے مقتولین کی لاشیں بھی میدان میں پڑی تھیں اور ان کا مال اور بیوی بچے بھی یہیں تھے۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بھاگنے والوں کے تعاقب اور قتل کا حکم دے رکھا تھا تاکہ ان کی جنگی قوت ختم ہو جائے اور وہ دوبارہ جنگ کے لیے جمع نہ ہو سکیں۔ [3] اس لیے جونہی رسول اللہ ﷺ حنین کی جنگ سے فارغ ہوئے تو آپ نے ابو عامر عبید بن سلیم بن حضار اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک بڑا لشکر دے کر اوطاس (73) کی طرف روانہ کر دیا تاکہ وہاں درید بن صِمّہ کی قیادت میں جمع ہونے والے کافروں کا مقابلہ کیا جا سکے۔ ابو عامر اشعری رضی اللہ عنہ نے ان سے خوب لڑائی لڑی حتی کہ وہ شہید ہو گئے۔ شہادت سے پہلے انھوں نے اپنی جگہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو قیادت سونپ دی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا سلام پہنچانے کی درخواست کی۔ انھوں نے یہ التجا بھی کی کہ رسول اللہ ﷺ میرے لیے مغفرت کی دعا فرمائیں۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو انجام دینے اور دشمن کو شکست فاش دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت

(73) أَوطاس: بنو ہوازن کے علاقے میں ایک وادی ہے، دیکھیے: (معجم البلدان: 281/1)

[1] ابن اسحاق نے اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 131/4)
[2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 184,183/4)
[3] كشف الأستار للهيثمي: 349/2، و مجمع الزوائد للهيثمي: 181/6. ہیثمی کا کہنا ہے: ''اسے بزار نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

میں ان کا پیغام عرض کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ اٹھا دیے: ''اے اللہ! عبید ابو عامر کو معاف فرما دے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ جب مشرکین شکست خوردہ ہو کر بھاگے تو درید بن صمہ اپنے چھ سو ساتھیوں کو لے کر ایک ٹیلے کی اوٹ میں جا چھپا۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ مسلمانوں کی ایک جماعت لے کر ان کے پیچھے پہنچے اور ان میں سے تین سو آدمیوں کو تہ تیغ کر دیا جن میں درید بن صمہ بھی شامل تھا۔ [2]

ہمارے نزدیک قابل ترجیح یہ ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ بھی اسی جماعت میں شامل تھے جس کی قیادت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ انھوں نے درید کو قتل کر دیا۔ بخاری کی روایت میں قاتل کا تعین نہیں ہے۔ بعض نے اس کے قاتل کا نام ربیعہ بن رُفیع [3] اور بعض نے عبداللہ بن قُنَیع بن اُہبان بن ثعلبہ بن ربیع بھی بتلایا ہے۔ [4]

جنگ کا غبار چھٹا تو مسلمانوں کو واضح فتح حاصل ہو چکی تھی۔ ہوازن وثقیف کی بڑی تعداد قتل یا زخمی ہو چکی تھی۔ روایت ہے کہ ثقیف کے ایک قبیلے بنو مالک کے مقتولوں کی تعداد ستر تھی۔ [5] حلیف قبائل سے صرف دو آدمی مارے گئے۔ ایک آدمی بنو غِیَرَہ میں

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة أوطاس، حديث: 4323، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي موسٰى و أبي عامر رضی اللہ عنہما، حديث: 2498. [2] كشف الأستار للهيثمي: 2/346، 347. ہیثمی کا کہنا ہے: ''اسے بزار نے روایت کیا ہے۔ اس میں علی بن عاصم ہے جو اپنی اغلاط کی کثرت کی وجہ سے ضعیف ہے۔ اسے ثقہ بھی کہا گیا ہے۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 6/187) ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 16/156) [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند معلق ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/136) [4] السيرة النبوية لابن هشام: 4/138. ابن ہشام نے اسے کمزور الفاظ (صیغۂ تمریض) سے بیان کیا ہے۔ [5] دلائل النبوة للبيهقي: 5/142. امام بیہقی نے اس کی نسبت بخاری کی طرف کی ہے جسے انھوں نے ابو عاصم کی روایت سے تاریخ کبیر میں نقل کیا ہے۔ اس روایت ◄◄

سے اور دوسرا بنو کُبَّہ میں سے۔ [1] اوطاس میں بنو مالک کے تین سو آدمی قتل ہوئے جن میں درید بن صمہ بھی شامل تھا۔ بنو نصر بن معاویہ جو بنو رئاب میں سے ہیں، ان کے بے شمار لوگ مارے گئے کیونکہ وہاں گھمسان کی جنگ ہوئی۔ عبداللہ بن قیس نے جو مسلمان تھے، کہا: ''اللہ کے رسول! بنو رئاب تو ختم ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! ان کی مصیبت کا مداوا فرما۔'' [2]

جب مشرکین اوطاس میں پناہ گزیں ہوئے اور مسلمانوں نے انھیں جالیا تو اکیلے ابو عامر رضی اللہ عنہ نے شہید ہونے سے پہلے نو بھائیوں کو قتل کیا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بنی جشم بن معاویہ کے دو بھائی قتل کیے۔ [3] اکیلے ابو طلحہ نے حنین کی جنگ میں بیس مشرکین جہنم رسید کیے اور ان کا ساز و سامان حاصل کیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مشرک مقتول کا سامانِ جنگ اس کے قاتل کے لیے جائز قرار دے دیا تھا۔ [4]

اس دن رسول اللہ ﷺ نے عورتوں، بچوں، نوکروں اور ایسے تمام لوگوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا جو نہتے ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ایک عورت کی لاش کے پاس سے گزرے۔ اُسے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔ [5] اس کی لاش پر کثیر تعداد میں لوگ جمع تھے۔ آپ نے فرمایا: ''یہ لڑائی تو نہیں کر رہی تھی۔'' [6]

»» میں ہے کہ حنین کے دن اہلِ طائف کے مقتولوں کی تعداد اتنی تھی جتنی بدر کے مقتولوں کی تھی۔

[1] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 133/4) [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 139/4) ابن سعد اور واقدی نے بھی اسے معلق ہی روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 152/2، والمغازي للواقدي: 916/3) [3] السيرة النبوية لابن هشام: 142/4. سند منقطع ہے۔ [4] سنن أبي داود، الجهاد، باب في السلب يعطى القاتل، حديث: 2718. ابو داود کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' [5] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند منقطع ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 144,143/4) [6] المستدرك للحاكم: 122/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ اس روایت میں »»

قیدی اور مال غنیمت کا کوئی شمار نہ تھا۔ روایت ہے کہ حنین کی جنگ کے قیدی عورتیں اور بچے چھ ہزار تھے۔[1] چاندی چار ہزار اوقیہ، یعنی 1,60,000 درہم تھی۔ اونٹ چوبیس ہزار تھے۔ بھیڑ بکریاں چالیس ہزار سے زیادہ تھیں۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے تمام مال غنیمت اور قیدی جعرانہ کے مقام پر جمع کیے کہ طائف کے مسئلے سے فارغ ہو کر انھیں تقسیم کریں گے۔

روایت ہے کہ ایک خاتون شُیماء بنت حارث بھی قیدیوں میں شامل تھیں۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن ہیں۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جایا گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا: «وَمَا عَلَامَةُ ذٰلِكَ؟» ''کوئی نشانی بتاؤ۔'' وہ کہنے لگیں: ''آپ ﷺ کی طفولیت کا زمانہ تھا۔ ایک دفعہ میں نے آپ کو اپنی پشت پر اٹھا رکھا تھا کہ آپ نے میری پیٹھ پر زور سے دانت گاڑ دیے تھے۔ اس کا نشان موجود ہے۔'' رسولِ اکرم ﷺ کو یہ واقعہ یاد آ گیا۔ آپ نے انھیں بہت سا سازو سامان دیا اور انھیں بحفاظت ان کے گھر والوں کے پاس بھیج دیا۔[3]

» غزوے کا تعین نہیں ہے، مزید دیکھیے: (الفتح الرباني: 64/14، وسنن أبي داود، الجهاد، باب في قتل النساء، حديث: 2669، والمصباح للبوصيري: 418/2) بوصیری کا کہنا ہے: ''یہ سند صحیح ہے۔ مرقع بن صیفی کا ذکر ابن حبان نے الثقات میں کیا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی نے اس پر تنقید کی ہے۔'' یوں یہ حدیث حسن درجے کی ہے۔ یاد رہے کہ ان تمام سندوں میں غزوے کا تعین نہیں ہے۔

[1] المصنف لعبدالرزاق: 318/5، والطبقات الكبرٰى: 155/2. یہ زہری نے ابن مسیب سے مرسل سند سے روایت کی ہے، مزید دیکھیے: (تاريخ الطبري: 82/43) یہ ابن ہشام اور عروہ کی روایت ہے۔ عروہ کی روایت اپنے والد سے ہے۔ یہ مرسل روایت ہے۔ [2] الطبقات الكبرٰى: 152/2. یہ معلق روایت ہے۔ اونٹوں اور بکریوں کے متعلق ابن اسحاق کا کہنا ہے: ''انھیں معلوم نہیں کہ ان کی تعداد کتنی تھی۔'' دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 183/4) [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے: جس کی سند منقطع ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 144/4، والمغازي للذهبي: ص 610) یہ »

یہ بھی مذکور ہے کہ آپ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ بھی آپ کے پاس حاضر ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا بہت احترام و اکرام فرمایا۔ اپنی چادر مبارک فرش پر بچھا دی اور اپنی رضاعی والدہ محترمہ کو اس پر بٹھایا۔[1] مسلمانوں کا نقصان بہت کم ہوا۔ صرف چار افراد شہید ہوئے۔ ابو عامر اشعری، ایمن بن عبید، یزید بن زمعہ بن اسود اور سراقہ بن حارث رضی اللہ عنہم۔[2] چند افراد زخمی ہوئے جن میں ابو بکر، عمر، عثمان، علی،[3] عبداللہ بن ابی اوفی[4] اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہم[5] شامل تھے۔ جب ہوازن وثقیف شکست کھا کر بھاگے تو قریبی وادیوں اور پہاڑوں میں بکھر گئے۔ بنو ثقیف اپنے قائد مالک بن عوف کی قیادت میں طائف کے قلعوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ دوسرے لوگوں نے وادیِ اوطاس میں پناہ حاصل کی۔ بنو غِیَرہ نخلہ کی طرف بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے شہسوار دستے نے نخلہ کی طرف جانے والوں کا پیچھا کیا۔ جو لوگ گھاٹیوں میں تتر بتر ہوئے ان کا تعاقب نہیں کیا گیا۔[6]

» روایت قتادہ کی مرسل ہے۔ اس کی سند میں حکم بن عبدالملک ہے جسے ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ ابن معین کا کہنا ہے: لَيْسَ بِشَيْءٍ "یہ کچھ نہیں ہے۔" دیکھیے: (التاریخ لابن معین: 152/2، رقم: 1322) [1] تفسیر الطبري: 101/10. یہ قتادہ کی مرسل روایت ہے جس کی سند حسن ہے، مزید دیکھیے: (الاستیعاب: 270/4) یہ عطاء بن یسار کی مرسل روایت ہے۔ ان کے علاوہ ملاحظہ فرمائیے: (الأدب المفرد، حدیث: 1295، وسنن أبي داود، الأدب، باب في برّ الوالدین، حدیث: 5145,5144، والمستدرك للحاكم: 618/3 و 619 حدیث: 6595) حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، مزید دیکھیے: (المراسیل لأبي داود، بسند معضل، والبدایة والنهایة: 407/4) ابن کثیر کا کہنا ہے: "ایک مرسل حدیث میں وارد ہے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والدین آپ کے پاس تشریف لائے تھے۔ اس حدیث کے صحیح ہونے کے متعلق اللہ بہتر جانتا ہے۔" [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 145/4) [3] كشف الأستار للهیثمي: 346/2. ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 156/16) حدیث کے متن کے متعلق ان کا کہنا ہے کہ یہ منکر ہے۔ [4] صحیح البخاري، المغازي، باب قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ﴾، حدیث: 4314. [5] مسند أحمد: 398/2. سند صحیح ہے۔ [6] یہ ابن اسحاق کی معلق «

جب مسلمان اوطاس اور نخلہ میں ہوازن کے مفروروں کا تعاقب کر چکے تو بنوثقیف کا کانٹا نکالنے کے لیے طائف کی طرف روانہ ہوئے جنھوں نے حنین واوطاس سے راہِ فرار اختیار کرنے کے بعد وہاں کے مضبوط قلعوں میں پناہ حاصل کر لی تھی اور ایک سال کی غذائی ضروریات جمع کرنے کے بعد قلعوں کے دروازے بند کر لیے تھے۔ انھوں نے عرصۂ دراز تک مزاحمت کے لیے دفاعی وسائل بھی مہیا کر لیے تھے۔ انھوں نے اپنے قلعوں کی اچھی طرح مرمت بھی کر لی تھی، نیز دبابات، منجنیقوں اور اس زمانے کے ٹینکوں کا فن سیکھنے کے لیے انھوں نے اپنے دو سرداروں عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمہ کو جرش بھیج دیا تھا۔ تبھی وہ دونوں حنین کی جنگ میں اپنی قوم کے ساتھ موجود نہیں تھے۔ [1] مسلمان طائف میں شوال کے تیسرے ہفتے کے اختتام پر پہنچے جیسا کہ واقعات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ [2] مسلمان پہلے تو ان کے قلعوں کے بالکل قریب اترے، پھر وہاں سے منتقل ہو کر اتنی دور خیمہ زن ہو گئے کہ وہاں تک بنوثقیف کے تیر نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ان کے تیروں سے بارہ مسلمان شہید ہو گئے تھے اور خاصی تعداد میں زخمی بھی ہوئے تھے۔ [3]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 136/14) ◄◄ روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 171,170/4، والطبقات الكبرى: 158/2. دونوں کی روایت معلق ہے۔ [2] یہ بات گزر چکی ہے کہ مسلمان شوال کی دس تاریخ کو حنین پہنچے اور گیارہ تاریخ کو معرکہ پیش آیا۔ تقریباً ایک ہفتہ وہ فرار ہونے والوں کے تعاقب میں مصروف رہے، پھر ایک طویل راستے سے ہوتے ہوئے طائف کو روانہ ہوئے۔ یوں وہ لگ بھگ تیسرے ہفتے کے اخیر میں وہاں پہنچے۔ [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو عمرو بن شعیب کی مرسل ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 176,175/4) ابن سعد نے بھی اسے معلق نقل کیا ہے۔ ابن سعد نے مقتولین کی تعداد بتائی ہے جبکہ ابن اسحاق نے اسے بغیر تعداد کے ◄◄

اس نئی جگہ مسلمانوں نے ایک مسجد بھی بنائی جو اب ''مسجد عبداللہ بن عباس'' کے نام سے معروف ہے۔ اُن دنوں طائف اس مسجد کے جنوب مغرب میں تھا۔ [1]

چونکہ لڑائی دور سے تیروں کی بوچھاڑ کی صورت ہی میں ہو سکتی تھی، مسلمانوں نے دبابہ (74) استعمال کیا تا کہ تیروں سے بچتے ہوئے قلعے کی دیوار کی بائیں جانب پہنچ کر اس میں نقب لگائیں۔ بنو ثقیف نے یہ منظر دیکھا تو انھوں نے لوہے کے گرم گرم ٹکڑے ان پر پھینکے جن سے دبابہ جل گیا مسلمان اس سے باہر نکلے تو انھوں نے ان پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ یوں مسلمانوں کے مزید کئی آدمی شہید ہوئے۔ [2]

مسلمانوں نے اہل طائف پر پتھراؤ کے لیے منجنیق استعمال کی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے منجنیق استعمال کی۔ [3] انھوں نے منجنیق سے بھرپور سنگ باری کی، خصوصاً اس لیے بھی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے جنت میں بلند درجات کا وعدہ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کی راہ میں تیر نشانے پر پہنچائے گا اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہے۔

(74) دبابہ: قدیم زمانے میں دبابہ موٹی لکڑی سے بنے ہوئے ایک خول نما آلے کو کہتے تھے جس پر چمڑے کا موٹا غلاف منڈھا ہوتا تھا۔ یہ گاڑی کے مانند لکڑی کے پہیوں پر چلتا تھا۔ آدمی اس میں داخل ہوتے اور تیروں کی بارش میں اسے گھسیٹتے ہوئے قلعے کی دیوار تک پہنچ جاتے اور اس میں نقب لگانے کی کوشش کرتے۔ اسے تیروں کی بوچھاڑ سے بچاؤ کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ آج کل کے جدید ٹینک کو بھی عرب دبابہ ہی کہتے ہیں۔

» بیان کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 158/2) [1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة للبلادي، ص: 316,214,213. [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 177,176/4) [3] یہ ابن ہشام کی روایت ہے جس کی سند منقطع ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 176/4، والمراسيل لأبي داود، ص: 37) مکحول تک اس کی سند صحیح ہے۔ یہ روایت ایک اور سند سے بھی آئی ہے جو ابن عباس کے آزاد کردہ غلام عکرمہ تک پہنچتی ہے۔ امام شافعی نے اس واقعے کو دلیل بنایا ہے، دیکھیے: (الأم للشافعي: 161/4)

جو اللہ کی راہ میں ایک تیر چلائے گا، وہ تیر اس کے لیے ایک آزاد کیے گئے غلام کے برابر ہے۔ جسے اللہ کی راہ میں بڑھاپا آجائے، وہ بڑھاپا اس کے لیے قیامت کے دن نور ہے۔'' [1]

مختلف ضعیف روایات میں منجنیق (75) بنانے یا لانے والے کا نام بتایا گیا ہے۔ بعض میں خالد بن سعید، بعض میں سلمان فارسی اور بعض دیگر میں طفیل بن عمرو کا نام ہے۔

ثقیف کے حوصلے کمزور کرنے کے لیے مسلمانوں نے ان کے کھجور اور انگور کے باغات جلانے شروع کر دیے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ اور رشتہ داری کا واسطہ دے کر درخواست کی کہ یہ کام نہ کیجیے۔ آپ سمجھ گئے کہ ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے، چنانچہ آپ نے ان کی درخواست قبول فرمالی۔ [2]

---

(75) منجنیق: یہ ایک آلہ ہے جس کے ذریعے سے ثقیل پتھر دور تک پھینکے جا سکتے تھے۔ اس سے قلعوں کو مسمار کرنے کا کام لیا جاتا تھا۔ واقدی نے ایک جگہ تو زور دے کر لکھا ہے کہ سلمان فارسی نے اپنے ہاتھوں سے منجنیق تیار کی تھی۔ دوسری جگہ انھوں نے لکھا ہے کہ طفیل بن عمرو، عمرو بن حممہ کے بت (ذی الکفین) کو مسمار کرنے کی مہم سے واپسی پر دبابہ اور منجنیقیں اپنے ساتھ لائے، پھر انھوں نے کمزور الفاظ (صیغۂ تمریض) کے ساتھ دیگر اقوال بھی بیان کیے ہیں، پھر لکھا: ''اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یزید بن زمعہ ایک منجنیق اور دو دبابے لائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طفیل بن عمرو لائے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خالد بن سعید، جرش سے منجنیقیں اور دبابے لائے تھے۔

---

[1] مسند أحمد: 113/4 و384، و جامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل الرمي في سبيل الله، حديث: 1637، 1638. ترمذی کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' مزید دیکھیے: (سنن النسائي، الجهاد، باب ثواب من رمى بسهم في سبيل الله عزوجل، حديث: 3145و3147، وشعب الإيمان للبيهقي: 31/4، حديث: 4266 و 68/4، حديث: 4341) اس حدیث کے الفاظ مختلف احادیث سے ماخوذ ہیں۔ [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 84/9. یہ روایت بیہقی نے اپنی سند سے بیان کی ہے جو موسیٰ بن عقبہ اور عروہ تک پہنچتی ہے۔ اس میں مجہول راوی ہیں۔ ابن اسحاق نے بھی اسے عمرو بن شعیب کی مرسل سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4 /...17)

رسول اللہ ﷺ کے منادی نے اعلان کر دیا: ''جو غلام قلعے سے اتر کر ہمارے پاس آئے وہ آزاد ہے۔'' یہ اعلان سن کر تیئیس غلام اترے اور مسلمانوں کے پاس پہنچ گئے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ وہ سب مسلمان ہو گئے۔ بنوثقیف کے مسلمان ہوجانے کے بعد بھی نبی ﷺ نے وہ آزاد کردہ غلام ان کے سپرد نہیں کیے۔ ابوبکرہ (نفیع بن مسروح ثقفی) (76) بھی ان تیئیس افراد میں شامل تھے۔ [1] جب اس قلعے کی تسخیر مسلمانوں کے لیے مشکل ہوگئی اور بارہ مسلمان بھی شہید ہو گئے [2] جبکہ صرف تین مشرکین مارے گئے [3] تو رسول اللہ ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے کی تجویز پیش کی۔ مسلمانوں کو یہ بہت ناگوار گزرا کہ قلعہ فتح کیے بغیر چلے جائیں۔ آپ خاموش ہو گئے۔ اگلے دن مزید زخم لگے تو رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی تجویز دہرائی۔ اب مسلمان خوش ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ مسکرائے، چنانچہ مسلمانوں نے محاصرہ اٹھا لیا۔ [4] دراصل رسول اللہ ﷺ

(76) أبو بکرہ: ان کا نام نُفَیع بن حارث بن کلدہ بن عمرو...... بن عوف بن ثقیف الثقفی ہے۔ ثقیف کا نام قسی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ابوبکرہ، حارث بن کلدہ کے غلام مسروح کے بیٹے ہیں۔ بعض نے ان کا نام مسروح بتایا ہے۔ یہ ان لوگوں میں شامل تھے جو رسول اللہ ﷺ کے طائف کے محاصرے کے دوران میں طائف کے قلعے سے بَکْرَۃ (چرخی) کے ذریعے سے اترے تھے۔

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوۃ الطائف في شوال سنة ثمان، حدیث: 4327,4326. بخاری نے ان کے اسلام لانے کا ذکر نہیں کیا۔ والمصنف لعبدالرزاق: 301/5، حدیث: 6982، ومجمع الزوائد: 245/4. ہیثمی کا کہنا ہے: ''اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' نُفَیع بن مسروح قلعے سے ایک چرخی کے ذریعے سے اترے، چنانچہ ان کا نام ابوبکرہ پڑ گیا۔ عربی میں چرخی کو بکرہ کہتے ہیں۔ [2] السیرۃ النبویة لابن هشام: 179/4، ومسند أحمد: 236/1و243و248. اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ ہے جو صدوق اور مدلس ہے۔ اس نے عن سے روایت کی ہے۔ [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویة لابن هشام: 180/4-182) ابن اسحاق نے ان کے نام و نسب بیان کیے ہیں۔ [4] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوۃ الطائف في شوال سنة ثمان، حدیث: 4325، وصحیح مسلم، الجهاد والسیر، باب غزوۃ الطائف، حدیث: 1778.

کی خواہش تھی کہ بنوثقیف ہدایت قبول کر لیں، اسی لیے جب بعض مسلمانوں نے آپ سے ان پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو آپ نے دعا دیتے ہوئے فرمایا: «اَللّٰھُمَّ! اھْدِ ثَقِیفًا» ''اے اللہ! ثقیف کو ہدایت دے۔'' [1]

روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل طائف پر بددعا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ [2]

محاصرہ کتنے دن جاری رہا؟ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ عروہ اور موسیٰ بن عقبہ کا خیال ہے کہ دس بارہ دن سے زیادہ جاری رہا۔ [3] عروہ کی ایک روایت میں پندرہ دن بتائے گئے ہیں۔ [4] ابن اسحاق نے ایک جگہ محاصرے کی مدت بیس دن سے زیادہ اور ایک جگہ تیس دن یا اس کے لگ بھگ لکھی ہے۔ [5] ابن ہشام نے سترہ دن بتائے

---

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب في ثقيف وبني حنيفة، حديث: 3942. ترمذی کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔'' البانی نے لکھا: ''اگر ابن الزبیر جو مدلّس ہے، اس کا عَنْعَنَہ نہ ہوتو یہ حدیث مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہے، دیکھیے: (فقه السيرة للغزالي، ص: 432) والطبقات الكبرىٰ: 159/2، والسيرة النبوية لابن هشام: 183/4. دونوں کی سند معلق ہے۔ ابن اسحاق کی روایت میں دعا کا یہ اضافہ ہے: ''اور انھیں لے آ۔'' ابن لہیعہ عن ابی الاسود کی سند سے عروہ کی مرسل حدیث ہے: ''اے اللہ! انھیں ہدایت دے اور ان کی بھاگ دوڑ میں ہمارے لیے کافی ہوجا۔'' دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 596) [2] یہ ابن لہیعہ عن ابی الاسود اور موسیٰ بن عقبہ کی اپنے بھتیجے سے روایت ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 592) ابن سعد نے حسن بصری کی روایت سے اسے نقل کیا ہے۔ یہ روایت بھی مرسل ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 195/2) ابن اسحاق نے معلق روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 178/4) [3] دلائل النبوة للبيهقي: 175/5، والسنن الكبرىٰ: 84/9. اس کی سند مرسل ہے۔ عروہ کی سند میں ایک راوی ابوعلاثہ محمد بن عمرو بن خالد اور موسیٰ بن عقبہ کی سند میں ایک راوی ابوعتاب محمد بن عبداللہ ہے۔ ان دونوں کے حالات اسماء الرجال کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ [4] تاريخ الطبري: 82/3. سند حسن مرسل ہے [5] السيرة النبوية لابن هشام: 176/4. عمرو بن شعیب کی مرسل روایت ہے۔ بیہقی نے اسے حسن سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 169/5)

ہیں۔[1] امام مسلم اور امام احمد چالیس دن بیان کرتے ہیں۔[2]

واقعات کا حساب لگایا جائے تو موسیٰ بن عقبہ، عروہ اور ابن ہشام کی بات زیادہ قرین قیاس ہے۔ سند کے لحاظ سے صحیح مسلم کی روایت زیادہ صحیح ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ پھر جعرانہ لوٹ آئے جہاں آپ نے طائف کے محاصرے کو جاتے ہوئے مال غنیمت محفوظ کیا تھا۔ واپس آ کر بھی آپ ﷺ نے کچھ چاندی تقسیم کی اور باقی مال غنیمت تقسیم نہیں کیا۔[3] آپ ﷺ نے تقریباً چودہ دن انتظار کیا کہ شاید بنو ہوازن آ جائیں اور اسلام قبول کر لیں۔[4] جب وہ نہ آئے تو آپ نے مال غنیمت مہاجرین اور طلقاء کے درمیان تقسیم کر دیا۔ انصار کو کچھ نہ دیا۔ آپ نے غطفان کے ایک زعیم عیینہ بن حصن، اقرع بن حابس اور قریش کے زعماء علقمہ بن علاثہ اور عباس بن امیہ میں سے ہر ایک کو سو سو اونٹ دیے۔[5] ابن اسحاق نے ایسے بارہ اشخاص شمار کیے ہیں جنھیں سو سو اونٹ ملے۔ چھ کا ذکر تو صحیحین میں ہے۔ مزید یہ ہیں: معاویہ بن ابی سفیان، حارث بن حارث، مالک بن عوف، علاء بن جاریہ، حارث بن ہشام اور حویطب بن عبدالعزی۔ ابن اسحاق نے صحیحین

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 176/4. یہ روایت صیغۂ تمریض سے مروی ہے اور معلق ہے۔

[2] صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: (136)-1059، ومسند أحمد: 157/3. یہ سُمیط کی روایت ہے۔ ابن کثیر نے اس مدت کو تسلیم نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے: "مسلمانوں نے تقریباً ایک ماہ اور بیس سے کم راتیں طائف کا محاصرہ کیے رکھا۔" دیکھیے: (البداية والنهاية: 399/4)

[3] المستدرك للحاكم: 121/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اس کے بارے میں خاموشی اختیار کی۔

[4] صحيح البخاري، المغازي، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ﴾ ......، حديث: 4319,4318، والمغازي للذهبي، ص: 605. اس میں ہے کہ آپ ﷺ نے انیس راتیں ہوازن کا انتظار کیا۔ صحیح بخاری کے مطبوعہ نسخوں میں ہمیں یہ مدت نہیں ملی۔ واقدی نے تیرہ دن لکھے ہیں، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 958/3)

[5] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان، حديث: 4336 مختصرًا، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1060.

میں ذکر کردہ لوگوں میں سے علقمہ بن عُلاثہ اور عباس بن مرداس کا تذکرہ نہیں کیا۔ انھوں نے پانچ ایسے اشخاص کا حوالہ بھی دیا ہے جنھیں ایک سو سے کم اونٹ دیے گئے۔[1] ابن ہشام نے انتیس ناموں کی فہرست کا اندراج کیا ہے جنھیں تالیف قلب کی خاطر حنین کی غنیمت سے خصوصی حصہ دیا گیا۔[2] انھوں نے انھیں دیے جانے والے اونٹوں کی تعداد نہیں بتائی۔ بعض مؤرخین نے ان افراد کی تعداد ستاون تک بتائی ہے۔[3]

جن لوگوں کی تالیف قلب کی گئی اُن کے ساتھ آپ کا یہ طرزِ عمل ایک خاص حکمت کے تحت تھا جس کی وضاحت خود رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمائی جب اس تقسیم پر بعض انصار نے گلہ کیا کہ ہمیں مکمل طور پر محروم رکھا گیا ہے۔ آپ کو بعض نوجوان انصاریوں کا یہ تبصرہ گوش گزار کیا گیا: ''جب کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا ہے تو ہمیں بلایا جاتا ہے اور غنیمتیں دوسروں کو دے دی جاتی ہیں۔'' یا یہ تبصرہ: ''اللہ تعالیٰ رسول اللہ (ﷺ) کو معاف فرمائے۔ آپ قریش کو بڑے بڑے عطیے دے رہے ہیں اور ہمیں محروم رکھ رہے ہیں جبکہ ہماری تلواروں سے ان کے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔''[4]

رسول اللہ ﷺ نے تمام انصار کو جمع کیا اور فرمایا: ''تم راضی نہیں کہ لوگ دنیا لے جائیں اور تم رسول اللہ (ﷺ) کو سنبھال کر اپنے گھر لے جاؤ؟'' انصار نے کہا: ''کیوں نہیں! اللہ کے رسول! ہم راضی ہیں۔'' تب آپ نے فرمایا: ''اگر دوسرے لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار کسی اور گھاٹی میں چلیں تو میں انصار والی گھاٹی میں چلوں گا۔''[5]

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 191,190/4. یہ معلق روایت ہے۔ [2] السيرة النبوية لابن هشام: 194-192/4. سند منقطع ہے۔ جس راوی نے ان سے بیان کیا اُس کا نام نہیں بتایا۔ باقی راوی ثقہ ہیں۔

[3] مرويات غزوة حنين للدكتور قريبي، ص: 649. [4] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث: 3147، و صحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1059. [5] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوال سنة ثمان، حديث: 4337,4334,4331، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة ◄◄

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''کیا تم راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسول کو اپنے ڈیروں میں لے جاؤ؟ انصار اندرونی لباس ہیں جبکہ دوسرے لوگ بیرونی لباس ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار کا ایک آدمی ہوتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں کچھ لوگوں کو اس لیے عطیات دیتا ہوں کہ مجھے ان کی کمزوریِ ایمان اور جلد بازی کا خطرہ ہوتا ہے۔ اور کچھ لوگوں کو اس بھلائی اور استغنا کے سپرد کرتا ہوں جو اللہ نے اُن کے دلوں میں ڈال دی ہے۔ ان لوگوں میں عمرو بن تغلب بھی ہے۔''

عمرو بن تغلب کہا کرتے تھے: ''میں پسند نہیں کرتا کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کے اس تعریفی جملے کے بجائے سرخ اونٹ ملتے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے مزید فرمایا: ''میں کچھ لوگوں کو دیتا ہوں جن کا دورِ کفر ابھی ابھی گزرا ہے۔''[3]

ایک دوسری روایت میں ہے: ''قریش کا دور جاہلیت ابھی کل کی بات ہے اور انھیں تازہ تازہ مصیبت پہنچی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان کے زخم مندمل کروں اور ان کی دلجوئی کروں۔''[4]

نیز فرمایا: ''اے انصار کی جماعت! کیا تم دنیا کے باقی نہ رہنے والے مال کی وجہ سے ناراض ہوئے جس کے ذریعے سے میں نے ایک قوم کی دلجوئی کی تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اور تمھیں میں نے تمھارے اسلام کے حوالے کر دیا...... اے اللہ! انصار پر رحم فرما اور ان

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حدیث: 1059. [2] صحیح البخاري، فرض الخمس، باب ماکان النبي ﷺ یعطي المؤلفة قلوبهم......، حدیث: 3145. [3] صحیح البخاري، فرض الخمس، باب ماکان النبي ﷺ یعطي المؤلفة قلوبهم......، حدیث: 3147، وصحیح مسلم، الزکاۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حدیث: 1059. [4] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حدیث: 4334، وصحیح مسلم، الزکاۃ، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حدیث: 1059.

کے بیٹوں پر اور ان کے بیٹوں کے بیٹوں (پوتوں) پر بھی۔''[1] آپ نے مزید فرمایا:

«إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهٖ»

''میں ایک شخص کو مال دیتا ہوں، حالانکہ دوسرے مجھے اس سے بڑھ کر محبوب ہوتے ہیں، اس بات کے ڈر سے کہ کہیں وہ منہ کے بل آگ میں نہ ڈال دیا جائے۔''[2]

انصار نے رسول اللہ ﷺ کے یہ بصیرت افروز ارشادات سنے تو ان پر پورا معاملہ روشن ہوگیا۔ وہ رونے لگے حتی کہ ان کی ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور وہ پکار اٹھے: ''ہم (دل و جان سے) راضی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے حصے میں آئے ہیں۔''[3]

عملی طور پر بھی یہ حکمت نہایت مؤثر ثابت ہوئی۔ جن افراد کی تالیف قلب کی گئی ان کے دلوں میں اسلام کی محبت جاگزین ہوئی اور وہ بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے بلکہ اعلیٰ درجے کے مجاہد بنے۔ عیینہ بن حصن فزاری اور اقرع بن حابس تمیمی جیسے اکا دکا لوگوں کے علاوہ باقی سب مایۂ ناز مسلمان بن گئے۔ اسی رجحان کی تعبیر کرتے ہوئے انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آدمی اسلام قبول کرنے لگتا ہے تو وہ محض دنیا کا خواہش مند ہوتا ہے، پھر جیسے ہی وہ

---

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے جس کی سند حسن لذاتہ کے درجے کی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 199/4) اس دعا کو بخاری، مسلم اور احمد نے بھی روایت کیا ہے۔ تائیدی روایات کی بنا پر دعا کی یہ روایت قوی ہے، تاہم بخاری کے ہاں اس کے الفاظ قدرے مختلف ہیں، دیکھیے: (صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ ......﴾، حديث: 4906، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل الأنصار ﷺ، حديث: 2506، ومسند أحمد: 77/3)

[2] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾، حديث: 1478.

[3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث: 4331، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1059. ابن اسحاق نے بھی اسے بسند حسن لذاتہ روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 200/4)

اسلام قبول کر لیتا ہے، اسلام اسے دنیا اور اس کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہو جاتا ہے۔'' [1]

خود صفوان بن امیہ نے رسول اللہ ﷺ کے اس حکیمانہ طرز عمل کے نتیجے میں آنے والے انقلاب کا حال یوں بیان کیا ہے: ''اللہ کی قسم! جس وقت رسول اللہ ﷺ نے مجھے مال دینا شروع کیا تو میرے دل کی حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ مجھے تمام لوگوں سے بڑھ کر ناپسند تھے۔ آپ ﷺ مجھے مال دیتے رہے، دیتے رہے حتی کہ آپ مجھے سب لوگوں سے بڑھ کر محبوب ہو گئے۔'' [2]

حکیم بن حزام کو آپ جب بھی مال دیتے وہ آپ سے مزید کا مطالبہ کرتے۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں نصیحت کی: ''حکیم! یقیناً یہ مال ہرا اور میٹھا ہے۔ جو شخص اسے نفس کی بے نیازی سے حاصل کرے اس کے لیے اس میں برکت ہوتی ہے لیکن جو طمع سے لیتا ہے، اس کے لیے برکت نہیں ہوتی بلکہ اس کی حالت اس شخص جیسی ہو جاتی ہے جو کھاتا ہی رہتا ہے مگر اس کا پیٹ نہیں بھرتا۔ اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (مانگنے والے) ہاتھ سے بہت بہتر ہوتا ہے۔''

حکیم ساری بات سمجھ گئے۔ کہا: ''اللہ کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے! جب تک جان میں سانس ہے کسی سے کوئی چیز نہیں مانگوں گا، نہ لوں گا۔'' اور پھر انھوں نے کسی سے مانگنا تو کجا بیت المال سے اپنا حصہ اور وظیفہ تک قبول نہ کیا حتی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔ [3]

بعض گنوار اجڈ اعرابیوں کی سمجھ میں بھی اس تقسیم کی حکمت نہ آئی۔ ان کے ایک نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ''اے محمد! عدل کرو۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس!

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه، حديث: 2312. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه، حديث: 2313. [3] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث: 3143.

جب میں عدل نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ میں ناکام ہوا اور گھاٹے میں رہا اگر میں نے عدل نہ کیا۔" عمر رضی اللہ عنہ اس قدر برافروختہ ہوئے کہ نبی کریم ﷺ سے اجازت چاہی۔ اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں، میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: "اللہ کی پناہ! لوگ کہیں گے کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں۔ یہ اور اس کے ساتھی قرآن پڑھتے ہیں مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترتا۔ وہ دین سے یوں صاف نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے صاف پار ہو جاتا ہے۔"[1]

مسلم کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: "اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، لیکن قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ اہلِ اسلام کو قتل کریں گے اور بت پرستوں کو کچھ نہ کہیں گے۔ اگر میری زندگی میں یہ وقت آ گیا تو میں انھیں اس طرح قتل کروں گا جس طرح عاد کو قتل کیا گیا تھا۔"

روایت میں اس اعرابی کی شکل وصورت بھی بتائی گئی ہے: "گھنی داڑھی، ابھرے ہوئے رخسار، گہری آنکھیں، بڑھا ہوا ماتھا، منڈا ہوا سر۔"[2]

مسلم کی ایک تیسری روایت میں ہے: «......مُشَمَّرُ الْإِزَارِ» "تہ بند پنڈلیوں سے اونچا رکھنے والا۔"[3]

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، حديث: 1063. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، حديث: 1064. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج و صفاتهم، حديث: (144)-1064. ابن اسحاق نے بھی اس روایت کو بسند حسن نقل کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 195/4) ابن اسحاق کے نزدیک اس اعرابی کا نام ذوالخویصرہ تمیمی ہے جو خوارج کی بنیاد بنا۔ خوارج نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کیا تھا، پھر انھی کے ایک آدمی عبدالرحمٰن بن ملجم نے علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔ خوارج کے ایک شاعر نے اس کا مرثیہ بھی کہا: "اس متقی کی وہ ضرب کیا خوب تھی۔ اس ضرب سے اس کا صرف یہی ارادہ تھا کہ وہ عرش والے کی رضا حاصل کر لے۔ میں کسی دن اسے یاد کرتا ہوں تو سمجھتا ہوں کہ وہ اللہ کے نزدیک تمام مخلوق سے بڑھ کر وفادار ◄◄

جب رسول اللہ ﷺ غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو اعرابیوں نے آپ کے گرد بھیڑ لگادی۔ اس دھکم پیل میں آپ کی چادر درخت کی ٹہنی میں الجھ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَعْطُونِي رِدَائِي، فَلَوْ كَانَ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمًا لَّقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُونَنِي بَخِيلًا وَّ لَا كَذُوبًا وَّلَا جَبَانًا»

''میری چادر تو دے دو۔ اگر ان درختوں کی تعداد کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو میں وہ سب تم میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھے کنجوس، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔''[1]

ایک اعرابی نے آپ کی چادر زور سے کھینچی جس کے کھردرے پن سے آپ کی گردن اور کندھے پر نشان پڑ گیا۔ کہنے لگا: ''مجھے بھی اللہ کا مال دو جو تمھارے پاس ہے۔'' اللہ کے رسول ﷺ مسکراتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے کچھ دینے کا حکم دیا۔[2]

اعرابیوں کی اس کارگزاری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر صرف غنیمت حاصل کرنے نکلے تھے۔ اور ان کی اس قسم کی بدتمیزیوں پر رسول اللہ ﷺ کا ردعمل آپ کے عظیم الشان صبر پر دلالت کرتا ہے اور اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ آپ اجڈ اعرابیوں کی تربیت بڑی حکمت اور دانائی سے کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو ہوازن کا وفد اپنے قبول اسلام کا اعلان کرنے آپہنچا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان کے قیدی اور جانور واپس کر دیے جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں قیدیوں اور مال و منال میں سے کسی ایک کے انتخاب کرنے کا حکم دیا۔ انھوں نے قیدیوں کا انتخاب کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے میں اپنے صحابہ سے مشورہ کیا۔ آپ نے فرمایا: ''جو اپنا

» انسان تھا۔ وہ قوم کیسی معزز ہے جن کی قبریں پرندوں کے پیٹ ہیں۔ انھوں نے اپنے دین کو ظلم و عدوان سے آلودہ نہیں کیا۔'' [1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة......، حديث: 3148. [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة......، حديث: 3149.

حصہ ہبہ کرنا چاہے تو یہ بہت اچھی بات ہے لیکن جو اپنا حصہ برقرار رکھنا چاہے وہ فی الحال واپس کر دے۔ ہم آئندہ ملنے والی اولین غنیمت سے اس کا حصہ ادا کریں گے۔'' لوگ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! ہم نے ان کے لیے اپنے حصے ہبہ کیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس طرح تو ہمیں کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ کس نے (قیدیوں کو جانے کی) اجازت دی اور کس نے نہیں دی، چنانچہ واپس چلے جاؤ یہاں تک کہ تمھارے سردار تمھارا معاملہ ہم تک پہنچائیں۔''

لوگ چلے گئے۔ ان کے سرداروں نے ان سے بات کی، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور آپ کو بتایا کہ واقعی سب لوگوں نے بخوشی اجازت دے دی ہے۔[1] البتہ اقرع بن حابس نے اپنے قبیلے تمیم اور عیینہ بن حصن نے اپنے قبیلے فزارہ کی طرف سے آمادگی ظاہر نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے قیدیوں کا عوض ادا کرنے کا وعدہ کیا۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کے وفد سے مالک بن عوف کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ طائف کے قلعے میں ہے۔ آپ نے ان سے کہا کہ اسے یہ پیغام پہنچاؤ کہ اگر وہ یہاں آ کر مسلمان ہو جائے تو اس کے اہل و مال واپس کر دیے جائیں گے۔ اس کے علاوہ اسے سو اونٹ بھی دیے جائیں گے۔ جب ان لوگوں نے اسے یہ پیغام پہنچایا تو وہ حیلے بہانے سے طائف سے نکلا۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر اس کی قوم ثقیف کے لوگوں کو پتہ چل گیا تو وہ اُسے قتل کر دیں گے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے جعرانہ یا مکہ میں ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ وہ مسلمان ہوا اور اچھا مسلمان ثابت ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے اس کی قوم کے مسلمان ہونے والے افراد کا امیر مقرر کر دیا۔ وہ

[1] صحیح البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی أنّ الخمس……، حدیث:3132,3131.
[2] یہ ابن اسحاق کی حسن سند سے روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن هشام: 185/4) دیگر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

ان کے ساتھ مل کر ثقیف سے لڑتا رہا۔ [1]

ثقیف کے بعض زعماء اسلام کی طرف مائل ہو گئے۔ ان میں عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ جا رہے تھے کہ راستہ میں وہ آپ سے جا ملے اور قبول اسلام کا اعلان کر دیا، پھر اسلام کے داعی کی حیثیت سے اپنی قوم کی طرف پلٹے۔ قوم نے انھیں قتل کر دیا۔ انھیں اس کی وصیت کے مطابق طائف کے محاصرے میں شہید ہونے والے مسلمانوں کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ [2]

رمضان المبارک 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی غزوۂ تبوک سے واپسی پر ثقیف کا وفد قبول اسلام کا اعلان کرنے آیا۔ تفصیل آگے آ رہی ہے۔

غزوۂ حنین اور غزوۂ طائف سے ماخوذ نمایاں احکام

* استبرائے رحم (رحم کی کیفیت معلوم کر لینے) کے بعد لونڈی سے جماع کرنا جائز ہے۔ صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی تھی:

﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ﴾

"اور عورتوں میں سے شادی شدہ بھی (تم پر حرام ہیں) سوائے ان کے جن کے

[1] یہ ابن اسحاق کی مرسل روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 187/4) ابن اسحاق کی سند سے طبرانی کی روایت ہے جسے ہیثمی نے نقل کیا ہے۔ سند کے راوی ثقہ ہیں، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 189/6) تاریخ طبری میں ابن اسحاق کی متصل سند ہے۔ اس میں ابن حمید ہے جس میں قدرے ضعف ہے۔ ابن اسحاق نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ باقی راوی ثقہ ہیں، دیکھیے: (تاریخ الطبري: 89,88/3) الإصابۃ میں ہے کہ موسیٰ بن عقبہ نے اسے اپنے مغازی میں روایت کیا ہے اور مغازی ابن عائذ میں ابو الاسود نے اسے عروہ سے بسند مرسل روایت کیا ہے، دیکھیے: (الإصابۃ: 352/3) [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ھشام: 347,346/4)

تمھارے داہنے ہاتھ مالک بن جائیں۔"[1]

* ایسی عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور نوکر چاکروں کو قتل کرنا حرام ہے جو مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں حصہ نہیں لیتے۔[2] یہ اعلان کئی مواقع پر بار بار کیا گیا۔
* دارالحرب میں حد قائم کی جاسکتی ہے۔ غزوۂ حنین میں رسول اللہ ﷺ نے ایک شرابی پر حد لگائی تھی۔[3]
* مخنث کا اجنبی عورتوں کے ہاں آنا جانا منع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مخنث کو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ان کے بھائی عبداللہ کے سامنے بادیہ بنت غیلان ثقفی کے اوصاف نامناسب انداز میں بیان کرتے سنا۔ وہ انھیں اس عورت کے حاصل کرنے کی رغبت دلا رہا تھا۔ یہ طائف کے محاصرے سے تھوڑی دیر پہلے کا واقعہ ہے۔ رسول اکرم ﷺ اس مخنث کی باتیں سن کر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:

«لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُنَّ» "یہ لوگ تمھارے ہاں ہرگز نہ آیا کریں۔"[4]

---

[1] النسآء 4:24. اس آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر: 224,223/2) اس سلسلے میں احادیث کے مطالعے کے لیے دیکھیے: (صحیح مسلم، الرضاع، باب جواز وطئ المسبية بعد الاستبراء......، حديث: 1456) [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في قتل النساء، حديث: 2669-2672، ومسند أحمد: 488/3. شیخ البانی نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (إرواء الغليل: 35/5) امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 123/2) [3] سنن أبي داود، الحدود، باب إذا تتابع في شرب الخمر، حديث: 4488,4487، ومسند أحمد: 350/4. سنن ابی داود کے محققین کا کہنا ہے: "ان دونوں سندوں میں انقطاع ہے۔" ابوداود کی پہلی سند میں غزوے کا نام نہیں جبکہ دوسری سند میں غزوے کا نام موجود ہے۔ دارقطنی کی سند میں عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن زاہر مقبول درجے کا راوی ہے، دیکھیے: (سنن الدارقطني: 158,157/3) [4] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف......، حديث: 4324، وصحيح مسلم، السلام، باب منع المخنث من الدخول على النساء الأجانب، حديث: 2180.

* مؤلفۃ القلوب کو غنیمت کے مال سے دینا جائز ہے بشرطیکہ امام اس میں مسلمانوں کا کوئی امکانی فائدہ محسوس کرتا ہو، مثلاً وہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا مسلمانوں کے خلاف ان کی دشمنی ماند پڑ جائے۔
* مکہ میں داخل ہونے والے کے لیے جعرانہ سے احرام باندھنا مشروع ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے غزوۂ حنین کی غنیمت تقسیم کرنے کے بعد جعرانہ سے احرام باندھ کر عمرہ کیا تھا۔[1] البتہ جو شخص پہلے ہی سے مکہ میں موجود ہو وہ احرام باندھنے کے لیے جعرانہ نہ آئے۔ عوام الناس یہ کام کرتے ہیں مگر یہ سنت نہیں۔[2]
* مشرک کے قاتل (مجاہد) کو مشرک کا ذاتی ساز وسامان بطور انعام ملنے کی تاکید۔
* مشرکین کے آلات حرب سے مسلمان فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے زرہیں ادھار لی تھیں۔ لیکن ایسا اس وقت کرنا چاہیے جب اس عمل سے جنگ کی پشت پر کوئی اثر نہ پڑے۔
* کافروں کے خلاف منجنیق (توپ) نصب کر کے ان پر سنگباری یا بمباری کی جا سکتی ہے، ہر چند اس صورت میں گھر بیٹھی عورتیں اور بچے مارے جانے کا بھی امکان ہوتا ہے۔[3]
* اگر کفار کی فصلوں اور باغات کو کاٹنے یا آگ لگانے سے ان کی جنگی قوت کمزور پڑتی ہو اور اس کی تکلیف ان کے لیے ناقابل برداشت ہو تو ایسا کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔
* رسول اللہ ﷺ کا اہل طائف اور بنو ثقیف کے لیے اس کے باوجود ہدایت کی دعا کرنا کہ وہ آپ سے برسر پیکار رہے اور آپ کے متعدد صحابہ کو شہید کیا، آپ کی کمال

[1] صحیح البخاري، العمرة، باب: کم اعتمر النبي ﷺ؟ حدیث: 1778. [2] زاد المعاد لابن القیم: 504/3. [3] زاد المعاد لابن القیم: 503/3-506.

شفقت اور رحمت کی واضح دلیل ہے۔ [1]

* کسی علاقے پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہاں کفر و شرک کے اڈے باقی رکھنا جائز نہیں بلکہ انھیں ایک ایک کر کے منہدم کر دیا جائے اور ان کے نام و نشان مٹا دیے جائیں۔ یہ کفر کی امتیازی علامات اور سب سے بڑی برائی ہیں۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے ''ذوالکفین'' بت کی توڑ پھوڑ کے لیے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔ اس کی تفصیل۔ ان شاء اللہ۔ آگے آ رہی ہے۔

* طائف کی وادی ''وج'' حرم میں داخل نہیں۔ جو احادیث اسے حرم کا حصہ بتلاتی ہیں، وہ ضعیف ہیں۔ [3]

* عورتیں اپنے خاوندوں کے ساتھ جنگی سفر پر جا سکتی، زخمیوں کا علاج کر سکتی ہیں اور انھیں پانی وغیرہ پلا سکتی ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت (1089) سے ثابت ہوتا ہے کہ ام سُلیم بنت ملحان اپنے شوہر ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں موجود تھیں۔

* یاد رہے کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ام کبشہ عذریہ قضاعیہ رضی اللہ عنہا کی روایت اس کے منافی نہیں۔ انھوں نے کہا تھا: ''اے اللہ کے رسول! میرا ارادہ لڑائی کا نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتی ہوں کہ زخمیوں اور مریضوں کا علاج کروں یا انھیں پانی پلاؤں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ لَا أَنْ تَكُونَ سُنَّةٌ وَّيُقَالُ فُلَانَةُ خَرَجَتْ لَأَذِنْتُ لَكِ وَلٰكِنِ اجْلِسِي»

''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اسے طریقہ بنا لیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ فلانی گئی تھی تو میں ضرور تمھیں اجازت دے دیتا لیکن تم (گھر میں) بیٹھی رہو۔'' [4]

---

[1] زاد المعاد لابن القيم :3/503-506. [2] زاد المعاد لابن القيم :3/503-506. [3] المجتمع المدني للدكتور أكرم العمري، الجهاد، حاشية، ص:222,221. [4] المصنف لابن أبي شيبة:6/542.

میری خاص استدعا پر دکتور خالد الدّ ریس نے اس حدیث کی تحقیق کی۔ ان کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث منقطع ہے۔ سعید بن عمرو اور ام کبشہ کی ملاقات کا ثبوت نہیں ملا، البتہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔

غزوۂ تبوک سے قبل کے اہم واقعات

ذوالکفین کے خلاف طفیل بن عمرو کی کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے طائف جانے کا ارادہ کیا تو اس موقع پر آپ نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کو عمرو بن حُمَمہ دوسی کا بت ''ذوالکفین'' منہدم کرنے کے لیے بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی قوم سے مدد حاصل کریں اور فارغ ہو کر مجھے طائف میں ملیں۔ وہ تیز رفتاری سے اپنی قوم کی طرف روانہ ہو گئے۔ ''ذوالکفین'' کو ریزہ ریزہ کیا، اسے آگ لگائی اور پھر اپنی قوم کے چار سو آدمیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے طائف میں جا ملے۔ اس وقت آپ کو طائف پہنچے چار دن ہو چکے تھے۔ طفیل بن عمرو اپنے ساتھ دبابہ اور منجنیق بھی لے کر آئے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی طائف سے واپسی پر کعب بن زہیر کا قبول اسلام

کعب بن زہیر بن ابی سُلمٰی مزنی مشہور مخضرم شعراء میں سے ایک تھا۔ اس کا باپ زہیر بن ابی سلمٰی سات مشہور قصائد جنھیں معلقات کہا جاتا ہے، میں سے ایک معلقے کا شاعر تھا۔ کعب نبیِ کریم ﷺ کی ہجو کرتا اور آپ کو ذہنی اذیت دیا کرتا تھا۔ اس کا اور اس کے بھائی بُجَیر کا قصہ ابن اسحاق اور بیہقی نے متصل سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ واقعے کے

[1] الطبقات الکبرٰی: 157/2، والمغازي للواقدي: 923,922/3. ابن سعد کی روایت معلق ہے۔

مطابق کعب اپنے بھائی بُجَیر کے ساتھ مقام ابرق عزّاف (77) تک پہنچا۔ بجیر نے اپنے بھائی کعب سے کہا: تم یہاں ٹھہرو، میں محمد (ﷺ) کے پاس جا کر ان کی باتیں سنتا ہوں۔ جب وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کے روبرو دین اسلام کی تعلیمات پیش کیں۔ وہ مسلمان ہو گیا۔ کعب کو پتہ چلا تو اس نے یہ اشعار کہے:

''سنو! میری طرف سے میرے بھائی بجیر کو یہ پیغام پہنچا دو کہ بتاؤ اس نبی نے کس چیز کی طرف تیری رہنمائی کی ہے؟ کیا ایسے دین کی طرف جس پر تو نے نہ اپنے باپ کو پایا نہ ماں کو نہ بھائی کو؟ ابو بکر نے تجھے ایک لبریز پیالہ پلایا اور پھر مامون ''نبی'' نے تجھے وہ پیالہ پلایا اور بار بار پلایا۔''

رسول اللہ ﷺ کو یہ شعر پہنچے تو آپ نے اس کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ اس کے بھائی بجیر نے اسے یہ اطلاع دیتے ہوئے نصیحت کی کہ اپنی جان بچاؤ۔ اس سلسلے میں اس نے تجویز پیش کی کہ جو شخص بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس مسلمان ہو کر آ جائے آپ اس کا اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ تم بھی مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ کعب مسلمان ہو گیا۔ اس نے اپنا مشہور قصیدہ تیار کیا جس میں وہ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرتا ہے، پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا۔ آپ نے اسے امان دے دی۔ یہاں اس نے اپنا وہ قصیدہ پڑھا جس کا پہلا شعر یہ ہے:

بَانَتْ سُعَادُ فَقَلْبِي الْيَوْمَ مَتْبُولُ مُتَيَّمٌ عِنْدَهَا لَمْ يُفْدِ مَكْبُولُ

''سعاد جدا ہو گئی، اس لیے آج میرا دل دکھی اور اس کے پیچھے دیوانہ ہے اور اس کی محبت میں جکڑا ہوا ہے، آزاد نہیں ہوا۔''[1]

(77) أبرق عزّاف: یہ مدینہ کے قریب بصرہ کے راستے پر ایک جگہ ہے، دیکھیے: (معجم البلدان: 68/1) روایت کا اتنا حصہ ذہبی کی المغازي میں ہے، دیکھیے: (المغازي للذهبي، ص: 617)

[1] شوکانی نے کہا: ''عراقی نے کہا ہے: یہ قصیدہ ہم نے چند سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے »

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ کعب بن زہیر نے یہ قصیدہ مسجد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کے روبرو پڑھا تھا۔[1] جب وہ اس شعر پر پہنچا:

إِنَّ الرَّسُولَ لَنُورٌ يُسْتَضَاءُ بِهِ   مُهَنَّدٌ مِّنْ سُيُوفِ اللّٰهِ مَسْلُولُ

فِي فِتْيَةٍ مِّنْ قُرَيْشٍ قَالَ قَائِلُهُمْ   بِبَطْنِ مَكَّةَ لَمَّا أَسْلَمُوا زُولُوا

''رسول اللہ ﷺ وہ نور ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سونتی ہوئی خالص فولادی تلوار ہیں چند قریشی نوجوانوں میں، جن کے کہنے والے نے وادیِ مکہ میں کہا جبکہ وہ مسلمان ہوئے، نکل چلو۔''

تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی آستین مبارک سے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ آئیں اور سنیں۔

ساعاتی کا کہنا ہے: ''مواهب اللدنية میں لکھا ہے: ابو بکر بن انباری نے کہا: جب وہ اس شعر پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے خود اوڑھی ہوئی چادر مبارک (بُردہ) اس پر نچھاور کر دی، اسی بنا پر اس قصیدے کو ''قصیدہ بردہ'' بھی کہا جاتا ہے۔''[2]

بعد میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے کعب کو دس ہزار درہم دے کر یہ چادر مبارک لینا چاہی تو کعب نے کہا: ''واللہ! میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک چادر کسی بھی قیمت پر کسی کو نہیں دے

» کوئی سند صحیح نہیں۔ ابن اسحاق نے بھی اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (نیل الأوطار للشوكاني: 160,159/2) [1] دلائل النبوة للبيهقي: 411/5. اس کی سند مرسل ہے اور اس میں محمد بن فلیح صدوق راوی ہے جسے وہم ہو جاتا تھا۔ [2] الفتح الرباني: 187/21. کعب کے اسلام لانے کا واقعہ حاکم نے روایت کیا اور کہا: ''اس حدیث کی چند اسانید ہیں جنھیں ابراہیم بن منذر حزامی نے جمع کیا ہے۔'' دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 583-579/3) ذہبی اس روایت کے متعلق خاموش ہیں۔ کعب کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے چادر دیے جانے کی روایت کے متعلق ابن کثیر نے لکھا: ''یہ نہایت مشہور روایات میں سے ایک ہے، تاہم یہ روایت مجھے ان معروف کتابوں میں سے کسی میں بھی ایسی سند سے نہیں ملی جس پر میں مطمئن ہوں۔'' واللہ اعلم، دیکھیے: (البداية والنهاية: 419/4) یہ روایت ذہبی اور ابن اسحاق کے ہاں مختلف الفاظ کے ساتھ دیکھی جا سکتی ہے۔

سکتا۔'' پھر جب کعب بن زُہیر رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کے وارثوں کو بیس ہزار درہم دے کر راضی کر لیا اور چادر مبارک حاصل کر لی۔

ابو بکر انباری رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''یہ وہی چادر مبارک ہے جو آج تک سلاطین کے ہاں نسل در نسل منتقل ہوتی آئی ہے۔''

عاملین زکاۃ

محرم 9 ھ کے آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف علاقوں کی طرف عاملین زکاۃ بھیجنے شروع کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ کو بنو اسلم اور بنو غفار کی طرف بھیجا۔ بعض نے کعب بن مالک کا نام بھی بتایا ہے۔ عباد بن بشر اشہلی رضی اللہ عنہ کو بنو سلیم اور مزینہ کی طرف، رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ کو جُہینہ کی طرف، عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو فزارہ کی طرف، ضحاک بن سفیان کلابی رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب کی طرف اور بُسر بن سفیان کعبی رضی اللہ عنہ کو بنو کعب کی طرف بھیجا۔ بعض مؤرخین نے نعیم بن عبداللہ نحام عدوی کا نام بھی لیا ہے۔ ابن لُتبیہ ازدی رضی اللہ عنہ کو بنو ذبیان کی طرف، بنو سعد بن ہُذیم کے ایک آدمی کو انھی (بنو سعد) کی طرف [1]، مہاجر بن ابی امیہ رضی اللہ عنہ کو صنعاء کی طرف، زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ کو حضر موت کی طرف، عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ کو بنو طے اور بنو اسد کی طرف، مالک بن نویرہ رضی اللہ عنہ کو بنو حنظلہ کی طرف، زِبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم رضی اللہ عنہما کو بنو سعد کی طرف (دونوں میں سے ہر ایک کو الگ الگ جانب)، علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو نجران کی طرف روانہ کیا۔ زکاۃ وصول کرنے کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ کی مزید ذمہ داری

[1] المغازي للواقدي: 973/3. یہ روایت ان کی اپنی مرسل سند سے ہے۔ ابن سعد نے یہ روایت اپنے استاذ واقدی کے حوالے سے بیان کی ہے۔ واقدی متروک ہے، چنانچہ اس کی روایات و اسانید ضعیف ہیں، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 106/2)

یہ بھی تھی کہ وہ نجران سے جزیہ کی رقم بھی لے کر آئیں۔ [1]

عیینہ بن حصن کی بنوعنبر کے خلاف کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کو محرم 9 ھ میں بنوتمیم کے ایک قبیلے بنوعنبر کی طرف پچاس اعرابی سوار دے کر بھیجا۔ ان میں کوئی مہاجر یا انصاری نہیں تھا۔ یہ لوگ مطلوبہ جگہ پہنچے تو بنوعنبر کو پتہ چل گیا۔ وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ عیینہ اور ان کے ساتھیوں نے ان کے گیارہ آدمی پکڑ لیے۔ ان کے علاوہ گیارہ عورتیں اور تیں بچے بھی ملے۔ وہ ان سب کو پکڑ کر مدینہ منورہ لے آئے۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ان قیدیوں کو رملہ بنت حارث کے مکان میں بندکر دیا گیا۔ ان قیدیوں کے سلسلے میں بنوتمیم کے چند سردار مدینہ منورہ آئے۔ عورتوں اور بچوں نے اپنے سرداروں کو دیکھا تو چیخ و پکار شروع کر دی۔ ان سرداروں میں عطارد بن حاجب، زبرقان بن بدر، قیس بن عاصم اور اقرع بن حابس وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے جلد بازی سے کام لیتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر آکر پکارنا شروع کر دیا: ''اے محمد! باہر نکلو۔'' آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ ادھر بلال نے نماز کی اقامت کہہ دی۔ ادھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو گھیر لیا اور آپ سے بات چیت کرنے لگے۔ آپ کچھ دیر ان کے پاس کھڑے رہے، پھر نماز ظہر پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ مسجد کے صحن میں تشریف فرما ہوئے۔ وہ بھی آگئے اور عطارد بن حاجب نے تقریر شروع کر دی۔ اسے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ ان تمیمیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

---

[1] ابن اسحاق کی یہ روایت بلاسند ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 328/4) معلوم ہے کہ بلاسند روایت ضعیف کی اقسام میں سے ہے، تاہم جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں، بلاسند روایت کا تعلق جب عقائد واحکام سے نہ ہو تو علماء اسے قبول کر لیتے ہیں۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَآءِ الْحُجُرَٰتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝﴾

''بلاشبہ وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے ان کے تمام قیدی واپس کر دیے۔[2] ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ انھیں فدیہ لے کر اور (بعض کو) فدیے کے بغیر واپس کیا گیا۔[3] اگرچہ واقدی اور ابن سعد کی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ ان قیدیوں کو بطور غنیمت تقسیم کر دیا گیا تھا۔

واقدی نے اس کارروائی کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ بنو تمیم نے بنوخزاعہ بن کعب کے کچھ لوگوں پر دھاوا بولا جو رسول اللہ ﷺ کے بھیجے ہوئے عامل زکاۃ بشر بن سفیان کعبي کو زکاۃ دینا چاہتے تھے۔ تمیمیوں نے خزاعیوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور انھیں لڑائی کے لیے اکسایا۔ خزاعیوں نے انھیں اس شرارت کے انجام سے ڈرایا۔ عامل نے واپس جا کر رسول اللہ ﷺ کو مطلع کر دیا۔[4]

---

[1] الحجرٰت 4:49. مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آیت اقرع بن حابس تمیمی کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے اقرع بن حابس سے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ میں نے حجرات کے باہر سے یا محمد! یا محمد! (ایک روایت کے مطابق یارسو ل اللہ! یارسول اللہ!) پکارا تھا۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں کسی کی تعریف کردوں تو یہ اس کے لیے زینت کا سبب ہے اور اگر مذمت کردوں تو یہ اس کے لیے عیب بن جاتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔'' دیکھیے: (مسند أحمد: 488/3، 394/6) اسی واقعے کے متعلق دیگر احادیث کے لیے ملاحظہ کریں: (تفسیر الطبري: 77/26، وتفسیر ابن کثیر: 349/7) [2] الطبقات الکبرٰی: 161,160/2، والمغازي للواقدي: 3/975-980. ابن سعد کی روایت معلق ہے۔ ابن اسحاق نے معلق اور نہایت مختصر روایت کی ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن هشام: 357/4) بخاری نے بھی یہ روایت ابن اسحاق ہی سے نقل کی ہے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب: (69)، قبل الحدیث: 4366) [3] السیرۃ النبویۃ لابن هشام: 357/4. سند منقطع ہے۔ [4] المغازي للواقدي: 974/3.

یہ بات قابل توجہ ہے کہ ابن اسحاق نے عیینہ بن حصن کو بنوتمیم کے وفد کا ساتھی ظاہر کیا ہے۔[1] یہ درست نہیں کیونکہ عیینہ تو اس دستے کا قائد تھا جس نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کیا تھا، پھر وہ ان کے وفد کا ساتھی کیسے بن سکتا تھا؟ معلوم ہوتا ہے ابن اسحاق کو غلط فہمی ہوئی ہے۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ابھی بنوعنبر کے قیدی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی: ''اللہ کے رسول! میں نے اسماعیل علیہ السلام کی نسل میں سے ایک گردن آزاد کرنے کی نذر مان رکھی ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''بنوعنبر کے قیدی آرہے ہیں۔ ہم ان میں سے تمھیں ایک قیدی دیں گے۔ اسے آزاد کر دینا۔''[2]

شاید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے صحیح بخاری کی ایک روایت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ''جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنوتمیم کے بارے میں یہ تین باتیں فرماتے سنا ہے، تب سے میں ان سے محبت کرتا رہا ہوں۔ ان تینوں باتوں میں ایک یہ ہے کہ ان کی ایک قیدی عورت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے آزاد کر دو۔ یہ اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہے۔''[3]

اس روایت سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ بنوعنبر کے قیدی مجاہدین میں تقسیم کر دیے گئے تھے۔ اور یہ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ لونڈی بطور ہبہ ملی یا انھوں نے اسے خریدا، پھر جب اس کی قوم کے لوگ اسے مانگنے آئے تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے آزاد کر دیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 275/4. یہ معلق روایت ہے۔ [2] السيرة النبوية لابن هشام: 357/4. اس روایت کی سند میں انقطاع ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عاصم بن عمر کا عائشہ رضی اللہ عنہا سے سماع ثابت نہیں، دیکھیے: (فتح الباري: 222/18) [3] صحيح البخاري، المغازي، باب: (69)، حديث: 4366، وكتاب العتق، باب من ملك من العرب رقيقاً......، حديث: 2543. یہ لونڈی بریرہ رضی اللہ عنہا تھیں، دیکھیے: (صحيح البخاري، العتق، باب بيع الولاء وهبته، حديث: 2536) بریرہ کے ساتھ جو لوگ قید کیے گئے تھے ان کے نام جاننے کے لیے دیکھیے: (فتح الباري: 5/211-214)

قُطبہ بن عامر کی تبالہ میں کارروائی

رسول اللہ ﷺ نے قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کو بیس آدمی دے کر تَبَالہ (78) یا بِیشَہ میں خثعم کے ایک قبیلے کی طرف بھیجا۔ یہ علاقہ تُربہ کے قریب تھا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے ہوئے چل پڑے۔ انھوں نے اسلحہ چھپا رکھا تھا۔ رات کو سفر کرتے اور دن کو روپوش ہو جاتے تھے۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ دشمن کے علاقے میں پہنچ گئے اور رات کے وقت ان پر اچانک حملہ کر دیا۔ زبردست جھڑپ ہوئی۔ بالآخر مشرکین پسپا ہو گئے اور مسلمان ان کی عورتیں قید کر کے اور ان کے اونٹ اور بکریاں ہانک لائے۔ صبح ہوئی سب خثعمي اکٹھے ہوگئے اور مسلمانوں کا پیچھا شروع کر دیا۔ جب وہ ان کے بالکل قریب پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے سیلابی پانی بھیج دیا جو مسلمانوں اور ان کے درمیان حائل ہوگیا۔ ان میں سے کوئی ایک بھی سیلاب عبور نہ کرسکا۔ مسلمان مدینہ منورہ پہنچ گئے۔

اس مہم کی تاریخ کے بارے میں واقدی کی روایات میں اختلاف ہے۔ کبھی وہ اسے ربیع الاول 8 ھ میں بتلاتے ہیں [1] اور کبھی صفر 9 ھ میں۔ [2] انھوں نے کہا ہے کہ اس مہم کی روایت شجاع بن وہب کی مہم [3] سے ملتی جلتی ہے۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ صفر 9 ھ میں پیش آیا۔ گویا انھوں نے واقدی کی دوسری روایت کی موافقت کی ہے، اس لیے ہمارے نزدیک بھی یہی قابل ترجیح ہے کہ یہ

(78) تبالة: یہ طائف کے قریب ایک بستی ہے جہاں بنومازن رہائش پذیر تھے، دیکھیے: (معجم ما استعجم، ص: 191)

[1] المغازي للواقدي: 754,753/2. [2] المغازي للواقدي: 981/3. [3] لطیفہ یہ ہے کہ نہ صرف دونوں واقعات کا مضمون ایک دوسرے سے ملتا ہے بلکہ واقدی کے مطابق دونوں کی تاریخ بھی ایک ہے۔ اب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں یا ایک ہی واقعہ ہے۔

کارروائی صفر 9ھ میں وقوع پذیر ہوئی۔ [1]

اس کے بعد ربیع الاول میں قرطاء میں ضحاک نے کارروائی کی۔ [2]

عبداللہ بن حذافہ سہمی کی مہم

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری کو ایک لشکر کا امیر مقرر کیا اور انھیں حکم دیا کہ ان کی اطاعت کریں۔ انھوں نے امیر کو کسی بات پر ناراض کر لیا۔ امیر نے کہا: ''میرے لیے ایندھن اکٹھا کرو۔'' لوگوں نے ایندھن اکٹھا کر دیا، پھر امیر نے حکم دیا کہ آگ جلاؤ۔ انھوں نے آگ جلا دی، پھر امیر نے پوچھا: ''کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ لوگوں کو میری بات سننے اور ماننے کا حکم نہیں دیا؟'' انھوں نے کہا: ''بالکل!'' امیر نے کہا: ''پھر اس آگ میں کود پڑو۔'' وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے اور کہنے لگے: ''آگ ہی سے تو بچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف بھاگے تھے۔'' پھر امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ ادھر آگ بھی بجھ گئی۔ [3]

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پورا واقعہ کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اطاعت صرف اچھے کام میں ہوتی ہے۔''

میرے نزدیک قابل ترجیح یہ ہے کہ اس مہم کے امیر عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ ہی تھے کیونکہ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین کی روایت ہے کہ یہ آیت:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلْأَمْرِ مِنكُمْۖ ﴾

[1] الطبقات الكبرىٰ: 162/2۔ یہ معلق روایت ہے۔ [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: 1840. [3] صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية، حديث: 7145، وصحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: 1840.

"اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی بھی جو تم میں سے اصحاب امر ہیں۔" [1]

عبداللہ بن حذافہ سہمی ہی کے بارے میں نازل ہوئی جب انھیں رسول اللہ ﷺ نے ایک مہم پر روانہ کیا۔ [2] احمد اور ابن ماجہ کی روایت میں بھی واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے اور واقعے کا مضمون وہی ہے جو امام بخاری نے کتاب الاحکام اور امام مسلم نے کتاب الامارہ میں بیان کیا ہے۔ [3]

نا قابلِ ترجیح روایت ابن کثیر اور طبری نے بیان کی ہے کہ یہ آیت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک لشکر کا امیر بنا کر بھیجا۔ اس لشکر میں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی شامل تھے۔ جب دشمن کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ بھاگ گیا۔ صرف ایک آدمی رہ گیا جو رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کے پڑاؤ میں آیا اور عمار بن یاسر کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے اسے ان تک پہنچایا۔ اس نے انھیں بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے ان سے پوچھا کہ اگر یہ بات اس کے لیے مفید ہے تو بہتر ورنہ وہ بھی اپنی قوم کے ساتھ بھاگ جائے۔ عمار رضی اللہ عنہ نے اسے ٹھہرنے کو کہا۔ صبح ہوئی تو خالد نے دشمن کے علاقے پر حملہ کر دیا۔ انھیں اس آدمی کے سوا کوئی نہ ملا۔ خالد نے اسے گرفتار کیا اور اس کے مال پر بھی قبضہ کر لیا۔ عمار نے اس کارروائی پر اعتراض کیا۔ دونوں

[1] النسآء 4:59. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾، حديث: 4584، و صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: 1840، وتفسير ابن كثير: 302/2، وتفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 497/8. [3] مسند أحمد: 303/2، وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب لاطاعة في معصية الله، حديث: 2863. شیخ البانی نے کہا: "یہ حدیث حسن ہے۔" زاد المعاد کے محققین نے احمد اور ابن ماجہ کی روایت کی سند کے متعلق لکھا: "اس کی سند قوی ہے۔" دیکھیے: (زاد المعاد: 369/3) ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

میں تلخ کلامی اور خاصی گرمی سردی ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے خالد کو سرزنش کی۔ خالد نے عمار سے معذرت کی، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ..... ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو.....۔''[1]

ان دونوں (ابن کثیر اور طبری) کی رائے کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیت تمام ''اصحابِ امر'' کے بارے میں ہے، چاہے وہ حکمران ہوں یا اہل علم۔ علماء نے یہ اشکال محسوس کیا ہے کہ اس سریہ (مہم) کے امیر کو انصاری کہا گیا ہے جبکہ عبداللہ بن حذافہ مہاجر ہیں۔ اسی لیے ابن حجر نے لکھا: ''ہو سکتا ہے کہ انصاری کو خاص لقب کے بجائے عام معنی میں لیا جائے، یعنی اللہ کے رسول ﷺ کی مدد کرنے والا۔''[2] اس طرح مہاجرین کو بھی انصار کہا جا سکتا ہے، تاہم ابن حجر کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ واقعہ ایک سے زیادہ مرتبہ مان لیا جائے کیونکہ دونوں واقعات کا سیاق الگ الگ ہے اور امیر کا نام بھی مختلف ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں: ''انھیں انصاری کہنا بعض راویوں کی غلطی ہے۔ وہ سہمی ہی ہیں۔''[3]

میں بھی ابن جوزی کی توجیہ کو قابلِ ترجیح قرار دیتا ہوں۔

واقدی اور ابن سعد نے اس سریے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ اہلِ جدہ نے کچھ حبشیوں کو مشکوک حالت میں دیکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے علقمہ بن مُجَزِّز رضی اللہ عنہ کو تین سو مجاہدین کے ساتھ ربیع الآخر 9 ھ میں ان کی طرف بھیجا۔ وہ سمندر کے ایک جزیرے میں پہنچے۔ جب وہ ان حبشیوں کا پیچھا کرنے کے لیے سمندر میں اترے تو وہ بھاگ گئے۔ جب مسلمان واپس آنے لگے تو بعض لوگوں نے جلدی گھر آنے کی خواہش ظاہر کی، چنانچہ علقمہ نے عبداللہ بن حذافہ کو جلدی جانے والے مجاہدین کا امیر مقرر کیا۔[4]

---

[1] النسآء 4:59. [2] فتح الباري: 176/16. [3] ابن حجر نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ مجھے اس کے ماخذ کا علم نہیں ہو سکا۔ [4] المغازي للواقدي: 983/3، و الطبقات الكبرىٰ: 163/2. ◄◄

ابن اسحاق نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ وقاص بن مُجَزِّز ذی قرد کی جنگ میں شہید کیے گئے تھے۔ علقمہ بن مجزز نے ان کا بدلہ لینے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ لشکر دے کر بھیجا۔[1] دونوں باتوں میں تطبیق ممکن ہے۔

فائدہ: غصے کی حالت میں جاری کیا گیا وہی حکم نافذ کیا جائے گا جو شریعت کے خلاف نہ ہو۔ بغیر کسی استثنا کے جاری کیا گیا حکم تمام حالات پر لاگو نہیں ہوتا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں امیر کی اطاعت کا حکم دیا تھا مگر انھوں نے اسے تمام حالات حتیٰ کہ غصے کی حالت پر بھی لاگو کر لیا اور سمجھ لیا کہ غلط کام کے حکم کی صورت میں بھی اطاعت کا حکم لاگو ہوگا۔ اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اطاعت کا حکم صرف انھی کاموں میں ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے زمرے میں نہیں آتے۔[2]

علی رضی اللہ عنہ کی ''فُلس'' کے خلاف کارروائی اور عدی بن حاتم کا قبول اسلام

ربیع الآخر 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ڈیڑھ سو مجاہدین دے کر بنو طے کے بت ''فُلس'' کو منہدم کرنے بھیجا۔ مجاہدین نے فجر طلوع ہوتے ہی آل حاتم کے محلے پر حملہ کر دیا۔ انھوں نے فلس کا بت ریزہ ریزہ کر دیا اور اس کے ساتھ جو کچھ تھا، قبضے میں لے لیا۔ بہت سی عورتیں لونڈیاں بنا لی گئیں۔ اس موقع پر اونٹ اور بکریاں بھی ان کے ہاتھ لگیں۔ عدی بن حاتم شام کی طرف بھاگ گیا۔[3]

مسند احمد اور جامع ترمذی میں سماک بن حرب کی عدی بن حاتم تک پہنچنے والی سند سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بھیجا ہوا سوار دستہ پہنچا تو عدی مقامِ عقرب میں

» یہ معلق روایت ہے جو ابن سعد کے استاذ واقدی کی سند سے ہے۔ [1] السيرة النبوية لابن هشام: 4/381,382. روایت بلاسند ہے۔ [2] زاد المعاد: 3/369. [3] المغازي للواقدي: 3/984-989، والطبقات الكبرىٰ: 2/64. یہ روایت بھی واقدی کی ہے۔

تھا۔ مجاہدین نے اس کی پھوپھی [1] کو دیگر لوگوں سمیت گرفتار کر لیا۔ جب وہ انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر گئے تو وہ بولیں: ''اللہ کے رسول! آنے والا بہت دور چلا گیا۔ والد ختم ہو گیا۔ میں ایک بوڑھی عورت ہوں۔ کوئی خدمت بھی نہیں کر سکتی۔ مجھ پر احسان فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے۔'' آپ نے اس سے آنے والے کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا: ''عدی بن حاتم۔'' آپ نے فرمایا: ''وہ جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) سے بھاگا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون پر احسان کرتے ہوئے اسے زادِ راہ دے کر رخصت کر دیا۔ وہ اپنے بھتیجے عدی کے ہاں پہنچیں۔ وہ بھاگ کر شام پہنچ چکا تھا۔ انھوں نے اسے رسولِ اکرم ﷺ کے بارے میں بتایا اور تاکید کی کہ وہ ضرور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو، رغبت سے یا جان بچانے کے لیے۔ یہ سن کر عدی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ [2]

اس پر رسول اللہ ﷺ بہت خوش ہوئے۔ [3]

[1] واقدی، ابن سعد اور ابن اسحاق کی معلق روایت میں ''پھوپھی'' کے بجائے ''بہن'' کا ذکر ہے۔ میں نے احمد اور ترمذی کی روایت پر اعتماد کیا ہے جس کی سند صحیح ہے۔ [2] الفتح الرباني: 21/189-191، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الفاتحة، حديث: 2953. ترمذی نے احمد کی روایت کے مانند روایت کیا اور کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' البانی نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے۔ [3] ابن اسحاق نے یہ واقعہ زیادہ تفصیل سے روایت کیا ہے۔ احمد کی روایت کا مضمون بھی یہی ہے۔ لیکن ابن اسحاق کی روایت معلق ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/298-301) ابن کثیر نے ابن اسحاق کی روایت نقل کر کے لکھا: ''ابن اسحاق نے یہ مضمون اسی طرح بغیر سند کے روایت کیا ہے۔ دیگر سندوں سے تائیدی روایات اس کو تقویت دیتی ہیں۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 5/75) اس کی تائیدی روایات بھی انھوں نے نقل کی ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت میں ''والد ختم ہو گیا'' کے بجائے ''والد ہلاک ہو گیا'' کے الفاظ ہیں۔

جباب کی طرف عکاشہ بن مِحصَن کی کارروائی

ربیع الآخر 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ نے عکاشہ بن مِحصَن اسدی رضی اللہ عنہ کو بنو عذرہ اور بَلِّي کے علاقے جباب کی طرف بھیجا۔[1]

غزوۂ تبوک (یا غزوۃ العسرہ)
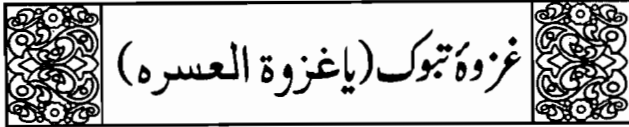
تبوک کی وجہِ تسمیہ

امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کل تم۔ ان شاء اللہ۔ تبوک کے چشمے پر پہنچو گے۔ جب تم وہاں پہنچو گے تو دن خوب چڑھ چکا ہوگا۔ تم میں سے جو وہاں پہنچے میری آمد سے پہلے اس چشمے کے پانی کو ہاتھ نہ لگائے۔''[2] رسول اللہ ﷺ نے کسی کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اس کا نام تبوک رکھا، چنانچہ اس کے علاوہ دیگر اقوال ناقابل توجہ ہیں۔[3]

غزوۃ العسرہ کی وجہِ تسمیہ

اسے غزوۃ العسرہ (تنگی کی جنگ) کہنے کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی سند سے جو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، روایت کی ہے۔ انھوں نے کہا: ''مجھے میرے ساتھیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنے لیے سواریاں حاصل کرنے کے لیے بھیجا کیونکہ وہ بھی آپ کے ساتھ جیش عسرہ میں جانا

---

[1] الطبقات الکبریٰ: 164/2. یہ معلق روایت ہے۔ [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حدیث: 706 بعد الحدیث: 2281. [3] تفصیل کے لیے دیکھیے: (الذھب المسبوك في تحقيق روايات غزوة تبوك للسندي، ص: 38) یہ ماسٹرز کا مطبوعہ تھیسز ہے۔

چاہتے تھے اور وہ غزوۂ تبوک ہے۔"

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس جنگ کا یہ عنوان باندھا ہے: «باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة» [1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ کے دوران صحابۂ کرام سواریوں اور زادراہ کے اعتبار سے اور مالی لحاظ سے شدید تنگی کا شکار تھے۔

مسلم نے اپنی سند سے جو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تک پہنچتی ہے، روایت کی ہے جس سے اس شدید تنگی کا حال معلوم ہوتا ہے جس کا مسلمانوں کو تبوک کے راستے میں سامنا ہوا حتی کہ انھیں صرف کھجوروں کی گٹھلیاں چوسنے اور پانی پینے پر اکتفا کرنا پڑا۔ [2]

ایک روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کے جانور تک ذبح کرنے کی اجازت مانگی تاکہ کچھ کھانے کو مل سکے۔ قرآن مجید کی یہ آیت بھی اس اقتصادی تنگی کی نشاندہی کر رہی ہے:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾

"بلاشبہ اللہ نے نبی، مہاجرین اور انصار کی توبہ قبول کی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں اُس (نبی) کی پیروی کی۔" [3]

غزوۂ تبوک کی تاریخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس جنگ کے لیے طائف کے محاصرے سے واپسی کے چھ ماہ بعد رجب 9ھ میں روانہ ہوئے۔ [4]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العُسرة، حديث:4415. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً، حديث : 27.
[3] التوبة 9:117. آیت کی تفسیر کے لیے دیکھیے: (تفسير الطبري:14/540-542) طبری نے اس کے متعلق روایات بیان کی ہیں۔ [4] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية ◄◄

غزوۂ تبوک کا سبب

واقدی اور ابن سعد نے لکھا ہے کہ ہرقل نے رومیوں اور ان کے دوست عربی قبائل کا ایک بہت بڑا لشکر جمع کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی تو آپ ﷺ ان کی طرف روانہ ہوئے۔ [1]

یعقوبی کے نزدیک اس غزوے کا سبب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا انتقام لینا تھا۔ [2]

ابن عساکر نے تبوک جانے کا سبب یہ بیان کیا ہے کہ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے: ''اگر آپ نبی ہیں تو شام کی طرف چلیں کیونکہ وہ انبیاء کی سرزمین ہے۔ حشر بھی وہیں بپا ہوگا۔ [3] دراصل وہ مسلمانوں کو فریب دے کر مدینہ سے نکالنا اور انھیں رومیوں کے ساتھ جنگ و جدل میں الجھانا چاہتے تھے۔ جب آپ ﷺ تبوک پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر سورۂ بنی اسرائیل کی چند آیات نازل فرمائیں، مثلاً یہ آیت:

﴿ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ﴾

''اور وہ آپ کو اس سرزمین سے اکھاڑنے ہی لگے تھے کہ آپ کو یہاں سے نکال دیں۔'' [4]

ان آیات سے یہودی شرارت واضح ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مدینہ منورہ لوٹنے کا حکم دیا جس کا نصیب آپ ﷺ کی آخری آرامگاہ اور میدانِ محشر بننا تھا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''پھر رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جنگ کرنے کا عزم کیا کیونکہ وہ عرب کے قریب ترین تھے اور ان کا دین بھی اسلام اور اہل اسلام سے قریب

››لابن هشام: 4/215) والطبقات الكبرىٰ: 2/165. یہ بھی معلق روایت ہے، نیز دیکھیے: (فتح الباري: 16/237) [1] المغازي للواقدي: 2/989,990، والطبقات الكبرىٰ: 2/165. یہ روایت واقدی اور ان کے شیوخ کی ہے۔ [2] تاريخ اليعقوبي: 2/67. [3] تاريخ دمشق: 1/167,168. یہ سند مرسل و ضعیف ہے۔ [4] بنيٓ إسرآءيل 17:76.

تھا، اس لیے وہ اس امر کے زیادہ حقدار تھے کہ انھیں اسلام کی دعوت دی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان کافروں سے لڑائی کرو جو تمھارے گرد و پیش ہیں۔ اور وہ تم میں سختی محسوس کریں۔ یقین رکھو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔"[1]

ابن کثیر کی بات ہی قرین صواب ہے۔ مزید یہ کہ جہاد کے حکم کی بنیاد ہی یہ ہے کہ سب مشرکین سے جنگ کی جائے۔ ظاہر ہے اہل کتاب بھی مشرکین میں داخل ہیں جو دعوت اسلام کے راستے میں رکاوٹ بنے کھڑے تھے اور بقول مؤرخین وہ مسلمانوں سے لڑائی شروع کر چکے تھے۔

جنگ کے لیے چندے کی مہم

مسافت کی دوری اور اس میں شامل ہونے والوں کی کثرت کے باعث رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو اس کے لیے خرچ کرنے کی بے حد رغبت دلائی اور خرچ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم کا وعدہ دیا، چنانچہ اس جہاد میں ہر ایک نے اپنی طاقت کے مطابق حصہ ڈالا۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اس کام میں سب سے بازی لے گئے۔ ان کے بارے میں چند احادیث و روایات وارد ہوئی ہیں۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ جَهَّزَ جَيْشَ الْعُسْرَةِ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

"جس نے جیش العُسرہ (تنگی والے لشکر) کو ساز و سامان دے کر تیار کیا

[1] التوبة 9:123. البداية والنهاية: 5/3، و تفسير ابن كثير: 5/98.

اُس کے لیے جنت ہے۔''

اس پر عثمان رضی اللہ عنہ نے جیش العسرہ کو ساز و سامان اور زادِ راہ دے کر تیار کر دیا۔[1]

ابوعبدالرحمٰن سُلَمی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جن دنوں عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ جاری تھا، انھوں نے محاصرہ کرنے والوں سے کہا تھا: ''کیا تم نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''جس نے جیش العسرہ کو ساز و سامان اور زادِ راہ دے کر تیار کیا اُس کے لیے جنت ہے تو میں نے یہ سب مہیا کر کے اسے تیار کر دیا تھا۔'' سننے والوں نے ان کی اس بات کی تصدیق کی۔[2]

ترمذی کے الفاظ یہ ہیں: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر یاد دلاتا ہوں کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیش العسرہ کے بارے میں فرمایا تھا: ''قبول ہونے والا نفقہ کون خرچ کرے گا؟'' اس وقت لوگ بہت مشقت زدہ اور تنگ دست تھے۔ میں نے اس لشکر کو ساز و سامان کے ساتھ تیار کیا تھا۔ سننے والوں نے کہا: ''ہاں!''[3]

ایک اور سند سے ثمامہ بن حزن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اسلام کا واسطہ دیتا ہوں۔ کیا تم جانتے ہو کہ میں نے جیش العسرہ کو اپنے ذاتی مال سے ساز و سامان مہیا کر کے تیار کیا تھا؟'' ان سب نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہاں!''[4]

عثمان رضی اللہ عنہ کا اس مد میں حصہ ایک ہزار دینار تھا۔ جب انھوں نے اتنی بڑی رقم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈالی تو آپ اسے الٹ پلٹ کر دیکھتے اور فرماتے جاتے تھے:

«مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ»

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عثمان رضي الله عنه......، قبل الحديث: 3695. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب إذا وقف أرضاً أو بئراً أواشترى لنفسه مثل دلاء المسلمين، حديث: 2778. [3] جامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيداً......، حديث: 3699. [4] جامع الترمذي، المناقب، باب في مناقب عثمان رضي الله عنه، حديث: 3703.

''آج کے بعد عثمان (بن عفان) جو بھی عمل کرے وہ اسے نقصان نہیں دے گا۔''[1]

یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے رقم کے علاوہ دیگر اشیاء بھی پیش کی تھیں، مثلاً ساز و سامان سے لدے اونٹ۔ انھوں نے تین سو اونٹ پالان اور ٹاٹ سمیت صدقہ کیے تھے۔[2] اسے تسلیم کرنے سے کوئی مانع نہیں۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ صحابۂ کرام نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کو ساز و سامان مہیا کیا تھا۔

روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جیش العُسرہ کی تجہیز (تیاری) کے لیے دو ہزار درہم پیش کیے اور یہ ان کا نصف مال تھا۔[3] ایک روایت کے مطابق انھوں نے چار ہزار دینار صدقہ کیا تھا اور یہ ان کا نصف مال تھا۔[4] عمر رضی اللہ عنہ نے ایک سو اوقیہ (چار

---

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب عثمان رضی اللہ عنہ، حديث: 3701. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 102/3) [2] المستدرك للحاكم: 102/3. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے اُن کی موافقت کی ہے، تاہم اس سند میں فرقد ابوطلحہ ہے جو مجہول ہے، دیکھیے: (تهذيب التهذيب: 264/8) چنانچہ ذہبی اور حاکم کی جانب سے اس روایت کو صحیح قرار دینے کی بات تسلیم نہیں کی جائے گی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ البانی نے یہ روایت اپنی کتاب صحیح سنن ترمذی میں درج نہیں کی۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے نقد اور اشیاء کی صورت میں جو کچھ خرچ کیا اس کی تفصیل، اس کے متعلق اقوال، ان کے حکم اور مناقشے کے لیے دیکھیے: (فتح الباري: 252/11، وجامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيدًا......، حديث: 3700) ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث اس سند سے حسن غریب ہے، ہم اسے فقط سکن بن مغیرہ کی روایت ہی سے جانتے ہیں۔'' [3] اس کے بارے میں روایات کے لیے دیکھیے: (تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 382/14-391) طبری نے یہ روایات آیت: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ ﴾ (التوبة 79:9) کی تفسیر کے تحت بیان کی ہیں۔ گو ان کی بیان کردہ روایات ضعیف ہیں لیکن تاریخی اعتبار سے روایت کو تقویت دے سکتی ہیں۔ [4] تفسير الطبري: 194/10-198. ان میں سب سے قوی روایت صحیح سند کے ساتھ ہے، تاہم یہ روایت قتادہ پر موقوف ہے۔ علاوہ ازیں یہ روایات عبدالقادر سندھی نے بھی اپنے مقالے الذهب المسبوك في »

ہزار درہم) صدقہ کیا۔[1]

واقدی کے مطابق صدقہ کرنے میں عباس، طلحہ، سعد، عبادہ، محمد بن مسلمہ اور عاصم بن عدی رضی اللہ عنہم نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔[2]

صحابیات نے بھی اپنے پہنے ہوئے کنگن، پازیبیں، انگوٹھیاں اور بالیاں اسلامی لشکر کے لیے نچھاور کر دیں۔ وہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے بچھے ہوئے ایک کپڑے پر یہ سب چیزیں ڈالتی جاتی تھیں۔[3] اس موقع پر غریب اور مفلوک الحال مسلمان بھی اپنے جذبۂ فدویت کے اعتبار سے کسی طرح پیچھے نہیں رہے مگر ان غریبوں کے پاس مال بہت ہی قلیل تھا اور وہ مال کی ادنیٰ سی پونجی لاتے ہوئے شرما رہے تھے۔ لیکن انھوں نے نہایت محنت و مشقت سے کمایا ہوا تھوڑا سا مال بھی لا کر پیش کر دیا۔ منافقوں نے انھیں تمسخر اور طنز کا نشانہ بنایا۔

ابو عقیل رضی اللہ عنہ نصف صاع کھجوریں لے کر آئے۔ کوئی ان سے زیادہ لے کر آیا۔ منافقین

» تحقیق روایات غزوة تبوك میں بیان کی ہیں۔ وہ ان روایات کے درمیان موجود اختلاف کے باوجود انھیں قوی قرار دینے کی طرف مائل ہیں۔ ان کے نزدیک فضائلِ اعمال کے باب میں ان سے مدد لی جا سکتی ہے۔ [1] تاریخ دمشق لابن عساکر: 1/408-409. سند ضعیف ہے۔ یہ امر بعید از امکان ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس غزوے میں خرچ کرنے پر برانگیختہ کریں اور عمر رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ اس میدان میں پیچھے رہیں۔ روایات میں ثابت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کو صدقہ کرنے کا حکم دیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ اس عمل میں ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حصہ لیں، چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے آئے، پھر جب ابو بکر اپنا پورا مال لائے تو انھوں نے قسم کھائی کہ وہ کبھی کسی چیز میں ابو بکر سے سبقت نہیں لے جا سکتا، دیکھیے: (جامع الترمذي، المناقب، باب رجاؤه ﷺ أن یکون أبو بکر مِمّن یدعی من جمیع أبواب الجنة، حدیث: 3675) ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دیگر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔'' حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک کا ہے، تاہم بعید نہیں کہ یہ واقعہ اسی غزوے میں پیش آیا ہو۔ [2] المغازي للواقدي: 3/991. [3] المغازي للواقدي: 3/991-993.

نے ان دونوں پر طنز کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ اس (ابوعقیل) کے اس مٹھی بھر صدقے کا محتاج نہیں تھا اور یہ دوسرا (جو زیادہ مال لے کر آیا تھا) صرف دکھلاوے کے لیے زیادہ مال لایا ہے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ﴾

"وہ لوگ جو صدقات میں خوش دلی سے حصہ لینے والے مومنین پر طنز کرتے ہیں اور اُن پر بھی جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے۔"[1]

ابوخیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ ایک صاع کھجوریں لے کر آئے تو منافقین نے انھیں بھی مذاق کا نشانہ بنایا۔[2] شاید طبری کی اس روایت میں جو ابن عوف کے انفاق (خرچ کرنے) کے بارے میں ہے، انصار کے ایک آدمی سے مراد ابوخیثمہ ہی ہوں۔[3]

حدیث کے الفاظ یہ ہیں: "انصار کا ایک آدمی ایک صاع کھجوریں لے کر آیا اور بولا: "میرے پاس صرف دو صاع کھجوریں ہیں۔ یہ ایک صاع اپنے رب کے لیے اور دوسرا صاع میرے بال بچوں کے لیے ہے۔" منافقین نے اُس پر طنز کیا اور کہا: "ابن عوف تو صرف دکھلاوے کے لیے یہ لے کر آیا ہے۔ بھلا اس کے ایک صاع کی اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت تھی؟" اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾

"وہ لوگ جو صدقات میں خوش دلی سے حصہ لینے والے مومنین پر طنز کرتے

---

[1] التوبة 9:79. صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾، حديث: 4668. [2] صحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث: 2769. [3] تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 386/14، حديث: 17010. یہ روایت تائیدی روایات کی بنا پر حسن لغیرہ ہے۔ طبری نے اسی آیت کی تفسیر میں ان روایات کا ذکر کیا ہے۔

ہیں۔"[1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ منافقین مال دار صحابہ کو ریا کاری کا طعنہ دیتے اور فقراء کے صدقے کا مذاق اڑاتے تھے۔

روایت ہے کہ عُلبہ بن زید بن حارثہ انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہ تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹھ گئے، انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی: "اے اللہ! میرے پاس کچھ نہیں جس کا صدقہ کروں۔ اے اللہ! میں اپنی عزت کا صدقہ کرتا ہوں تیری مخلوق میں سے جو اسے لینا چاہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک منادی کو حکم دیا، اس نے پکار لگائی: "رات اپنی عزت کا صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟" علبہ کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «قَدْ قُبِلَتْ صَدَقَتُكَ» "تمھارا صدقہ قبول ہو گیا۔"[2]

علبہ بن زید بن حارثہ انصاری ان سات مومنین میں سے ایک تھے جو بَکَّائِین (بہت رونے والے) کے لقب سے معروف ہوئے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواریوں کا مطالبہ کیا جن پر وہ آپ کے ساتھ اس غزوے پر روانہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی زائد سواری نہیں تھی جس پر آپ انھیں سوار کرتے۔ وہ اس غم میں روتے ہوئے گھروں کو چلے گئے کہ اُن کے پاس (اللہ تعالیٰ کی راہ) میں خرچ کرنے کے لیے کوئی چیز نہیں۔[3]

---

[1] التوبة 9:79. [2] الإصابة: 500/2. البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (فقه السيرة للغزالي، ص: 439) یہ علبہ رضی اللہ عنہ، زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے بیٹے نہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ [3] ابن ہشام اور ابن سید الناس نے ان کے نام بھی درج کیے ہیں: "سالم بن عمیرہ، علبہ بن زید، ابو لیلیٰ مازنی، عمرو بن عنمہ، سلمہ بن صخر، عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم" دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 219/4) بعض روایات میں عبداللہ بن مغفل اور معقل بن یسار رضی اللہ عنہما کا نام بھی ہے۔ ابن عائذ نے ان میں مہدی بن عبدالرحمٰن کا بھی ذکر کیا ہے۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ بَکَّاؤون مقرن کے سات بیٹے تھے۔ ان کا تعلق مزینہ قبیلے سے تھا۔ ابن اسحاق نے ان میں عمرو بن حَمام بن جموح کا ◄◄

اشعریوں کی ایک جماعت نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے لیے سواریاں طلب کرنے بھیجا۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے کی حالت میں تھے، چنانچہ انھیں آپ کی طرف سے کوئی چیز نہ ملی۔ ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ غمگین واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور ابوموسیٰ کو بلوایا۔ وہ دوبارہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد رضی اللہ عنہ سے چھ اونٹ خرید کر اشعریوں کی سواری کے لیے ان کے حوالے کر دیے۔[1] ایک روایت میں ہے کہ کہیں سے غنیمت آ گئی تھی۔ آپ نے اس میں سے پانچ اونٹ انھیں دے دیے۔[2]

بعض روایات میں ہے کہ یہ آیات بکّائین اور اشعریوں کے بارے میں نازل ہوئیں:

﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴾

”نہیں کوئی حرج کمزوروں پر، اور نہ مریضوں پر، اور نہ اُن لوگوں پر جو نہیں پاتے جسے وہ خرچ کریں جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کرنے کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور نہ ان لوگوں پر (کوئی حرج ہے) کہ جب بھی وہ آپ کے

» ذکر کیا ہے۔ انھوں نے کہا ہے کہ بعض لوگ ابن مغفل کے بجائے عبداللہ بن عمرو مزنی اور ہَرَمی بن عبداللہ واقفی کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس کی مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں: (تفسير الطبري: 419/14، وسُبُل الهدٰى والرّشاد: 633/5) [1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العُسرة، حديث: 4415. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب قدوم الأشعريين وأهل اليمن، حديث: 4385.

پاس آتے ہیں تاکہ آپ انھیں سواری دیں تو آپ نے کہا کہ میں کوئی چیز نہیں پاتا جس پر تمھیں سوار کروں تو وہ پلٹے جبکہ ان کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں، اس غم سے کہ وہ نہیں پاتے جو خرچ کریں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے مبارک دور میں جہاد کے سچے شوق کی یہ بہترین اور مؤثر تصویر ہے۔ جب فرائض کی ادائیگی کی راہ میں مادی رکاوٹیں آڑے آ جاتیں تو انھیں کس قدر دلی تکلیف ہوتی تھی۔ عاجز، معذور اور مریض جسمانی طور پر تو گھروں میں تھے مگر دلی طور پر وہ مجاہدین ہی کے ساتھ چلتے پھرتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایسے ہی مسلمانوں کے متعلق فرمایا تھا:

''مدینہ منورہ میں بہت سے ایسے لوگ باقی ہیں کہ تم جہاں بھی چلو اور جس وادی سے بھی گزرو وہ تمھارے ساتھ ہوتے ہیں۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے تعجب سے پوچھا: ''مدینہ منورہ میں ہونے کے باوجود؟!'' فرمایا:

''مدینہ منورہ میں ہونے کے باوجود۔ انھیں کسی نہ کسی عذر نے روک رکھا ہے۔''[2]

غزوۂ تبوک میں منافقین کا کردار

رسول اللہ ﷺ نے کوچ کا اعلان کیا اور اس غزوے میں چندہ دینے کا حکم دیا تو منافقین نے لوگوں کے حوصلے پست کرنے پر کمر باندھ لی۔ وہ لوگوں سے کہتے: ''اتنی گرمی میں مت جاؤ۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

﴿ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ ﴾

---

[1] التوبة 9:91,92. تفسير الطبري(تحقيق أحمد شاكر): 14/419-423. طبری نے اس آیت کی شان نزول میں کئی روایات بیان کی ہیں۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب : (82)، حديث : 4423.

''انھوں نے کہا: اتنی گرمی میں نہ نکلو۔ آپ کہہ دیں: جہنم کی آگ اس سے بہت زیادہ گرم ہے۔ کاش! انھیں کچھ سمجھ ہوتی۔''[1]

غزوۂ تبوک کی تیاریاں زور شور سے جاری تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جد بن قیس سے کہا: ''اے جد! اس سال بنی اصفر (گورے رومیوں) سے لڑائی میں تمھیں رغبت ہے؟'' اس نے کہا: ''اللہ کے رسول! بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے نہ جانے کی اجازت دے دیں اور مجھے فتنے میں نہ ڈالیں۔ اللہ کی قسم! میری قوم کے لوگ خوب جانتے ہیں کہ میں ان سب سے زیادہ عورتوں پر فریفتہ ہوں۔ مجھے خدشہ ہے کہ اگر میں نے بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھ لیا تو میں صبر نہ کر سکوں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے بے رخی کرتے ہوئے فرمایا: «قَدْ أَذِنْتُ لَكَ» ''میں نے تجھے اجازت دی۔'' درج ذیل آیت اسی کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دو اور مجھے فتنے میں نہ ڈالو۔ سن لو! فتنے ہی میں تو یہ گرے پڑے ہیں، اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔''[2]

---

[1] التوبة 81:9. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند مرسل ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 217/4) دکتور السندی نے لکھا کہ یہی متن دیگر صحیح سندوں سے بھی روایت کیا گیا ہے، دیکھیے: (الذهب المسبوك......، ص: 155) نیز دیکھیے: (الدّر المنثور للسّيوطي: 365/3، وتفسير القرطبي: 216/8، وفتح القدير للشوكاني: 371/2، وتفسير الطبري: 400,399/14) [2] التوبة 49:9. یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 217,216/4) طبری نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ایک بار تو ابن اسحاق ہی کی سند سے جو منقطع ہے اور اس میں ابن اسحاق نے عن سے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں یہ سند اُن کے شیوخ ائمہ: زہری، ابن رومان، عبداللہ بن ابی بکر، عاصم بن عمر بن قتادہ اور دیگر پر موقوف ہے۔ بارِ دگر طبری نے یہ روایت دیگر چند سندوں سے نقل کی ◄◄

بعض منافقین نبی کریم ﷺ کی خدمت میں جھوٹے اور جعلی عذر پیش کرنے لگے تاکہ آپ انھیں گھر رہنے کی اجازت دے دیں۔ آپ نے انھیں اجازت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اظہار ناراضی فرمایا:

﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ○﴾

''اللہ نے تجھے معاف کر دیا، تو نے انھیں کیوں اجازت دی؟ حتی کہ تیرے لیے وہ لوگ صاف ظاہر ہو جاتے جنھوں نے سچ بولا اور تو جھوٹوں کو (بھی) جان لیتا۔''[1]

» ہے۔ ایک سند قتادہ کی ہے جو ضعیف اور مرسل ہے۔ دوسری سند مجاہد کی ہے۔ وہ بھی ضعیف اور مرسل ہے۔ تیسری سند ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے۔ یہ بھی ضعیف ہے، دیکھیے: (تفسیر الطبري: 288,287/14) ابن حجر نے لکھا ہے کہ اسے ابونعیم اور ابن مردویہ نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حجر نے ان دونوں کی سندوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ طبرانی نے بھی المعجم الکبیر اور المعجم الأوسط میں اسے روایت کیا ہے۔ ہیثمی نے لکھا کہ اس سند میں یحییٰ بن حمانی ضعیف راوی ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 30/7) طبرانی کی روایت کو طبری کی روایت جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ہے اور تابعین کے آثار (روایات) سے تقویت ملے تو ثابت ہوتا ہے کہ اس حدیث کی کوئی نہ کوئی اصل ضرور ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ طبری نے کہا: ''اہلِ تفسیر سے واضح روایات ملتی ہیں کہ یہ آیت جدّ بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی۔'' انھوں نے مزید کہا: ''جد بن قیس اور اس جیسے دیگر منافقین کے لیے کافی ہے کہ وہ رسوا ہو کر آگ میں جائیں۔'' طبری کے اخذ کردہ ان نتائج کو استاذ عذّاب الْحَمْش نے اپنی کتاب ثعلبة بن حاطب الصحابي المفترٰی علیه میں تسلیم نہیں کیا۔ ان کا کہنا ہے کہ ایسی قطعیت سے جد بن قیس کے منافق ہونے کا حکم لگانا جلد بازی ہے جو خود اسے نفاق کے عیب سے پاک قرار دیتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب منافق نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ نفاق سے مراد عملی نفاق ہو۔ یاد رہے کہ ابن عبدالبر نے کمزور الفاظ (صیغۂ تمریض) میں بیان کیا ہے کہ جد بن قیس نے توبہ کی تھی اور اس کی توبہ بڑی سچی ثابت ہوئی تھی، دیکھیے: (الاستیعاب لابن عبدالبر: 251/1) میں کہتا ہوں: ''نفاق کے اس الزام کو ثابت کرنے کے لیے کسی ایسی سند کا ہونا ضروری ہے جو قابلِ اعتماد ہو۔'' [1] التوبة 43:9. تفسیر الطبري (تحقیق أحمد شاکر): 273/14. یہ روایت مجاہد کی مرسل ہے۔ مجاہد تک اس کی سند صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو پتہ چلا کہ منافقین کے کچھ لوگ سُویلم یہودی کے گھر جمع ہو کر لوگوں کو ورغلانے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے آدمی بھیج کر اس گھر کو آگ لگوا دی۔[1]

اللہ اور رسول اللہ کے خلاف منافقین کی جرأت کا یہ عالم ہو گیا کہ انھوں نے غزوۂ تبوک سے کچھ دیر پہلے ایک مسجد بھی بنائی تاکہ اس میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کریں۔ انھیں امید تھی کہ فاسق ابو عامر شاہِ روم کے پاس سے مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر لے کر آئے گا۔ یہ تو ان کا اصل مقصد تھا مگر ظاہر انھوں نے یہ کیا کہ ہم بیمار، ضعیف اور عاجز لوگوں کی سہولت کے لیے یہ کام کر رہے ہیں۔ جو لوگ مسجدِ نبوی تک نہیں پہنچ سکتے وہ یہاں نماز پڑھ لیا کریں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ آپ تبرکاً اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ دراصل وہ لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما کر ان کا راز فاش کیا اور ان کی اصل نیت واضح کر دی:

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ○ ﴾

’’اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی نقصان پہنچانے اور کفر کرنے کے لیے اور ایمان والوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے اور ایسے لوگوں کے لیے گھات کی جگہ بنانے کے لیے جنھوں نے اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کی۔ اور یقیناً وہ ضرور قسم کھائیں گے کہ ہم نے بھلائی کے سوا کچھ ارادہ نہیں کیا۔

[1] ابن ہشام نے اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 218,217/4)

اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ بے شک وہ جھوٹے ہیں۔ آپ اس میں کبھی کھڑے نہ ہونا۔ یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی زیادہ حقدار ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اس میں ایسے مرد ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ بہت پاک رہیں اور اللہ بہت پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے وہاں نماز پڑھنے سے انکار کر دیا اور پھر تبوک سے واپسی کے بعد اس جعلی مسجد کو آگ لگوا دی۔ تبوک سے واپسی کے بعد آپ نے عبداللہ بن ابی کا جنازہ پڑھایا تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لیے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھنے سے بھی منع فرما دیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰٓ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِۦٓ ﴾

''اور ان میں سے جو کوئی مر جائے آپ اس کا کبھی جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔''[2]

کچھ اور لوگ بھی غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے جیسا کہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ'' میں جب لوگوں میں چلتا پھرتا تو مجھے یہ دیکھ کر غم لاحق ہوتا کہ مدینہ میں یا تو صرف وہ آدمی نظر آتا ہے جو نفاق میں ڈوبا ہوا ہے یا پھر وہ جس کا عذر اللہ نے قبول کیا ہے۔''

بعض منافقین جان بوجھ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئے تا کہ موقع پا کر کوئی شرارت کریں اور مسلمانوں کو بددل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس جنگ میں خاص طور پر تمام

---

[1] التوبة 108,107:9. تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 470/14، حديث: 1787. دکتور سندھی نے اس سند کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا: ''اسے اہلِ تفسیر نے اعتماد کے قابل سمجھا ہے۔ عبداللہ بن صالح اور مثنی کے سوا اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' [2] التوبة 84:9. صحيح البخاري، الجنائز، باب الكفن في القميص الذي يُكَفُّ أولا يُكَفُّ، حديث: 1269، و صحيح مسلم، كتاب و باب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث: 2774.

مسلمانوں کو جانے کا حکم دیا۔ اسی خصوصیت کی طرف اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھیں کیا ہے؟ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں کوچ کرو تو زمین کی طرف گرے جاتے ہو، کیا تم نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا ہے؟ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کا فائدہ تو بہت ہی تھوڑا ہے۔''[1]

لوگوں کی سستی کا سبب دراصل یہ تھا کہ کھجور کی چنائی کا وقت آچکا تھا، اس کا پھل پک کر تیار ہو چکا تھا۔ شدید گرمی کی وجہ سے سائے کی طلب بہت تھی۔[2] سفر بہت طویل اور کٹھن تھا۔ آیت کریمہ نے بتایا ہے:

﴿ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾

''اگر جلدی مل جانے والا مال اور درمیانہ سفر ہوتا تو وہ ضرور تیرے پیچھے جاتے

---

[1] التوبة 9:38. [2] یہ مجاہد کی مرسل روایت ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں، تاہم ایک راوی عبداللہ بن ابی نجیح مکی مدلس ہے اور اس نے یہ روایت عن سے بیان کی ہے، دیکھیے: (تفسیر الطبري: 10/133) واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبائل کی طرف چند پیغام پہنچانے والے بھیجے کہ وہ انھیں تبوک کی طرف روانگی کا حکم سنا دیں، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 3/990) یہ بعید نہیں کیونکہ بظاہر یہ آیت اسی امر پر دلالت کرتی ہے کہ روانگی کا حکم ہر ایک کے لیے تھا، خواہ وہ مدینہ کے اندر ہو یا باہر۔ مزید یہ کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے لیے بھی قبائل کو روانگی کا حکم دیا تھا جو صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ ہم نے اس کا ذکر اپنی جگہ پر کیا ہے۔

لیکن ان پر فاصلہ دور پڑ گیا، اور عنقریب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ اگر ہم استطاعت رکھتے تو ضرور تمھارے ساتھ نکلتے۔ وہ اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں۔''[1]

اس جنگ میں بہت سے اعرابی اور منافقین پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ اہلِ عذر صحابۂ کرام بھی تھے۔ تین ایسے صحابہ بھی تھے جن کے پاس پیچھے رہ جانے کا کوئی عذر نہ تھا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

تبوک روانگی کے متعلق مسلمانوں کا موقف

رسول اللہ ﷺ عموماً بڑی جنگوں کے لیے جاتے وقت منزل مقصود کو ظاہر نہیں کیا کرتے تھے لیکن اس موقع پر آپ نے پوری صورت حال واضح کر دی تاکہ مسلمان اس کے مطابق پوری تیاری کر لیں۔[2] مومنین نے بڑی تیزی اور دل جمعی سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے کی تیاری شروع کر دی اور آئندہ درپیش کسی مشقت کی پروا کی نہ مدینہ منورہ میں رہ کر نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کی خواہش نے انھیں گمراہ کیا۔ یہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اس بات پر راضی نہیں ہو رہے کہ رسول اللہ ﷺ انھیں اپنے اور ان کے گھر والوں میں چھوڑ جائیں۔ وہ جرف میں، جہاں رسول اللہ ﷺ نے پڑاؤ کیا، آپ کو جا ملتے اور کہتے ہیں: ''اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ چھوڑ کر جائیں گے؟'' رسول اللہ ﷺ نے اُن سے فرمایا:

«أَمَا تَرْضٰی أَنْ تَكُونَ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُّوسٰی غَيْرَ أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

[1] التوبة 9:42. تفسير الطبري: 14/272، حديث: 16760,16761. یہ قتادہ کی مرسل روایت ہے۔ قتادہ تک سند حسن ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك رضی اللہ عنہ ......، ◄◄

''کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ میرے نائب بن کر رہو جس طرح ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے نائب بن کر رہتے تھے، البتہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔'' [1]

اور یہ ابو خیثمہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں جن کے دل میں جانے اور نہ جانے کی کشمکش جاری ہے۔ بالآخر وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنے والے ثواب کے شوق میں یہ کشمکش ختم کرتے ہوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، خود ان کا بیان ہے: ''میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گیا۔ میں اپنے ایک باغ میں داخل ہوا۔ وہاں میں نے (انگوروں کا) ایک چھپر دیکھا جس میں پانی کا چھڑکاؤ ہو چکا تھا۔ بیویاں بیٹھی تھیں۔ میں نے دل میں کہا: '' یہ تو انصاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شدید گرمی میں لو کے تھپیڑے کھا رہے ہیں اور میں یہاں ٹھنڈی چھاؤں اور نعمتوں میں مست بیٹھا رہوں، چنانچہ میں فوراً اپنے اونٹ کی طرف بڑھا۔ کچھ کھجوریں لیں اور نکل کھڑا ہوا۔ جب میں لشکر کے قریب پہنچا تو لوگ مجھے پہچاننے کی کوشش کرنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا خَيْثَمَةَ» ''اللہ کرے! ابوخیثمہ ہو۔''

میں پہنچا تو آپ نے مجھے دعا دی۔ [2]

---

[1] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة تبوك وهي غزوة العسرة، حديث: 4418. حديث: 4416، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ، حديث: 2404. ان دونوں کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ جرف کے مقام کا ذکر ابن اسحاق کی مرسل روایت میں ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 221/4) جرف مدینہ سے شام (شمال) کی سمت میں تین میل کے فاصلے پر ہے، دیکھیے: (معجم البلدان: 187/2)

[2] ابن حجر کے مطابق اس حدیث کو طبرانی نے نقل کیا ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے مرسل سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 222/4، وفتح الباري: 244/16، والمغازي للواقدي: 999,998/3) ان سندوں سے یہ حدیث ضعیف ہے، تاہم صحیح مسلم میں کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس واقعے کا بعض حصہ ملتا ہے جو اس کی تقویت کا باعث ہے۔ واقدی نے لکھا کہ ابو خیثمہ،

روایت ہے کہ راستے میں ابوذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ سست پڑ گیا۔ انھوں نے اپنا سامان اتارا، پشت پر لادا اور پیدل ہی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ کسی منزل پر فروکش ہوئے تو ایک مسلمان نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص اکیلا پیدل چلا آ رہا ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا ذَرٍّ» ''اللہ کرے! ابوذر ہو۔''

جب وہ قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ابوذر ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ ابوذر پر رحم کرے! یہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''[1]

◄◄ عبداللہ بن خیثمہ سالمی ہیں۔ زہری کے نزدیک ان کا نام مالک بن قیس ہے۔ زہری کا قول ابن حجر نے ذکر کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 244/16) [1] المستدرك للحاكم: 80/3. حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، پھر ذہبی نے کہا: ''یہ مرسل ہے۔'' بیہقی نے بھی الدلائل میں اسے ابن اسحاق کی سند سے نقل کیا ہے۔ یہاں ابن اسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے۔ بیہقی کی سند میں ایک راوی بریدہ بن سفیان ہے جس پر جرح کی گئی ہے، دیکھیے: (ميزان الاعتدال: 306/1) ابن کثیر نے بھی اسے اسی سند سے روایت کیا اور حسن قرار دیا ہے۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کی سستی اور ان کی وفات کا واقعہ ایک ہی سیاق میں درج کیا ہے۔ سیرت ابن ہشام میں ابن اسحاق نے اونٹ کی سستی کا واقعہ بغیر سند کے اور وفات کی خبر بیہقی اور ابن کثیر جیسی سندوں سے بیان کی ہے۔ احمد نے وفات کی خبر ابن اسحاق کی سند کے علاوہ ایک اور سند سے روایت کی ہے، دیکھیے (الفتح الرّباني: 375,374/22) یہ روایت حاکم کی روایت سے قدرے مختلف ہے۔ ہیثمی نے لکھا: ''احمد نے اسے دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہی ہے۔ دوسری ابراہیم بن اُشتر کی مختصر روایت ہے۔ ابراہیم نے ام ذر سے روایت کی ہے۔ پہلی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 333/9) سیرت ابن ہشام کے محققین کا کہنا ہے: ''اگر ابن اشتر نہ ہوتا تو دوسری روایت کی سند حسن ہوتی۔'' ابن اشتر کو ابن حبان کے علاوہ کسی نے ثقہ نہیں کہا، دیکھیے: (تعجيل المنفعة، ص: 20) ابن سعد نے بھی اسے احمد کی روایت کے مانند روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 4/232-234) دکتور سندھی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (الذهب المسبوك، ص: 307-309) ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ سندھی اور سیرت ابن ہشام کے محققین نے وفات کی روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

ایسا ہی ہوا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ربذہ (79) میں مقیم تھے۔ وہاں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور غلام کے سوا کوئی نہیں تھا۔ انھوں نے وصیت کی کہ جب میں فوت ہو جاؤں تو مجھے غسل و کفن کے بعد راستے پر رکھ دینا اور جو قافلہ سب سے پہلے گزرے اس سے درخواست کرنا کہ دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ جب وہ اللہ کو پیارے ہوئے تو بیوی اور غلام نے اسی طرح کیا۔ اسی دن اس راستے پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ عراق سے عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ جا رہے تھے۔ جنازہ راستے میں پڑا تھا۔ قریب تھا کہ قافلے کے اونٹ جنازہ پاؤں تلے روند دیتے کہ اچانک غلام اٹھ کھڑا ہوا اور بولا: ''یہ صحابی رسول ابو ذر رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں دفن کرنے میں ہماری مدد کریں۔'' یہ سن کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے اور کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا: ''تو اکیلا چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' پھر وہ اور ان کے ساتھی اونٹوں سے اترے۔ ان کا جنازہ پڑھا اور انھیں دفن کر دیا، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ انھیں تبوک کے سفر میں کہے تھے۔ یہ واقعہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار معجزات میں سے، خصوصاً اس غزوے کے معجزات میں سے ایک ہے۔

غزوۂ تبوک کے لشکر کی تعداد

اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے معقل کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ لوگوں کو لے کر چلے جو بلاشبہ دس ہزار سے زیادہ تھے۔ ان کے نام کسی رجسٹر میں درج نہیں تھے جس سے صحیح تعداد کا پتہ چل سکے۔''[1]

(79) ربذہ: یہ مدینہ سے مشرق کی طرف تقریباً 175 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔ یہاں قدیم ربذہ کے آثار بھی ہیں (أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 189)

[1] صحیح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث: 2769.

بحیرۂ روم
القدس (یروشلم)
بلقاء
موتہ
وادی السرحان
رومی لشکر کی واپسی
اذرح
معان
حجراء (پٹرا)
بحیرات مرہ
قلزم
ایلہ
عقبہ
سیناء
جبل موسیٰ
(کوہ طور)
تبوک
دومۃ الجندل
0
100
200
300
400
500
کلومیٹر
مدین
اسلامی لشکر کی پیش قدمی
تیماء
مویلح
ضبا
مصر
الوجہ
مدائن صالح
خیبر
مدینہ منورہ
ینبع
بحیرۂ احمر
غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرۃ) (رجب 9ھ)
﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...﴾ ”تحقیق توجہ فرمائی اللہ نے اوپر نبی اور مہاجرین اور انصار کے، وہ (مہاجرین وانصار) جنھوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں“ (التوبة 117:9)
﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ ”اور (توجہ فرمائی اللہ نے) اوپر ان تین شخصوں کے، جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)“ (التوبة 118:9)
﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ”وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں“ (التوبة 92:9)

کعب ہی کی ایک دوسری روایت یوں ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت زیادہ مسلمان تھے۔ کسی رجسٹر میں ان کے ناموں کا اندراج نہ تھا۔''[1]

ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا: ''حاکم نے ''اکلیل'' میں معاذ کی حدیث بیان کی ہے کہ ہم رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک کی طرف نکلے تو ہمارے ساتھیوں کی تعداد تیس ہزار سے زیادہ تھی۔''[2] ابن اسحاق نے یہی تعداد وثوق سے بیان کی ہے۔

واقدی نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ ''ہماری تعداد تیس ہزار تھی۔''[3]

انھی کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے والوں کی تعداد تیس ہزار تھی اور گھوڑے دس ہزار تھے۔''[4] ابو زرعہ رازی سے منقول ہے کہ وہ چالیس ہزار کی تعداد میں تھے۔[5] ابن حجر رحمہ اللہ ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''کعب سے معقل کی روایت کو گھوڑ سواروں کی تعداد کے متعلق سمجھا جائے گا۔''

ابو زرعہ رازی کہتے ہیں: ''ان کی تعداد ستر ہزار تھی۔'' بعض مؤرخین نے ابن اسحاق اور ابو زرعہ کے قول میں یوں تطبیق دی ہے کہ ابو زرعہ نے تابع و متبوع سب کو شمار کیا ہے اور ابن اسحاق نے صرف متبوع کو شمار کیا ہے۔[6]

معروف اور قابلِ ترجیح یہ ہے کہ جیشِ تبوک کی تعداد تیس ہزار تھی۔ تاریخ و سِیَر کے ائمہ ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد کا اسی پر اتفاق ہے۔ اس تعداد کا صحیح بخاری کی

---

[1] صحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث: 2769.
[2] فتح الباري: 242/16. ابن اسحاق کی روایت مطبوعہ اور متداول نسخے میں نہیں ملی۔ اس سلسلے میں دیکھیے: (الذهب المسبوك للسندي، ص: 178) [3] المغازي للواقدي: 996/3. سند متصل ہے۔
[4] المغازي للواقدي: 1002/3. یہ روایت واقدی کی اپنی سند سے ہے جس میں وہ اپنے اساتذہ سے روایت کرتے ہیں۔ ابنِ سعد نے اسے اپنے استاذ واقدی کی روایت سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 166/2) [5] ابو زرعہ رازی کا یہ قول ابن حجر نے نقل کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 242/16) [6] تاريخ ابن أبي خيثمة، الجزء الخمسون، ص: 123.

روایت سے کوئی تعارض نہیں۔ واللہ أعلم.

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے

منافقین اور اہل عذر کے علاوہ تین مخلص صحابی: کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی بھی میدان جنگ میں جانے سے رہ گئے تھے۔ یہ تینوں افراد بڑے پکے اور سچے مسلمان تھے لیکن یہی ارادہ باندھتے رہے کہ کل چلے جائیں گے آج قدرے آرام کر لیں۔ اسی آج کل میں وقت گزر گیا اور یہ افراد غزوۂ تبوک میں شامل نہ ہو سکے۔ کعب رضی اللہ عنہ نے اس جنگ سے پیچھے رہنے کا واقعہ ایک طویل روایت میں پوری تفصیل سے خود بیان کیا ہے جسے بخاری و مسلم رحمہما اللہ کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ ان کا بیان ہے: ''میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا مالدار اور صحت مند نہیں رہا جس قدر ان دنوں تھا جب میں اس غزوے سے پیچھے رہا۔ میں روزانہ صبح سویرے نکلتا تاکہ مسلمانوں کے ساتھ جانے کے لیے سفر کی تیاری کروں مگر کچھ کیے بغیر واپس آجاتا۔ میں اپنے دل میں کہتا: ''میں جب چاہوں تیاری کر سکتا ہوں۔ میرے پاس کس چیز کی کمی ہے؟'' یہ سلسلہ جاری رہا اور میں کوئی تیاری نہ کر سکا جبکہ لوگ پوری طرح تیار ہو چکے تھے حتی کہ لوگ چل دیے۔ مگر میری حالت وہی رہی، پھر میں نے ارادہ کیا کہ میں چل پڑتا ہوں، راستے میں لشکر سے مل جاؤں گا۔ کاش! میں ایسا کر لیتا۔ لیکن یہ روانگی میری قسمت میں نہیں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد میں لوگوں میں چلتا پھرتا تو مجھے یہ دیکھ کر انتہائی صدمہ ہوتا کہ مدینے میں صرف وہی لوگ نظر آتے ہیں جو منافقت میں ڈوبے ہوئے تھے یا وہ کمزور افراد تھے جن کا عذر اللہ نے قبول کیا تھا۔ جب مجھے پتہ چلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو بڑی فکر لاحق ہوئی کہ میں آپ کی ناراضی سے کیسے بچ سکتا ہوں۔ میں نے جھوٹ موٹ کہانی گھڑنی شروع کر دی۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے

خاندان کے ہر صاحب رائے سے مدد طلب کی۔ جب شور اٹھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے ہیں تو میرے دل سے سارا جھوٹ غائب ہو گیا۔ میں نے عزم کر لیا کہ آپ ﷺ سے سچ ہی بولوں گا۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو سلام کیا تو آپ ایک ناراض انسان کی طرح مسکرائے اور بولے: ''آگے آجاؤ۔'' میں چل کر آپ ﷺ کے سامنے جا بیٹھا۔ آپ نے دریافت کیا: ''کیوں پیچھے رہ گئے؟ کیا تم نے سواری نہیں خریدی تھی ؟'' میں نے کہا: ''ضرور خریدی تھی۔ اللہ کی قسم ! اگر آج میں آپ ﷺ کے بجائے اہل دنیا میں سے کسی کے سامنے بیٹھا ہوتا تو آپ دیکھتے کہ میں کوئی نہ کوئی معقول عذر پیش کر دیتا اور اس کی ناراضی سے محفوظ رہتا۔ مجھے بات بنانے کا فن خوب آتا ہے لیکن اللہ کی قسم ! مجھے یقین ہے کہ اگر میں جھوٹ بول کر آج آپ کو خوش کر دوں تو کل اللہ تعالیٰ آپ کو حقیقتِ حال بتا کر مجھ پر ناراض کر دے گا۔ اور اگر آج میں نے آپ سے سب کچھ سچ سچ عرض کر دیا تو آپ ﷺ مجھ سے ناراض تو ہو جائیں گے، مگر مجھے پوری امید ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے گا۔ اللہ کی قسم ! میرا کوئی عذر نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! میں اپنی زندگی میں کبھی اتنا مال دار اور صحت مند نہیں رہا جتنا اس وقت تھا جب آپ سے پیچھے رہا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس نے سچ کہا ہے۔تم جاؤ یہاں تک کہ اللہ تمھارے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے۔''

میں اٹھ کھڑا ہوا۔ بنوسلمہ کے چند لوگ میرے پیچھے بھاگے، انھوں نے مجھے ڈانٹ پلائی کہ تم نے کوئی عذر کیوں نہ پیش کر دیا؟ میں نے ان سے پوچھا: ''کیا مجھ جیسا سلوک کسی اور سے بھی ہوا ہے؟'' انھوں نے بتایا: ''ہاں! دو آدمی ہیں۔ انھوں نے بھی وہی کہا جو تم نے کہا۔ ان سے بھی وہی کہا گیا ہے جو تم سے کہا گیا۔'' میں نے کہا: ''وہ کون ہیں؟'' انھوں نے کہا: ''مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ واقفی رضی اللہ عنہما۔'' انھوں نے میرے سامنے دو

نیک آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شریک ہوئے تھے، جو میرے لیے ایک نمونہ تھے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو ہم تینوں سے بات چیت کرنے سے منع کر دیا، پھر تو لوگ ہمارے سائے سے بھی بھاگنے لگے جیسے ان کا ہم سے کوئی واسطہ ہی نہ ہو۔ مجھے تو زمین بھی بدلی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ وہ زمین نہ رہی تھی جسے میں جانتا پہچانتا تھا۔ ہم پچاس راتیں اسی حال میں رہے۔ میرے دوسرے دو ساتھی تو بالکل ہی دبک گئے۔ وہ ہر وقت گھر میں بیٹھے روتے رہتے۔ میں جوان اور مضبوط تھا۔ میں گھر سے باہر جاتا۔ مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں حاضر ہوتا۔ مسلمانوں کے ساتھ گھومتا پھرتا، بازاروں میں چلتا پھرتا مگر کوئی شخص مجھ سے بات نہیں کرتا تھا۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی جاتا۔ آپ کو سلام بھی کہتا، آپ ﷺ نماز کے بعد مسجد میں تشریف فرما ہوتے۔ میں کنکھیوں سے آپ کے چہرۂ اقدس کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں غور کرتا کہ میرے سلام کا جواب دینے کے لیے آپ ﷺ کے لب میں کوئی جنبش ہوئی ہے یا نہیں۔ پھر میں آپ کے قریب نماز پڑھتا اور چوری چھپے آپ ﷺ کو دیکھتا بھی جاتا۔ جب میں اپنی نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو آپ مجھے دیکھنے لگتے لیکن جونہی میں آپ کی طرف توجہ کرتا آپ نظر پھیر لیتے۔

ایک دن میں مدینہ منورہ کے بازار میں گھوم رہا تھا کہ شام کا ایک نبطی آیا۔ یہ لوگ اپنا غلہ بیچنے کے لیے شام سے مدینہ آیا کرتے تھے۔ وہ نبطی کہہ رہا تھا: ”مجھے کعب بن مالک کا

[1] ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا: ”یہ مقام ان مقامات میں سے ہے جنھیں زہری کا، جو اس روایت کے راوی ہیں، وہم قرار دیا گیا ہے۔ امر واقع یہ ہے کہ اہل مغازی وسیر میں سے کسی ایک نے بھی ان دونوں آدمیوں کا اہل بدر میں ذکر نہیں کیا۔“ میں کہتا ہوں: ”ابن حجر نے بیان کیا کہ صحیح تر قول کے مطابق ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع بدر میں حاضر ہوئے تھے۔“ دیکھیے: (الإصابة: 4/607) ابن حجر اہل مغازی وسیر میں سے نہیں ہیں، دیکھیے: (زاد المعاد: 3/577)

پتہ کون دے گا؟'' لوگ اسے اشارہ کر کے بتاتے رہے۔ جب وہ میرے پاس پہنچا تو اس نے شاہِ غسان کی طرف سے مجھے ایک خط دیا۔ خط میں لکھا تھا: ''امابعد: مجھے پتہ چلا ہے کہ تمھارے صاحب نے تم سے بے وفائی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت و رسوائی اور ضائع ہونے کے لیے پیدا نہیں کیا۔ ہمارے ساتھ آن ملو۔ ہم تمھاری غمخواری کریں گے۔'' میں نے خط پڑھا تو کہا کہ یہ بھی آزمائش کا حصہ ہے۔ میں اسے پکڑے سیدھا تنور کی طرف گیا اور خط اس میں جھونک دیا۔ جب پچاس میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو رسول اللہ ﷺ کا قاصد میرے پاس آیا اور بولا: ''رسول اللہ ﷺ تمھیں حکم دے رہے ہیں کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔'' میں نے پوچھا: ''اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟'' وہ بولا: ''نہیں۔ صرف اس سے دور رہو۔ قریب نہ جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ نے میرے دونوں ساتھیوں کو بھی ایسا ہی پیغام بھیجا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا: ''تم میکے چلی جاؤ اور جب تک اللہ تعالیٰ اس معاملے میں کوئی فیصلہ نہیں کرتا، وہیں رہو۔'' پھر میں دس راتیں اسی حال میں رہا حتی کہ اس وقت سے جب سے رسول اللہ ﷺ نے ہماری بات چیت سے روکا تھا، (اب تک) میری پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔ پچاسویں رات کی صبح میں نے فجر کی نماز پڑھی تو میں اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر تھا۔ اس دوران میں کہ میں اس حالت میں بیٹھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) بیان فرمائی ہے۔ مجھے خود اپنی جان ایک بوجھ محسوس ہو رہی تھی۔ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ گئی تھی کہ اچانک میں نے ایک اعلان کرنے والے کی صدا سنی جو ''سَلع'' پہاڑ پر چڑھا ہوا تھا۔ وہ بلند آہنگ سے کہہ رہا تھا: ''کعب بن مالک! خوش ہو جاؤ۔'' میں سجدے میں گر گیا اور میں نے جان لیا کہ مصیبت کے بعد راحت آ پہنچی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھی تو آگاہ کیا کہ اللہ نے ہماری توبہ قبول کر لی ہے۔ اس پر لوگ ہمیں خوشخبری دینے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھی چند خوشخبری دینے

والے بھاگے بھاگے گئے۔ جب وہ شخص میرے پاس پہنچا جس کی آواز میں نے سنی تھی، میں نے اپنے پہنے ہوئے دونوں کپڑے اتار کر اس خوشخبری کے انعام کے طور پر اسے دے دیے۔ اللہ کی قسم! اس وقت میرے پاس ان کپڑوں کے سوا کوئی اور کپڑا نہ تھا۔ میں نے دو کپڑے مستعار لیے، انھیں پہنا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا۔ راستے میں مجھے لوگ جوق در جوق ملتے رہے۔ وہ مجھے قبولیت توبہ کی مبارکباد دے رہے تھے، پھر جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا تو آپ (ﷺ) نے، جبکہ آپ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، فرمایا: ''خوش ہو جاؤ کہ جب سے تمھیں تمھاری والدہ نے جنم دیا ہے، تم پر آج سے اچھا دن نہیں گزرا۔'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی جانب سے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میری توبہ سے یہ بھی ہے کہ میں اپنے مال سے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف صدقے کے طور پر دستبردار ہوتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کچھ مال رکھ لو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے صرف سچ نے نجات دی ہے۔ اور میری توبہ سے یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ...... ﴾

''یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکمِ الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا حتی کہ جب زمین فراخی

کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں (بھی) ان پر تنگ ہو گئیں، اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ۔'' [1]

ہم تینوں کا فیصلہ ان لوگوں سے مؤخر ہو گیا تھا جنھوں نے آپ کے سامنے قسم کھائی تو آپ ﷺ نے ان کا عذر قبول کر لیا۔ ان سے بیعت بھی لے لی اور ان کے لیے دعائے استغفار بھی فرمائی۔ ہمارا معاملہ رسول اللہ ﷺ نے مؤخر کر دیا حتی کہ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا:

﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ط﴾

''اور (اللہ نے) ان تین اشخاص کی توبہ بھی قبول فرمائی جنھیں پیچھے رکھا گیا۔'' [2]

یہاں پیچھے رکھے جانے سے مراد ہمارا جنگ سے پیچھے رہنا نہیں بلکہ فیصلے میں تاخیر مراد ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ بھی ذکر ہے کہ اس غزوے سے پیچھے رہ جانے والے اسی سے زائد افراد تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیچھے رہ جانے کا عذر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے ان کی ظاہری بات قبول کر لی۔ بیعت بھی لے لی اور ان کے لیے مغفرت کی دعا بھی کی۔ اور ان کی نیتیں اللہ تعالیٰ کے سپرد کیں۔ یہ تعداد واقدی کی بیان کردہ تعداد کے مطابق ہے۔ [3] واقدی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عذر پیش کرنے والے اعراب بیاسی تھے۔ ان کا تعلق بنو غفار وغیرہ سے تھا اور یہ کہ عبداللہ بن ابی اور اس کے متبعین ان کے علاوہ تھے اور وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ واقدی، ابن سعد

---

[1] التوبة 9:117-119. [2] التوبة: 9/118. [3] المغازي للواقدي: 3/995. واقدی اپنے علم کی وسعت کے باوجود حدیث میں متروک ہیں، چنانچہ ان کی اسانید ضعیف ہیں۔

اور ابن اسحاق نے روایت کی ہے کہ ابن ابیّ روانہ ہوا اور مدینہ میں جبل ذباب اور ایک روایت میں ہے کہ ثنیۃ الوداع پر پہنچا۔ اس کے ساتھ اس کے دوست منافق اور یہود بھی تھے، پھر یہ کہا جاتا تھا کہ ابن ابیّ کا لشکر دونوں لشکروں کا کم ترین حصہ نہیں ہے، چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے کوچ کیا تو ابن ابیّ ان منافقوں میں رہا جو پیچھے رہے تھے۔[1] یہ ساری بات صحیح اسانید کے ذریعے سے ثابت نہیں۔ جو لوگ اس جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور مدینہ ہی میں رہے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اتنے بڑے لشکر میں کسی کو ان کی عدم موجودگی کا پتہ ہی نہیں چلے گا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی راہ پر بعض پیچھے رہنے والوں کو گم پا کر تلاش کیا۔ آپ نے ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری سے بنوغفار اور بنو اسلم میں سے پیچھے رہنے والوں کے بارے میں پوچھا۔[2] جب آپ ﷺ تبوک پہنچے تو آپ نے کعب بن مالک کے بارے میں بھی پوچھا۔[3]

[1] الطبقات الکبرٰی: 2/165، والسیرة النبویة لابن هشام: 4/219. سند مرسل ہے۔ ابن اسحاق، واقدی اور ابن سعد نے اس حصے کو کمزور الفاظ (صیغۂ تمریض) سے بیان کیا ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ یہ روایت انھیں قبول نہیں۔ انھیں اس روایت اور بالخصوص اس میں یہود کے تذکرے کے متعلق شک کرنا چاہیے۔ جس تعداد میں ان کا ذکر کیا گیا ہے وہ ان لڑائیوں سے میل نہیں کھاتی جو مسلمانوں اور یہود کے درمیان ہوئیں۔ اس غزوے میں ان کا وجود اتنا نہیں تھا جو ذکر کرنے کے قابل ہو چہ جائیکہ ان کی اس شان و شوکت، دشمنی اور مورال پست کرنے کی کھلی کوشش کا اظہار ہو۔ مزید یہ کہ یہ روایت صحیح اسانید کے ذریعے سے نہیں آئی۔ [2] یہ ابن اسحاق کی زہری سے متصل روایت ہے۔ اس میں ابن اسحاق نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ اس سند میں ابورہم کا ابن الأخ (بھتیجا) ہے جسے ہیثمی نے نہیں پہچانا، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 6/192، والسیرة النبویة لابن هشام: 4/234-236) یہ روایت معمر کی سند سے بھی آئی ہے۔ انھوں نے زہری سے روایت کی ہے، دیکھیے: (موارد الظمآن، ص: 418) یوں یہ روایت قوی ہو کر حسن لغیرہ کے درجے پر جا پہنچتی ہے۔ یہی بات سندھی نے بھی لکھی ہے، دیکھیے: (الذهب المسبوك، ص: 245) [3] صحیح البخاري، المغازي، باب حدیث کعب بن مالك، حدیث: 4418.

اسلامی لشکر تبوک میں

رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں لوگوں سے ایک طویل خطاب کیا۔ آپ نے اس خطبے میں فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَوْثَقَ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى، وَخَيْرَ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيمَ، وَخَيْرَ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ، وَأَشْرَفَ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللّٰهِ، وَأَحْسَنَ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْآنُ، وَخَيْرَ الْأُمُورِ عَوَازِمُهَا، وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَأَحْسَنَ الْهُدٰى هَدْيُ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَشْرَفَ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ، وَأَعْمَى الْعَمْيِ الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى، وَخَيْرَ الْأَعْمَالِ مَا نَفَعَ، وَخَيْرَ الْهُدٰى مَا اتُّبِعَ، وَشَرَّ الْعَمْيِ عَمْيُ الْقَلْبِ......»

''اما بعد: اے لوگو! سب سے سچی بات اللہ کی کتاب ہے۔ اور سب سے مضبوط کڑا تقویٰ کا کلمہ ہے۔ بہترین ملت، ملتِ ابراہیم ہے۔ اور بہترین طریقہ محمد (ﷺ) کا طریقہ ہے۔ سب سے بلند مرتبہ کلام اللہ کا ذکر ہے۔ بہترین حکایت یہ قرآن ہے۔ بہترین معاملہ پختہ عزم والا ہے۔ بدترین کام نیا ایجاد کردہ ہے۔ بہترین ہدایت انبیاء کی ہدایت ہے۔ سب سے بلند مرتبہ موت شہداء کی موت ہے۔ سب سے بڑا اندھا پن ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین کام وہ جو نفع دے۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس پر عمل کیا جائے اور بدترین اندھا پن دل کا اندھا پن ہے......۔''[1]

[1] مسند أحمد: 37/3، والأموال لأبي عبيد، ص: 256,255، والبداية والنهاية: 16,15/5. احمد اور ابو عبید کی سند میں ابو الخطاب مصری مجہول راوی ہے۔ ابن کثیر کی سند میں عبدالعزیز بن عمران ◄◄

رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے حکمران اکیدر کی طرف بھیجا۔ وہ اسے گرفتار کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے۔ آپ ﷺ نے اس کی جان بخشی فرمائی اور اس سے ادائے جزیہ کی شرط پر مصالحت کر لی۔ [1] جب اسلامی لشکر نے اسے گرفتار کیا تو وہ اپنے قلعے سے باہر نیل گائے کا شکار کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے خالد کو بھیجتے ہوئے اس کی یہی کیفیت بیان فرمائی تھی۔ [2] مسلمانوں نے اکیدر کی پہنی ہوئی قبا دیکھی تو اس کی خوبصورتی پر انتہائی تعجب ظاہر کیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس کی قبا بھی رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دی۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تم اس کی خوبصورتی پر تعجب کرتے ہو؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت میں سعد بن معاذ (رضی اللہ عنہ) کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہیں۔'' [3]

◄◄ متروک راوی ہے (وہ راوی جو حدیث نبوی کے سوا عام گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو۔) [1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو انھوں نے عاصم سے کی۔ عاصم نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ یہ بات ابن حجر رحمہ اللہ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھی ہے، دیکھیے: (الإصابة: 413/1) یہ حدیث شواہد کی بنا پر قوی ہے۔ ابن اسحاق ہی کی وہ حدیث اس کی تائید کرتی ہے جسے ہم نے اس کے فوراً بعد درج کیا ہے۔ یہ روایت بھی اسی سند سے ہے۔ یہاں ابن اسحاق نے سماع کی تصریح کی ہے۔ یوں یہ حدیث حسن درجے کی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 232/4) [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو انھوں نے ایک بار تو معلق اور طویل بیان کی ہے جبکہ دوسری بار یہی روایت متصل اور مختصر بیان کی ہے۔ اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 232/4) [3] ابن اسحاق نے اکیدر کو گرفتار کرنے کا واقعہ معلق بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق ہی نے اکیدر کی قبا لانے، مسلمانوں کے اس پر تعجب کرنے اور آپ ﷺ کے اس پر تبصرہ کرنے کا واقعہ بیان کیا ہے۔ انھوں نے اسے بسند حسن روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 232,231/4) ابن لہیعہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ان کی روایت مرسل ہے۔ انھوں نے یہ روایت ابو الاسود سے اور ابوالاسود نے عروہ سے کی۔ اس روایت میں سعد رضی اللہ عنہ کے رومالوں والی حدیث نہیں ہے۔ اس روایت کے الفاظ بھی قدرے مختلف ہیں، دیکھیے: (جامع الترمذي، اللباس، باب مس الحرير من غير لُبس، حديث: 1723) ترمذی نے یہ ◄◄

صحیح روایت میں ہے کہ اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک ریشمی پوشاک بطور تحفہ پیش کی۔ لوگوں نے اس کی نرمی اور خوبصورتی پر بہت تعجب کیا۔ آپ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے!......۔''

باقی حدیث ابن اسحاق کی روایت جیسی ہے، لہٰذا قابلِ ترجیح یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ پوشاک بطور تحفہ دی گئی تھی جیسا کہ صحیح روایت میں ہے اور اسے چھینا نہیں گیا تھا جیسا کہ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو ابو یعلیٰ نے قوی سند کے ساتھ بیان کی ہے کہ جب اکیدر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے ایک ریشمی قبا پیش کی جس میں سونے کی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ نبیِ کریم ﷺ نے یہ قبا واپس کر دی، پھر جب آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ اسے تحفے کی واپسی سے صدمہ ہوا ہے تو آپ ﷺ نے قبا واپس منگا لی اور فرمایا: ''یہ عمر کو دے دو۔''[1]

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ﷺ نے یہ قبا عمر کو پہننے کے لیے نہیں دی تھی۔ تبھی عمر رضی اللہ عنہ نے یہ قبا مکہ میں مقیم اپنے ایک مشرک بھائی کو بھیج دی تھی۔[2]

علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے: ''نبیِ کریم ﷺ نے مجھے ایک ریشمی پوشاک بطور

◄◄ روایت اپنی سند سے بیان کی ہے۔ انھوں نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' اسی کے مانند ایک روایت نسائی نے اپنی سنن میں نقل کی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: ''نبی ﷺ کی جانب ریشم کا ایک جبہ بھیجا گیا جس پر سونے کی کشیدہ کاری کی گئی تھی۔ آپ نے اسے پہنا......'' دیکھیے: (سنن النسائي، الزينة، باب لبس الديباج المنسوج بالذهب، حديث: 5304) نسائی نے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ اکیدر کا جبہ تھا۔ یہ روایت سونا چاندی پہننے کی حرمت پر مبنی صحیح احادیث کی مخالفت کرتی ہے۔ منادیل سعد کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث کو شیخین نے بھی روایت کیا ہے۔ [1] فتح الباري: 43/11، والمغازي للذهبي، ص: 646. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهدية للمشركين، حديث: 2619. عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اس بھائی کا نام عثمان بن حکیم ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 45/11)

تحفہ بھیجی۔ میں نے اسے پہن لیا اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تو میں نے آپ ﷺ کے چہرۂ انور پر ناراضی کے آثار دیکھے۔ میں نے اسے اتار کر اپنے گھر کی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔"[1]

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو صرف ایک ہی پوشاک تحفے میں نہیں ملی۔[2] رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ریشم نہیں پہنتے تھے کیونکہ ریشم مَردوں کے لیے حرام ہے اور یہ بات صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو چار سو بیس شہسوار دے کر اکیدر کی طرف بھیجا۔ اس دستے نے آٹھ سو قیدی، ہزار اونٹ، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے بطور مال غنیمت حاصل کیے۔[3]

صحیح بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ابھی تبوک ہی میں تھے کہ ایلہ کے بادشاہ نے آپ کی خدمت میں تحفے کے طور پر ایک سفید خچر بھیجی۔ آپ نے جواب میں اسے ایک چادر بھیجی اور جزیہ ادا کرنے کی شرط پر اس سے مصالحت کر لی۔[4] جَرباء اور اَذرُح کے لوگ بھی آپ ﷺ کی خدمت میں آئے اور جزیہ حوالے کیا۔ آپ ﷺ نے انھیں ایک تحریر لکھ دی جو ان کے پاس موجود رہی۔[5]

قیامِ تبوک کے دوران ایک دن رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز سے کسی ضرورت کی وجہ سے پیچھے رہ گئے۔ جب آپ تشریف لائے تو صحابۂ کرام نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی

---

[1] صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب هدية ما يكره لبسها، حديث: 2614. [2] صحيح البخاري، الهبة وفضلها......، باب هدية ما يكره لبسها، حديث: 2612. [3] یہ ابن لہیعہ کی روایت ہے۔ انھوں نے یہ روایت ابو الاسود سے اور ابو الاسود نے عروہ سے نقل کی۔ یہ روایت مرسل ہے۔ اس کی سند میں ابن لہیعہ صدوق راوی ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 20/5) [4] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب إذا وادع الإمام......، حديث: 3161. شاہِ ایلہ کا نام اہل سیر نے یوحنا بن رؤبہ بیان کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 231,230/4، والمغازي للواقدي: 1031/3) [5] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 230/3)

امامت میں نماز شروع کر دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ابن عوف کے پیچھے نماز پڑھی اور بقیہ نماز پوری فرمائی۔ [1]

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں قیام کے دوران دحیہ بن خلیفہ کلبی کو ہرقل کی جانب بھیجا اور ہرقل نے بھی تنوخی، یعنی عرب قبیلہ تنوخ کے ایک آدمی کو رسول اکرم ﷺ کی نبوت کی بعض علامات کی تحقیق کے لیے بھیجا۔ [2] اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو یہاں دحیہ کو دوبارہ بھیجنا مراد ہوگا۔

قیام تبوک کے دوران ہی ذوالبجادین رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کا نام عبداللہ بن عبدنُہم بن عفیف مزنی تھا۔ (80) رسول اللہ ﷺ خود ان کی قبر میں اترے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما

(80) ذُوالْبِجَادَیْن: بجادین کا مفرد بجاد ہے، یعنی سیاہ بالوں سے بنا ہوا موٹا ٹاٹ۔ ابن ہشام نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بتائی ہے کہ انھیں اسلام کا بہت شوق تھا۔ ان کی قوم کے افراد انھیں اس بات سے روکتے اور تنگ کرتے تھے حتی کہ انھوں نے ان سے سب کچھ اتروا لیا۔ صرف ایک ٹاٹ جسم پر رہ گیا۔ وہ اسی حالت میں نکل بھاگے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ ﷺ کے پاس پہنچنے سے پہلے انھوں نے اس ٹاٹ کے دو حصے کیے۔ ایک کو ازار بنا لیا اور دوسرا اوپر لپیٹ لیا۔ وہ اسی حلیے میں بارگاہ رسالت میں پہنچے۔ اس بنا پر انھیں ذو البجادین ''دو ٹاٹ اوڑھنے والا'' کہا جانے لگا، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 234/4)

[1] صحیح مسلم، الطہارۃ، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ، حدیث: 274. مسلم کی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ یہ تبوک کا واقعہ ہے جبکہ دیگر نے لکھا ہے کہ یہ واقعہ تبوک ہی کا ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الطہارۃ، باب المسح علی الخفین، حدیث: 149، والموطأ للإمام مالك: 11/1، حدیث: 75، ومسند أحمد: 293/3 و 244/4-247 و 249-251، و الطبقات الکبریٰ: 129,128/3) ابن سعد کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ واقعے کی جگہ اور وقت کے تعین کے متعلق ابن سعد نے اپنے استاذ واقدی سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ یہ واقعہ تبوک میں پیش آیا۔ [2] مسند أحمد: 203/1 و 442/3 و 74/4 و 292/5. اس حدیث کے متعلق ابن کثیر نے لکھا: ''یہ حدیث غریب ہے۔ اس کی سند ٹھیک ہے۔ اسے امام احمد ہی نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (البدایۃ والنہایۃ: 19/5) »

نے ان کی میت آپ کو پکڑائی۔ جب آپ نے انھیں قبر میں اتار دیا تو فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَمْسَيْتُ رَاضِيًا عَنْهُ، فَارْضَ عَنْهُ»

''اے اللہ! میں (اس کی وفات تک) اس سے راضی تھا تو بھی اس سے راضی ہو جا۔''

راویِ حدیث عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''کاش! یہ میری قبر ہوتی۔''[1]

مدینہ منورہ کو واپسی

رسول اللہ ﷺ کو دشمن کی طرف سے کسی جنگ کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ آپ بیس دن تک تبوک میں ٹھہرے اور فتح یاب ہو کر واپس تشریف لے آئے۔[2] راستے میں مسلمانوں کا گزر ثمود کے علاقے حِجر سے ہوا جن کی نافرمانی اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ذبح کر دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے غضبناک ہو کر اس علاقے پر عذاب نازل فرمایا تھا۔[3] جب لوگ ان کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے بھاگے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں منع کیا[4] اور ارشاد فرمایا: ''ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہونا جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا۔ ایسا نہ ہو کہ تمھیں بھی وہ عذاب آلے جو ان پر نازل ہوا تھا۔ ہاں یہ کہ داخل

‹‹ سندھی کا کہنا ہے: ''اس کی سند جید ہے۔ اس میں سعد بن ابی راشد ہے۔ وہ مقبول درجے کا راوی ہے۔ عبداللہ بن خثیم صدوق ہے۔ یحییٰ بن سلیم بھی صدوق ہے اور اسحاق بن عیسیٰ بھی صدوق ہے۔''

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 234,233/4 . سند مرسل ہے۔ ابراہیم علی نے اس روایت کی سند کو جید قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح السيرة، ص: 476) مزید تفصیل کے ساتھ یہی واقعہ واقدی نے بیان کیا ہے، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 1013/3) [2] موارد الظمآن، ص: 145. سند صحیح ہے۔ [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾، حديث: 3378، وصحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر إلامن يدخل باكياً، حديث: 2980. [4] مسند أحمد: 231/4. ابن کثیر نے بھی اسے نقل کیا ہے، انھوں نے کہا: ''اس کی سند حسن ہے، اس کے باوجود مؤرخین نے اسے نقل نہیں کیا۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 13/5)

ہوتے وقت تم رو رہے ہو۔" پھر آپ ﷺ نے اپنا سر اور چہرہ ڈھانپ لیا اور سواری تیز کر کے اس وادی سے گزر گئے۔[1]

جب لوگ حجر میں اترے تو انھوں نے اس کے کنوؤں سے پانی لیا اور اس پانی سے آٹا بھی گوندھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کام سے منع کر دیا اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کے سامنے ڈالنے، پانی بہا دینے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ وہ اس کنویں سے پانی لیں جس سے صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیتی تھی۔[2]

پھر جب مسلمانوں نے نبی ﷺ سے شکایت کی کہ اونٹ بے حد تھک گئے ہیں تو آپ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ انھیں چست کر دے، چنانچہ اونٹ چست ہو گئے اور انھیں لے کر تیزی سے چلے حتی کہ مسلمان مدینہ پہنچ گئے۔[3]

راستے میں منافقوں کی ایک نقاب پوش جماعت نے کوشش کی کہ رات کے اندھیرے میں پہاڑ کی گھاٹی پر سے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی سواری سے نیچے نشیب میں گرا دیا جائے۔ آپ ﷺ کو ان عزائم کی اطلاع مل گئی تو آپ ﷺ نے صحابۂ کرام کو حکم دیا کہ منافقین کو آپ سے دور رکھا جائے۔[4]

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو بچے آپ کے استقبال کے لیے ثنیۃ الوداع (الوداعی گھاٹی) آپہنچے۔[5] ان کے ساتھ عورتیں اور لونڈیاں بھی تھیں۔ وہ یہ شعر

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾، حديث: 3378، وصحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر......، حديث: 2981.
[2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾، حديث: 3379,3378، وصحيح مسلم، الزهد، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر......، حديث: 2981. [3] مسند أحمد: 20/6، و موارد الظمآن، ص: 418. [4] مسند أحمد: 391,390/5. اس واقعے کے صحیح ہونے پر صحیح مسلم کی روایت شاہد ہے جس کے راوی حذیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، دیکھیے: (صحيح مسلم، حديث: 2779) یہی واقعہ دو دیگر ضعیف سندوں سے بھی روایت کیا گیا ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 5/256-259)
[5] صحيح البخاري، المغازي، باب كتاب النبي ﷺ إلى كسرىٰ وقيصر، حديث: 4427,4426.

پڑھ رہے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''الوداع کی گھاٹیوں سے ہم پر بدر طلوع ہوا۔ شکر ادا کرنا ہم پر واجب ٹھہرا جب تک کوئی بھی پکارنے والا اللہ تعالیٰ کو پکار رہا ہے۔'' [1]

مدینہ منورہ پہنچتے ہی رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ آپ مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعات پڑھیں، پھر ملاقاتیوں کے لیے مسجد میں ہی بیٹھے۔ جنگ سے پیچھے رہنے والے منافق آ کر مختلف قسم کے عذر پیش کرتے رہے۔ آپ ﷺ نے ان کی باتیں قبول کرتے ہوئے ان سے بیعت لی اور ان کے لیے بخشش کی دعا بھی فرمائی۔ ان کے باطن کی حقیقت کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ [2] انھی کے ساتھ وہ تین مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم بھی حاضر ہوئے جو جنگ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان سے متعلقہ تفصیل گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

غزوۂ تبوک کی مناسبت سے نازل ہونے والی بعض آیات

سورۃ البراءۃ - سورۂ توبہ - کی بہت ساری آیات اس غزوے کے بارے میں نازل ہوئیں۔ بعض تبوک کی طرف جانے سے پہلے اور بعض تبوک کے سفر کے دوران میں اور

[1] بخاری کی انھی دو روایات کی شرح کرتے ہوئے ابن حجر نے لکھا: ''الحلبیات کی ایک روایت کے مطابق جس کی سند منقطع ہے، جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو عورتوں نے یہ اشعار گائے......'' چنانچہ ایک قول کے مطابق اشعار گائے جانے کا یہ واقعہ ہجرت کر کے مدینہ آنے پر پیش آیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ غزوۂ تبوک سے واپسی کا ہے۔ اس کے متعلق مزید تفصیل ہجرت کی احادیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك، حديث: 4418.

بعض تبوک سے واپسی اور مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد۔ ان آیات میں اس غزوے کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔ ان میں منافقین کی ذلت و رسوائی، مخلص مجاہدین کی فضیلت، غزوے میں جانے والے یا غزوے سے پیچھے رہ جانے والے مخلص اور سچے مومنین کی توبہ کی قبولیت وغیرہ شامل ہیں۔

* اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾

’’اور کچھ دیگر لوگ جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا اور ملے جلے کام کیے، کچھ نیک، کچھ برے۔ امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے گا۔ بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔‘‘[1]

طبری کا کہنا ہے: ’’اہلِ تاویل (مفسّرین) نے اس آیت کے معنوں میں اختلاف کیا ہے۔ اس کے سبب نزول میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ ان دس افراد کے بارے میں نازل ہوئی جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں سے ایک ابولبابہ تھے۔ ان میں سے سات نے اپنے گناہ سے توبہ کرتے ہوئے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں سے باندھ دیا۔ بعض دیگر مفسرین کے مطابق وہ آٹھ تھے۔ بعض کا کہنا ہے کہ وہ سات تھے۔ چند دیگر مفسرین نے کہا: یہ آیت صرف ابولبابہ کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے کے بارے میں اتری ہے۔ بعض مفسرین کا کہنا ہے اس آیت سے مراد اعرابی ہیں۔‘‘[2]

طبری نے ان میں سے ہر قول کے متعلق روایات بھی بیان کی ہیں۔ دکتور سندھی کے جائزے کے مطابق ان میں سے کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں۔[3] اسی لیے طبری نے

[1] التوبة 9:102. [2] تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 14/453. [3] الذهب المسبوك، ص: 112-123.

لکھا: ''ان اقوال میں سے زیادہ درست قول یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنھوں نے رسول اللہ ﷺ سے غزوۂ تبوک میں پیچھے رہنے، اہلِ روم سے جنگ کرنے کے لیے روانہ نہ ہونے اور جہاد سے روگردانی کرنے کی غلطی کا اعتراف کیا۔ ایسے متعدد افراد تھے۔ ان میں سے ایک ابولبابہ تھے۔ سیرت نگاروں، مؤرخین اور اہلِ تاویل کے نزدیک یہ غلطی کسی ایک شخص سے نہیں، پوری ایک جماعت سے سرزد ہوئی تھی جن میں ابولبابہ بھی شامل تھے۔''[1]

* اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ ﴾

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور یہی کہیں گے: ہم تو بس ہنسی مذاق کرتے تھے۔ آپ کہہ دیں: کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول سے مذاق کرتے ہو؟''[2]

طبری نے اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں چند روایات بیان کی ہیں۔ ایک صحیح روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے غزوۂ تبوک کے دوران میں ایک مجلس میں کہا: ''میں نے ان جیسے قاری نہیں دیکھے۔ انھیں پیٹ کی رغبت زیادہ ہے، زبانیں جھوٹ کی عادی ہیں اور جنگ میں انتہائی بزدل ہیں۔'' ایک آدمی بول اٹھا: ''تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو منافق ہے۔ میں یہ بات رسول اللہ ﷺ کو بتاؤں گا۔''[3] چنانچہ یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچ گئی اور پھر قرآنی آیات نازل ہوئیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں:

''میں نے اس منافق کو رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے پالان کی رسی کے ساتھ لٹکا دیکھا۔ اس کے پاؤں زمین سے ٹکرا رہے تھے، پتھر اسے زخمی کر رہے تھے اور وہ کہتا جا رہا تھا: اللہ کے رسول! ہم تو ہنسی مذاق کر رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے:

[1] تفسير الطبري (تحقيق أحمد شاكر): 453/14. [2] التوبة 65:9. [3] تفسير الطبري: 333/14.

﴿اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط﴾

''کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کو نشانۂ مذاق بناتے ہو؟ تم عذر پیش نہ کرو۔ تم نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کیا ہے۔''[1]

بعض فقہاء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ کلمۂ کفر جان بوجھ کر کہا جائے یا مذاق سے برابر ہے اور ائمہ کے مابین اس سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اس آدمی کی زبان سے صادر ہونے والے کلمات پر ڈانٹتے ہوئے فرمایا:

﴿لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ○﴾

''تم عذر پیش نہ کرو۔ تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو ایک گروہ کو تو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔''[3]

اس آیت کی صحیح ترین تفسیر کے مطابق جس شخص کو معاف کیا گیا وہ وحشی بن حمیر اشجعی تھا کیونکہ اس نے منافقین کی بعض باتوں کو رد کر دیا تھا۔[4]

غزوۂ تبوک کے دوران رونما ہونے والے معجزات

صحابۂ کرام نے نبی ﷺ کے سامنے اپنی سواری کے جانوروں کی تھکاوٹ کا حال بیان کیا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ یہ جانور ایک تنگ جگہ پر میرے، سامنے سے گزارے

[1] التوبة 9:66,65. [2] زاد المسير لابن الجوزي:3/465,464. [3] التوبة 9:66. [4] یہ ابن اسحاق، ابن منذر اور ابن ابی حاتم کی روایت سے ماخوذ ہے۔ یہ روایت کعب بن مالک سے مروی ہے۔ اس کی سند حسن ہے جیسا کہ الدُّرُّ المنثور میں ہے۔ اس آیت کی بقیہ تفسیروں کے لیے دیکھیے: (الدُّرُّ المنثور للسيوطي: 3/254، وتفسير الطبري 14/337,336، وتفسيرابن كثير: 4/112)

جائیں۔ آپ انھیں پھونک مارتے اور دعا فرماتے: ''اے اللہ! ان جانوروں کو اپنے راستے میں سواری کے قابل بنا دے۔ بلاشبہ تو برّ و بحر میں قوی وضعیف اور خشک وتر پر سوار کرتا ہے۔''

مدینہ منورہ پہنچنے تک ان جانوروں کی یہ حالت تھی کہ سواروں کے لیے انھیں قابو کرنا مشکل ہوگیا۔ وہ بار بار اپنی مہار چھڑاتے تھے۔ راویٔ حدیث فضالہ بن عبید کا کہنا ہے: ''قوی اور ضعیف کے متعلق دعا تو میری سمجھ میں آگئی مگر تر اور خشک کی دعا سمجھ میں نہیں آرہی تھی، پھر جب ہم شام گئے اور ہم نے قبرص کی جنگ میں سمندری سفر کیا اور سمندر میں کشتیاں چلتی دیکھیں تو رسول اللہ ﷺ کی پوری دعا میری سمجھ میں آگئی۔''[1]

واقدی نے غزوۂ تبوک کے واقعات سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے معجزات کے بارے میں چند روایات بیان کی ہیں لیکن وہ سب ضعیف ہیں، مثلاً: اس سانپ کا واقعہ جو غزوۂ تبوک میں مسلمانوں کے راستے میں آگیا تھا۔[2] آپ کی مبارک انگلیوں سے پانی پھوٹنے کا واقعہ[3] اور کھانے میں اضافے کا واقعہ۔[4]

اسی طرح سیوطی نے رسول اللہ ﷺ کے معجزات کے بارے میں چند روایات بیان کی ہیں لیکن وہ بھی سب ضعیف ہیں، مثلاً: رسول اللہ ﷺ کی دعا کی برکت سے بارش کا نزول،[5] الیاس علیہ السلام کی رسول اللہ ﷺ سے اس سفر کے دوران ملاقات۔[6] ان معجزات کا تذکرہ واقدی اور سیوطی نے ضعیف سندوں کے ساتھ کیا جبکہ اس جیسے معجزات صحیح سندوں سے بھی آتے ہیں۔ سوائے الیاس علیہ السلام کے قصے کے۔ یہ قصہ کسی صحیح سند سے ثابت ہے نہ ضعیف سے۔

ہم نے نبیِ کریم ﷺ کے معجزات کا ایک الگ باب قائم کیا ہے۔

[1] مسند أحمد: 20/6. [2] المغازي للواقدي: 1008/3-1015. سند منقطع ہے۔ [3] المغازي للواقدي: 1040/3-1042. [4] المغازي للواقدي: 1017/3، 1018. [5] الخصائص الكبرىٰ: 106/2. [6] الخصائص الكبرىٰ: 109/2. سند موضوع اور متن منکر ہے۔

غزوۂ تبوک سے حاصل ہونے والے احکام و اسباق

- نبیِ کریم ﷺ کا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنا اس حقیقت کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت و تکریم فرماتے تھے، مزید یہ کہ مفضول (کم مرتبے والے) کی امامت جائز ہے اور افضل مفضول کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔
- تبوک سے واپسی کے دوران معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا عمل پوچھا جو جنت میں پہنچا دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی جڑ کلمۂ شہادت ہے، اس کا قوام نماز اور زکاۃ ہے اور اس کی چوٹی جہاد ہے۔“[1]
- اس سفر کے دوران رسول اللہ ﷺ ظہر و عصر اور مغرب و عشاء ملا کر پڑھتے تھے۔[2] یہ اہلِ عذر کے لیے سنت ہے۔
- نبیِ کریم ﷺ سے نمازی کے سترے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ”سترہ پالان کی پچھلی لکڑی کے برابر ہونا چاہیے۔“[3]
- رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے۔[4] اس سے بعض علماء نے اخذ کیا ہے کہ جب تک انسان سفر کی حالت میں رہے اور اقامت کی نیت نہ کرے، قصر کرتا رہے۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔
- رسول اللہ ﷺ نے مردار کے چمڑے کے بارے میں فرمایا: «دِبَاغُهَا طَهُورُهَا» ”یہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔“ دراصل آپ نے تبوک میں ایک گھر سے پانی مانگا اور ایک مشکیزے میں پانی لایا گیا تھا۔ آپ نے پانی پیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا۔[5]

---

[1] مسند أحمد: 246,245/5. سند حسن ہے۔ [2] شرح الزرقاني: 2/55-58. [3] سنن النسائي، القبلة، باب سترة المصلّي، حديث: 747. [4] موارد الظمآن، ص: 145. [5] سنن أبي داود، اللباس، باب في أهب الميتة، حديث: 4125.

- اس سفر میں ایک شخص نے دوسرے کے ہاتھ پر دانت سے کاٹا۔ اس نے زور سے ہاتھ کھینچا تو دانت باہر نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے کاٹنے والے کو دانت نکلنے کا معاوضہ نہیں دلایا۔[1]
- کسی شرعی سبب کی وجہ سے تین دن سے زیادہ قطع تعلق جائز ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے جنگ سے بلا عذر پیچھے رہ جانے والوں سے پچاس دن تک مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا۔
- جو شخص اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہونے والے علاقے سے گزرے، اس کے لیے بلا وجہ وہاں داخل ہونا یا ٹھہرنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ چہرہ ڈھانپ کر تیزی سے وہاں سے نکل جائے، البتہ عبرت حاصل کرنے کے لیے وہاں روتا ہوا داخل ہو تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ثمود کے علاقے حجر سے گزرتے ہوئے خود یہی طرز عمل اختیار فرمایا اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیا۔ اسی طرح منٰی اور مزدلفہ کے درمیان وادیِ محسر سے گزرتے ہوئے بھی آپ نے یہی حکم دیا تھا کیونکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہاتھی اور ہاتھی والوں کو ہلاک کیا تھا۔[2]
- اگر کوئی بات عوام الناس سے پوشیدہ رکھنے سے انھیں نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو امام کے لیے ضروری ہے کہ وہ انھیں بات صاف صاف بتادے تاکہ وہ اس سے بچاؤ کی پوری تیاری کرسکیں، البتہ جہاں ان کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو وہاں کنائے سے کام لیا جاسکتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ عام جنگوں میں اصل منزل مقصود کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ ﷺ نے پوری وضاحت سے اعلان کر دیا تھا تاکہ لوگ حتی المقدور تیاری کرسکیں۔[3]

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة تبوك......، حديث: 4417. [2] زاد المعاد: 560/3.
[3] زاد المعاد: 560/3.

* جب امام سب لوگوں کو جنگ کے لیے جانے کا حکم جاری کرے تو سب کے لیے جانا ضروری ہو گا۔ ایسے موقع پر یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کا نام لے کر اسے خاص طور پر حکم دیا جائے۔ یہ ان تین نوعیتوں میں سے ایک ہے جن میں جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔ دوسری نوعیت یہ ہے کہ دشمن خود کسی شہر پر حملہ کر دے۔ تیسری نوعیت یہ ہے کہ کوئی دشمن کے مقابل مسلمانوں کی صف میں کھڑا ہو۔[1]
* جس طرح جسمانی جہاد ضروری ہے اسی طرح مالی جہاد بھی ضروری ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک روایت یہی آتی ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے لکھا: ''بلاشبہ یہی موقف درست ہے۔''[2]
* عثمان رضی اللہ عنہ کی سخاوت اور دریا دلی کے پیش نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ''آج کے بعد عثمان کچھ بھی کرے اسے کوئی نقصان نہ ہو گا'' سے عثمان رضی اللہ عنہ کی رفیع الشان فضیلت عیاں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کے اور بھی بہت سے فضائل ہیں۔ ان میں سب سے بڑی فضیلت، ان کے لیے جنت کی خوشخبری ہے۔
* جہاد سے عاجز اور معذور وہ ہے جو اپنی طرف سے پوری کوشش کر لے لیکن پھر بھی جہاد پر نہ جا سکے جیسا کہ وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری مانگنے آئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی زائد سواری نہیں تھی۔ اس پر وہ لوگ نہایت دکھی حالت میں روتے ہوئے واپس چلے گئے کہ ہم جہاد کے ثواب و فضیلت سے محروم رہ گئے۔
* اگر امام یا امیر سفر کو جائے تو اپنی جگہ رعایا میں سے کسی کو باقی رہنے والے ضعفاء اور عورتوں، بچوں پر اپنا نائب مقرر کر لے۔ علی رضی اللہ عنہ کو اس غزوے میں نائب بنایا گیا۔ ایسے نائب کو مجاہدین میں سے شمار کیا جائے گا، یعنی اسے غنیمت میں سے حصہ ملے گا۔ علی رضی اللہ عنہ کو خصوصی نائب بنایا گیا تھا ورنہ عمومی معاملات کے لیے محمد بن

[1] زاد المعاد:3/560. [2] زاد المعاد:3/560.

مسلمہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا۔ [1]

* ثمود کے کنوؤں سے پانی پینا، آٹا گوندھنا یا کوئی چیز پکانا جائز نہیں۔ اس پانی سے طہارت حاصل کرنا بھی جائز نہیں، البتہ جانوروں کو وہاں کا پانی پلایا جاسکتا ہے۔ باقی رہا صالح علیہ السلام کی اونٹنی والا کنواں تو اس کے پانی کا ہر استعمال جائز ہے۔ مگر مبینہ کنواں ان دنوں خشک پڑا ہے۔

* نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیس دن تبوک میں ٹھہرے اور مسلسل قصر کرتے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان سے یہ نہیں فرمایا کہ اگر تم اس سے زیادہ ٹھہرو تو قصر نہ کیا کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ سفر کے دوران میں قیام، چاہے وہ مختصر ہو یا طویل، سفر ہی کے حکم میں ہوتا ہے بشرطیکہ وہاں مستقل اقامت کی نیت نہ ہو اور وہ اس کا وطن بھی نہ ہو۔ بعض ائمۂ سلف مثلاً: سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک اور عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہم کا اسی پر عمل تھا۔ ابن القیم رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہی مسلک درست ہے۔ [2]

* جہاد کے چار مراتب میں سے ایک جہاد بالقلب ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو کسی عذر شرعی کی بنا پر جہاد کے لیے نہ جاسکیں۔ انھی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''مدینہ منورہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں (جو تمھارے ساتھ ہوتے ہیں۔'') جہاد کے دوسرے مراتب جہاد باللسان، جہاد بالمال اور جہاد بالبدن ہیں جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے: ''مشرکین سے اپنے مالوں، جانوں اور زبانوں کے ساتھ بھی جہاد کرو۔'' [3]

[1] زاد المعاد: 560/3. [2] زاد المعاد: 561/3-563. [3] سنن أبي داود، الجهاد، باب كراهية ترك الغزو، حديث: 2504، وسنن النسائي، الجهاد، باب وجوب الجهاد، حديث: 3098، ومسند أحمد: 124/3و153، وسنن الدارمي: 213/2، والمستدرك للحاكم: 81/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ ابن حبان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں: ''مشرکین سے اپنے ہاتھوں اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔'' دیکھیے: (موارد الظمآن، حدیث: 1618)

* جہاں اللہ تعالیٰ کی کھلی نافرمانی کی جاتی ہو ان جگہوں کو منہدم بھی کیا جاسکتا ہے اور جلایا بھی جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد ضرار کے سلسلے میں یہی طرز عمل اختیار فرمایا۔
* کسی انسان سے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں کمی کوتاہی ہو گئی ہو تو لوگوں کے سامنے اس کا اظہار کیا جاسکتا ہے جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے جس میں انھوں نے غزوۂ تبوک سے اپنے پیچھے رہنے کی تفصیل بتائی ہے۔
* اگر انسان میں کوئی نیکی پائی جاتی ہو تو اس کا اظہار کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ فخر و تکبر مقصود نہ ہو جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ نے اپنی نیکی بھی بیان فرمائی ہے۔
* بیعت عقبہ بھی صحابۂ کرام کے لیے اعلیٰ فضیلت کا مقام تھا۔ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تو اسے غزوۂ بدر میں حاضری کے برابر خیال کرتے تھے۔
* امام، امیر یا سردار کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس شخص کو نظر انداز کر دے جو کسی مشترکہ معاملے میں شریک نہ ہو بلکہ ضروری ہے کہ اس سے باز پرس کرے تاکہ اسے توبہ اور اطاعت کا موقع ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں کعب رضی اللہ عنہ کو موجود نہ پاکر ان کے بارے میں لوگوں سے دریافت فرمایا۔
* رسول اللہ ﷺ اس شخص کے ظاہر کو قبول فرما لیا کرتے تھے جو اپنا دین اسلام ظاہر کرتا تھا، چاہے درحقیقت وہ منافق ہی ہو، البتہ اس کا باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ظاہر کے مطابق ہی احکام جاری فرماتے تھے باطنی امور پر سزا نہیں دیتے تھے اگرچہ آپ ﷺ کو اس کے خبث باطن کا علم بھی ہوتا تھا، مثلاً جو لوگ آپ کے پاس جھوٹے عذر پیش کرنے آئے تھے آپ ﷺ نے ان کے عذر قبول فرما لیے تھے۔
* کعب رضی اللہ عنہ کا خوشخبری دینے والے کی آواز سن کر سجدے میں گر پڑنا اس امر کی دلیل ہے کہ صحابۂ کرام میں یہ طریقہ رائج تھا۔ اسے سجدۂ شکر کہا جاتا ہے۔ جو کسی نعمت کے

حصول یا کسی مصیبت کے ازالے پر کیا جاتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسیلمہ کذاب کے قتل ہونے کی خبر ملی تو وہ بھی فوراً سجدے میں گر پڑے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے جب خوارج کے مقتولوں میں (نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق) پستان جیسے ہاتھ والے ہتھ کٹے کو دیکھا تو وہ بھی فوراً سجدے میں گر گئے تھے۔ صحابۂ کرام نے یہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں اختیار کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے مسرت انگیز مواقع پر سجدۂ شکر ادا کیا تھا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی خوش آئند امر کا پتہ چلتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے میں گر پڑتے۔'' مثلاً جب آپ کو پتہ چلا کہ ہمدان قبیلہ علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگیا ہے تو آپ نے فوراً سجدہ کیا تھا۔

* توبہ کے وقت اپنی وسعت اور گنجائش کے مطابق مالی صدقہ بھی کرنا چاہیے جیسا کہ کعب رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت سے واضح ہوتا ہے کہ انھوں نے کل مال صدقہ کرنے کی پیشکش کی تھی مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی مال کی اجازت دی، چنانچہ انھوں نے اپنا خیبر والا حصہ رکھ لیا۔[1]
* اہلِ کتاب سے جزیہ لینا جائز ہے۔ یوں وہ اپنے خون اور مال محفوظ کر لیں گے جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو رومی چھپ گئے اور آپ کے مقابلے میں آنے سے کترائے۔ عرب کے عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور انھوں نے جزیے کی شرط پر آپ سے مصالحت کر لی۔
* شاہِ غسان کے خط کے جواب میں کعب رضی اللہ عنہ نے جس عظیم کردار کا ثبوت پیش کیا، اس سے اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بارے میں ایک مسلمان کے خوبصورت مؤقف کی وضاحت ہوتی ہے جبکہ آزمائش کے بادل چھٹنے کے بعد ایک ایمان دار انسان کا ایمان و اخلاص

[1] سنن أبي داود، الأيمان والنذور، باب من نذر أن يتصدق بماله، حديث :3321. مزید فوائد اور تفصیل کے لیے دیکھیے: (زاد المعاد:3/558-592، وفتح الباري:16/251-254)

مزید پوری قوت سے نکھر کر سامنے آنا چاہیے۔

* اس غزوے نے جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں اسلام کا اقتدار مستحکم کر دیا اور شام کی فتوحات کا دروازہ کھول دیا۔ جس کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے تھوڑا عرصہ پہلے اسامہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر تیار کیا تھا۔ یہ لشکر بعد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نے روانہ کیا، پھر انھوں نے اور بھی کئی لشکر بھیجے جو شام اور عراق میں دور دور تک پھیل گئے۔ یہ لشکر ان علاقوں کی قوموں کو قیصر و کسریٰ کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے نقطۂ آغاز ثابت ہوئے۔

باب

5

عام الوفود

- وفود کی آمد
- وفود کی روایات سے حاصل ہونے والے فوائد واحکام

***

﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

”یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے۔ کہہ دے: مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان لانے کی توفیق عطا کی اگر تم سچے ہو۔“

[الحجرٰت 49: 17]

«إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوهُ»

”جب تمھارے پاس کسی قوم کا معزز سردار آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔“

[دلائل النبوة للبيهقي: 347/5]

وفود کی آمد

مکہ مکرمہ فتح ہو چکا، تبوک کی مہم بہت کامیابی سے انجام پائی، بنو ثقیف بھی مسلمان ہو کر اسلامی حکومت کے زیر سایہ آگئے تو ہر طرف سے عرب کے وفود امڈ امڈ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔[1] 9 ھ کو وفود کا سال کہا جانے لگا۔[2] یہ بات گزر چکی ہے کہ فتح مکہ کا نمایاں ترین نتیجہ یہ نکلا کہ عربی قبائل اور افراد اسلام لانے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے لگے کیونکہ وہ صرف مسلمانوں اور قریش کی کشمکش اور جنگ کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے۔

امام بخاری، ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد اور بیہقی رحمہم اللہ نے چند وفود کا تذکرہ کیا ہے جو 9 ہجری سے پہلے بلکہ فتحِ مکہ سے بھی پہلے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[3] آپ زیر نظر میری کتاب اور تاریخ کی دیگر کتب سے وفود کی تفصیل پڑھیں تو یہ امر واضح طور پر سامنے آجائے گا۔ وہ ائمۂ کرام جنھوں نے وفود کی تفصیلات بیان کرنے کا اہتمام کیا، انھوں نے ان کی تفصیلات کا پوری طرح احاطہ نہیں کیا، اسی لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ سے جن وفود کا تذکرہ رہ گیا تھا ان کی تفصیل بھی بیان کر دی ہے۔[4] اس سلسلے میں انھوں

---

[1] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام:273/4) [2] السيرة النَّبوية لابن هشام:273/4. سند منقطع ہے۔ [3] البداية والنهاية:47,46/5. [4] البداية والنهاية:47/5.

نے ایسی بنیادی کتب سے بھی فائدہ اٹھایا ہے جن میں سے زیادہ تر ناپید ہو چکی ہیں۔ ان بنیادی کتب کی روایات بعد کے محدثین و مؤرخین کی کتابوں میں بکھری ہوئی ملتی ہیں۔ ہم اس کے بارے میں مصادرِ سیرت کے لیے خاص کیے گئے مباحث میں گفتگو کر چکے ہیں۔ ائمہ کے بیان کردہ وفود کی مجموعی تعداد ساٹھ سے زائد ہے۔ شامی نے اپنی ''سیرت'' میں ان کا نام بنام اندراج کیا ہے اور وہ نام سو سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔ ممکن ہے ائمہ نے صرف مشہور وفود ہی کے ذکر پر اکتفا کیا ہو یا پھر وہ وفود جو ان کی کتابوں کی ترتیب کی رعایتوں پر پورا اترے ہوں۔[1]

ان وفود کے متعلق روایات نقل کرنے میں ابن سعد کا بڑا کردار ہے۔ ان پر اور ان کے استاد امام واقدی اور ابن اسحاق پر یہ عیب لگایا جاتا ہے کہ وہ سند کا ذکر چھوڑ دیتے ہیں اور شاذ و نادر ہی اس کا حوالہ دیتے ہیں، پھر یہ شاذ و نادر سندیں بھی بالعموم ضعف و انقطاع سے خالی نہیں ہوتیں۔

میں اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے زیادہ تر وفود کے نام درج کرتا ہوں لیکن طوالت کے ڈر سے تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ ابو تراب ظاہری نے اس موضوع پر ایک الگ اور مفید کتاب لکھی ہے۔[2]

وفود کی تفصیل یہ ہے:

وفد مزینہ

یہ لوگ رجب 5 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔[3] ان کی تعداد

---

[1] وفود الإسلام لأبي تراب الظاهري، ص: 8. [2] وفود الإسلام لأبي تراب الظاهري، یہ کتاب 250 صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف نے اس میں 60 سے زائد وفود کا تذکرہ کیا ہے۔
[3] الطبقات الکبرٰی: 291/1. یہ واقدی کی روایت ہے۔ اس کی سند میں کثیر بن عبداللہ مزنی ہے۔

چارسوتھی۔ان کی آمد کی تفصیل مسند احمد میں ہے۔[1] اس میں کھجوروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے ایک معجزے کا بھی ذکر ہے۔

وفد بنو تمیم

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس وفد کی آمد کا ذکر کیا ہے۔سورۂ حجرات میں اجازت طلب کرنے اور بات چیت کرنے کے سلسلے میں ان کے خلاف ادب رویے کا ذکر آیا ہے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچائی کہ آپ ﷺ کو آپ کے حجروں کے باہر کھڑے ہو کر پکارتے اور آوازیں دیتے رہے کہ باہر آئیں تاکہ وہ آپ ﷺ کے سامنے اپنے فخریہ کارنامے بیان کریں۔ انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں آنے کی اجازت طلب نہ کی۔[2] یہ وفد رسول اللہ ﷺ کے ہاں 9 ھ کے آغاز میں آیا۔[3]

وفد عبدالقیس

ان کا واقعہ صحیحین اور دیگر کتب میں موجود ہے۔ان کے ایک آدمی اَشجّ عبدالقیس، جس کا نام منذر بن عائذ ہے، کے تحمل اور بردباری کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی تھی۔[4]

وفد بنو حنیفہ

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ مسیلمہ کذاب اپنی قوم

[1] مسند أحمد: 445/5. اس روایت کے راوی ثقہ ہیں اور اس کی سند حسن درجے کی ہے۔ ودلائل النبوة للبيهقي:5/365-367. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني تميم، حديث: 4365-4367. [3] تاريخ الخميس للديار بكري:2/119,116. بنوعنبر کی طرف روانہ کی گئی عیینہ بن حصن فزاری کی مہم کے واقعات میں ان کی روایت کا ذکر کیا گیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد عبدالقيس، حديث:4369,4368، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان بالله تعالى.....، حديث: 17.

بنو حنیفہ کے کثیر افراد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں آیا۔ وہ کہتا رہا: ''اگر محمد (ﷺ) اپنے بعد حکومت مجھے سونپ دیں تو میں ان کا اتباع کروں گا۔'' رسول اللہ ﷺ اس کی طرف آئے۔ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ کے دست مبارک میں کھجور کی ایک شاخ کا ٹکڑا تھا۔ آپ ﷺ مسیلمہ کے پاس ذرا دیر ٹھہرے جبکہ وہ اپنے ساتھیوں میں تھا، اور فرمایا: ''اگر تم مجھ سے یہ شاخ کا ٹکڑا بھی مانگو تو میں تمھیں نہیں دوں گا۔ اور تم اللہ کے فیصلے سے جو اس نے تمھارے متعلق کر رکھا ہے، کبھی تجاوز نہیں کر سکتے۔ اور اگر تم پیٹھ پھیر گئے تو اللہ تمھیں کاٹ کر رکھ دے گا۔ اور بلاشبہ میں تمھیں وہی سمجھتا ہوں جو مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے۔ یہ قیس بن ثابت میری طرف سے تمھیں جواب دیں گے۔''[1] یہ کہہ کر آپ واپس چلے آئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے آپ کی اس بات کہ ''بلاشبہ میں تمھیں وہی سمجھتا ہوں جو مجھے خواب میں دکھایا گیا ہے'' کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا: ''اس دوران کہ جب میں سویا ہوا تھا، تو میں نے اپنے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیکھے۔ مجھے بہت فکر لاحق ہوئی کہ میرے ہاتھوں میں سونے کے کنگن ہیں؟ مجھے نیند ہی میں وحی کی گئی کہ ان پر پھونک مارو۔ میں نے ان پر پھونک ماری تو وہ اڑ گئے۔ میں نے ان کی تعبیر یہ کی کہ میرے بعد دو کذاب نکلیں گے۔ ان میں سے ایک عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ۔''[2]

اسود عنسی کا نام عَبْہَلہ یا عَیْہَلہ بن کعب ہے۔ عنسی بنو مذحج کے ایک چھوٹے قبیلے عنس کی طرف نسبت ہے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں یمن میں نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ یمن کے پختہ ایمان والے مسلمانوں نے اس سے جنگ کی اور اسے اور اس کی بیوی کو قتل کر دیا اور خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لشکر پہنچنے سے پہلے ہی یہ فتنہ ملیا میٹ کر دیا۔ ہم نے

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة، وحديث ثمامة بن أثال، حديث: 4373,4372.

[2] صحيح البخاري، المغازي، باب وفد بني حنيفة، حديث: 4374.

اپنی کتاب الثابتون علی الإسلام میں اس فتنے کے بارے میں تفصیلی بحث کی ہے۔

وفد نجران

صحیح بخاری میں ہے کہ نجران کے دو سردار عاقب اور سید، رسول اللہ ﷺ کے ہاں آئے۔ وہ آپ سے مباہلہ کرنا چاہتے تھے۔ ایک نے دوسرے سے کہا: ''ایسا نہ کرو۔ اللہ کی قسم! اگر یہ نبی ہوئے اور ہم نے ان سے مباہلہ کیا تو ہم کیا، ہماری نسلیں بھی فلاح نہیں پائیں گی۔'' انھوں نے کہا: ''آپ ہم سے جو مطالبہ کریں ہم تسلیم کریں گے۔ ہمارے ساتھ کوئی امانت دار (امین) آدمی بھیجئے اور امین کے علاوہ کسی کو نہ بھیجئے۔'' آپ نے فرمایا: ''میں ضرور تمھارے ساتھ ایسا امین آدمی بھیجوں گا جو واقعی امین ہے۔'' تمام اصحاب رسول آپ کی طرف گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے۔ آپ نے فرمایا: ''ابو عبیدہ بن جراح! اٹھیے۔'' جب وہ اٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ اس امت کا امین ہے۔''[1]

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ گئے تاکہ ان کے اختلافی مسائل کے صحیح فیصلے کریں۔[2]

وفد اشعریین

صحیح بخاری میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انھیں یمن میں پتہ چلا کہ نبیِ کریم ﷺ (مدینہ کو) روانہ ہو چکے ہیں تو وہ ہجرت کر کے مدینہ چل پڑے۔ ان کے ساتھ ان کے دو بڑے بھائی بھی تھے۔ ایک ابو بردہ اور دوسرا ابو رہم۔ کل باون یا ترپین آدمی تھے۔ یہ سب لوگ ایک بڑی کشتی میں سوار ہوئے۔ کشتی حبشہ کے ساحل پر جا لگی۔ یہ لوگ نجاشی کے پاس چلے گئے۔ وہاں جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب قصة أهل نجران، حديث: 4381,4380، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي عبيدة بن الجراح رضي الله عنه، حديث: 2420. [2] ابن اسحاق نے اسے محمد بن جعفر کی روایت سے نقل کیا ہے۔ یہ سند منقطع ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 266/2)

سے مل گئے۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ تم بھی ہمارے ساتھ رہو۔ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے یہاں بھیجا ہے اور یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا ہے۔'' چنانچہ وہ ان کے ساتھ رہنے لگے حتی کہ سب اکٹھے وہاں سے آئے اور نبی کریم ﷺ سے ملے جبکہ آپ نے خیبر فتح کیا تھا۔ آپ نے انھیں بھی مال غنیمت سے حصہ دیا۔[1]

اہلِ یمن سے بنو حِمْیَر کا وفد

اس وفد کا ذکر بھی صحیح بخاری میں آیا ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب بنوتمیم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اے بنوتمیم! خوشخبری قبول کرو۔'' وہ کہنے لگے: ''آپ ہمیں خوشخبریاں دیتے رہتے ہیں کچھ مال بھی دیا کریں۔'' رسول اللہ ﷺ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اتنے میں اہلِ یمن کے کچھ لوگ آ گئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بنوتمیم نے تو خوشخبری قبول نہیں کی تم قبول کرو۔'' انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم نے قبول کی۔''[2] یہ عام الوفود 9 ھ کا واقعہ ہے۔[3]

وفد طے

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے۔ ان میں ایک ''زید الخیل'' (گھوڑوں والا زید) بھی تھے۔ آپ نے ان کا نام ''زید الخیر'' (نیکی والا زید) رکھا۔ یہ ان کے سردار تھے۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے زید

[1] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب: ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......، حديث:3136. حافظ ابن حجر نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے کہ اشعریوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کے ہاں ہجرت سے قبل مکہ آیا۔ وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر بن أبي طالب وأسماء بنت عميس......، حديث:2502. ہم ان کی روایت غزوۂ خیبر کے واقعات میں بیان کر آئے ہیں۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب قدوم الأشعريين وأهل اليمن، حديث:4386.
[3] فتح الباري لابن حجر:222/16.

کو کچھ زمین بطور جاگیر عطا فرمائی اور اس کی تحریر بھی لکھوادی۔ وہ واپسی کے دوران راستے میں بخار میں مبتلا ہوئے اور اللہ کو پیارے ہوگئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی نے ان کی تمام کتابیں اور تحریریں جلا دیں کیونکہ وہ ان پڑھ تھی۔ [1]

وفد بنی عامر

صحیح بخاری میں ہے کہ عامر بن طفیل نبی کریم ﷺ کے ہاں آیا۔ اس نے کہا: میں آپ کو تین باتوں کے درمیان اختیار دیتا ہوں: ''آپ کی حکومت صحرائی علاقوں پر ہو اور میری شہری علاقوں پر یا آپ کے بعد میں آپ کا نائب بنایا جاؤں یا میں بنو غطفان کا ایک ہزار سرخ گھوڑوں اور ایک ہزار سرخ گھوڑیوں کا لشکر لے کر آپ پر حملہ کروں۔'' بعدازاں اسے ایک عورت کے گھر میں طاعون نے آلیا۔ اس نے کہا: ''اونٹ کی گلٹی کے مانند ایک گلٹی۔ وہ بھی بنو فلاں کی ایک عورت کے گھر میں۔ میرا گھوڑا لاؤ۔'' پھر وہ سوار ہوا اور گھوڑے ہی پر بیٹھا بیٹھا مر گیا۔ [2]

طبرانی کبیر میں روایت ہے کہ عامر بن طفیل اور اِربد نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش تیار کی تھی۔ ان کا منصوبہ یہ تھا کہ ابن طفیل رسول اللہ ﷺ کو باتوں میں لگائے رکھے اور اربد اچانک وار کر کے قتل کر دے۔ زیادہ سے زیادہ دیت پڑے گی کیونکہ لوگ لڑائی پسند نہیں کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان دونوں کے شر سے محفوظ رکھا۔ اربد کو کچھ کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے عامر کو طاعون کی گلٹی سے اور اربد کو بجلی کی

[1] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 297,296/4، والطبقات الكبرىٰ: 321/1) [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الرجيع......، حديث: 4091. حافظ ابن حجر کا کہنا ہے: ''امام طبرانی نے سہل بن سعد کی روایت سے اس عورت کی نسبت بتاتے ہوئے لکھا: ''آل سلول کی ایک عورت۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 387/7)

کڑک سے ہلاک کر دیا۔[1] اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ ...... ﴾

''اللہ جانتا ہے جو کچھ ہر مادہ نے (اپنے پیٹ میں) اٹھا رکھا ہے اور جو کچھ رحم کمی کرتے ہیں اور جو کچھ اضافہ کرتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار (مقرر) ہے۔ وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا، بہت بڑا، نہایت بلند ہے۔ (اللہ کے نزدیک) مساوی ہے کہ تم میں سے جو کوئی آہستہ بات کہے یا بلند آواز سے کہے اور جو رات کی تاریکی میں چھپا ہوا ہو یا دن (کی روشنی) میں چل رہا ہو۔ اس کے لیے اس (محمد) کے آگے اور پیچھے باری باری آنے والے پہریدار (فرشتے) مقرر ہیں جو اللہ کے حکم سے آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔''[2]

﴿ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ ﴾

''اور وہ (اللہ) کڑکنے والی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے۔''[3]

وفد جُذام

صلح حدیبیہ کے زمانے میں غزوۂ خیبر سے پہلے رفاعہ بن زید جذامی اپنی قوم کے دس افراد کے ہمراہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے اور بہت اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ایک غلام تحفے میں دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے انھیں ایک تحریر لکھوا دی اور انھیں ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ انھوں نے اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دی تو وہ سب مسلمان ہو گئے۔[4]

[1] المعجم الکبیر: 313,312/10، حدیث: 10760، و البدایۃ والنہایۃ: 69,68/5، وتفسیر ابن کثیر: 367,366/4. اس روایت کی سند میں عبدالعزیز بن عمران متروک راوی ہے۔ واقعہ تفصیلی ہے۔ ہم نے اختصار سے کام لیا ہے۔ [2] الرعد 13:8-11. [3] الرعد 13:13. [4] یہ ابن اسحاق کی معلق ◄◄

بنوسعد بن بکر کا وفد

بنوسعد بن بکر نے ضِمام بن ثعلبہ کو اپنا نمائندہ بنا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ آپ کے ہاں آئے۔ اپنا اونٹ مسجد کے دروازے کے قریب بٹھایا، اس کا گھٹنا باندھا، پھر رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنے چند صحابۂ کرام کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ ضِمام نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد سے ارکان اسلام کے بارے میں سن رکھا تھا۔ وہ ہر ہر فریضے کا خود ہی ذکر کرتے اور اللہ کا واسطہ دے کر آپ سے اس کی تصدیق کراتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ انھیں جواب دیتے جاتے۔ جب وہ تحقیق وتصدیق سے فارغ ہوئے تو کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گئے، پھر اپنا اونٹ سنبھالا اور اپنی قوم کی طرف چل دیے۔ جا کر انھیں رسول اللہ ﷺ کی باتیں بتائیں۔ ان کو اسلام کی دعوت دی اور لات وعزیٰ کو علانیہ چھوڑ دیا۔ پوری قوم مسلمان ہوگئی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے: ''ہم نے کسی قوم کے نمائندے کو ضِمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے افضل نہیں پایا۔''[1]

اس روایت کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فتح مکہ سے قبل اپنی قوم کے پاس واپس پہنچ گئے تھے کیونکہ فتح مکہ کے ایام ہی میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے عزیٰ کو تباہ کیا تھا۔[2]

ضمام کے قبول اسلام کے واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت تک عربی قبائل میں اسلامی تعلیمات پھیل چکی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ ضمام رضی اللہ عنہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں

[1] یہ ابن اسحاق کی حسن سند سے روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 4/291-293) ابن اسحاق کی سند کے علاوہ ایک اور سند سے اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء في فرض الصلوات الخمس، حدیث: 1402) البانی نے اس روایت کو صحیح قرار دیا اور اس کے صحیح ہونے کی طرف صحیح سنن أبي داود (حدیث: 504) میں بھی اشارہ کیا ہے۔ ◄◄ روایت ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 4/322,323، والإصابة: 3/441)

[2] البداية والنهاية: 5/70.

پوچھنے نہیں، ان کے متعلق تحقیق و تصدیق کے لیے آئے تھے۔ وہ ایک ایک کر کے اپنی معلومات آپ کے سامنے پیش کرتے جاتے اور پھر آپ سے اس کی تصدیق کراتے جاتے۔ گویا وہ آپ ﷺ کے پاس آنے سے پہلے ان تمام دینی فرائض سے آگاہ تھے۔

قبیلہ دَوس سے آنے والے طفیل بن عمرو

ابن اسحاق نے طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان کیا ہے کہ طفیل مکہ آئے جبکہ رسول اللہ ﷺ وہیں تھے۔ طفیل ایک معزز آدمی اور عقلمند شاعر تھے۔ اس لیے قریش کے کچھ سرکردہ لوگ ان سے ملنے آئے۔ قریش کا مقصد یہ بھی تھا کہ انھیں کسی طریقے سے رسول اللہ ﷺ کی باتیں سننے سے روک دیا جائے۔ قریش نے ہر قسم کے دلائل سے انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ نتیجتاً انھوں نے پکا ارادہ کر لیا کہ رسول ﷺ کی کوئی بات نہیں سنیں گے۔ انھوں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، پھر مسجد الحرام میں آئے اور اللہ کے رسول ﷺ کے قریب ہی بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ اس قدر احتیاط کے باوجود ان کے کان میں رسول اللہ ﷺ کی کوئی بات پہنچ ہی گئی۔ انھیں رسول اللہ ﷺ کا کلام بہت اچھا لگا۔ وہ دل میں کہنے لگے کہ میں اچھا بھلا عقل مند شاعر ہوں۔ کلام کے حسن و قبح کو خوب سمجھتا ہوں، پھر کیا وجہ ہے کہ میں اس کی بات نہ سنوں؟ انھوں نے کانوں سے روئی نکال دی اور آپ ﷺ کے اٹھنے کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ گھر کو چلے گئے تو وہ بھی آپ کے پیچھے پیچھے پہنچ گئے اور قریش سے ملاقات کا پورا واقعہ آپ ﷺ کو بتایا۔ جب انھوں نے آپ ﷺ کی مزید باتیں سنیں تو وہ انھیں بہت اچھی لگیں اور وہ مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے واپسی پر رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی مل جائے تا کہ مجھے اپنی قوم کو اسلام کی طرف دعوت دینے میں سہولت رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے کوڑے کے کنارے میں نور پیدا فرما دیا۔ جب وہ اپنی قوم

میں پہنچے تو ان کے ہاتھ پر سب سے پہلے ان کے والد اور والدہ اسلام لائے لیکن قبیلہ دوس نے کسی گرمجوشی کا اظہار نہ کیا۔ یہ دوبارہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے دوس پر بددعا کرنے کی درخواست کی لیکن رسول اللہ ﷺ نے دعا کی:

''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے (آپ ﷺ نے ان سے کہا:) تم دوبارہ اپنی قوم کے پاس جاؤ۔ انھیں دعوت دو اور اُن سے نرمی برتو۔''

وہ واپس آگئے اور غزوۂ خندق کے بعد تک انھیں دعوت اسلام دیتے رہے، پھر وہ اسلام قبول کرنے والوں کے ہمراہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔ یہ تقریباً ستر یا اسی گھرانے تھے۔ ان سب کا تعلق دوس سے تھا، آپ ﷺ نے مسلمانوں کے ساتھ ان کے لیے بھی (غنیمت سے) حصہ نکالا۔ پھر یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہے۔ فتح مکہ کے بعد انھوں نے درخواست کی کہ انھیں عمرو بن حممة کے بت ''ذوالکفین'' کی طرف بھیجا جائے۔ انھوں نے وہاں پہنچ کر اسے نذر آتش کر دیا۔[1]

یہ حدیث کہ ''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے......'' بخاری و مسلم کی ہے۔[2] طفیل کا اللہ

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 2/25-29. یہ معلّق روایت ہے۔ محدث ابونعیم کی کتاب دلائل النبوة کے محققین نے لکھا: ''مغازی کے کچھ نسخوں میں ابن اسحاق نے اس روایت کو صالح بن کیسان عن طفیل بن عمرو کی متصل سند سے بیان کیا ہے جبکہ باقی تمام نسخوں میں یہ روایت بغیر سند کے ہے۔ ہمیں ابھی تک اس سند کا سراغ نہیں ملا کہ ہم اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکیں۔'' دیکھیے: (دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/238) غزوۂ خیبر کی غنیمتوں میں سے انھیں جو حصہ ملا اس کا تذکرہ خیبر کی غنیمتوں کی تقسیم کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ ان کی جنگی مہمات کا تذکرہ تبوک اور حنین کے درمیان ہونے والی جنگی مہمات کی روایات میں گزر چکا ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب قصة دوس والطفيل بن عمرو الدوسي، حديث: 4392. اس روایت کے الفاظ ہیں: ''طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں آئے اور بولے: ''دوس کے لوگ ہلاک ہوئے۔ انھوں نے نافرمانی اور انکار کیا۔ آپ اللہ سے ان کے لیے بددعا کریں۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! دوس کو ہدایت ◄◄

کے رسول ﷺ کے پاس مکہ میں آنا مسلم کی روایت سے ثابت ہے۔ یہ روایت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ طفیل نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں آئے اور بولے: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ کسی محفوظ قلعے میں جانا چاہتے ہیں؟ ان کا اشارہ دوس کے قلعے کی طرف تھا۔ آپ نے انکار فرمادیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت انصار کے لیے مخصوص کر رکھی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو طفیل اور ان کا ایک ساتھی بھی ہجرت کر گئے۔'' (یہ حدیث طویل ہے۔) [1]

فروہ بن مُسَیک مرادی کی آمد

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے ایک طویل حدیث روایت کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ فروہ بن مُسَیک مرادی کندہ کے بادشاہوں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور مسلمان ہو گئے۔ نبیِ کریم ﷺ نے ان کو مراد، زبید اور مذحج کے قبائل پر حکمران مقرر کر دیا اور صدقہ کی وصولی کے لیے ان کے ساتھ خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو بھی بھیجا۔ یہ ان کے ساتھ انھی کے علاقے میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔ [2]

›› دے اور انھیں لے آ۔'' مزید دیکھیے: (صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل غفار وأسلم وجهينة، حديث: 2524) اس روایت میں ہے: ''طفیل بن عمرو اور ان کے ساتھی آئے...... دوس کے لوگوں نے کفر اور انکار کیا...... تو کہا گیا: دوس ہلاک ہو گئے......'' دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 39/13، حديث: 7313) محدث احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا: ''اس روایت کی سند جید ہے۔ محدثین نے اسے نقل نہیں کیا۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 110/2) روایت کی یہ تحقیق اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ابن اسحاق کی روایت کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔ اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جنھیں میں نے ان کی صحیح سندوں سے درج کیا ہے کہ دوس کے لوگ خیبر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ نے ان کے لیے (غنیمت سے) حصہ نکالا۔

[1] صحیح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن قاتل نفسه لا يكفر، حديث: 116.

[2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 304,303/4) اسے طبری ››

بعض اہل الحدیث (محدثین) کی روایت سے بھی فروہ رضی اللہ عنہ کا آنا ثابت ہوتا ہے۔ [1]

وفد کندہ

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ قیس کِندہ کے اَسی سوار لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ [2]

وفد زُبید

اہلِ سیرت کا بیان ہے کہ عمرو بن مَعْدِ یکَرِب اپنی قوم بنو زبید کے چند لوگ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ دور ارتداد میں وہ مرتد ہو گئے تھے۔ [3] پھر دوبارہ مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ [4] دور ارتداد کی جنگوں میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ یہ وفد نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس 9 ھ میں آیا تھا۔ [5]

«» نے ابن اسحاق ہی کی منقطع سند سے درج کیا ہے۔ اس سند میں عبداللہ نے اس راوی کا نام نہیں بتایا جس نے اس سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق نے بھی یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے یہ روایت سنی ہے (سماع کی تصریح نہیں کی)، دیکھیے: (تاريخ الطبري: 3/134-136) ابن سعد نے بھی اسے واقدی کی سند سے اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 1/237) ابن اسحاق کی روایت کی تائید فروہ کی آمد کے متعلق بیان کی گئی ان روایات سے ہوتی ہے جنھیں اہل الحدیث (محدثین) نے صحیح قرار دیا ہے۔

[1] صحيح سنن الترمذي للألباني: 3/96,95، حديث: 3452. [2] السيرة النبوية لابن هشام: 4/307-309. یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔ [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/304-306، وتاريخ الطبري: 3/132-134) ابن اسحاق کی یہ روایت ان کے استاذ عبداللہ بن ابی بکر سے ہے۔ اس روایت میں انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ ابن سعد نے اسے واقدی کی روایت سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 1/328) [4] الطبقات الکبریٰ: 1/328. روایت واقدی کی سند سے ہے۔ عمرو بن معدیکرب کے حالات کے لیے دیکھیے: (الإصابة: 1813-1821، والاستيعاب: 2/560) [5] البداية والنهاية: 5/83,82. ابن کثیر نے یہ روایت ابن اسحاق کی طرف منسوب کی ہے۔ ابن اسحاق سے روایت کرنے والے یونس بن بُکیر ہیں۔

ابن اسحاق اور واقدی کے مطابق یہ 10 ھ کی بات ہے۔ [1]

ازدشنوءہ اور اہلِ جرش کے وفود

صُرَد بن عبداللہ ازدی بنو ازد کے ایک وفد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مسلمان ہوگئے اور بہترین مسلمان ثابت ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ان کی قوم میں سے مسلمان ہونے والوں کا امیر مقرر کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ یمن میں اپنے قریب رہنے والے اہلِ شرک سے جہاد کرو۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور جُرش پر حملہ آور ہوئے۔ ان دنوں یہ بہت مضبوط شہر تھا اور اس میں مختلف یمنی قبائل رہتے تھے۔ خثعم کا قبیلہ بھی ان کے ساتھ رہتا تھا۔ جب انھیں مسلمانوں کی پیش قدمی کا علم ہوا تو وہ قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے۔ صرد نے ایک ماہ تک محاصرہ جاری رکھا، پھر محاصرہ اٹھا کر چل دیے۔ جب وہ ان کے پہاڑ ''کشر'' کے پاس پہنچ گئے تو شہر والوں نے سمجھا کہ وہ شکست کھا کر جارہے ہیں۔ وہ تیزی سے مسلمانوں کے پیچھے بھاگے۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو صرد نے اپنی فوج کے ہمراہ پلٹ کر اچانک حملہ کیا اور ان کے بہت سے افراد قتل کر دیئے۔ اس سے پہلے جرش والوں نے اپنے دو آدمی رسول اللہ ﷺ کے ہاں بھیجے تھے تاکہ وہ صورت حال کی تحقیق کریں۔ ابھی وہ دونوں مدینہ منورہ ہی میں تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بتایا کہ تمھاری قوم تیزی سے قتل کی جارہی ہے۔ انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ دعا کیجیے اللہ تعالیٰ قتل کی آفت دور فرمائے، پھر وہ اپنی قوم کے پاس پہنچے تو پتہ چلا کہ رسولِ اکرم ﷺ کی بتائی ہوئی بات بالکل صحیح تھی۔ عین اسی وقت اسی جگہ ان کی قوم تیزی سے قتل ہو رہی تھی جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے بتایا تھا، چنانچہ ان کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ سب مسلمان ہو گئے۔ [2]

[1] البداية والنهاية: 82/5. یہ معلق روایت ہے۔ [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: ◄◄

نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے والے بنو ازد کے وفد میں جنادہ بن مالک ازدی بھی شامل تھے۔ [1]

حمیر کے بادشاہوں کا قاصد بارگاہ رسالت میں

حمیر کا قاصد اپنے بادشاہوں کا خط لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس خط میں ان کے مسلمان ہونے کا اعلان تھا۔ یہ نبیِ کریم ﷺ کی تبوک سے واپسی کے وقت کی بات ہے۔ حمیر کے حکمران حارث بن عبد کلال، نعیم بن عبد کلال اور قبائل ذورُعین، معافر اور ہمدان کے سردار نعمان تھے۔ یزن کے بادشاہ زرعہ نے مالک بن مُرّہ رہاوی کو اپنے اسلام کی اطلاع دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ رسولِ کریم ﷺ نے بھی اسے جوابی خط لکھا جس میں ان کے حقوق و فرائض کی تفصیل تھی، خصوصاً زکاۃ کے نصاب، یہودیت اور عیسائیت پر قائم رہنے والوں کے جزیے کی تفصیل۔ آپ نے ان کی طرف معاذ بن جبل، عبداللہ بن زید، مالک بن عبادہ، عقبہ بن نمر، مالک بن مُرّہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھیجا۔ ان کے امیر معاذ تھے۔ آپ نے اس جوابی خط میں ان سب کے نام بھی لکھے اور انھیں اپنے ان فرستادوں سے حسن سلوک کی وصیت کی۔ [2] یہ

» (السيرة النبوية لابن هشام: 4/309-311) طبری نے اسے ابن اسحاق کی منقطع سند سے بیان کیا ہے۔ ابن اسحاق نے اپنے استاذ عبداللہ بن ابی بکر سے روایت کی اور یہاں انھوں نے سماع کی تصریح بھی کی ہے، دیکھیے: (تاريخ الطبري: 3/158,159) ابن سعد نے اسے واقدی کی روایت سے نقل کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 1/337,338) [1] أسد الغابة: 1/299,300. [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/311-313) ابن سعد نے بھی اسے واقدی کی سند سے بالاختصار بیان کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 1/256) عبدالرزاق اور بیہقی نے اسے ایک ہی سند سے روایت کیا ہے جو صحیح ہے، دیکھیے: (المصنف لعبدالرزاق: 4/136، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 4/130)

رمضان المبارک 9ھ کی بات ہے۔ [1]

جریر بن عبداللہ بجلی کی آمد

جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ پہنچے تو رسول اللہ ﷺ مسجد میں خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے ان کے مسجد میں آنے سے پہلے اپنے خطاب میں ان کا تذکرہ یوں فرمایا: ”اس دروازے یا اس راستے سے تمھارے پاس یمن والوں کا بہترین شخص داخل ہو گا۔ اس کے چہرے پر فرشتوں کی سی نورانیت ہویدا ہو گی۔“ [2]

جریر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے اور آپ سے بیعت کی۔ [3] اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی بہت عزت افزائی فرمائی۔ انھیں اپنی پوشاک پہنائی اور فرمایا:

«إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوهُ»

”جب تمھارے پاس کسی قوم کا معزز سردار آئے تو اس کی عزت کیا کرو۔“ [4]

ظاہر تو یہی ہے کہ ان کا اسلام فتح مکہ سے بعد کا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے خود ان کی یہ بات نقل کی ہے کہ میں سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد مسلمان ہوا اور میں نے اپنے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو موزوں پر مسح کرتے دیکھا ہے۔ [5]

[1] البداية والنهاية: 86/5. یہ واقدی کی روایت ہے۔ [2] الفتح الرباني: 216/21. طبرانی نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ احمد اور طبرانی دونوں کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ ابن حجر نے لکھا کہ بجیلہ کے وفد کی آمد ابو داود طیالسی کی روایت سے ثابت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (الإصابة: 220/2) اس روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اَحمسیین سے ابتدا کرو۔“ آپ نے ان کے لیے دعا بھی کی۔ [3] صحيح البخاري، الشروط، باب مايجوز من الشروط في الإسلام......، حديث: 2715,2714، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، حديث: 56. نیز دیکھیے: (البداية والنهاية: 89/5) [4] دلائل النبوة للبيهقي: 347/5. دیگر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے لکھا: ”یہ حدیث اس سند سے غریب ہے۔“ دیکھیے: (البداية والنهاية: 89/5) [5] البداية والنهاية: 90/5. ابن کثیر نے اس روایت کے متعلق لکھا: ”احمد نے تنہا اسے روایت کیا ہے۔ یہ سند جید ہے، تاہم یہ امام احمد اور «

ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ اور ان کے ساتھی وفد کی صورت میں آئے اور مسلمان ہو گئے تھے۔[1] وفد میں ایک سو پچاس افراد شامل تھے۔[2] یہ رمضان المبارک 10 ھ کی بات ہے۔[3] کچھ اور روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ جریر رضی اللہ عنہ بنو بجیلہ اور بنو قشیر کے ایک سو آدمی لے کر آئے تھے۔[4] بعض نے ان کے وفد کی تعداد سات سو[5] اور بعض نے پانچ سو افراد لکھی ہے۔[6]

حضر موت کا وفد

حضر موت کے ایک سردار وائل بن حجر رضی اللہ عنہ بھی آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ ان کے والد حضر موت کے بادشاہوں میں سے ایک تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے آنے سے پہلے صحابۂ کرام کو ان کی آمد کی خوشخبری ان الفاظ میں سنائی تھی:

«يَأْتِيكُمْ بَقِيَّةُ أَبْنَاءِ الْمُلُوكِ» ''تمھارے پاس بادشاہوں کا ایک شہزادہ آ رہا ہے۔''

جب یہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں خوش آمدید اور مرحبا کہا۔ انھیں اپنے قریب بلایا، خصوصی جگہ دی، ان کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ فِي وَائِلٍ وَّوَلَدِهِ وَوَلَدِ وَلَدِهِ»

''اے اللہ! وائل، اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد میں برکت فرما۔''

» مجاہد کے درمیان منقطع ہے۔'' [1] الطبقات الكبرٰى:347/1. ابن سعد نے واقدی کی سند سے روایت کی ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذي الخَلَصة، حديث : 4356. [3] تاريخ المدينة لابن شبة :311/2-313. یہ واقدی کی سند ہے۔ [4] اسے حاکم نے اکلیل میں روایت کیا ہے۔ یہ براء بن عازب کی روایت ہے، دیکھیے (فتح الباري : 191/16) [5] فتح الباري: 191/16. ابن حجر نے یہ روایت طبرانی کی طرف منسوب کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔ [6] اسے ابن سکن نے كتاب الصحابة میں بیان کیا ہے۔ ابن حجر نے یہ روایات بیان کر کے ان کی توجیہ کی ہے اور انھیں ایک دوسری کے موافق بنانے کی کوشش کی ہے۔

آپ ﷺ نے انھیں حضرموت کے سرداروں کا حاکم مقرر فرمایا اور جاگیر کے طور پر کچھ زمین بھی دی۔ [1]

وفد بنی مُنْتَفِق

لقیط بن عامر بن مُنْتَفِق اپنے ایک ساتھی نہیک بن عاصم کی معیت میں رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے علم غیب کے متعلق سوال کیا۔ آپ نے انھیں جواب دیا۔ یہ ایک لمبی حدیث ہے۔ [2]

وفد صُداء

امام بیہقی نے زیاد بن حارث صُدائی کے حوالے سے اپنی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔ زیاد نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت اسلام کا شرف حاصل کیا۔ بعد میں اپنی قوم کے پاس لوٹ آیا۔ اور دوبارہ پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی قوم کے مسلمان ہونے کی خوشخبری سنائی۔ [3]

---

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر: 643,642/3، والإصابة: 629,628/3. یہ معلق روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا وائل کو جاگیر کے طور پر کچھ زمین دینے کا واقعہ ابو داود اور ترمذی نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سنن أبي داود، الخراج، باب في إقطاع الأرضين، حديث: 3058، وصحيح سنن الترمذي، كتاب الأحكام، حديث: 1412) وائل رضی اللہ عنہ کی آمد سے قبل رسول اللہ ﷺ کے ان کے متعلق خوشخبری دینے کی روایت بیہقی، طبرانی، ابن حبان، بزار اور بخاری نے نقل کی ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 176,175/5) دلائل النبوة کے محقق نے لکھا کہ اسے طبرانی اور بزار نے بھی روایت کیا ہے۔ ابن حجر نے بتایا کہ اسے ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے، نیز دیکھیے: (التاريخ الكبير: 176,175/4) [2] مسند أحمد: 212,211/4. انھی کے حوالے سے اسے ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے۔ انھوں نے اس کے متعلق لکھا: ''یہ حدیث بے حد غریب ہے۔ اس کے بعض الفاظ منکر ہیں۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 94-91/5) [3] دلائل النبوة للبيهقي: 357-355/5. محقق نے کہا: ◄◄

وفد ثقیف

رسول اللہ ﷺ کی تبوک سے تشریف آوری کے بعد رمضان المبارک 9 ھ میں بنوثقیف نے عبدیالیل بن عمرو کی سرکردگی میں ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ ان کے ساتھ بنو مالک کے تین آدمی اور احلاف کے دو آدمی بھی تھے۔ ان سب نے اپنے اور اپنی قوم کے مسلمان ہونے کا اعلان کیا اور رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ہمارے بت ''لات'' کی شکست و ریخت تین سال تک مؤخر کر دی جائے تاکہ ہماری قوم میں ہیجان پیدا نہ ہو۔ آپ نے ان کی یہ بات قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر وہ آپ سے ایک ایک سال کی کمی کے ساتھ رعایت طلب کرتے رہے حتی کہ وہ ایک مہینے کی مدت پر آگئے۔ مگر آپ ﷺ نے بت شکنی کے بارے میں لحہ بھر کی مہلت دینے سے بھی انکار کر دیا، البتہ انھیں بت گرانے کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر دیا اور اس کام کے لیے آپ نے ابوسفیان اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو مامور فرمایا۔

انھوں نے آپ سے نماز کی معافی کا مطالبہ بھی کیا کیونکہ بقول ان کے رکوع سجدے کی حالت انھیں گوارا نہیں تھی۔ آپ ﷺ نے ان کا یہ مطالبہ بھی منظور نہ کیا اور فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَّا صَلَاةَ فِيهِ»

◄ ''اسے بغوی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ انھوں نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ یہ زیاد بن حارث صدائی کی روایت ہے۔ اس کے بعض حصے کو ابن سعد بھی نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبرٰی: 327,326/1) ابو داود، ترمذی اور ابن ماجہ میں اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں، دیکھیے: (سنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة......، حديث: 1630) اس سند میں عبدالرحمٰن افریقی ہے۔ اس پر کئی ایک محدثین نے تنقید کی ہے، چنانچہ وہ ضعیف ہے، مزید دیکھیے: (جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء أن من أذن فهو يقيم، حديث: 199، و سنن ابن ماجه، الأذان والسنة فيها، باب الس[illegible] في الأذان، حديث: 717، و فتوح مصر لابن عبدالحكم، ص: 312)

''اس دین کا کوئی فائدہ نہیں جس میں نماز نہ ہو۔''[1]

پھر انھوں نے زکاۃ و جہاد سے معافی کی شرط لگا دی۔ آپ نے ان کی یہ بات مان لی اور فرمایا:

«سَيَتَصَدَّقُونَ وَيُجَاهِدُونَ إِذَا أَسْلَمُوا»

''جب یہ مسلمان ہو جائیں گے تو زکاۃ بھی دیں گے اور جہاد بھی کرنے لگیں گے۔''[2]

انھوں نے آپ سے یہ بھی کہا کہ ہمیں وضو بھی معاف کیا جائے کیونکہ ہمارا علاقہ بہت ٹھنڈا ہے۔ اور ہمیں کدو کے برتن میں نبیذ بنانے کی اجازت دی جائے اور ابو بکرہ ثقفی ہمیں واپس کر دیا جائے۔ آپ نے ان میں سے کوئی بھی مطالبہ منظور نہیں کیا۔[3]

پھر آپ نے عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ یہ ان میں سب سے چھوٹے تھے لیکن انھیں قرآن سیکھنے اور دین کی سوجھ بوجھ حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔[4]

عبدالرحمٰن بن ابی عقیل کی اپنی قوم کے ساتھ آمد

امام بیہقی نے عبدالرحمٰن بن ابی عقیل کے حوالے سے اپنی سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کی اپنی قوم کے ساتھ آمد کا واقعہ بیان کیا ہے۔[5] اس روایت میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے سلیمان علیہ السلام

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے، سند معضل ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 249/4) [2] سنن أبي داود، الخراج، باب ماجاء في خبر الطائف، حديث: 3025. سند حسن ہے۔ [3] مسند أحمد: 168/4. ہیثمی نے لکھا: ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 245/4) [4] صحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 468، و مسند أحمد: 218/4. مسلم کی روایت میں اشارہ ہے کہ انھیں اپنی قوم کا امیر مقرر کیا گیا تھا۔ [5] دلائل النبوة للبيهقي: 358/5. محقق دکتور عبدالمعطی قلعجی نے کہا: ''اسے ابن مندہ، طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

جیسی بادشاہت کی دعا کریں۔ رسول اللہ ﷺ ان کی بات سن کر مسکرائے اور فرمایا: ”شاید اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے صاحب کے لیے سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت سے بھی افضل مقام ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی نبی مبعوث فرمایا اسے ایک دعا کا اختیار دیا۔ بعض نے تو وہ دعا کسی دنیوی کام کے لیے مانگ لی اور ان کا وہ کام ہو گیا۔ کسی نے اپنی امت کی نافرمانی پر ناراض ہو کر ان کے خلاف وہ دعا مانگ لی۔ نتیجتاً وہ امت ہلاک ہو گئی۔ اللہ نے مجھے بھی ایک دعا عطا کی تھی۔ میں نے اسے اپنے رب کے ہاں روز قیامت اپنی امت کے لیے شفاعت کے طور پر چھپا رکھا ہے۔“ مجھے یوں معلوم ہوتا ہے۔ اللّٰہ أعلمُ۔ کہ عبدالرحمٰن اپنی قوم ثقیف کے وفد کے ساتھ ہی آئے تھے۔

بنو بکر کا وافد (نمائندہ)

حارث یا حریث بن حسان بکری کسی خاص مسئلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے پاس حاضر ہوئے تھے۔ دراصل وہ آپ کے مقرر کردہ عامل علاء بن حضرمی کی کوئی شکایت کرنے آئے تھے۔ شکایت کیا تھی، اس کے بارے میں کسی روایت میں کوئی بات نہیں ملتی۔ [1]

طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ان کی قوم کی آمد

ہجرت سے تھوڑی دیر بعد کی بات ہے کہ طارق بن عبداللہ محاربی اپنی قوم کے کچھ افراد کے ساتھ کھجوریں لینے مدینہ منورہ آئے۔ جب یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو اچانک ان کی ملاقات رسول اللہ ﷺ سے ہو گئی۔ وہ آپ کو پہچانتے نہ تھے۔ آپ نے ان سے کھجوروں کے بدلے میں ان کا اونٹ خریدنے کی پیشکش کی۔ وہ مان گئے۔ آپ نے

[1] اسے احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے ان روایات کا ذکر کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 97,96/5) خود انھوں نے امام احمد کی روایت نقل کی ہے۔ یہ صحیح روایت ہے۔ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح سنن الترمذي، حديث: 3504)

ان سے اونٹ لیا اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔ انھیں تشویش ہوئی کہ ہم تو اس شخص کو جانتے بھی نہیں۔ پتہ نہیں، وہ قیمت لے کر آئے یا نہ آئے۔ ہم نے اسے اونٹ کیوں لے جانے دیا؟ لیکن ان کی ایک ساتھی عورت نے انھیں اطمینان دلایا کہ اس شخص کا چہرہ جھوٹے آدمی کا نہیں ہوسکتا۔ ابھی ان کی یہ باتیں جاری تھیں کہ آپ قیمت لے کر ان کے پاس تشریف لے آئے، پھر بعد کو جب یہ لوگ مسجد میں پہنچے تو انھوں نے آپ کو مسجد میں خطاب فرماتے ہوئے دیکھا۔ آپ ﷺ اس وقت صدقے کی فضیلت بیان کر رہے تھے۔ اب انھیں پتہ چلا کہ یہ تو رسول اللہ ﷺ ہیں۔ [1]

محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ روایت مکمل نہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ طارق اور ان کے ساتھیوں کا مدینہ منورہ آنے سے مقصود صرف کھجوریں خریدنا ہی نہیں بلکہ خرید و فروخت کے ساتھ ساتھ اسلام قبول کرنا بھی تھا۔ دلیل یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خطبے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شریک تھے۔ اور طارق بن عبداللہ نے صدقے کی فضیلت والی وہ روایت بیان بھی کی ہے جو انھوں نے اس وقت رسالت مآب ﷺ سے سنی تھی۔ [2]

انھی طارق کی قوم بنو محارب کے لوگ دوسری دفعہ 10 ھ حجۃ الوداع والے سال بھی آپ کے ہاں حاضر ہوئے۔ ان کا بنیادی مقصد آپ ﷺ کے دست حق پرست پر اسلام کی بیعت کرنا تھا۔ یہ دس آدمی تھے۔ ان میں سواد بن حارث اور ان کے بیٹے خزیمہ بھی

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 381,380/5. بیہقی ہی نے نقل کیا ہے کہ اسے یونس بن بکیر نے زیادات السیرۃ میں روایت کیا ہے۔ محققِ زاد المعاد کا کہنا ہے: ”حاکم نے بھی اسے نقل کیا ہے۔ اس کی سند حسن قرار دیے جانے کے قابل ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔“ دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 611/2 و612، و زاد المعاد: 650/3) [2] سنن النسائي، الزكاة، باب أيتهما اليد العليا؟، حديث: 2533. اسے دیگر نے بھی روایت کیا ہے۔ والإصابة: 220/2. اس حدیث میں ہے کہ طارق بن عبداللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، پھر صدقہ اور اوپر والے (خرچ کرنے والے) ہاتھ کی فضیلت کے متعلق روایت بیان کی گئی ہے۔

شامل تھے۔ یہ سب مسلمان ہو گئے اور کہنے لگے: ”ہم اپنی پوری قوم کے نمائندے اور ضامن ہیں۔“ اس وفد میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو بھی پہچان لیا جس نے اپنی قوم سمیت رسول اللہ ﷺ سے درشتی اور بدتمیزی کا رویہ اختیار کیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب آپ ﷺ حج کے دنوں میں بنفس نفیس مختلف قبیلوں کے پاس تشریف لے جایا کرتے اور ان سے کہتے تھے کہ مجھے اپنے علاقے میں لے چلو۔ اس ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ آپ ان لوگوں کے علاقے میں جا کر دین اسلام کی دعوت دینا چاہتے تھے۔ [1]

بلادِ معان کے حکمران فروہ بن عمرو جُذامی کے قاصد کی آمد

بلادِ معان کے رومی باجگزار حکمران فروہ بن عمرو جذامی کی طرف سے مسعود بن سعد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ فروہ نے ان کے ہاتھ چند تحائف بھی بھیجے۔ جن میں ایک سفید خچر، ایک گھوڑا اور ایک گدھا بھی شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فروہ کو تحفے ارسال فرمائے اور ایک خط لکھا جس میں انھیں اطلاع دی گئی کہ مجھے تمھارے اسلام لانے کی خبر تمھارے قاصد کی زبانی معلوم ہو چکی ہے۔ شاہِ روم کو فروہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع ملی تو اس نے انھیں اپنے پاس بلا کر اسلام چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ فروہ نے انکار کیا۔ بادشاہ نے انھیں قید کر دیا، پھر سولی پر لٹکا کر ان کی گردن اڑا دی۔ رضي الله عنه وأرضاه. [2]

تمیم داری کی آمد

تمیم داری عیسائی تھے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے نبیِ کریم ﷺ

---

[1] الطبقات الکبرٰی: 299/1. یہ واقدی کی روایت ہے۔ [2] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 316,315/4، والطبقات الکبرٰی: 281/1) سند منقطع ہے۔ ابن حجر نے لکھا کہ اسے ابن مندہ اور ابن شاہین نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة: 213/3)

سے جَسَّاسَۃ(81) کا قصہ بیان کیا جس میں دجال کا بھی ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے حوالے سے یہ قصہ منبر پر بیان فرمایا۔ محدثین نے اسے ان کے مناقب میں شمار کیا ہے۔[1] ابن سکن نے کہا: ''یہ اور ان کے بھائی نعیم 9 ھ میں مسلمان ہوئے۔''[2] ابن اسحاق کے مطابق یہ مدینہ منورہ آئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جنگوں میں شریک ہوئے۔[3]

وفد بنی اسد

ابن سعد لکھتے ہیں کہ یہ لوگ 9 ھ کے آغاز میں آئے تھے۔ یہ کل دس افراد تھے جن میں ضرار بن اَزْوَر، وابصہ بن معبد اور طلیحہ بن خُوَیلد اسدی بھی شامل تھے۔ ان کے سردار حضرمی بن عامر نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم سیاہ رات کا لباس پہنے قحط کے سال میں آپ کے پاس خود آئے ہیں۔ آپ کو ہماری طرف کوئی لشکر نہیں بھیجنا پڑا۔'' ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا:

﴿يَمُنُّونَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ۭ قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

''یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے۔ کہہ دے: مجھ پر اپنے اسلام لانے کا احسان نہ جتلاؤ بلکہ اللہ تم پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے تمھیں ایمان لانے کی توفیق عطا کی اگر تم سچے ہو۔''[4]

(81) جَسَّاسَۃ: یہ ایک پر اسرار جانور ہے جو جزیروں میں رہتا اور حالات و واقعات کی خبریں دجال تک پہنچاتا ہے۔

[1] صحیح مسلم، الفتن، باب قصة الجسّاسة، حدیث: 2942. اسے دیگر محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔ [2] الإصابة: 184/1. یہ روایت معلق، یعنی بے سند ہے۔ [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السیرة النبویة لابن هشام: 16,315/4) [4] الحجرٰت 49:17. الطبقات الکبریٰ: 292/1. یہ واقدی کی روایت ہے۔

بزار نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ بنو اسد رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! ہم مسلمان ہو گئے ہیں۔ دوسرے عربوں نے تو آپ سے لڑائیاں لڑی ہیں مگر ہم نے آپ سے کبھی کوئی لڑائی نہیں لڑی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان کی سمجھ اور عقل کم ہے اور ان کی زبانوں پر شیطان بول رہا ہے۔'' اتنے میں یہ آیت اتری: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ط﴾ ''یہ لوگ آپ پر احسان جتلاتے ہیں کہ یہ مسلمان ہو گئے۔''[1]

وفد بنو قُشَیر

ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس حجۃ الوداع سے پہلے اور غزوۂ حنین کے بعد آیا۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ اس وفد میں ایک شخص قرہ بن ہبیرہ تھا۔ اسے رسول اللہ ﷺ نے کچھ مال دیا اور ایک چادر پہنائی اور اسے اپنی قوم کے صدقات وصول کرنے پر مامور کیا۔ اس وفد کے ایک دوسرے شخص ثور بن عروہ کو رسول اللہ ﷺ نے کچھ زمین بطور جاگیر دی اور اس کے بارے میں اسے ایک تحریر لکھوادی۔ اس وفد کے تیسرے اہم فرد حیدہ بن معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ تھے۔[2]

[1] تفسیر ابن کثیر: 369/7. اس روایت کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''عمر بن شبہ نے صحیح سند کے ساتھ ابو وائل سے روایت کیا، انھوں نے کہا: ''بنو اسد کا وفد آیا۔ نبی ﷺ نے ان سے کہا: «مَنْ أَنْتُمْ؟» ''تم کون ہو؟'' وہ بولے: ''ہم زِنْيَةٌ (حماقت) کے بیٹے، ہمیشہ گھوڑوں کی پشتوں پر جمے رہنے والے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: «بَلْ أَنْتُمْ بَنُو الرُّشْدَةِ» ''(نہیں) بلکہ تم رُشدۃ (دانش مندی) کے بیٹے ہو۔'' انھوں نے کہا: ''ہم اپنے والد کا نام نہیں چھوڑیں گے۔'' اس کے بعد انھوں نے ایک طویل قصہ بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں: ''یہ ایک اور دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو اسد کا وفد آیا تھا۔ اس کی سند صحیح ہے۔'' دیکھیے: (الإصابة: 341/1) [2] الطبقات الکبریٰ: 303/1. سند منقطع ہے۔

بنو حارث بن کعب کا وفد

رسول اللہ ﷺ نے ربیع الآخر یا جمادی الاولیٰ 10ھ میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نجران بنو حارث بن کعب کی طرف بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ انھیں اسلام کی دعوت دیں اور تین دن تک لڑائی نہ چھیڑیں۔ خالد اپنی مہم میں کامیاب رہے کیونکہ وہ لوگ صرف دعوت دین کے نتیجے ہی میں مسلمان ہو گئے۔ لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ خالد رضی اللہ عنہ ان میں ٹھہر کر انھیں اسلام کی تعلیمات سے روشناس کرانے لگے، پھر رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک خط لکھا کہ اس قوم کا ایک وفد لے کر حاضر ہوں۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ان کا وفد آیا، پھر اپنے علاقوں کو واپس چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ صدقات کی وصولی بھی انھی کے ذمہ تھی۔ آپ نے انھیں اس مفہوم کی ایک تحریر بھی لکھوا دی تھی۔ [1]

ہمدان کی دو مرتبہ آمد

بنو ہمدان رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں دو دفعہ حاضر ہوئے۔ پہلی دفعہ مکہ مکرمہ میں بیعت عقبہ اولیٰ سے پہلے [2] اور دوسری دفعہ مدینہ منورہ میں اپنے اسلام کے اعلان

[1] ابن اسحاق نے بنو حارث کا طویل قصہ بغیر سند کے بیان کیا ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 4/316-322) طبری نے بھی اسے ابن اسحاق ہی کی سند سے درج کیا ہے۔ یہ سند ابن اسحاق کے شیخ عبداللہ بن ابی بکر پر موقوف ہے۔ اس میں ابن اسحاق نے سماع کی تصریح بھی نہیں کی۔ ابن اسحاق کے علاوہ دیگر نے اسے جن سندوں سے روایت کیا، وہ حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچتی ہیں۔

[2] ہمدان کی روایت کو ابن اسحاق نے ایسی سند سے روایت کیا جس میں مجہول راوی ہے، دیکھیے: (السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: 4/323-327) ابن سعد نے بھی اسے منقطع سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 1/341)

کے موقع پر۔ [1]

حَکَم بن حَزْن کُلْفي تمیمی کی آمد

حکم بن حزن سات یا نو افراد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ جمعۃ المبارک میں بھی شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ایک کمان یا عصا کے سہارے خطبہ ارشاد فرماتے سنا۔ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''اے لوگو! یقیناً تم اگر ہر وہ کام کرو جس کا تمھیں حکم دیا گیا ہے تو یہ بہت ہی اچھا ہے، مگر تم اس کی طاقت نہیں رکھتے، لہٰذا میانہ روی اختیار کرو۔ درست کام کرو اور اللہ تعالیٰ سے خیر کی امید رکھو۔'' [2]

وفد عبس

یہ کل نو افراد تھے۔ ان میں میسرہ بن مسروق اور حارث بن ربیع بھی شامل تھے۔ [3]

وفد بنی فزارہ

یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد 9 ھ میں حاضر خدمت ہوا۔ یہ دس سے زائد افراد تھے۔ ان میں خارجہ بن حصن اور حر بن قیس بن حصن بھی تھے۔ [4]

---

[1] الطبقات الکبرٰی: 341,340/1. یہ سند واقدی کی ہے جس میں کلبی بھی ہے۔ یہ دونوں واقدی اور کلبی متروک ہیں، نیز دیکھیے: (الوفود في العهد المكي وأثرها الإعلامي لعلي رضوان الأسطل، ص: 132-136) [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب الرجل يخطب على قوس، حديث: 1096، والفتح الرباني: 93,92/6، ودلائل النبوة للبيهقي: 345/5. ساعاتی نے کہا: ''اسے ابوداود نے اپنی سنن، ابویعلیٰ نے اپنی مسند اور بیہقی نے السنن الکبریٰ میں روایت کیا۔ اس کی سند جید ہے۔ اسے ابن خزیمہ اور ابن سکن نے صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔'' نیز دیکھیے: (مسند أحمد: 212/4) [3] ان کی روایت ابن سعد کے ہاں کلبی و واقدی کی سند سے دیکھی جا سکتی ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبرٰی: 296,295/1) [4] الطبقات الکبرٰی: ◄◄

وفد بنی مُرّہ

یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تبوک سے واپسی کے بعد مدینہ منورہ آئے۔ یہ کل تیرہ افراد تھے۔ ان کے سردار حارث بن عوف تھے۔ [1]

وفد بنی ثعلبہ

یہ آپ ﷺ کی جعرانہ سے واپسی پر 8ھ میں حاضر ہوئے۔ یہ چودہ افراد تھے۔ [2]

وفد بنی کلاب

یہ تیرہ آدمی تھے۔ 9ھ میں حاضر ہوئے۔ ان میں لبید بن ربیعہ اور جبار بن سلمٰی بھی تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں دعوت کے میدان میں ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کی کوششوں سے آگاہ کیا۔ [3]

وفد بنی عقیل بن کعب

ان میں ربیع بن معاویہ بن خفاجہ اور مطرف بن عبداللہ شامل تھے۔ ان سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اپنی ساری قوم کی طرف سے بھی بیعت کی۔ [4]

وفد بنو جعدہ

بنو جعدہ کی طرف سے رقاد بن عمرو حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں جاگیر

« 1/297-300. یہ واقدی کی سند ہے۔ [1] الطبقات الکبریٰ:1/297-300. یہ واقدی کی سند ہے۔ [2] الطبقات الکبریٰ:1/297-300. یہ واقدی کی سند ہے۔ [3] الطبقات الکبریٰ: 1/297-300. یہ واقدی کی سند ہے۔ [4] الطبقات الکبریٰ:1/301-303. سند ضعیف ہے۔

عطا فرمائی۔ [1]

وفد بنی بکاء

9ھ میں ان میں سے تین آدمی حاضر ہوئے۔ معاویہ بن ثور، ان کے بیٹے بشر اور فُجَیع بن عبداللہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فُجَیع کو ایک تحریر بھی لکھوا کر دی۔ [2]

کنانہ کا نمائندہ

ان کا نام واثلہ بن اسقع لیثی تھا۔ یہ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ آپ تبوک کی تیاری کر رہے تھے۔ یہ واپس اپنی قوم کے پاس چلے گئے۔ ان کی قوم نے ان کی بات نہ مانی۔ ان کے والد نے قسم کھا لی کہ میں تجھ سے کلام نہ کروں گا۔ ان کی بہن مسلمان ہوگئی۔ اس نے انھیں ساز و سامان تیار کر کے دیا تو یہ دوبارہ مدینہ منورہ آگئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ تبوک تشریف لے جا چکے تھے۔ یہ بھی پیچھے چل دیے اور آپ ﷺ سے جا ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو دومۃ الجندل کے اکیدر کی طرف بھیجا تو انھیں بھی ان کے ساتھ روانہ کیا۔ [3]

وفد بنی عبد بن عدی

اس وفد میں حارث بن اُہبان بھی شامل تھے۔ اس وفد کے تمام ارکان مسلمان ہو گئے۔ [4]

[1] الطبقات الکبریٰ: 303/1. سند ضعیف ہے۔ [2] الطبقات الکبریٰ: 1/303-315. سند ضعیف ہے۔ [3] الطبقات الکبریٰ: 1/303-315. سند ضعیف ہے۔ [4] الطبقات الکبریٰ: 1/303-315. سند ضعیف ہے۔ بنو عبد بن عدی کی وفادت (آمد) کی روایت مدائنی اور ابن عساکر نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر سے روایت کی ہے۔ شامی نے اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے، دیکھیے: (السیرة الشامیة: 557/7)۔

اشجع کا وفد

یہ غزوۂ خندق کے سال آئے تھے۔ سو افراد تھے۔ ان کے سردار مسعود بن رُخیلہ تھے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لوگ غزوۂ بنی قُریظة سے آپ کی فراغت کے بعد حاضر ہوئے۔ ان کی تعداد سات سو تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے مصالحت کا معاہدہ کیا۔ بعد ازاں یہ سب مسلمان ہو گئے۔ [1]

باہلہ کا نمائندہ

فتح مکہ کے بعد بنو باہلہ نے مطرف بن کاہن باہلی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ مسلمان ہو گئے اور اپنی قوم کے لیے امان حاصل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں فرائض زکاۃ کی تفصیلات پر مشتمل ایک تحریر بھی لکھوادی۔ ان کے بعد باہلہ ہی کی جانب سے نہشل بن مالک وائلی حاضر ہوئے اور مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں اور ان کی قوم میں اسلام قبول کرنے والے مسلمانوں کو تحریر لکھ دی جس میں اسلامی شریعت کے احکام درج تھے۔ [2]

بنو سُلَیم بن جابر هُجَيْمِي کا وفد

ان میں سے قیس بن نُسَیبہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ کے مواعظ سنے۔ آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی۔ یہ اپنی قوم کے پاس واپس چلے گئے، پھر ان میں سے سات سو آدمی اور ایک روایت کے مطابق ایک ہزار افراد آپ ﷺ سے آکر ملے۔ ان میں سے غاوی بن عبدعزی بھی تھے جن کا نام آپ

[1] الطبقات الکبرٰی: 1/303-315. سند ضعیف ہے۔ [2] الطبقات الکبرٰی: 1/303-315. سند ضعیف ہے۔

نے تبدیل کر کے راشد بن عبدربہ رکھ دیا۔ یہ حضرات آپ کو قُدید کے مقام پر اس وقت ملے جب آپ مکہ فتح کرنے جارہے تھے۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے اور فتح مکہ میں حاضر ہوئے۔ غزوۂ حنین اور طائف میں بھی شریک ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے راشد بن عبدربہ کو ''رہاط'' کا علاقہ دیا۔ وہاں ایک چشمہ تھا جو ''چشمۂ رسول'' کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ راشد (دور جاہلیت میں) بنوسلیم کے بت کے خادم تھے۔ ایک دن انھوں نے دیکھا کہ دو لومڑ بت پر پیشاب کر رہے ہیں۔ انھوں نے شعر کہا:

أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعْلُبَانِ بِرَأْسِهِ لَقَدْ ذُلَّ مَنْ بَالَتْ عَلَيْهِ الثَّعَالِبُ

''کیا یہ ربّ ہے جس کے سر پر دَو لومڑ پیشاب کر رہے ہیں۔ جس کے سر پر لومڑ پیشاب کریں وہ بے حد ذلیل ہے۔''

یہ کہا اور بت کو توڑ پھوڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔[1]

وفد بنی ہلال بن عامر

اس وفد میں عبدعوف بن اصرم بھی شامل تھے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کا نام بدل کر عبداللہ رکھ دیا۔[2]

وفد بنی بکر بن وائل

جب یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو انھوں نے آپ سے قیس بن ساعدہ کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: ''وہ تم میں سے نہیں تھے۔ وہ ''ایاد'' سے تھے اور جاہلیت میں ابراہیمی دین حنیف کے پیروکار بن گئے تھے۔ وہ عکاظ پہنچے جہاں لوگ کثیر

[1] تخریج: الطبقات الکبریٰ:1/303-315. سند ضعیف ہے۔ [2] الطبقات الکبریٰ:1/303-315. سند ضعیف ہے۔

تعداد میں جمع تھے۔ وہاں انھوں نے وہ مشہور تقریر کی جو نقل کی جاتی ہے۔"[1]

وفد تغلب

یہ سولہ افراد تھے۔ کچھ مسلمان تھے اور کچھ عیسائی۔ رسول اللہ ﷺ نے عیسائیوں سے اس بات پر مصالحت فرمائی کہ وہ اپنے دین پر قائم رہیں گے لیکن اپنے بچوں کو بپتسمہ نہیں دیں گے۔ مسلمانوں کو آپ ﷺ نے مختلف تحفے دیے۔[2]

بنو عنبر کی وافدہ (نمائندہ عورت)

بنو عنبر کی ایک خاتون قَیلہ بنت مخرمہ تمیمیہ بنو بکر بن وائل کے نمائندے حارث، یا حریث بن حسان شیبانی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور مسلمان ہوگئیں۔ یہ ابتدائے اسلام کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک تحریر لکھ دی۔ انھوں نے حارث بن حسان کے ساتھ ہجرت کیسے کی، یہ داستان طویل ہے۔[3]

وفد تُجیب

یہ وفد 9 ھ میں حاضر ہوا۔ یہ تیرہ افراد تھے۔ وہ اپنے ساتھ اپنے اموال کی زکاۃ بھی لیتے آئے۔ رسول اللہ ﷺ ان سے بہت خوش ہوئے اور دیگر وفود کی نسبت انھیں زیادہ عطیات دیے۔[4]

وفد خَولان

یہ دس افراد تھے۔ ان کی آمد شعبان 10 ھ میں ہوئی۔ انھوں نے نبیِ کریم ﷺ کو بتایا

[1] الطبقات الکبریٰ: 1/303-315. سند ضعیف ہے۔ [2] الطبقات الکبریٰ: 1/316-359. سند ضعیف ہے۔ [3] الطبقات الکبریٰ: 1/316-359. سند ضعیف ہے۔ [4] الطبقات الکبریٰ: 1/316-359. سند ضعیف ہے۔

کہ وہ مسلمان ہو چکے ہیں اور ہم اپنی قوم کے دیگر افراد کے بھی ضامن ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے ان کے بت ''عم انس'' کے بارے میں پوچھا تو وہ کہنے لگے: ''اب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی معرفت ہمیں اس سے بہتر چیز دے دی ہے۔ ہم واپس جاتے ہی اسے گرا دیں گے۔'' چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

جبل تہامہ کی جماعت کا وفد

یہ لوگ کنانہ، مزینہ، حکم اور قارّہ وغیرہ قبائل سے تعلق رکھنے والے غلاموں کی ایک جماعت تھی۔ انھوں نے المارّۃ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک تحریر بھیجی کہ ''تم میں سے جو غلام ہیں، سب آزاد ہیں اور ان کا آقا میں محمد (ﷺ) ہوں اور ان میں سے کوئی بھی متعلقہ قبیلے کو واپس نہیں کیا جائے گا اور انھیں مکمل امن حاصل ہوگا......۔''[1]

ان وفود کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مندرجہ ذیل وفود بھی آئے:

وفد جعفی	وفد زبید	وفد صدف	وفد خشین
وفد سعد ہذیم	وفد بَلِّي	وفد عذرہ	وفد سلامان
وفد بہراء	وفد جہینہ	وفد کلب	وفد جَرْم
وفد غسان	وفد سعد العشیرہ	وفد عنس	مذحج کا وفد رہاویین
وفد غامد	وفد نخع	وفد ازدِ عمان	وفد خثعم
وفد غافق	وفد بارق	وفد ثمالہ وحدان	وفد اسلم
وفد جذام	وفد مہرہ	وفد جیشان[2]	

[1] الطبقات الکبرٰی: 278/1. واقدی کی ضعیف سند سے ہے۔ [2] وفد خولان سے لے کر وفد مہرہ تک کے وفود ابن سعد کی روایت سے ہیں، دیکھیے: (الطبقات الکبرٰی: 316/1-359) اس روایت کی سند ضعیف یا نہایت ضعیف ہے۔ ازدِ عمان کی وفادت (آمد) ایک دوسری سند سے ثابت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (سبل الہدٰی والرّشاد للشامي: 402/7)

وفد مذحج [1]، تہامہ کے نشیبی علاقے سے بنو نہدی کا وفد [2]، وفد بنی نُمیر [3]، درندوں کا وفد [4]، جنوں کا وفد جو مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کے پاس آیا تھا [5]، وفد ہوازن (جو رسولِ اکرم ﷺ کی طائف سے واپسی پر جعرانہ میں آپ کے پاس حاضر ہوا تھا۔) [6] وفدِ ثعلبہ [7] اسید بن ابی اناس کی آمد۔ (رسول اللہ ﷺ نے اس کا قتل جائز قرار دے دیا تھا، تاہم اس نے آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر توبہ کر لی)۔ [8]

[1] تاريخ المدينة المنوّرة لابن شبة: 2/552-559. یہ شعبی کی مراسیل میں سے ہے۔ [2] تاريخ المدينة المنوّرة لابن شبة: 2/559. اس کی سند میں عمرو بن واقد متروک ہے۔ عروہ بن رویم صدوق ہے اور مرسل روایات بیان کرتا ہے۔ [3] تاريخ المدينة المنوّرة لابن شبة: 2/592. انقطاع کی وجہ سے یہ سند ضعیف ہے۔ ابن حجر رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''بخاری نے تاریخ میں نُمیر کے اس وفد کی روایت کا بعض حصہ نقل کیا ہے۔ تاریخ میں بخاری کی سند فضیل بن سلیمان کی وجہ سے ضعیف ہے جو بہت غلطیاں کرتا ہے۔ فضیل کے استاذ کے متعلق بھی ابن ابی حاتم نے سکوت اختیار کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة: 3/233) [4] الطبقات الكبرٰى: 1/359. یہ واقدی کی روایت ہے۔ یہ روایت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ درندوں کا انسانوں سے ہم کلام ہونے کا معجزہ متعدد بار رونما ہوا ہے۔ ابن کثیر ایک حدیث لائے ہیں جسے احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔۔ روایت میں اس بھیڑیے کا واقعہ بیان ہوا ہے جو اپنی دم کے بل بیٹھا اور چرواہے سے ہم کلام ہوا تھا۔ اس نے چرواہے کو بتایا کہ مدینہ میں محمد ﷺ اگلے لوگوں کی باتیں بیان کرتے ہیں۔ ابن کثیر لکھتے ہیں: ''یہ سند اہل سنن کی شرط پر پورا اترتی ہے، اس کے باوجود انھوں نے اسے نقل نہیں کیا۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 5/108) ترمذی کا کہنا ہے: ''یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔'' نیز روایت کی مزید تخریج کے لیے دیکھیے: (الإشارة إلى سيرة المصطفٰى لمغلطائي، ص: 342) [5] تفسير ابن كثير: 7/272-287. جنوں کے وفد کی روایت بخاری، مسلم اور احمد وغیرہ کے ہاں صحیح سندوں سے ثابت ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، الأذان، باب الجهر بقراءة صلاة الصبح، حديث: 773، و صحيح مسلم، الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن، حديث: 449، 450) [6] وفد ہوازن کا ذکر حنین کی غنیموں کے بیان میں گزر چکا ہے۔ [7] الطبقات الكبرٰى: 1/298. یہ واقدی کی روایت ہے۔ [8] أسد الغابة: 1/89، 90، والإصابة: 1/47. ابن حجر نے لکھا: ''ان کا واقعہ ابن شاہین نے مدائنی کی سند اور ان ◄◄

وفد بني سُحَيْم [1] ، وفد بنی سدوس [2] ، ابوصفرہ کی آمد [3] ، وفد عنزہ، ان میں سلمہ بن سعد بھی تھے۔ [4] (اس قبیلے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا تھا: ''یہاں ایک مظلوم قبیلہ ہے، اس کی مدد کی جائے گی۔)'' [5] ، ربیعہ بن رواء عنسی کی آمد [6] ، قیس بن عاصم کی آمد [7] ، حبشہ کے عیسائیوں کا وفد۔ (یہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مکہ مکرمہ میں حاضر ہوئے تھے جو تقریباً بیس آدمی تھے) [8]

وفود کی روایات سے حاصل ہونے والے فوائد واحکام

* رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں ان قبائل کے وفود کی حاضری سے یہ حقیقت روشن ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اسلام پورے جزیرۂ عرب میں پھیل

<< کے راویوں کی دیگر کئی سندوں سے روایت کیا ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ تک پہنچتی ہیں۔'' [1] یہ المرشاطي کی ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، دیکھیے: (سبل الهدٰى والرّشاد: 521/6) [2] یہ بزار کی عبداللہ بن اسود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، دیکھیے: (سبل الهدٰى والرّشاد: 522/6) [3] یہ ابن مندہ، ابن عساکر اور دیلمی کی روایت ہے، دیکھیے: (سبل الهدٰى والرّشاد: 537/7) [4] ان کی وفادت (آمد) کی روایت سلمہ بن سعد کے حالات میں بیان ہوئی ہے، دیکھیے: (أسد الغابة: 336/2، والإصابة: 65/2) [5] اسے ابویعلی نے ثقہ راویوں کے ساتھ اور بزار، طبرانی اور امام احمد نے روایت کیا ہے، دیکھیے: (سُبُل الهُدٰى والرّشاد: 593/6) [6] أسد الغابة: 168/2، والإصابة: 508/1. ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''اس کا تذکرہ طبرانی اور دیگر نے کیا ہے۔ انھوں نے اسے عیسٰی بن محمد بن عبدالعزیز بن أبو بکر بن محمد عن أبيه عن عبدالعزيز عن أبيه کی سند سے درج کیا ہے۔'' نیز دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 106/2) [7] یہ طبرانی کی قیس بن عاصم سے روایت ہے۔ اس کی سند جید ہے، دیکھیے: (سُبُل الهُدٰى والرّشاد: 613/6، وأسد الغابة: 4/219-221، والإصابة: 52/3. والطبقات الكبرٰى: 60/2) [8] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرو المغازي، ص: 219,218) ابن اسحاق نے لکھا: ''کہا جاتا ہے کہ نصرانی وفد کا تعلق اہلِ نجران سے تھا۔''

چکا تھا اور مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت کے پرچم تلے سارا جزیرۂ عرب ایک وحدت بن گیا تھا۔

* مدینہ منورہ میں وفود کی پے بہ پے آمد سے فتح ونصرت کا وہ وعدہ پورا ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیِ کریم ﷺ سے کیا تھا۔

* دیگر قوموں اور قبیلوں کا کماحقہ احترام اور ان کے قیام وطعام کا انتظام رسول اللہ ﷺ کے حسن انتظام، اسلامی آداب اور بے مثل اخلاقِ کریمانہ کی نادر مثال ہے۔ آپ ﷺ مہمانوں کا گرم جوشی سے استقبال کرتے، شایانِ شان مہمان نوازی فرماتے اور مہمانوں کو عطیات بھی دیتے تھے۔ حق یہی ہے کہ نبی ﷺ کی شان فیاضی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

* اگر کسی مشرک سے توقع ہو کہ وہ اسلام قبول کرے گا تو اسے مسجد میں ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ نبیِ کریم ﷺ بنوثقیف کے وفد سے مسجد میں ملاقات کیا کرتے اور انھیں اسلام کی تعلیمات سے روشناس کراتے تھے۔ جب مشرک کو مسجد میں ٹھہرانا جائز ہے تو اہل کتاب کو بدرجۂ اَولیٰ ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائی وفد کا استقبال مسجد میں کیا تھا۔ زرکشی نے لکھا: ''یاد رہے کہ رافعی اور نووی رحمہ اللہ نے چند شروط کے ساتھ حرم کے علاوہ دوسری مساجد میں کفار کے داخلے کو جائز کہا ہے۔ شروط یہ ہیں:

❶ ان سے معاہدے کے وقت ان کے مسجد میں داخل ہونے پر پابندی نہ لگائی گئی ہو۔

❷ ان کو اجازت دینے والا مسلمان مکلف ہو، یعنی اس پر شرعی احکام عائد ہوتے ہوں اور وہ دینِ اسلام کے حقوق وفرائض کی ادائیگی اور واجبات کے بجا لانے کی صلاحیت واہلیت رکھتا ہو۔

❸ ان کا داخلہ قرآن واحادیث سننے کے لیے ہو اور ان کے اسلام لانے کی امید ہو یا وہ مکانوں کی مرمت وغیرہ کے لیے آتے ہوں۔ [1]

---

[1] إعلام الساجد في أحكام المساجد، ص: 319-321، مختصرًا.

باب

6

حجۃ الوداع سے مرض الموت تک کے واقعات

- حجۃ الوداع سے قبل کے اہم واقعات
- حجۃ الوداع
- حجۃ الوداع کے احکام واسباق
- مرض الموت اور وفات النبی

***

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِىْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًاؕ﴾

”آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کرلیا۔“ [المآئدة 3:5]

«مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي، وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلٰى، اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

”(میں) ان لوگوں کے ساتھ (رہنا چاہتا ہوں) جن پر تو نے انعامات فرمائے ہیں، یعنی انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالحین، اے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے بلند مرتبہ رفیق سے ملا دے، اے اللہ! مجھے بلند مرتبہ رفیق سے ملا دے۔“

[صحيح البخاري، حديث:4435-4440، صحيح مسلم، حديث:2444]

حجۃ الوداع سے قبل کے اہم واقعات

ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حج

رسول اللہ ﷺ نے 9 ھ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج مقرر فرمایا۔ وہ تین سو صحابہ کی معیت میں ذوالحجہ میں مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ [1]

قافلۂ حُجاج مدینہ منورہ سے نکل چکا تھا کہ سورۂ براءت (توبہ) نازل ہوئی، چنانچہ نبیِ کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو اس سورت کی ابتدائی آیات دے کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھیجا تاکہ وہ منیٰ میں یومِ نحر کو لوگوں کو یہ آیات علی الاعلان پڑھ کر سنائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ حق میری طرف سے میرے اہل بیت میں سے ہی کوئی فرد ادا کر سکتا ہے۔'' [2]

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو پوچھا: ''امیر ہو یا مامور؟'' علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب حج أبي بكر بالناس في سنة تسع، حديث: 4363، وصحيح مسلم، الحج، باب لا يحج البيت مشرك......، حديث: 1347، و الطبقات الكبرٰى: 168/2. یہ واقدی کی روایت ہے۔ [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، تاہم یہ محمد بن علی باقر کی مرسل روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 256/4) احمد کی ایک روایت اس کی تائید کرتی ہے، دیکھیے: (الفتح الرّباني: 212/21) یہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔ ساعاتی نے لکھا کہ اسے ترمذی نے بھی روایت کیا ہے اور انھوں نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔''

''مامور ہوں۔'' پھر دونوں چل پڑے۔ [1] صحابہ کی ایک ٹولی جن میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان آیات کا اعلان کرنے میں شریک تھی۔ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہ اعلانات کر رہے تھے: ''مومن کے علاوہ کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا۔ کوئی عریاں آدمی بیت اللہ کا طواف نہ کرے، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عہد ہے اس کا عہد چار ماہ برقرار رہے گا۔ چار ماہ گزرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول گرامی صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کے عہد سے بری ہیں۔ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کرنے نہ آئے۔'' [2]

بغوی رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت (توبہ) کی آیات اور دیگر اعلانات کی خاطر خاص طور پر بھیجنے کی حکمت کے بارے میں اہلِ علم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس دور کے عربوں کا ضابطہ یہ تھا کہ عہد قائم کرنا یا عہد ختم کرنا بڑے سردار کا کام ہوتا ہے۔ وہ خود ایسا اعلان کرے یا اپنے قبیلے اور خاندان کے کسی فرد سے اعلان کرائے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ کوئی یہ اعتراض نہ کر سکے کہ معاہدے کی منسوخی میں ہمارے موروثی ضابطے کی خلاف ورزی کی گئی ہے۔ [3]

[1] یہ ابن اسحاق کی مرسل روایت ہے۔ اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 256/4)
[2] صحيح البخاري، المغازي، باب حج أبي بكر بالناس في سنة تسع، حديث: 4363، وصحيح مسلم، الحج، باب لايحج البيت مشرك......، حديث: 1347. بخاری و مسلم کی روایات میں صرف یہ بیان ہے کہ مشرکین آئندہ حج نہ کریں اور کوئی عریاں کعبے کا طواف نہ کرے۔ پوری روایت احمد نے بیان کی ہے، دیکھیے: (الفتح الرباني: 211/21، واللفظ له) سند صحیح ہے۔ ترمذی نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ [3] تفسير البغوي: 49/3. ان کا یہ قول ساعاتی نے نقل کیا ہے، دیکھیے: (الفتح الرّباني: 212/21)

ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی

رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجا۔ یمن کے دو حصے تھے۔ ہر حصے کے لیے الگ الگ امیر مقرر کیا اور انھیں وصیت فرمائی: ''آسانی پیدا کرنا تنگی نہ ڈالنا، لوگوں کو خوش رکھنا متنفر نہ کرنا اور آپس میں اتفاق رکھنا۔''[1]

معاذ رضی اللہ عنہ سے آپ ﷺ نے خاص طور پر فرمایا: ''تم ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہو جن کے پاس پہلے سے کتاب موجود ہے۔ جب تم ان کے پاس جاؤ تو انھیں توحید و رسالت کا اقرار کرنے کی دعوت دینا۔ اگر وہ یہ بات مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ اگر وہ یہ بات بھی مان لیں تو انھیں بتانا کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے اور ان کے فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔ وہ یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو (زکاۃ وصول کرتے وقت) قیمتی اور بہترین مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں۔''[2]

جب معاذ رضی اللہ عنہ یمن چلنے لگے تو رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ نکلے، آپ انھیں وصیت کر رہے تھے۔ معاذ سوار تھے اور رسول اللہ ﷺ ان کی سواری کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ جب وصیت کر چکے تو فرمایا: ''معاذ! شاید تم مجھے اس سال کے بعد نہ مل سکو۔ اور ہو سکتا ہے تم میری مسجد یا میری قبر کے پاس سے گزرو۔'' معاذ رسول اللہ ﷺ کی جدائی کے تصور سے گھبرا کر رونے لگے۔ ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسى و معاذ إلى اليمن قبل حجة الوداع، حديث:4345,4344، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب في الأمر بالتيسير و ترك التنفير، حديث:1733. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسى ومعاذ إلى اليمن قبل حجة الوداع، حديث:4347.

فرمایا: ”معاذ! مت رو۔ رونے کے لیے ایک وقت ہوتا ہے۔ (بے وقت) رونا شیطانی کام ہے۔“ پھر آپ مڑ گئے اور چہرۂ انور مدینہ منورہ کی طرف کر کے فرمایا: ”متقی اور پرہیز گار لوگ میرے انتہائی قریب ہیں، جو بھی ہوں، جہاں بھی ہوں۔“[1] اس دوران آپ ﷺ نے انھیں زکاۃ کے مختلف نصاب بھی سمجھائے۔[2]

معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ”(کوئی قضیہ پیش آیا تو) فیصلہ کیسے کرو گے؟“ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”کتاب اللہ کی مدد سے فیصلہ کروں گا۔“ فرمایا: ”اگر وہ قضیہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں نہ ہوا تو؟“ معاذ کہنے لگے: ”رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا۔“ فرمایا: ”اگر رسول اللہ (ﷺ) کی سنت میں بھی نہ ملا تو؟“ معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”پھر میں اجتہاد کروں گا اور صحیح فیصلے تک پہنچنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑوں گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے ان کے سینے پر (ہاتھ) مارا اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس امر کی توفیق دی جسے اللہ کا رسول پسند کرتا ہے۔“[3]

علی اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی

رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا، پھر ان کی جگہ علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا۔ ان کی روانگی کا ایک اہم مقصد خُمس کی وصولی بھی تھا۔ جب آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اپنا ارادہ بتایا تو انھوں نے کہا: ”اللہ کے رسول! آپ مجھے ان لوگوں کے پاس فیصلے کرنے بھیج رہے

[1] الفتح الرباني: 215/21. ساعاتی نے کہا: ”اس روایت کی سند جید اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔“
[2] زکاۃ کے نصاب والی احادیث جو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، سنن اربعہ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔
[3] سنن أبي داود، القضاء، باب اجتهاد الرأي في القضاء، حديث: 3592، وجامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء في القاضي كيف يقضي؟ حديث: 1327. بریکٹ والے الفاظ سنن ابی داود کے ہیں۔

ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں؟'' نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''تم جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمھاری زبان کو ثابت رکھے گا اور تمھارے دل کی راہنمائی کرے گا۔'' پھر آپ ﷺ نے انھیں وصیت کی: ''تمھارے پاس کوئی مقدمہ پیش ہو تو صرف ایک فریق کی بات سن کر فیصلہ نہ کرنا یہاں تک کہ دوسرے فریق کی بات بھی سُن لو۔ یوں تم دیکھ لو گے کہ فیصلہ کیسے کرنا ہے۔''[1] علی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''میں بعد میں اسی طرح فیصلے کرتا رہا۔''[2]

پھر نبیِ اکرم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''خالد کے ساتھیوں سے کہو کہ جو تمھارے ساتھ وہاں رہنا چاہیں رہیں اور جو واپس آنا چاہیں آجائیں۔''[3] علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی یمن میں رہے یہاں تک کہ وہ حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ سے آملے اور حج کیا۔[4]

علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ذمہ داری بڑی خوبی اور قابلیت سے ادا کی اور عدل و انصاف کی بڑی تابناک مثالیں قائم کیں، مثلاً: ان کے ساتھیوں نے خواہش ظاہر کی کہ ہم اپنے اونٹوں کے بجائے صدقے کے اونٹوں پر سوار ہونا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارے اونٹ بہت کمزور ہو چکے ہیں، انھیں ذرا آرام کی ضرورت ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ بات نہیں مانی اور کہا: ''ان اونٹوں میں تمھارا حصہ بھی اتنا ہی ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کا ہے۔'' پھر جب

[1] سنن أبي داود، القضاء، باب كيف القضاء، حديث: 3582، و مسند أحمد(تحقيق أحمد شاكر): 73/2، حديث: 666. محدث احمد شاکر کا کہنا ہے: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' [2] مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 83/2، حديث: 690. محدث احمد شاکر کا کہنا ہے: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' [3] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب......، حديث: 4349. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث علي بن أبي طالب......، حديث: 4354،4353، وصحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دیگر ساتھیوں کی حج کے موقع پر یمن سے واپسی ضمناً اور مفہوماً ہے۔ بخاری و مسلم کے الفاظ سے صرف علی رضی اللہ عنہ کی واپسی کا ذکر ہے۔

علی رضی اللہ عنہ حج پر گئے تو ان کے ساتھیوں نے ان کے نائب سے صدقے کے اونٹوں پر سواری کی اجازت حاصل کر لی۔ علی رضی اللہ عنہ واپس آئے تو انھیں پتہ چل گیا کہ صدقے کے اونٹوں پر سواری کی گئی ہے۔ انھوں نے اپنے نائب کو ڈانٹا اور ملامت کی۔ لوگوں نے اسے ان کی بے جا سختی اور تشدد گردانا۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں علی رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اپنی شکایت پر نادم ہوئے اور کہا: ''اللہ کی قسم! میں کھلے بندوں اور نہ خفیہ طور پر کبھی علی رضی اللہ عنہ کا برائی کے ساتھ ذکر نہیں کروں گا۔''[1] پھر جب لشکر والوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے علی رضی اللہ عنہ کی سختی کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا: ''لوگو! علی کی شکایت نہ کرو۔ اللہ کی قسم! وہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اللہ کی راہ میں سب سے زیادہ سخت ہے چہ جائیکہ اس کی شکایت کی جائے۔''[2] مزید فرمایا: ''جس کا میں دوست ہوں، علی بھی اس کا دوست ہے۔''[3]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''اے اللہ! جو اس سے محبت کرے تو اس سے محبت فرما اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔''[4]

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 399,398/5، مطوّلاً، و مسند أحمد: 86/3، مختصراً. ابن کثیر نے بیہقی کی روایت درج کی اور لکھا: ''یہ سند جید ہے اور نسائی کی شرط پر ہے۔ کتب ستہ والوں میں سے اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 120/5) [2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 333/4) [3] البداية والنهاية: 235/5. ابن کثیر نے یہ روایت درج کر کے احمد کا حوالہ دیا اور کہا: ''نسائی نے بھی اسی سند سے اسے روایت کیا ہے۔ یہ سند جید اور قوی ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔'' [4] ابن کثیر رحمہ اللہ نے اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔ ایک سند کے بارے میں انھوں نے لکھا: ''اس سند سے اسے صرف نسائی نے روایت کیا ہے۔ ہمارے استاذ شیخ ابوعبداللہ ذہبی کا کہنا ہے: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' دوسری سند کے بارے میں انھوں نے لکھا جو احمد کی روایت سے ہے: ''اس روایت کی سند جید اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ یہ سنن کی شرط کے مطابق ہے۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 235/5)

یہ شکایت اس وقت کی گئی تھی جب علی رضی اللہ عنہ نے مجاہدین سے وہ کپڑے واپس لے لیے تھے جو ان کے نائب نے تقسیم کیے تھے۔ جب شکایت کی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجمع میں کھڑے ہوگئے اور حاضرین سے خطاب فرمایا۔ یہ غدیر خم کے مقام پر 18 ذوالحجہ کی بات ہے۔ آپ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے اپنے خطاب میں علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کی۔ [1] علی رضی اللہ عنہ اس مہم میں کامیاب ہوئے جس میں خالد رضی اللہ عنہ ناکام ہو گئے تھے۔ خالد رضی اللہ عنہ وہاں چھ ماہ رہے۔ لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ لوگوں نے دعوت قبول نہ کی، پھر جب علی رضی اللہ عنہ وہاں پہنچے اور بنو ہمدان کو اسلام کی دعوت دی تو وہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خط لکھا اور ان کے اسلام لانے کی اطلاع دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خط کے مندرجات معلوم ہوئے تو آپ نے فوراً سجدۂ شکر ادا کیا، پھر سجدے سے سر اٹھا کر فرمایا: ''ہمدان پر سلامتی ہو! ہمدان پر سلامتی ہو۔'' [2]

جریر بن عبداللہ بَجلی رضی اللہ عنہ کی ذوالخلصہ کی طرف روانگی

دور جاہلیت میں خثعم اور بجیلہ نے ایک معبد بنا رکھا تھا جسے ذُوالْخَلَصَۃ کعبہ یمانیہ اور کعبہ شامیہ کہا جاتا تھا۔ جب جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ اپنی قوم کا وفد لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے فرمایا: ''تم ذوالخلصہ کو گرا کر

---

[1] علماء نے اس خطبے کے متعلق تفصیل سے وضاحت کی ہے۔ انھوں نے اس روایت میں کیے جانے والے من گھڑت اضافوں کو آشکار کیا جن کے وضع کرنے والوں کے پیش نظر یہ امر تھا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت کی وصیت ثابت کریں۔ [2] دلائل النبوۃ للبیھقي: 397,396/5. امام بیہقی نے لکھا: ''اسے بخاری نے بالاختصار ایک اور سند کے ساتھ ابراہیم بن یوسف سے روایت کیا ہے۔'' اصل حدیث صحیح بخاری میں ہے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب بعث النبي صلی اللہ علیہ وسلم خالد بن الولید إلی بني جذیمۃ، حدیث: 4339) زاد المعاد کے محقق کا کہنا ہے: ''پوری حدیث میں سجودِ شکر بخاری کی شرط کے مطابق صحیح ہیں۔'' دیکھیے: (زاد المعاد: 623/3)

مجھے راحت نہیں دیتے؟'' جریر نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ وہ گھوڑے پر جم کر نہیں بیٹھ سکتے۔ آپ ﷺ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! ثَبِّتْهُ، وَاجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا»

''اے اللہ! اسے مضبوط کر دے اور اسے ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا۔''

پھر جریر رضی اللہ عنہ ڈیڑھ سو سوار لے کر نکلے۔ انھوں نے معبد کو گرا دیا اور اس کے مجاوروں کو قتل کر دیا، پھر جریر رضی اللہ عنہ نے ابو ارطاۃ حصین بن ربیعہ احمسی رضی اللہ عنہ کو یہ خوشخبری دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ آپ کو خوشخبری ملی تو آپ نے ان سب مجاہدین کے لیے اور جریر کے قبیلہ بجیلہ کے بھائیوں احمس کے لیے خاص طور پر دعا فرمائی۔ [1]

احکام و فوائد

* اس کارروائی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایسی عمارت یا چیز کو تہس نہس کر دینا جائز ہے جس سے لوگ گمراہ ہو رہے ہوں۔ [2]
* اہلِ خیر کو چاہیے کہ ان لوگوں کی ثابت قدمی کی دعا کریں جو ثابت قدمی سے نہیں لڑ سکتے یا جہاد کے دیگر وسائل اختیار نہیں کر سکتے، مثلاً ہمارے اس دور میں میزائل ٹیکنالوجی اور دیگر جدید آلات حرب کو استعمال کرنا وغیرہ۔
* جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے واقعے سے گھڑ سواری اور اس میں کمال حاصل کرنے کی فضیلت معلوم ہوتی ہے۔ [3]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة ذي الخلصة، حديث:4355-4357، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل جرير بن عبدالله رضی اللہ عنہ، حديث:2476. ذوالخلصہ کے یمن میں قائم ہونے کی وجہ سے اسے کعبہ یمانیہ اور اس کے دروازے کا رخ شام کی سمت ہونے کی وجہ سے اسے کعبہ شامیہ کہا جاتا تھا، دیکھیے: (فتح الباري: 16/190,191) [2] فتح الباري: 16/194.
[3] فتح الباري: 16/194.

موجودہ دور میں ٹینک اور جنگی طیاروں جیسے دیگر وسائلِ حرب کو استعمال کرنے اور ان کی تربیت حاصل کرنے کی فضیلت کو بھی اسی پر قیاس کیا جائے گا۔

* کسی قوم یا قبیلے پر انھی میں سے کسی کو امیر بنانا چاہیے تاکہ ان کے دل مائل رہیں۔[1] رسول اللہ ﷺ نے اکثر یہ طریق کار اختیار فرمایا ہے۔
* اسی طرح لوگوں کو مطمئن رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے لیے دعا کی جائے، اگر وہ کوئی معرکہ انجام دیں تو ان کی تعریف کی جائے اور فتوحات میں خوشخبری دی جائے۔[2]

حجۃ الوداع
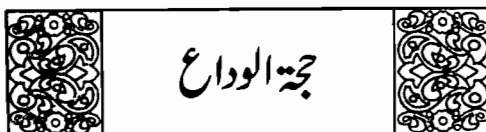
علماء نے فرضیت حج کے سال میں اختلاف کیا ہے کہ وہ 10 ھ ہے یا 9 ھ یا 6 ھ یا ہجرت سے قبل۔ آخری قول عجیب وغریب ہے۔[3] ابن القیم رحمہ اللہ نے 10 ھ کو ترجیح دی ہے کیونکہ ان کے دلائل قوی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔ آپ ﷺ فرض کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ﴾

''اور اللہ ہی کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج کرنا لازم ہے، جو کوئی اس کی طرف راستے (جانے) کی طاقت رکھے۔''[4]

یہ آیت وفود کے سال 9 ھ کے آخر میں نازل ہوئی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے کوئی حج کرنے نہیں گئے سوائے اس حج کے جو 10 ھ

[1] فتح الباري: 16 / 194. [2] فتح الباري: 16 / 194. [3] البداية والنهاية: 5 / 123.
[4] آل عمران 3:97.

میں ہوا۔ اس حج کو حجۃ الوداع، حجۃ الاسلام اور حجۃ البلاغ بھی کہا گیا۔ حجۃ البلاغ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حج میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی شریعت زبانی اور عملی طور پر پہنچا دی۔ اسلام کا کوئی رکن اور اصول ایسا نہیں جو آپ ﷺ نے اس حج میں بیان نہ کر دیا ہو۔ جب آپ نے حج کے احکامات بخوبی واضح کر دیے تو اللہ تعالیٰ نے وقوف عرفہ کے دوران آپ پر یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمھارے لیے دین اسلام کو پسند کر لیا۔''[1]

اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس میں لوگوں کو الوداع کہا اور اس کے بعد کوئی حج نہیں کیا۔

رسول اللہ ﷺ نے 10ھ میں ارادۂ حج کا اعلان کیا تو لوگ کثیر تعداد میں مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی اقتدا میں فریضۂ حج ادا کرے اور اللہ کے رسول ﷺ کی سنت مطہرہ پر عمل کرے۔[2]

ذوالقعدہ کے پانچ دن باقی تھے کہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ سے عازم سفر ہوئے۔[3]

اس سفر حج میں جاتے اور واپس آتے ہوئے بہت سے واقعات ظہور پذیر ہوئے۔[4] ان کے بیان کا صحیح محل عبادات سے متعلقہ کتب کے ابواب حج ہیں۔ شروع سے اب تک

[1] المآئدة 3:5. صحيح البخاري، المغازي، باب حجة الوداع، حديث: 4407، و البداية والنهاية: 123/5. [2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 330/4) ابن کثیر نے اس سند کو جید قرار دیا ہے۔ [4] البداية والنهاية: 223/5-233.

ہر دور کے اہل علم نے اس سلسلے میں خصوصی کتابیں لکھی ہیں جن میں مناسک حج، احکام حج اور خطباتِ حج کا مفصل تذکرہ ہے۔[1] اور وہ وصیتیں درج ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے اس دوران امت کو فرمائیں۔ اس حج کا مشہور ترین خطبہ وہ ہے جو آپ نے ایامِ تشریق کے درمیانی دن منیٰ میں ارشاد فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ دِمَائَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ حَرَامٌ عَلَيْكُمْ، كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مِّنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ تَحْتَ قَدَمَيَّ مَوْضُوعٌ، وَّدِمَاءُ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعَةٌ، وَّإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَضَعُ مِنْ دِمَائِنَا دَمُ ابْنِ رَبِيعَةَ بْنِ الْحَارِثِ، كَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي سَعْدٍ فَقَتَلَتْهُ هُذَيْلٌ، وَّرِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوعٌ، وَّأَوَّلُ رِبًا أَضَعُ رِبَانَا، رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، فَإِنَّهُ مَوْضُوعٌ كُلُّهُ، فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَّا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَّلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَّا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ: كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَنْتُمْ تُسْأَلُونَ عَنِّي، فَمَا أَنْتُمْ قَائِلُونَ؟» قَالُوا: نَشْهَدُ

[1] قدماء میں سے ابن حزم نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ معاصر محدثین میں سے شیخ البانی، شیخ محمد زکریا کاندھلوی اور دکتور فاروق حمادہ نے بھی الوصیة النبویة للأمة الإسلامیة کے زیر عنوان اس معاملے پر روشنی ڈالی ہے۔ فاروق حمادہ نے بیشتر ادبی و حدیثی ماخذوں اور سیرت کی کتابوں سے 38 شقیں جمع کی ہیں، پھر انھوں نے جرح و تعدیل کے میزان پر جس پر صدیوں سے ائمۂ مسلمین نے اعتماد کیا، ان روایات کو رکھا اور ان کا تجزیہ کیا۔ علاوہ ازیں انھوں نے روایات کی تخریج کا اہتمام بھی کیا ہے۔ انھوں نے یہ کام نہایت عمدگی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔

أَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ وَأَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ (لِأُمَّتِكَ، وَقَضَيْتَ الَّذِي عَلَيْكَ)، فَقَالَ: «اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ، اَللّٰهُمَّ! اشْهَدْ»

''بلاشبہ تمھارے خون اور تمھارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح تم اس دن کا اس ماہ میں اور اس شہر میں احترام کرتے ہو۔ خبر دار! جاہلیت کا ہر معاملہ میرے پاؤں تلے روندا جا رہا ہے۔ جاہلیت میں کیے گئے خون ختم کیے جاتے ہیں۔ اس قسم کا خون جس کا ہمارے خاندان سے تعلق ہے ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون ہے جو بنو سعد میں پرورش پا رہا تھا اور بنو ہذیل نے وہاں اسے قتل کر دیا تھا، میں سب سے پہلے یہ خون معاف کرتا ہوں۔ دور جاہلیت کا ہر قسم کا سود ختم ہے (جسے وصول نہیں کیا جا سکے گا) سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔ عورتوں کے حقوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ تم نے انھیں اللہ کی ضمانت پر حاصل کیا ہے اور اللہ کے کلمے سے تم نے ان کی شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔ ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو تمھارے بستر پر نہ آنے دیں جسے تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو تم انھیں ہلکی مار مار سکتے ہو جس سے نشان نہ پڑے۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں کھانا پینا اور لباس مہیا کرو۔ میں تمھارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں جسے تم مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا جواب دو گے؟''

حاضرین نے جواب دیا: ''ہم گواہی دیں گے کہ آپ نے اپنے رب کریم کے تمام پیغامات پہنچا دیے۔ اپنا فرض ادا کر دیا اور اپنی امت کی خیر خواہی فرمائی اور آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے تین بار فرمایا: ''اے

اللہ! گواہ رہنا، اے اللہ! گواہ رہنا۔‘‘ [1]

اسی حج کے دوران آپ نے اپنے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا: ’’...... افسوس تم پر! (خوب) سوچ سمجھ لو۔ میرے بعد کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔‘‘ [2]

مزید فرمایا:

’’اب شیطان اس بات سے ناامید ہوگیا ہے کہ تمھارے اس علاقے میں اس کی پوجا ہوگی، البتہ وہ اس بات پر راضی ہوگیا ہے کہ معمولی معمولی معاملات میں تم اس کی پیروی کرو گے، لہٰذا اے لوگو! بچ کر رہو۔ محتاط رہو۔ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں جنھیں تم مضبوطی سے پکڑے رکھو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ کسی کے لیے اپنے مسلمان بھائی کے مال سے کچھ بھی لینا حرام ہے، مگر جو کچھ وہ خود اپنی خوشی سے دے۔‘‘ [3]

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218. یہ حجۃ الوداع کے بارے میں جابر رضی اللہ عنہ کی طویل اور مشہور روایت ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حجة الوداع، حديث: 4403، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان معنى قول النبي ﷺ: لا ترجعوا بعدي كفارًا يضرب بعضكم رقاب بعض، حديث: 66,65. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 449/5. حاکم نے بھی اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 93/1، و جامع الترمذي، التفسير، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3087) ترمذی کے راوی عمرو بن احوص ہیں۔ البانی نے کہا: ’’یہ حدیث حسن ہے۔‘‘ انھوں نے سنن ابن ماجہ اور احمد کا حوالہ بھی دیا ہے، دیکھیے: (سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851، والفتح الرّباني: 280/21) ساعاتی نے اپنی تخریج میں لکھا: ’’اس روایت کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تفصیل سے درج کیا ہے اور انھوں نے احمد کا حوالہ دیا ہے۔‘‘ پھر لکھا: ’’ابو داود نے اس کا ایک حصہ روایت کیا ہے۔ اور ائمۂ حدیث نے اپنی کتابوں میں اس روایت کے متفرق حصوں کو مختلف ابواب میں صحیح سندوں سے روایت کیا ہے۔‘‘ والله أعلم، نیز دیکھیے: (كشف الأستار، حديث: 1524)

روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا: ''میں اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر گیا۔ میں نے اللہ سے دعا کی کہ میری خاطر انھیں زندہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا اور وہ مجھ پر ایمان لے آئیں۔'' اہلِ علم نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے جیسا کہ ''حدائق الانوار'' کی تحقیق و تخریج میں ہے۔[1]

میں کہتا ہوں: ''یہ بات تو صحیح ثابت ہے کہ آپ ﷺ اپنی والدہ کی قبر پر تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب سے اجازت طلب کی تھی کہ میں اپنی والدہ محترمہ کے لیے دعائے مغفرت کروں تو اللہ نے مجھے اس کی اجازت نہیں دی، البتہ میں نے اللہ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت عطا فرما دی۔''[2]

حجۃ الوداع کے احکام و اسباق

* حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے جو اعلانِ عام فرمایا اس کا مقصد یہ تھا کہ لوگ براہ راست آپ ﷺ کی ذات بابرکات سے ارکان اسلام میں سے پانچویں رکن، یعنی حج ادا کرنے کا طریقہ سیکھ لیں۔ آپ ﷺ نے ان جاہلی رسوم و رواج کو

---

[1] حدائق الأ نوار لمحمد بن عمر بحرق الحضرمي، ص: 113-115. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه عزوجل في زيارة قبر أمّه، حديث: 976. عام نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین اہلِ فترہ میں سے ہیں۔ فترہ دو رسولوں کے درمیانی عرصے کو کہتے ہیں جس میں وحی منقطع ہو گئی ہو اور نبوی تعلیمات اپنی اصلی شکل میں باقی نہ رہی ہوں۔ خاص طور پر عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے درمیانی دور کو فترہ کہا جاتا ہے۔ اشعری علماء کی تحقیق کے مطابق اہلِ فترہ نجات پائیں گے، سوائے ان کے جنھیں مستثنیٰ کر دیا گیا، دیکھیے: (تحقيق حدائق الأنوار، ص: 114، حاشية: 4)

ممنوع قرار دے دیا تھا جو حج کے سلسلے میں ان میں نسل در نسل سے جاری تھے، مثلاً: تالیاں بجانا، سیٹیاں بجانا اور ننگے بدن طواف کرنا۔ قبل ازیں آپ تمام بتوں کو گرا چکے اور بیت اللہ کو ان سے پاک صاف کر چکے تھے۔

* آپ کا مقصد یہ بھی تھا کہ اس حج کی مناسبت سے ان تمام مسلمانوں کو آپ ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل ہو جائے جو دور دراز کے نشیب و فراز سے آپ کی دید سے آنکھیں ٹھنڈی کرنے آئے تھے۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ مختصر اور جامع کلمات کے ذریعے سے حاضرین کے سامنے اسلامی تعلیمات اور اسلامی نظام کا خلاصہ بیان فرما دیں اور ان پر ذمہ داری عائد فرمائیں کہ وہ یہ باتیں ان تمام لوگوں تک پہنچائیں جو دنیا کے کسی بھی گوشے میں رہتے ہوں۔ یہ ذمہ داری آپ کے دور سے لے کر قیامت تک کے لیے پوری امت پر عائد ہوتی ہے۔ جب تک زمین پر ایک انسان بھی موجود ہے امت مسلمہ اسلام کی دعوت دینے کے فرض سے سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ملاقات کے ساتھ ساتھ لوگ آپ ﷺ کو عملی طور پر حج کرتے ہوئے دیکھیں اور آپ کے ارشادات و ہدایات سنیں۔ اسی بنا پر اس حج کے دوران آپ کے خطبات تمام احکامِ حج پر مشتمل تھے اور آپ ﷺ نے لوگوں کے روبرو دین کے اہم اور بنیادی اصولوں کی وصیت بھی فرمائی۔ اس سلسلے میں سب سے اہم حدیث جابر رضی اللہ عنہ کی ہے جس میں نبیِ کریم ﷺ کے اس حج کی تفصیل اور آپ ﷺ کی مختلف وصیتیں اور نصیحتیں درج ہیں۔ یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ اس کے بارے میں امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں: ''یہ ایک عظیم الشان حدیث ہے جو بہت سی مفید باتوں اور اہم قواعد کی نفیس عبارتوں پر مشتمل ہے۔ اسے امام مسلم نے بیان کیا ہے۔ امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں بیان نہیں کیا۔ امام ابو داود نے بھی اس کا مکمل اندراج کیا ہے۔ قاضی عیاض نے کہا: شارحین نے اس حدیث کے فقہی مسائل پر بڑی مفصل بحثیں کی

ہیں۔ ابوبکر بن منذر نے اس روایت کے بارے میں ایک ضخیم رسالہ لکھا ہے اور اس سے ایک سو پچاس سے زیادہ فقہی مسائل اخذ کیے ہیں۔ مزید باریک بینی سے کام لیا جائے تو تقریباً اتنے ہی مسائل اور بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں......۔''[1]

وہ اہم اور بنیادی اصول جن کی رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو تاکید فرمائی اور ان پر عمل پیرا ہونے کی وصیت کی، مندرجہ ذیل ہیں:

* ہر مسلمان کے بنیادی حقوق کا اعلان اور یہ کہ ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت محفوظ اور محترم ہیں۔[2]
* ظلم اور سود کی حرمت کا اعلان اور تمام جاہلی رسوم و عادات کی تنسیخ جو انسانیت کے لیے ضرر رساں ہیں۔[3]
* عورتوں کے حقوق کا اعلان، خواتین کے حقوق تسلیم کرنے اور ادا کرنے کا حکم اور بیوی

[1] شرح النووي علی صحیح مسلم: 170/8. البانی رحمہ اللہ نے حجۃ الوداع کے احکام کا 72 نکات میں احاطہ کیا ہے۔ چونکہ البانی رحمہ اللہ کی یہ کتاب دستیاب ہے اور اختصار بھی ہمارے پیش نظر ہے، میں نے سوچا کہ ان نکات کو نقل نہ کیا جائے۔ بنابریں میں مکمل فائدے کی خاطر شیخ کی مفید اور مختصر کتاب کا حوالہ دینے پر اکتفا کرتا ہوں جسے انھوں نے حواشی اور شرح سے مزین کیا ہے۔ یوں کتاب کی اہمیت دو چند ہوگئی ہے۔ مزید فائدے کے لیے انھوں نے کتاب کے آخر میں ایک ضمیمے کا اضافہ بھی کیا ہے جس میں انھوں نے ایسی بدعات کا ذکر کیا جن کا ارتکاب حج، مدینہ اور بیت المقدس کی زیارت کے دوران کیا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بیشتر لوگ بدعات میں پڑ جاتے ہیں اور انھیں ان کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اس ضمن میں شیخ محمد ناصر الدین الالبانی نے ایک سو پچھتر (175) بدعات کا ذکر کیا ہے۔ حجۃ الوداع کے احکام و مسائل پر جن کتب میں تفصیل سے بحث کی گئی ان میں سے ایک اہم کتاب زاد المعاد ہے۔ دو جلیل القدر علماء شعیب ارناؤوط اور عبدالقادر ارناؤوط کی تحقیق نے اس کتاب کی اہمیت دوچند کر دی ہے۔ [2] صحیح مسلم، الحج، باب حجۃ النبي ﷺ، حدیث: 1218. جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث سے ماخوذ ہے۔ [3] صحیح مسلم، الحج، باب حجۃ النبي ﷺ، حدیث: 1218. جابر رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث سے ماخوذ ہے۔

پر خاوند کے حقوق کی تشریح۔ [1]

* وارث کے لیے وصیت جائز نہیں اور وراثت کا قانون قرآنی تصریحات کے مطابق نافذ ہوگا۔ [2]
* کسی غیر کو بیٹا بنانا، اصل باپ اور اصل مولیٰ (آقا) کی نفی کر کے کسی اور کو باپ کہنا اور مولیٰ کہنا حرام ہے۔ [3]
* بچہ اسی کی طرف منسوب ہوگا جس کی بیوی یا لونڈی سے پیدا ہوا۔ زانی کی طرف بچے کی نسبت نہیں کی جاسکتی بلکہ اگر وہ زنا کا اعتراف کرے تو اسے رجم کر دیا جائے گا۔ [4]
* مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امن پائیں۔ اصل مہاجر وہ ہے جو خطا اور گناہ چھوڑ دے۔ اصل مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے اپنے نفس، یعنی نفسانی خواہشات کا مقابلہ کرے اور انھیں شکست دے۔ [5] جس کے پاس کوئی امانت ہو وہ اسی کو بے کم و کاست واپس کرے جس نے اس کے پاس امانت رکھی اور اس پر اعتماد کیا تھا۔ [6]

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث: 3565. [2] سنن أبي داود، البيوع، باب في تضمين العارية، حديث:3565، وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث:2712-2714، ومسند أحمد: 248/5، والمصنف لعبدالرزاق: 48/9، حديث: 16308. [3] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل ينتمي إلى غير مواليه، حديث: 5115، و سنن ابن ماجه، الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث: 2712، ومسند أحمد: 248/5، والمصنف لعبدالرزاق: 48/9، حديث: 16308. [4] صحيح البخاري، البيوع، باب تفسير المشبهات، حديث:2053، وسنن أبي داود، الطلاق، باب الولد للفراش، حديث: 2274,2273، وسنن ابن ماجه، الوصايا، باب لا وصية لوارث، حديث: 2712، والمصنف لعبدالرزاق: 48/9، حديث: 16308، ومسند أحمد: 248/5. [5] موارد الظمآن لابن حبان: 128/1، حديث: 25. اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔ [6] مسند أحمد: 73/5، وكشف الأستار للهيثمي: 34/2. اس سند میں موسیٰ بن عبید ربذی ضعیف ہے۔

* رسول اللہ ﷺ کا نام لے کر اپنی طرف سے بات کرنا کبیرہ گناہ ہے۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جو میرا نام لے کر اپنی طرف سے بات کرے، اسے جان لینا چاہیے کہ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو کتاب وسنت پر مضبوطی سے عمل پیرا ہونے کی وصیت فرمائی کہ میں تم میں دو ایسی چیزیں چھوڑ چلا ہوں اگر تم ان پر مضبوطی سے عمل پیرا رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے: ''اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں اور کسی مسلمان کے لیے اپنے مسلمان بھائی کا مال جب تک وہ اپنی خوشی سے اجازت نہ دے جائز نہیں۔[3]

* رسول اللہ ﷺ نے حکمران کی بات سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے، چاہے وہ کسی بھی قوم، طبقے اور کسی رنگ اور شکل وصورت کا ہو بشرطیکہ وہ ان میں کتاب اللہ کا حکم نافذ کرے۔[4]

* رسالت مآب ﷺ نے یہ بات علانیہ ارشاد فرمائی کہ لوگوں میں مراتب کی درجہ بندی صرف تقویٰ کی بنا پر ہو گی، کسی اور بنیاد پر نہیں۔[5]

---

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب التغليظ في تعمد الكذب على رسول اللهﷺ، حديث: 32، ومسند أحمد: 412/5. [2] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبيﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبيﷺ، حديث: 1905، والموطأ للإمام مالك، القدر، باب النهي عن القول بالقدر، حديث: 1708. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي: 97/6، والمستدرك للحاكم: 93/1، كتاب العلم، حديث: 318. [4] صحيح مسلم، الحج، باب استحباب رمي جمرة العقبة يوم النحر راكبًا، حديث: 1298. [5] مجمع الزوائد: 372/3. ہیثمی نے لکھا: ''طبرانی نے اس روایت کو المعجم الکبیر میں چند سندوں سے نقل کیا ہے۔ یہ سند ضعیف ہے۔ اس کی ایک صحیح سند »

* غلاموں کے حقوق کے بارے میں وصیت [1]

* آپ ﷺ نے لوگوں کو وصیت فرمائی کہ تین چیزوں میں مسلمان کے دل کو خیانت نہیں کرنی چاہیے: ❁ عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔ ❁ حکمران اور اہل علم کے ساتھ مخلص رہے۔ ❁ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہے۔ [2]

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی شام کی طرف مہم

نبیِ کریم ﷺ ذوالحجہ 10 ھ کے آخر میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے اور صفر 11 ھ کے آخر میں آپ نے لوگوں کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لیے بلقاء اور فلسطین جانے کو کہا۔ اس لشکر میں بڑے بڑے مہاجرین و انصار شامل تھے۔ [3] آپ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا اور انھیں اس لشکر کا امیر مقرر فرمایا۔ بعض لوگوں نے ان کی امارت پر اعتراض کیا تو رسول اللہ ﷺ اٹھے اور فرمایا: ''اگر تم اس کی امارت پر اعتراض کرتے

◄◄ باب الخطبة يوم عرفة میں گزر چکی ہے۔'' دیکھیے: (جمع الفوائد: 510/1) اور یہ حدیث کہ تمھارا والد ایک ہے اور تمھارا دین ایک ہے۔ تمھارا والد آدم ہے اور آدم مٹی سے بنا، اسے بزار نے روایت کیا۔ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں، دیکھیے: (كشف الأستار: 435/2) [1] مسند أحمد: 35/4. ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا: ''اسے بغوی، ابن شاہین، ابن سکن، ابن مندہ اور ازدی وغیرہ نے روایت کیا۔ اس کی سند صحیح ہے۔'' [2] سنن ابن ماجه، المناسك، باب الخطبة يوم النحر، حديث: 3056، ومسند أحمد: 80/4-82، وسنن الدارمي: 231و234،233، والمعجم الكبير للطبراني: 131،130/2، والمستدرك للحاكم: 89/1. حاکم کا کہنا ہے: ''روایت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے۔'' نیز دیکھیے: (الترغيب والترهيب: 109/1) منذری نے اسے حسن قرار دیا ہے۔
[3] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ أسامة بن زيد رضی اللہ عنہ......، حديث: 4469، والمغازي للواقدي: 1118،1117/3، والطبقات الكبرٰى: 248/2. ابن سعد کی روایت بھی واقدی کی مرسل سند سے ہے۔ ابن اسحاق نے بھی اسے بلا سند روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 337/4)

ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں، تم اس کے باپ کی امارت پر بھی اعتراض کرتے تھے۔ سن لو! اللہ کی قسم! وہی امیر بننے کے قابل تھا اور میرے نزدیک سب سے پسندیدہ تھا اور اب یہ اپنے باپ کے بعد میرے پسندیدہ لوگوں میں سے ہے۔''[1]

اسامہ رضی اللہ عنہ کی امارت کے بارے میں لوگوں کے اعتراض کا سبب، ان کی کم عمری تھا[2] کیونکہ اس وقت وہ صرف اٹھارہ سال کے تھے۔

لشکر کی تیاری کو شروع ہوئے ابھی صرف دو دن ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پڑ گئے۔ اس لیے لشکر روانہ نہ ہوا اور مدینہ منورہ سے باہر جرف کے مقام پر پڑاؤ ڈالے رہا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاتِ حسرت آیات کے بعد یہ لشکر مدینہ منورہ لوٹ آیا۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے یہ لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کی تعداد تین ہزار تھی۔[3]

عبرت و نصیحت

اس واقعے سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اسامہ رضی اللہ عنہ اور ان کے والد محترم زید رضی اللہ عنہ کی فضیلت واضح ہوتی ہے۔ ان کی صغر سنی یا سابقہ غلامی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انھیں لشکر

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب بعث النبي ﷺ أسامة بن زيد رضي الله عنه......، حديث: 4469.
[2] ابن اسحاق نے حسن سند سے روایت کیا ہے، البتہ یہ روایت مرسل ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 369/4، والمغازي للواقدي: 1118/3) سہیلی نے ایک اور سبب بھی بیان کیا ہے کہ وہ آزاد کردہ غلام تھے۔ انھوں نے اس کا ماخذ نہیں بتایا، دیکھیے: (الروض الأنف: 248/4) معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات انھوں نے اجتہاد سے کہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا خطاب بھی اس کی تائید کرتا ہے کیونکہ اگر سبب اعتراض صرف نوعمری تھا تو زید رضی اللہ عنہ کی امارت پر اعتراض کیوں تھا؟ ظاہر ہے کہ وہ نوعمر نہ تھے۔ واللہ أعلم. [3] ابن اسحاق کی یہ روایت مرسل اور اس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 396/4، وفتح الباري: 288,287/16، والمغازي للواقدي: 1122-1120/3) مؤرخین میں سے جیشِ اسامہ کی تعداد کا ذکر صرف واقدی نے کیا ہے۔

کا امیر مقرر کرنے سے مانع نہیں ہوئی، حالانکہ اس لشکر میں ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ شامل تھے اور جنگ بھی نہایت اہم تھی۔ یوں شریعت اسلامیہ نے جاہلیت کے تمام معیار اور امتیازات ختم کر دیے جن کی بدولت وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے۔

مرض الموت اور وفات النبی

حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ابھی ماہ صفر 11 ھ کے چند دن باقی تھے یا ربیع الاول کی پہلی تاریخ تھی کہ رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ [1] اُس دن آدھی رات کے وقت آپ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام أبو مُوَیْہِبَہ سے کہا کہ بقیع کی طرف چلو۔ مجھے اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت کا حکم دیا گیا ہے۔ جب آپ قبرستان پہنچے تو آپ نے فرمایا:

''اے قبرستان میں مدفون ساتھیو! تم پر سلامتی ہو۔ تمھیں مبارک ہو کہ تمھاری حالت زندوں کے مقابلے میں بہت بہتر ہے۔ فتنے اندھیری رات کی تہوں کی طرح اوپر تلے آرہے ہیں۔ پہلا ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا آجاتا ہے اور دوسرا فتنہ پہلے سے بدتر ہوتا ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ أبو مُوَیْہِبَہ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''أبو مُوَیْہِبَہ! مجھے اختیار دیا گیا ہے کہ میں دنیا کے تمام خزانوں کی چابیاں لے کر اس میں ہمیشہ زندہ رہوں، پھر جنت میں چلا جاؤں یا ابھی اپنے رب سے ملاقات کر کے جنت میں چلا جاؤں۔'' أبو مُوَیْہِبَہ فوراً بولے: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان! دنیا کے خزانوں کی چابیاں لے

[1] یہ ابن اسحاق کی بلاسند روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 385/4) مؤرخین نے آپ کی بیماری کی ابتدا اور تاریخ وفات میں خاصا اختلاف کیا ہے۔ تفصیل کے لیے رجوع کریں: (فتح الباري: 261,260/16)

کر ہمیشہ دنیا میں رہیے، پھر جنت میں چلے جائیے۔'' آپ نے فرمایا: ''نہیں! أبو مُوَیْہِبَہ! اللہ کی قسم! میں تو اپنے رب کریم کی ملاقات اور جنت کو پسند کر چکا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ نے اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرمائی اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے آئے۔[1]

آہستہ آہستہ بیماری بڑھتی گئی۔ اس دوران آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کی باریوں کے مطابق ان کے حجروں میں تشریف لے جاتے رہے۔ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر آپ ﷺ کی تکلیف بہت بڑھ گئی۔[2] آپ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کو بلایا اور شدت مرض کا حال بتایا اور ان سے اجازت طلب کی کہ بیماری کے موجودہ دنوں میں مجھے عائشہ کے گھر رہنے دیا جائے اور آپ سب وہیں آ کر میری مزاج پرسی کر لیا کریں۔[3] سب نے بخوشی اجازت دے دی۔

رسول اللہ ﷺ کی بیماری مسلسل دس دن جاری رہی۔[4] پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو 12 ربیع الاول 11ھ پیر کے دن اپنے پاس بلا لیا۔[5] اس وقت آپ کی عمر پورے تریسٹھ

[1] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 386,385/4)
[2] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 387,386/4) حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''ابو معشر کی سیرت کی کتاب میں زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر کا ذکر ہے۔ سلیمان تیمی کی کتابِ سیرت میں ریحانہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا تذکرہ ہے لیکن قابل اعتماد یہی ہے کہ آپ ﷺ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 260/16) [3] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4442-4450. ابن اسحاق نے بھی اسے حسن درجے کی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 387/4) [4] حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''آپ ﷺ کی بیماری نے کتنے دن طول کھینچا، اس باب میں اختلاف ہے۔ اکثر تیرہ دن کے قائل ہیں۔ بعض ایک دن کی کمی بیشی کے۔ بعض نے دس دن کہا ہے۔ سلیمان تیمی نے اپنے مغازی میں اسے ترجیح دی ہے اور امام بیہقی نے دس والی روایت بسند صحیح بیان کی ہے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 260/16)
[5] جمہور اسی بات کے قائل ہیں، البتہ حافظ ابن حجر نے خود أبو مخنف کے قول پر اعتماد کیا ہے کہ ◄◄

سال ہو چکی تھی۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیماری کے ایام میں معوذتین ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ و ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ اور دیگر دعائیں جو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے سنا تھا اور یاد کر رکھی تھیں، پڑھ پڑھ کر آپ کے جسم اطہر پر پھونکتی رہتیں اور برکت کے لیے اپنے ہاتھ کے بجائے خود آپ ﷺ ہی کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرا کرتی تھیں۔ [2]

جس دن آپ کے جسم اقدس کا درجہ حرارت بڑھ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر سات مشکیزوں کا پانی (ملا کر) بہایا جائے تاکہ میں باہر جا کر لوگوں سے خطاب کر سکوں۔'' اہل بیت نے آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی حتی کہ آپ کہنے لگے: «حَسْبُكُمْ حَسْبُكُمْ» ''بس، بس، کافی ہے۔'' تب آپ ﷺ نے طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا اور اپنے سر پر پٹی باندھی، پھر اٹھے اور مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر خطاب فرمایا:

«لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَّسَاجِدَ»

''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو! انھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنا دیا۔''

ایک روایت میں ہے:

» آپ ﷺ دو ربیع الاول کو فوت ہوئے۔ بعض لوگوں سے سہواً ''ثانی'' کے بعد ''عشر'' کا اضافہ ہو گیا اور یہ غلطی اس قدر رواج پا گئی کہ سب لوگ بغیر سوچے سمجھے اسی کو مانتے چلے آئے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 261,260/16) میں کہتا ہوں کہ أبو مخنف لوط بن یحییٰ ضعیف ہیں اور قابل حجت نہیں۔

[1] امام بخاری اور امام احمد نے یہی بات صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔ بعض حضرات نے اس سے اختلاف بھی کیا ہے اور ساعاتی نے ان کی روایات کا خوب جائزہ لیا ہے، دیکھیے: (صحیح البخاري، المغازي، باب وفاۃ النبي ﷺ، حدیث: 4466، والفتح الرباني: 210,209/20، 260/21)

[2] صحیح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حدیث: 4439، و صحیح مسلم، السلام، باب رقیۃ المریض ......، حدیث: 2192.

«قَاتَلَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى......»

''اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو تباہ و برباد کرے!......''[1]

پھر آپ نے فرمایا:

«لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي وَثَنًا يُّعْبَدُ»

''میری قبر کو بت نہ بنا لینا کہ اس کی پوجا ہونے لگے۔''[2]

قبروں کو مسجد نہ بنانے کی یہ خصوصی وصیت آپ ﷺ نے اپنی وفات سے پانچ دن پہلے کی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے آپ کو قصاص کے لیے پیش کیا اور فرمایا:

«مَنْ كُنْتُ جَلَدْتُّ لَهٗ ظَهْرًا فَهٰذَا ظَهْرِي فَلْيَسْتَقِدْ مِنْهُ»

''اگر میں نے کسی کی پشت پر کوڑے لگائے ہوں تو یہ میری پشت حاضر ہے۔ وہ مجھ سے بدلہ لے لے۔''

پھر آپ منبر سے اترے اور ظہر کی نماز پڑھائی۔ دوبارہ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور حقوقِ عامہ کے بارے میں اپنی تقریر جاری رکھی۔ ایک آدمی بولا: ''مجھے آپ سے تین درہم لینے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''فضل! اسے تین درہم دے دو۔'' ایک اور شخص کہنے لگا: ''میں نے تین درہم غنیمت کے مال سے چھپا لیے تھے۔ یہ حاضر ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''فضل! اس سے تین درہم لے لو۔''[3]

پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو انصار کے بارے میں وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب: (55)، حديث:436,435، وصحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور......، حديث:529-531. [2] الموطأ للإمام مالك، الجامع، باب ماجآء في إجلاء اليهود من المدينة، حديث:1696. [3] دلائل النبوة للبيهقي:178,177/7. یہ روایت بیہقی کے حوالے سے ابن کثیر نے نقل کی اور لکھا: ''اس روایت کی سند اور متن میں بے حد کمزوری (غرابت) ہے۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية:260/5)

''میں تمھیں انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں، اس لیے کہ یہ لوگ میرے خواص اور رازدان ہیں۔ انھوں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے، ان کا حق باقی ہے، لہٰذا اگر ان میں سے کوئی اچھا کام کرے تو اسے قبول کرو اور اگر ان میں سے کسی سے غلطی ہو جائے تو نظرانداز کر دو۔''

ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا: ''دوسرے لوگ زیادہ ہو جائیں گے۔ انصار کم رہ جائیں گے حتی کہ ایک وقت آئے گا کہ وہ کھانے میں نمک کے برابر رہ جائیں گے۔ تم میں سے جو شخص کسی عہدے پر فائز ہو اور کسی کو فائدہ یا نقصان پہنچا سکتا ہو تو اسے چاہیے کہ ان انصار میں سے نیکی کرنے والے کی قدر کرے اور غلطی کرنے والے کو معاف کر دے۔''[1] آپ ﷺ نے خطبے کے آخر میں فرمایا: ''ایک بندے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور اللہ رب العزت کی حضوری کے مابین اختیار دیا۔ اس بندے نے اللہ تعالیٰ کے حضور اجروثواب کو پسند کر لیا۔''

راوی کہتا ہے: ''یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ حاضرین کو ان کے اس رویے پر تعجب ہوا، (کیونکہ وہ بات کی تہ تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ انھیں آپ ﷺ کی وفات کے بعد پتہ چلا کہ) دراصل جس بندے کو اختیار دیا گیا تھا وہ رسول اللہ ﷺ خود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ بالغ نظر تھے، اس لیے وہ فوراً بات کی تہ تک پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابوبکر! مت رو۔ جانی اور مالی لحاظ سے مجھ پر سب سے زیادہ احسانات ابوبکر کے ہیں۔ اگر میں اپنی امت سے کسی کو اپنا یگانہ دوست بناتا تو لازماً ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو بناتا لیکن اسلامی محبت اور بھائی چارہ ہی کافی ہے۔ مسجد میں ابوبکر کے دروازے کے سوا کسی کا دروازہ کھلا نہ رہنے دیا جائے سب بند کر دیے جائیں۔''[2]

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب قول النبي ﷺ: اقبلوا من محسنهم وتجاوزوا عن مسيئهم، حديث: 3799-3801. [2] صحيح البخاري، الصلاة، باب الخوخة والممر ◄◄

پھر تکلیف بہت بڑھ گئی۔ یہ وفات سے چار دن پہلے کی بات ہے۔ جمعرات کا دن تھا۔ آپ ﷺ کے آس پاس صحابۂ کرام بیٹھے تھے۔ اس اجتماع میں عمر رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

«هَلُمُّوا أَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَّا تَضِلُّوا بَعْدَهُ»

''لاؤ میں تمھیں ایک تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو گے۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''آپ ﷺ پر تکلیف غالب آگئی ہے۔ تمھارے پاس قرآن موجود ہے۔ تمھیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔'' اس طرح حاضرین میں اختلاف ہو گیا۔ بعض حضرات کہنے لگے: ''قلم کاغذ لاؤ تاکہ تمھیں رسول اللہ ﷺ لکھوا دیں۔'' اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم عمر والی بات کہتے تھے۔ جب اختلاف بڑھا اور شور برپا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا:

«قُومُوا عَنِّي» ''میرے پاس سے اٹھ جاؤ۔''[1]

اس دن آپ ﷺ نے چند وصیتیں فرمائیں:

''یہود، نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۂ عرب سے نکال دو۔''

''اردگرد سے آنے والے وفود کو عطیات دیتے رہنا جس طرح میں دیا کرتا تھا۔''

تیسری وصیت راوی بھول گیا۔ ممکن ہے یہ وہی عام وصیت ہو جو آپ اپنی وفات کے وقت بار بار کرتے رہے کہ نماز اور غلاموں کا خیال رکھو۔[2]

◄◄ في المسجد، حديث:466، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر رضي الله عنه، حديث:2382. [1] صحيح البخاري، العلم، باب كتابة العلم، حديث: 114. اس حدیث کے الفاظ مختلف احادیث کا مجموعہ ہیں، دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 3168 و 4431 و 4432 و 5669 و 7366) [2] مسند أحمد: 3/117. اس حدیث کی سند صحیح ہے جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔ روایت پر یہ حکم الموسوعة الحديثية کے محققین نے لگایا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 19/209، حديث: ◄◄

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«اَللّٰهَ اَللّٰهَ، اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

''اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ نماز اور اپنے غلاموں کے حقوق کا خیال رکھو۔''

آپ ﷺ کلام فرما رہے تھے مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ [1] امام احمد کی روایت کے مطابق ''......حتی کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک کھڑکھڑانے لگا اور زبان بڑی مشکل سے چل رہی تھی۔''

وفات سے تین دن پہلے آپ نے وصیت فرمائی:

«أَحْسِنُوا الظَّنَّ بِاللّٰهِ» ''اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھو۔'' [2]

ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت

پھر بیماری اتنی شدید ہوگئی کہ جسم میں نماز پڑھانے کے لیے مسجد جانے کی سکت بھی باقی نہ رہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں: ''اے اللہ کے رسول! ابو بکر بہت نرم دل شخص ہیں، وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں تو ان کی ہچکی بندھ جائے گی اور ایک لفظ بھی لوگوں کو نہیں سُنا سکیں گے۔ اگر آپ عمر کو یہ حکم فرمائیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ابو بکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ رضی اللہ عنہا

12169) یہ تیمی کی روایت ہے۔ انھوں نے قتادہ سے اور انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ ذہبی نے لکھا کہ اسے تیمی نے انس رضی اللہ عنہ سے متصل سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (تاریخ الإسلام (السيرة) للذهبي، ص: 557) [1] تاریخ الإسلام (السيرة) للذهبي، ص: 557. ذہبی نے لکھا: ''یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔'' یعنی تیمی کی روایت سے۔ البانی اور ہیثمی نے بھی اسے صحیح کہا ہے، دیکھیے: (صحيح سنن ابن ماجه: 271/1، حديث: 1625، ومجمع الزوائد 237/4) ہیثمی کی روایت میں عبید اللہ ابو الولید الوصافی متروک راوی ہے۔ [2] تاریخ الإسلام (السيرة) للذهبي، ص: 557. ذہبی نے لکھا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی سند عالی ہے۔''

سے بھی کہا کہ تم بھی آپ ﷺ سے یہی بات کہو کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نرم دل شخص ہیں...... جب انھوں نے بھی آپ ﷺ سے یہی گزارش کی تو آپ نے ناراضی سے فرمایا: ''تم تو یوسف (کو پھسلانے) والی (عورتوں کی طرح) ہو۔ ابو بکر ہی سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔''

اس وقت ابو بکر مسجد میں موجود نہ تھے۔ عبداللہ بن زمعہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے نماز پڑھانے کے لیے کہہ دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور مسلمان اس کا انکار کرتے ہیں۔''[1] دو مرتبہ یہی فرمایا، پھر ابو بکر کو پیغام بھیج کر بلایا۔ وہ آئے اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔[2] ان آخری ایام میں ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اپنی طبیعت میں کچھ تخفیف اور راحت محسوس کی تو آپ دو صحابہ کے سہارے ظہر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے، ابو بکر لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ آپ نے اشارہ کیا کہ پیچھے نہ ہٹیں۔ آپ ﷺ کو ابو بکر کے پہلو میں بائیں جانب بٹھا دیا گیا۔ ابو بکر کھڑے کھڑے رسول اللہ ﷺ کی نماز کی اقتدا کرتے رہے جبکہ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کرتے رہے۔[3]

وراثت رسول

وفات سے ایک دن قبل آپ نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیے۔[4] سات یا نو دینار

[1] مسند أحمد: 322/4. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام......، حديث: 713، و الفتح الرباني: 227,226/21. یہ ابن اسحاق کی سند ہے۔ ساعاتی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔ اسے حاکم نے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔'' ابو داود نے بھی اسے ابن اسحاق ہی کی حسن درجے کی سند سے روایت کیا ہے۔ ابن کثیر نے نقل کیا کہ اسے یونس بن بکیر نے ابن اسحاق کی حسن درجے کی سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 261/5) [3] صحيح البخاري، الأذان، باب الرجل يأتم بالإمام ويأتم الناس بالمأموم، حديث: 713، وصحيح مسلم، الصلاة، باب استخلاف الإمام، حديث: 418. [4] الطبقات الكبرىٰ:

آپ کے پاس موجود تھے، وہ صدقہ کر دیے [1] اور فرمایا:

«لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ»

''ہماری وراثت تقسیم نہیں ہوگی، جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوگا۔'' [2]

ایک دوسری روایت میں ہے: ''میرے وارث کوئی دینار تقسیم نہیں کریں گے۔ جو کچھ میری بیویوں کے نفقے اور میرے ملازمین کی تنخواہ سے بچ جائے وہ صدقہ ہوگا۔'' [3]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات کے موقع پر کوئی دینار چھوڑا نہ درہم، غلام نہ لونڈی، سوائے ایک سفید خچر کے جس پر آپ سوار ہوتے تھے، اسلحہ اور کچھ زمین جو آپ نے مسافروں کے لیے وقف کر دی۔ [4]

عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس رات چراغ جلانے کے لیے تیل اپنی کسی پڑوسن سے ادھار لیا

<< 317,316/2. اس کی کئی سندیں ہیں جو ایک دوسری کے ذریعے سے تقویت پاتی ہیں۔ بخاری کی ایک روایت بھی اس کی شاہد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی غلام یا لونڈی کو ترکے میں نہیں چھوڑا۔

[1] الطبقات الکبریٰ: 238,237/2. اس روایت کی چند سندیں ہیں جو ایک دوسری کی تقویت کا باعث ہیں۔ [2] صحيح البخاري، الفرائض، باب قول النبي ﷺ: «لا نورث، ما تركنا صدقة»، حديث: 6730-6728. [3] صحيح البخاري، الفرائض، باب قول النبي ﷺ: «لا نورث، ما تركنا صدقة»، حديث: 6729. [4] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4461. اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث میں آپ کے جن غلاموں کا تذکرہ ملتا ہے وہ آپ کی وفات سے پہلے فوت ہو چکے تھے یا آپ نے انھیں آزاد کر دیا تھا۔ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ أم ولد آزاد ہو جاتی ہے کیونکہ ماریہ رضی اللہ عنہا جو آپ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ تھیں، آپ کی وفات کے بعد زندہ رہیں اور کسی نے انھیں لونڈی شمار نہیں کیا۔ جن حضرات کا یہ خیال ہے کہ وہ آپ کی زندگی میں فوت ہو گئی تھیں ان کی بات غلط ہے قابل حجت نہیں، دیکھیے: (فتح الباري: 95/11) میں کہتا ہوں اس کے بارے میں اصل دلیل آپ کا فرمان ہے۔ جب ابراہیم پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''اسے اس کے بیٹے نے آزاد کروادیا......'' دیکھیے: (السنن الكبرىٰ للبيهقي: 346/10) شواہد و متابعات کی وجہ سے یہ حدیث قوی اور قابل حجت ہے۔

تھا۔[1] خود رسول اللہ ﷺ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض گروی رکھی تھی۔[2] شاید عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھی تیس صاع سے باقی ماندہ جو کی طرف حدیث میں اشارہ کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ فوت ہوئے تو میرے طاق میں کوئی ایسی چیز نہ تھی جسے کوئی زندہ شخص کھا سکے۔ بس تھوڑے سے جو پڑے تھے۔ میں انھیں کھاتی رہی وہ ختم ہونے کا نام ہی نہ لیتے تھے۔ عرصۂ دراز گزر گیا۔ جب میں نے انھیں ماپ لیا تو وہ ختم ہو گئے۔[3]

کسی روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس تیس صاع جُو میں سے دیگر ازواجِ مطہرات کے گھر کیا بچا تھا۔

خچر، برچھا، لباس، اسلحہ اور چارپائی جیسی چیزیں بھی وقف تھیں۔ آپ کے بعد خلفاء اور حکمران انھیں بطور تبرک و زینت استعمال کرتے رہے اور یہ چیزیں یکے بعد دیگرے انھیں منتقل ہوتی رہیں۔[4]

جس دن رسول اللہ ﷺ اللہ کو پیارے ہوئے، صبح کی نماز کے وقت آپ ﷺ نے اچانک عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کا پردہ ہٹایا اور مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھنے لگے۔ اس منظر سے آپ ﷺ خوش ہو کر مسکرائے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ جماعت کرا رہے تھے۔ وہ سمجھے کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز کے لیے تشریف لانا چاہتے ہیں۔ وہ صف میں ملنے کے لیے اپنی ایڑیوں پر پیچھے ہٹے۔ ادھر مسلمانوں نے اچانک نبیِ اکرم ﷺ کا روئے زیبا دیکھا تو ایسے بے خود ہوئے، قریب تھا کہ خوشی کے مارے نماز ہی سے غافل ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر اپنے دست مبارک سے اشارہ کیا کہ نماز جاری رکھو اور پھر

[1] مجالس من سيرة النبي ﷺ لابن رجب، ص: 104. روایت بلا سند ہے۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب: (87)، حديث: 4467. [3] صحيح مسلم، الزُّهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنّة للكافر، حديث: 2973. [4] تركة النبي ﷺ والسُّبُل الّتي وجّهها فيها لحمّاد بن إسحاق ◄◄

پیچھے ہٹ کر پردہ گرا دیا۔[1]

سورج چڑھے آپ نے اپنی پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اس کے کان میں چپکے سے کچھ فرمایا۔ وہ معاً رونے لگیں۔ آپ نے انھیں دوبارہ قریب کیا، پھر کان میں چپکے سے ایک اور بات کی۔ وہ ہنسنے لگیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انھیں یہ واقعہ یاد دلا کر پوچھا گیا کہ رسالت مآب ﷺ نے آپ سے کیا فرمایا تھا؟ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ آپ نے پہلی دفعہ مجھ سے فرمایا تھا: ''فاطمہ! میں اپنی اس بیماری میں فوت ہو جاؤں گا۔'' میں بے اختیار رونے لگی، پھر آپ ﷺ نے دوبارہ سرگوشی میں فرمایا: ''فاطمہ! میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے تو مجھے ملے گی۔'' میں بے اختیار ہنسنے لگی۔[2]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ان کے ہنسنے کا سبب آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا:

«يَا فَاطِمَةُ! أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ، أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ؟»

''فاطمہ! کیا تو راضی نہیں کہ تو اس امت کی مومن عورتوں کی سردار ہوگی؟''[3]

یہ حدیث بھی آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے جو آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے کیونکہ ٹھیک یہی ماجرا پیش آیا۔ سب سے پہلے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا ہی اہل بیت میں سے فوت ہوئیں اور آپ ﷺ سے جا ملیں۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے ٹھیک چھ ماہ بعد پیش آیا۔

◄◄ بن إسماعيل (تحقيق الدكتور أكرم ضياء العمري)، ص: 113. [1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4448. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4434،4433، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة (بنت النبي) ﷺ، حديث: 2450. [3] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3624، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة (بنت النبي) ﷺ، حديث: 2450.

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے عزت مآب والد کو شدید تکلیف میں دیکھا تو کہنے لگیں: ''ہائے میرے پیارے والد کو کس قدر تکلیف ہے!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ عَلٰى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ هٰذَا الْيَوْمِ»

''بیٹی! آج کے بعد تیرے باپ کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے سامنے لکڑی یا پتھر کا پانی سے بھرا ایک برتن تھا۔ آپ ﷺ بار بار اپنا دست مبارک پانی میں ڈالتے، چہرے پر ملتے اور فرماتے: ''لا الہ الا اللہ'' بلاشبہ موت کی بڑی سختیاں ہیں۔''[2]

اس کے بعد بیماری کی شدت میں مزید اضافہ ہو گیا اور حالت یہ ہو گئی کہ آپ بول نہیں سکتے تھے۔ اس نازک گھڑی میں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کے لیے اشارے سے دعا کی۔[3]

معلوم ہوتا ہے کہ یہی وہ وقت تھا جب آپ کے اہل خانہ نے آپ کو لَدُود کیا، یعنی منہ کھول کر اس کے ایک طرف سے دوا پلائی گئی، حالانکہ آپ اشارے سے انھیں ایسا کرنے سے منع کر رہے تھے۔ گھر والوں نے سمجھا کہ مریض دوا کو ناپسند کیا ہی کرتا ہے[4] جبکہ آپ کا مقصد جتلانا تھا کہ مجھے وہ بیماری نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ وہ سمجھتے تھے آپ کو ذات الجنب (نمونیا) ہے۔[5] ذات الجنب کی دو قسمیں ہیں: ایک تو یہ ہے کہ پیٹ کی اندرونی جھلی پر ورم آجاتا ہے جس کی بنا پر بخار ہو جاتا ہے اور ورم والی جگہ پر شدید تکلیف

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4462. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4449. [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 393/4) [4] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4458. [5] اسے عبدالرزاق نے بسند صحیح اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 282/16، والطبقات الكبرىٰ: 235/2) اس سند میں ◄◄

ہوتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ پسلیوں میں کسی جگہ ہوا رک جاتی ہے۔ [1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذات الجنب کی تکلیف سے فوت ہوئے۔ اس روایت کی سند میں ابن لہیعہ ہیں۔ تطبیق بھی ممکن ہے کہ آپ کو دوسری قسم کی ذات الجنب تھی، یعنی ہوا پسلیوں میں رک گئی تھی۔ پہلی قسم کی نہیں جسے نمونیا کہا جاتا ہے۔ [2]

آخری لمحات

پھر آپ کی زندگی کے آخری لمحات شروع ہوئے اور آفتاب عظمت غروب ہونے لگا۔ آپ کا سر مبارک عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں تھا۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر ہاتھ میں مسواک لیے حاضر ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف دیکھنے لگے۔ عائشہ سمجھ گئیں کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے مسواک پکڑی، اسے نرم کیا اور آپ کو پکڑا دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک سے فارغ ہوئے تو انگلی کھڑی کر کے اپنا دست مبارک بلند کیا اور چھت کی طرف دیکھنے لگے۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹ ہل رہے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کان ہونٹوں پر رکھ دیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے:

«مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ، اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْلِي وَارْحَمْنِي، وَأَلْحِقْنِي بِالرَّفِيقِ الْأَعْلٰى، اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى»

''(میں) ان لوگوں کے ساتھ (رہنا چاہتا ہوں) جن پر تو نے انعامات فرمائے

◄◄ ایک راوی عبدالرحمٰن بن ابی الزناد صدوق ہے۔ اس روایت کو عبدالرزاق کی روایت اور ابن سعد ہی کی دیگر وارد کردہ روایات سے تقویت ملتی ہے۔ [1] فتح الباري: 283/16. [2] فتح الباري: 283,282/16.

ہیں، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین، اے اللہ! مجھے معاف کر دے، مجھ پر رحم کر اور مجھے بلند مرتبہ رفیق سے ملا دے، اے اللہ! مجھے بلند مرتبہ رفیق سے ملا دے۔‘‘

تین دفعہ یہ کلمات کہے۔[1] یہی آخری تین جملے تھے جو زبان مبارک سے صادر ہوئے۔[2]

آپ ﷺ کا ہاتھ ڈھلک گیا اور آپ اپنے عظیم المرتبت رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔[3]

«صلّى الله عليه وعلى آله وأصحابه وسلّم»

یہ ضحوۂ کبریٰ[4] یا نصف نہار[5] کا وقت تھا۔ فاطمہ پکارنے لگیں: ’’ہائے ابا جان! جنھوں نے اپنے رب تعالیٰ کے بلاوے پر لبیک کہا۔ ہائے ابا جان! جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس میں ہے۔ ہائے ابا جان! جن کی موت کی خبر ہم جبریل کو دے رہے ہیں۔‘‘[6]

رسول اللہ ﷺ کے مرض الموت نے کل دس دن تک طول کھینچا۔ صحیح ترین روایت یہی ہے۔[7] عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آپ کی وفات کی خبر صحیح ماننے کو تیار نہ تھے۔ شدت غم سے کہنے لگے: ’’رسول اللہ ﷺ فوت نہیں ہوئے بلکہ آپ کے رب کریم نے آپ کو بلا بھیجا ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو بلا بھیجا تھا اور وہ چالیس دن اپنے رب کے پاس ٹھہر کر واپس آگئے تھے۔ اللہ کی قسم! مجھے امید ہے کہ رسول اللہ ﷺ عرصۂ دراز تک زندہ رہیں گے

---

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4435-4440، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة رضي الله عنها، حديث: 2444. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب آخر ما تكلم به النبي ﷺ، حديث: 4463، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة رضي الله عنها، حديث: 2444. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4449. [4] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند متصل ہے، تاہم انھوں نے اس میں سماع کی تصریح نہیں کی، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 404/4) [5] تاريخ الطبري: 200/3. اس روایت کی سند میں کلبی اور أبو مخنف ہیں جو حدیث میں متروک ہیں۔ [6] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4462. [7] دلائل النبوة للبيهقي: 234/7. ابن حجر کے مطابق یہ سند صحیح ہے۔ ابن حجر نے لکھا: ’’سلیمان تیمی نے بھی اپنی مغازی میں اسی پر زور دیا ہے۔‘‘ دیکھیے: (فتح الباري: 260/16)

حتی کہ منافقوں کے ہاتھ، پاؤں اور زبانیں کاٹیں گے جو کہہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہو چکے ہیں۔"[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زریں کردار

اس موقع پر ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے رہائشی علاقے سُنح میں تھے۔ وہیں سے بھاگے بھاگے آئے، رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور سے کپڑا ہٹایا، آپ کو بوسہ دیا اور کہا: "میرے ماں باپ آپ پر فدا! اللہ تعالیٰ آپ پر دو دفعہ موت طاری نہیں کرے گا۔ وہ موت جو آپ کے مقدر میں تھی آ چکی۔" پھر وہ لوگوں کی طرف تشریف لائے۔ شدت غم سے لوگوں کا عجیب حال تھا۔ کچھ لوگ آپ کی وفات کو سچ مان رہے تھے، کچھ انکار کر رہے تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ عمر علانیہ لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی وفات کا انکار کر رہے ہیں۔ ابوبکر نے ان سے درخواست کی کہ بیٹھ جائیں۔ عمر ہوش و حواس سے بیگانہ ہو چکے تھے۔ وہ نہ بیٹھے۔ لوگ عمر کو چھوڑ کر ابوبکر کے پاس جمع ہو گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا: "اما بعد! اے لوگو! تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ سن لے! محمد ﷺ وفات پا گئے۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اسے جان لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے، وہ کبھی فوت نہیں ہوگا۔" پھر انھوں نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

[1] الفتح الربّاني: 242،241/21، والطبقات الكبرىٰ: 266/2، والمصنف لعبدالرّزّاق: 434،433/5. یہ تمام روایات زہری کی سند سے ہیں۔ انھوں نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ ان کی سند صحیح ہے۔ اسے ابن اسحاق نے بھی بسند متصل زهري عن ابن المسيب عن أبي هريرة کی سند سے روایت کیا ہے۔ انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ یہ روایت تائیدی روایات کی بنا پر قوی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 406/4)

وَ سَیَجْزِی اللّٰہُ الشّٰکِرِیْنَ ○﴾

''محمد (ﷺ) رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے۔ اب اگر وہ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے؟ اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جائے گا تو وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑے گا۔ اور اللہ شکر گزاروں کو جلد ہی بدلہ دے گا۔''[1]

لوگوں کو یہ آیت سن کر سکون سا آ گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے اور اس سے پہلے انھوں نے یہ آیت کبھی نہ سنی تھی۔ جناب عمر رضی اللہ عنہ اس قدر افسردہ ہوئے کہ ان کی ٹانگوں نے جواب دے دیا۔ وہ زمین پر گر پڑے کیونکہ انھیں رسالت مآب ﷺ کی وفات کا یقین اب آیا تھا۔[2] آپ کی وفات سے اگلے دن بروز منگل، صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو پہنے ہوئے کپڑوں سمیت غسل دیا۔[3] غسل دینے والے عباس، علی، عباس کے بیٹے فضل اور قثم، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقران، اسامہ اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہم تھے۔[4] رسول اللہ ﷺ کے غسل کے لیے پانی سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہ کے کنویں ''الغرس'' سے لایا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کے استعمال کے لیے اسی کنویں کا پانی لایا جاتا تھا کیونکہ یہ پانی میٹھا تھا۔[5]

غسل کی کیفیت

عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ کے غسل کی کیفیت یوں بیان کی ہے: '' صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ کو

---

[1] آل عمرٰن 3:144۔ [2] صحيح البخاري، المغازي، باب مرض النبي ﷺ ووفاته، حديث: 4454۔ [3] ابن اسحاق کی یہ روایت بسند حسن ہے، ابن اسحاق کے علاوہ دیگر نے اسے انھی کی سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/416) [4] ابن اسحاق کی یہ روایت بسند حسن ہے۔ اس میں حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 4/415) [5] أخبار المدينة لابن شبة: 1/158۔ اس روایت کی سندیں باہم دیگر تقویت پاتی ہیں۔

غسل دینے کا ارادہ کیا تو ان میں اختلاف ہو گیا۔ وہ کہنے لگے: ''بخدا! کچھ سجھائی نہیں دیتا کہ کیا کریں۔ کیا عام میت کی طرح آپ کا لباس مبارک اتار کر غسل دیں یا کپڑوں سمیت؟'' اللہ تعالیٰ نے ان پر اونگھ سی طاری کر دی۔ اللہ کی قسم! ہر شخص کی ٹھوڑی اس کے سینے سے لگی ہوئی تھی، پھر گھر کے ایک کونے سے کسی نے پکارا: ''نبیِ کریم ﷺ کو ان کے کپڑوں سمیت ہی غسل دے دو۔'' پکارنے والے کا علم نہ ہو سکا کہ وہ کون تھا۔ لوگ اٹھے اور قمیض سمیت آپ کو غسل دینا شروع کر دیا۔ بیری کے پتوں والا پانی قمیض کے اوپر ڈالا جاتا تھا اور غسل دینے والے قمیض کے اوپر ہی سے آپ کے جسم مبارک کو مل رہے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں: ''اگر مجھے اس بات کا پہلے ہی پتہ چل جاتا جس کا بعد میں پتہ چلا تو رسول اللہ ﷺ کو آپ کی ازواج مطہرات خود اپنے ہاتھ سے غسل دیتیں۔''[1] پھر صحابہ نے آپ کو سحول بستی کے بنے ہوئے تین سفید سوتی کپڑوں کا کفن دیا۔ ان میں قمیض یا پگڑی نہ تھی۔[2] پھر انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں آپ کے لیے قبر تیار کی۔[3] لوگوں

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 416/4. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند حسن لذاتہ کے درجے پر ہے۔ ابن اسحاق ہی کے حوالے سے اسے دیگر نے بھی روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک امام احمد ہیں۔ یہ الفاظ انھی کی روایت کے ہیں، دیکھیے: (مسند أحمد: 267/6) [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب الثياب البيض للكفن، حديث: 1264، وصحيح مسلم، الجنائز، باب في كفن الميت، حديث: 941. ابن اسحاق کی یہ روایت حسن سند سے ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 416/4) [3] یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ اس کی سند میں حسین بن عبداللہ ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 417,416/4) والطبقات الكبرىٰ: 292/2. اس کی مختلف اسناد ہیں اور جو روایت ابن ولید طیالسی کی سند سے ہے، وہ صحیح ہے۔ یہ مشہور روایت ہے۔ اسے روایت کرنے والوں میں ابن ماجہ بھی ہیں۔ ابن عبدالبر نے لکھا: ''یہ روایت کئی سندوں سے صحیح ہے۔'' ابن عبدالبر کا یہ قول فؤاد عبدالباقی نے موطأ کے حاشیے میں نقل کیا ہے۔ یوں یہ حدیث طیالسی کی سند سے ہے۔ دیگر ضعیف سندیں بھی باہم دیگر تقویت پاتی ہیں۔ طیالسی کی روایت ان کی شاہد ہے۔

نے ٹولیوں کی صورت میں آپ کا جنازہ پڑھا۔ ایک دروازے سے داخل ہوتے جنازہ پڑھتے اور دوسرے دروازے سے باہر نکل جاتے۔ امام کوئی نہ تھا۔[1] ایک قول کے مطابق سب سے پہلے بنو ہاشم نے آپ کا جنازہ پڑھا، پھر مہاجرین نے، پھر انصار نے، پھر عام لوگوں نے حتی کہ جب سب فارغ ہو گئے تو عورتوں نے آپ کا جنازہ پڑھا، پھر بچوں[2] نے، پھر غلاموں نے۔[3] پھر...... بالآخر...... بدھ کی رات آپ کو قبر کے حوالے کر دیا گیا۔[4] رہے نام اللہ کا!

«إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ! إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ!»

اس انتہائی دردانگیز وقت کا تصور کر کے کوئی مسلمان اپنے آنسو ضبط نہیں کر سکتا۔ آیئے حسان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر روئیں۔ یہ دردناک اشعار انھی کے ہیں:[5]

فَبَكِّي رَسُولَ اللّٰهِ يَا عَيْنُ عَبْرَةً ... وَلَا أَعْرِفَنَّكِ الدَّهْرَ دَمْعُكِ يَجْمُدُ

وَمَا لَكِ لَاتَبْكِينَ ذَا النِّعْمَةِ الَّتِي ... عَلَى النَّاسِ مِنْهَا سَابِغٌ يَتَغَمَّدُ

فَجُودِي عَلَيْهِ بِالدُّمُوعِ وَاعْوِلِي ... لِفَقْدِ الَّذِي لَا مِثْلُهُ الدَّهْرَ يُوجَدُ

[1] الفتح الرّبّاني: 254,253/21. ساعاتی نے لکھا: ''اسے ہیثمی نے چند سندوں سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک احمد ہی کی سند ہے۔'' ابن کثیر نے لکھا: ''اور یہ کام یعنی صحابۂ کرام کا فرداً فرداً نبی ﷺ کی نمازِ جنازہ ادا کرنا ایک ایسا معاملہ ہے جس پر اجماع ہے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية : 299/5) [2] الطبقات الكبرٰى : 291/2. یہ واقدی کی روایت ہے۔ [3] تاريخ الطبري: 213/3. یہ ابن اسحاق کی روایت سے ماخوذ ہے۔ انھوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ اس میں حسین بن عبداللہ ضعیف راوی ہے۔ [4] ابن اسحاق کی یہ روایت بسند حسن ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 418/4) [5] یہ اشعار حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دالیہ قصیدے سے ماخوذ ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا مرثیہ کہا ہے۔ روایت ابو زید انصاری کی ہے۔ چھیالیس اشعار پر مشتمل یہ ایک طویل قصیدہ ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 424/4)

وَمَا فَقَدَ الْمَاضُونَ مِثْلَ مُحَمَّدٍ وَلَا مِثْلُهُ حَتَّى الْقِيَامَةِ يُفْقَدُ

''اے میری آنکھ! رسول اللہ ﷺ پر آنسو بہا۔ خبردار! آج کے بعد کبھی تیرے آنسو خشک نہ ہوں اور تو کیوں نہ اس صاحب فضل و نعمت شخصیت پر روئے؟ جن کے احسانات عظیمہ نے سب لوگوں کو ڈھانپ رکھا ہے، لہٰذا اس فقید المثال شخصیت پر خوب جی بھر کر آنسو بہا اور چیخ چیخ کر رو جن کی وفات کے بعد اب ان جیسا کوئی کبھی پیدا نہ ہوگا۔ خدا گواہ ہے کہ گزشتہ دنوں نے بھی محمد ﷺ جیسی کسی شخصیت کی وفات کا صدمہ نہیں جھیلا، نہ آئندہ قیامت تک آپ جیسی کوئی شخصیت فوت ہوگی۔''

اکیلے حسان ہی نہیں، ابو سفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی ان حسرتناک اشعار کے ذریعے سے ہمیں رلا رہے ہیں:

أَرِقْتُ فَبَاتَ لَيْلِي لَايَزُولُ وَلَيْلُ أَخِ الْمُصِيبَةِ فِيهِ طُولُ

وَأَسْعَدَنِي الْبُكَاءُ وَذَاكَ فِيمَا أُصِيبَ الْمُسْلِمُونَ بِهِ قَلِيلُ

لَقَدْ عَظُمَتْ مُصِيبَتُنَا وَجَلَّتْ عَشِيَّةَ قِيلَ قَدْ قُبِضَ الرَّسُولُ

وَأَضْحَتْ أَرْضُنَا مِمَّا عَرَاهَا تَكَادُ بِنَا جَوَانِبُهَا تَمِيلُ

فَقَدْنَا الْوَحْيَ وَالتَّنْزِيلَ فِينَا يَرُوحُ بِهِ وَيَغْدُو جِبْرِيلُ

وَذَاكَ أَحَقُّ مَا سَالَتْ عَلَيْهِ نُفُوسُ النَّاسِ أَوْ كَادَتْ تَسِيلُ

نَبِيٌّ كَانَ يَجْلُوا الشَّكَّ عَنَّا بِمَا يُوحٰى إِلَيْهِ وَمَا يَقُولُ

وَيَهْدِينَا فَمَا نَخْشٰى ضَلَالًا عَلَيْنَا وَالرَّسُولُ لَنَا دَلِيلُ

أَفَاطِمُ! إِنْ جَزِعْتِ فَذَاكَ عُذْرٌ وَإِنْ لَّمْ تَجْزَعِي ذَاكَ السَّبِيلُ

فَقَبْرُ أَبِيكِ سَيِّدُ كُلِّ قَبْرٍ وَ فِيهِ سَيِّدُ النَّاسِ الرَّسُولُ

''میں بے خواب ہوں۔ میری رات ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔ حقیقت یہ ہے کہ مصیبت زدہ شخص کی رات بہت لمبی ہوتی ہے۔ میں جاگنے کے ساتھ ساتھ رو بھی رہا ہوں لیکن یہ آہ و بکا اس مصیبت کے مقابلے میں بہت کم ہے جس میں آج مسلمان مبتلا ہیں۔ ہماری مصیبت بہت بڑی اور ناقابل برداشت ہے۔ آج ہر طرف شور برپا ہے: ''رسول اللہ ﷺ فوت ہو گئے!'' اس دہشت ناک خبر سے مدینہ اور عرب کی سرزمین زلزلہ براندام ہوئی ہے۔ قریب ہے کہ قیامت برپا ہو جائے۔ آپ کی وفات سے وحی و قرآن کی آمد ختم ہوگئی ہے جسے لے کر جبریل شام و سحر آیا کرتے تھے۔ اس ہیبت ناک مصیبت پر حق تو یہ ہے کہ سب روحیں نکل جاتیں یا نکل جانے کے قریب ہوتیں۔ وہ عظیم الشان نبیٔ کریم جو آسمانی وحی اور اپنے فرامین کے ذریعے سے ہمارے شکوک و شبہات دور فرمایا کرتے تھے اور ہماری ہدایت کا سامان کیا کرتے تھے۔ آپ جیسے رہنما کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی گمراہی کا ذرہ بھی خدشہ نہ تھا۔ اے فاطمہ! اگر آج تو روئے تو یہ تیرا حق بنتا ہے اور تو معذور تصور ہوگی، البتہ اگر حوصلہ کرے اور صبر کا مظاہرہ کرے تو یہ ایک عظیم طریق کار ہوگا۔ یاد رکھو! تیرے ابا جان کی قبر ہر قبر کی سردار ہے جس میں اولین و آخرین کے سردار و آقا رسول اللہ ﷺ ہیں۔''[1]

ہم آپ کی پیاری محبوب بیٹی فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے الفاظ میں اس طرح اظہار ملال کریں اور آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگائیں: ''آسمانوں کے کنارے غبار آلود ہو گئے، دن کو طلوع ہونے والا سورج لپیٹ دیا گیا۔ دن رات کی طرح ہو گئے۔ پیارے نبیِ کریم ﷺ

[1] الرّوض الأنف للسهيلي: 275/4. روایت بلاسند ہے۔ مرض الوفات کی مدت کے متعلق صحیح ترین قول دس دن کا ہے جو دلائل النبوہ میں مذکور ہے، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 234/7) حافظ ابن حجر نے اسی کو اختیار کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 260/16)

کی وفات کے بعد زمین بھی کانپ رہی ہے اور اظہار غم میں پیش پیش ہے۔ مشرق و مغرب آپ ﷺ پر روئیں اور قریشی و یمنی مل کر آنسو بہائیں۔ مقدس فضا والا طور پہاڑ، غلافوں اور رکنوں والا بیت اللہ آپ پر نوحہ کریں۔ اے آخری رسول و نبی جن کا نور بابرکت اور روز افزوں تھا! قرآن نازل کرنے والا آپ پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرمائے۔'' [1]

نصیحتیں، عبرتیں اور احکام و وصیتیں

* موت بہترین واعظ اور عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ ہر انسان کی انتہا موت ہے، چاہے عمر کتنی ہی لمبی ہو اور اس کی زندگی کتنی ہی اہم ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝﴾

''ہم نے تجھ سے پہلے کسی انسان کے لیے ہمیشہ رہنا مقدر نہیں کیا۔ اگر تو فوت ہو گیا تو کیا یہ (تیرے مخالفین) ہمیشہ رہیں گے؟ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ ہم تمھیں خیر و شر کے ساتھ آزماتے رہتے ہیں اور تم سب ہمارے پاس لوٹ کر آؤ گے۔'' [2]

مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ ۝﴾

''بلاشبہ تو فوت ہونے والا ہے اور یہ بھی فوت ہونے والے ہیں۔'' [3]

غور فرمائیے! عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت محمد بن عبداللہ ﷺ بیماری کی تکالیف اور موت کی سختیاں برداشت کر کے اپنے رب تعالیٰ کے حضور پہنچ گئے۔ انسان اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کرے تو عبودیت اور توحید کے معانی اس کی سمجھ میں آجاتے ہیں اور وہ اللہ واحد قہار کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ وہ زندگی کے ہر میدان میں عملِ صالح کی کثرت، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور خالص عبادت کے ذریعے

[1] الرّوض الأنف للسهيلي: 275/4. روایت بلاسند ہے۔ [2] الأنبيآء 21:34، 35. [3] الزمر 39:30.

سے موت کے لیے تیاری کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شریعت اپنے آپ پر اور معاشرے میں نافذ کرتا اور اس راستے میں ڈٹ کر جہاد کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ حکومت کے ساتھ وہ کچھ عطا کرتا ہے جو قرآن سے عطا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے، اس لیے اسی کو صحیح علم ہے کہ کون سی چیز دنیا اور آخرت میں انسان کے لیے مفید ہے۔

﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾

''سن لو! وہ جانتا ہے جس نے پیدا کیا اور وہ بہت باریک بین، خبر رکھنے والا ہے۔''[1]

* دَم کرنا شریعت میں جائز اور صحیحین سے ثابت ہے۔ امام نووی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے تین شروط کی موجودگی میں دم کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے: ''دم اللہ تعالیٰ کے کلام یا اس کے اسماء وصفات کے ساتھ ہو۔ عربی زبان میں ہو یا کم از کم اس کے معنی واضح ہوں۔ اعتقاد یہ ہو کہ دم بذات خود مؤثر نہیں بلکہ اصل مؤثر اللہ تعالیٰ ہے۔''[2]
* لوگوں کی امامت کے لیے رسول اللہ ﷺ کا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نام پر اصرار فرمانا ابو بکر کی فضیلت کی بہت بڑی دلیل ہے۔
* قبروں کو سجدہ گاہ بنانا جائز نہیں، حرام ہے۔
* رسول اللہ ﷺ کے «اَللّٰهُمَّ! فِي الرَّفِيقِ الْأَعْلٰى» کلمات کا تکرار کرنے کی وجہ اہلِ علم نے یہ بیان کی ہے کہ آپ سے بار بار پوچھا جا رہا تھا کہ آپ (ﷺ) کہاں رہنا چاہتے ہیں؟ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کی خواہش ظاہر کرتا ہے جو توحید کا لب لباب اور لسانی وقلبی ذکر کا مقصود ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قریب الوفات کی نجات صرف اسی پر موقوف نہیں کہ وہ لازماً «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» کے الفاظ ہی ادا کرے بلکہ اگر اس کا دل وفات کے وقت توحید وایمان پر مطمئن ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ واللہ أعلم.[3]

---

[1] الملك 14:67. [2] شرح النووي على صحيح مسلم: 169/14، وفتح الباري: 320/21.
[3] حدائق الأنوار لمحمد بحرق، ص: 388.

باب

7

امہات المومنین

- خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا
- سودہ بنت زمعہ بن قیس رضی اللہ عنہا
- عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا
- حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا
- زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا
- ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا
- جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا
- زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
- ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ رضی اللہ عنہا
- ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا
- صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا
- میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا
- محترم ومعزز کنیزیں

***

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ مال و متاع دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو (پھر اسی حالت میں گزارا کرو اور) یاد رکھو کہ اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' [الأحزاب 33:28,29]

«يَرْحَمُكِ اللّٰهُ، إِنَّ خَيْرَ نِسَاءٍ رَكِبْنَ أَعْجَازَ الْإِبِلِ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِي صِغَرٍ، وَأَرْعَاهُ عَلٰى بَعْلٍ بِذَاتِ يَدٍ»

''اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ اونٹوں پر سوار ہونے والی (یعنی عرب) عورتوں میں سے بہترین عورتیں قریش کی نیک عورتیں ہیں۔ چھوٹے بچوں پر انتہائی شفیق اور خاوند کے مال کی بہترین نگران و محافظ۔''

[مسند أحمد: 1/318,319]

امہات المومنین
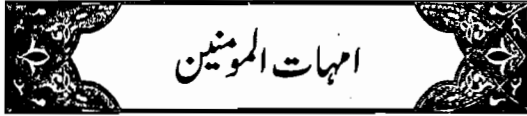
مشہور قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پندرہ خواتین سے شادی کی۔[1] تیرہ کو اپنے گھر

[1] تسمیة أزواج النبي ﷺ لأبي عبيدة ابن المثنى، ص: 77، والمحبر لابن حبيب، ص: 98. ابن سعد نے پوری تفصیل بیان کی ہے کہ آپ نے کن عورتوں سے نکاح کیا، کنھیں نہیں بسایا یا کن عورتوں کو طلاق دی یا کنھیں آپ نے نکاح کا پیغام بھیجا لیکن نکاح نہ ہو سکا یا کن عورتوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نکاح کے لیے پیش کیا وغیرہ، دیکھیے: (الطبقات الكبرى: 161-141/8) مغلطائی نے ان عورتوں کا ذکر کیا ہے جنھیں آپ نے گھر میں نہیں بسایا۔ اسی طرح وہ عورتیں جن سے آپ نے نکاح کیا یا انھیں نکاح کا پیغام بھیجا یا جن سے شادی کرنے کی آپ کو پیشکش کی گئی مگر آپ نے قبول نہیں کیا۔ اس قسم کی عورتوں کی تعداد پینتیس بنتی ہے، نیز انھوں نے اصل ماخذ کے حوالے بھی دیے ہیں اور بڑی نفیس بحث کی ہے جو قابل مطالعہ ہے، دیکھیے: (الإشارة إلى سيرة المصطفى لمغلطائي، ص: 405) جن عورتوں کا ذکر قابل حجت روایات میں ہے وہ یہ ہیں: ❶ اُمیمہ بنت شراحیل، دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 5257,5256) روایت معلق ہے۔ ❷ خولہ بنت حکیم۔ انھیں خُوَیلہ سُلَمِیَّہ بھی کہا جاتا ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 5113) ❸ سودہ قرشیہ، دیکھیے: (مسند أحمد: 318/1) ❹ اُمّ ہانی فاختہ بنت ابی طالب، دیکھیے: (صحيح مسلم، حديث: 2527) ❺ قیلہ بنت قیس بن معدیکرب، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 38/4) اس سلسلے میں البداية والنهاية کا مطالعہ بھی ضروری ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے آپ کی ازواج اور باندیوں کے بارے میں تقریباً تمام روایات بیان کر دی ہیں۔ البداية کی تحقیق دکتور عبداللہ ترکی نے کی ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 201/8-236)

بسایا۔ ان میں سے گیارہ بیک وقت آپ ﷺ کے ساتھ رہیں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے تو نو بیویاں [1] زندہ تھیں۔ دو، جنھیں گھر میں نہیں بسایا، انھیں دراصل چکر دیا گیا تھا۔ ان میں سے ایک کو کہا گیا کہ جب نبی کریم ﷺ تیرے قریب آئیں تو انکار کر دینا، چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ جب آپ اس کے پاس گئے تو اس نے انکار کر دیا۔ آپ نے فوراً طلاق دے دی۔ ایک تو اس طرح جدا ہوگئی۔ دوسری کا قصہ یہ ہے کہ جب آپ کے بیٹے ابراہیم فوت ہوئے تو وہ یوں کہنے لگی کہ اگر آپ نبی ہوتے تو آپ کا بیٹا فوت نہ ہوتا۔ آپ نے اسے بھی طلاق دے دی۔ آپ کی ازواج مطہرات میں سے پانچ قریشی تھیں: عائشہ، حفصہ، ام سلمہ، سودہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہن چار غیر قریشی تھیں: میمونہ بنو ہلال سے، جویریہ بنو خزاعہ سے، زینب بنت جحش بنو اسد سے اور صفیہ خیبر سے یہ وہ نو بیویاں ہیں جو آپ کی وفات کے وقت زندہ تھیں۔ [2]
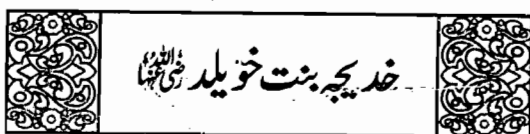
خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ وہ آپ کی مکی زندگی ہی میں وفات پا گئی تھیں (نبی ﷺ کی ابراہیم کے سوا باقی تمام اولاد انھی کے بطن مبارک سے ہے۔ ان کی زندگی میں نبی ﷺ نے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا۔)
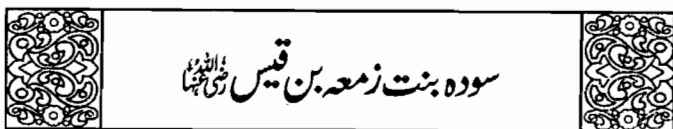
سودہ رضی اللہ عنہا ان مومن عورتوں میں شامل تھیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں حبشہ کی

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 288/7. یہ قتادہ کی مرسل روایت ہے۔ [2] دلائل النبوة للبيهقي: 289/7.

طرف ہجرت کی۔ ان کے ساتھ ان کے خاوند سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ ان کے والد کے چچا زاد بھائی تھے۔ ان کی ہجرت پر ان کے اہلِ خانہ بہت غضبناک ہوئے۔ جب یہ اپنے خاوند کے ساتھ حبشہ سے واپس آئیں تو ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے۔ ایک قول کے مطابق وہ حبشہ ہی میں فوت ہو گئے تھے۔[1] یہ بے آسرا رہ گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کو خدشہ تھا کہ ان کی قوم انھیں ظلم وستم کا نشانہ بنائے گی کیونکہ وہ لوگ اسلام کے سخت دشمن، ضدی اور ظالم تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ انھیں ان کی قربانیوں کا اچھا بدلہ دیا جائے۔ ان دنوں خدیجہ رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں، اس لیے آپ نے مناسب سمجھا اور ان سے شادی کر لی۔ یہ رمضان المبارک 10 نبوی کی بات ہے۔[2] ویسے راجح یہ ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ شادی عائشہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد شوال 10 نبوت میں کی۔[3]

جب ان کی عمر زیادہ ہوگئی اور انھیں خاوند کی ضرورت نہ رہی تو انھیں خدشہ ہوا کہ کہیں رسول اللہ ﷺ انھیں طلاق نہ دے دیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا شمار دنیا اور آخرت میں آپ کی ازواجِ مطہرات میں ہو، اس لیے انھوں نے اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی۔[4]

[1] سکران بن عمرو کی جائے وفات کے متعلق دو روایات وارد ہوئی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ حبشہ میں فوت ہوئے۔ دوسرا یہ کہ وہ حبشہ سے مکہ واپسی کے بعد فوت ہوئے۔ یہ دونوں روایات ابن عبدالبر نے سکران کے حالات میں بیان کی ہیں۔ پہلی روایت پر موسیٰ بن عقبہ اور ابومعشر نے اور دوسری روایت پر ابن اسحاق، ابن ہشام اور واقدی نے اعتماد کیا ہے، دیکھیے: (الاستیعاب: 125/2) ابن حجر نے لکھا: ”ابوعبیدہ نے اپنی کتاب تسمية أزواج النبي ﷺ میں دعویٰ کیا ہے کہ سکران حبشہ لوٹ آئے اور وہاں نصرانی ہو کر فوت ہوئے۔ بلاذری نے کہا: ”پہلی روایت زیادہ صحیح ہے۔“ یعنی سکران کا اسلام کی حالت میں مکہ میں وفات پانا۔“ دیکھیے: (الإصابة: 59/2) [2] الطبقات الكبرىٰ: 53,52/8. یہ روایت واقدی کی سند سے ہے۔ [3] البداية والنهاية: 149/3. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب المرأة تهب يومها......، حديث: 5212، وصحيح مسلم، الرضاع، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، حديث: 1463، وسنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2135، والفتح الرّبّاني: 108/22، وصحيح سنن ابن ماجه: 334/1، حديث: 1972.

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''کوئی عورت ایسی نہیں کہ مجھے اس جیسا بننا پسند ہو سوائے سودہ رضی اللہ عنہا کے، البتہ ان کے مزاج میں کچھ تیزی تھی۔ [1] جب وہ بوڑھی ہو گئیں تو کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی ہے۔'' چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو دن رکھے تھے، ایک دن ان کا اپنا اور دوسرا سودہ رضی اللہ عنہا کا۔

روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ اسی کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ﴾

''اگر کوئی عورت اپنے خاوند سے ناراضی یا نفرت کا خدشہ محسوس کرے تو کوئی حرج نہیں کہ وہ آپس میں مصالحت کر لیں۔ اور مصالحت (طلاق سے) بہتر ہے۔'' [2]

جن روایات میں یہ ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طلاق دے دی تھی۔ وہ راستے میں آپ کو ملیں اور گزارش کی کہ مجھے طلاق نہ دیں تب آپ نے رجوع کیا۔ یہ روایات سند کے لحاظ سے ضعیف اور ناقابل اعتبار ہیں۔ صحیح روایات ہی قابل اعتبار ہوتی ہیں۔

سودہ رضی اللہ عنہا کا جسم بھاری تھا اور چلنے میں سست تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں: ''رات میں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی۔ آپ نے اتنا لمبا رکوع کیا کہ میں نے اس ڈر سے اپنی ناک پکڑ لی کہ خون نہ بہنے لگے۔'' [3] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اس بات

[1] صحیح مسلم، الرضاع، باب جواز هبتها......، حدیث: 1463. [2] النسآ 4:128. تفسير الطبري: 9/276-278، وسنن أبي داود، النكاح، باب في القسم بين النساء، حدیث: 2135، و الفتح الربّاني: 22/108، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، المائدة، حدیث: 3040. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔'' البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اور دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 3/297) اور سودہ قرشیہ جن کے پانچ بچے تھے، وہ یہ نہیں ہیں، دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 4/333,332، حدیث: 2926) [3] الطبقات الكبرٰى: 8/54. اس روایت کے راوی صحیح کے راوی ہیں، تاہم یہ مرسل ہے۔ سودہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے لیے دیکھیے: (الإصابة : 4/339,338)

پر ہنس دیے۔

سودہ رضی اللہ عنہا کے جسم کی فربہی اور بڑھاپے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اور ان جیسے دوسرے کمزور لوگوں کو اجازت دی تھی کہ وہ مزدلفہ سے رات ہی کو چل پڑیں جبکہ عام لوگ طلوع فجر کے بعد جاتے ہیں۔ [1]

سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بارے میں صحیح ترین روایت یہ ہے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فوت ہوئیں۔ [2]

ہمیں کوئی ایسی قابلِ حجت روایت نہیں ملی جس سے یہ پتہ چل سکے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکاح کے وقت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر کیا تھی، البتہ ان کی عمر کے بارے میں ضعیف روایات میں ایک روایت بلاذری کی ہے۔ انھوں نے لکھا: ''کہا گیا ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کی وفات عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہوئی۔ اس وقت وہ تقریباً 80 سال کی تھیں۔ [3]

عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما
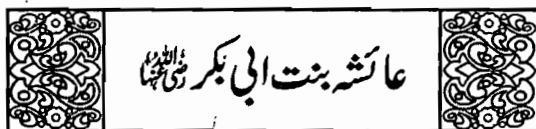
رسول اللہ ﷺ کے دل میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بڑی قدر تھی کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہایت مشکل اور خطرناک حالات میں بے حد گراں قدر خدمات انجام دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ اپنے اس وفادار اور امانت دار دوست کو عزت و اکرام

[1] صحيح البخاري، الحج، باب من قدم ضعفة أهله بليل......، حديث: 1680، 1681.

[2] التاريخ الأوسط (الصغير) للبخاري (تحقيق محمد بن إبراهيم اللحيدان): 133/2، رقم الترجمة: 149. ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا: ''تاریخ کبیر میں ذہبی نے زور دے کر یہ بات لکھی ہے کہ ام المومنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے آخر میں فوت ہوئیں، دیکھیے: (فتح الباري، شرح الحديث: 1420) [3] أنساب الأشراف (تحقيق دكتور محمد حميد الله): 407/1.

بخشیں اور اسلامی اخوت کے عظیم رشتے کو مزید مضبوط کریں۔ یہ بات کوئی رشتہ قائم کرنے کی صورت ہی میں ممکن تھی، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی بیٹی عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کر لیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کیا تو ان کی عمر بہت کم تھی۔ یہ شوال 10 نبوت کی بات ہے، پھر آپ نے ان کو شوال 2 ھ میں اپنے گھر بسایا۔ [1]

عائشہ رضی اللہ عنہا خود بتائی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مجھ سے نکاح کیا۔ میں اس وقت چھ سال کی تھی، پھر جب میں نو سال کی ہوئی تو آپ کے گھر آ گئی۔'' [2] ایک روایت کے مطابق نکاح کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پہلے ایک خواب میں دیکھا تھا، اور انبیاء کا خواب وحی ہوتا ہے کہ ایک آدمی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ریشم کے ایک کپڑے میں اٹھائے آپ کے پاس لاتا اور کہتا ہے کہ یہ آپ کی بیوی ہے۔ آپ نے کپڑا ہٹا کر دیکھا تو وہ عائشہ تھیں۔ آپ اپنے دل میں کہتے ہیں: ''اگر اس کی تعبیر بھی یہی ہے (کہ وہ دنیا میں میری بیوی بنیں گی) تو اللہ تعالیٰ اس کی سبیل بھی پیدا کرے گا۔'' [4]

یہ روایت بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے کثیر فضائل میں شمار کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ [5] جو شخص اس عظیم خاتون کی سیرت و

[1] الطبقات الکبریٰ: 59,58/8. یہ روایت واقدی کی کئی سندوں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ماہِ شوال میں شادی کرنا اور انھیں اپنے گھر لانا صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے، دیکھیے: (صحیح مسلم، النکاح، باب استحباب التزوج والتزویج في شوال، حدیث: 1423) [2] صحیح البخاري، النکاح، باب إنکاح الرّجل ولده الصغار، حدیث: 5133، وصحیح مسلم، النکاح، باب جواز تزویج الأب البکر الصغیرة، حدیث: 1422. [3] صحیح مسلم، النکاح، باب جواز تزویج الأب البکر الصغیرة، حدیث: (71)-1422. اکثر روایات میں چھ سال کا ذکر ہے۔ [4] صحیح البخاري، النکاح، باب نکاح الأبکار، حدیث: 5078، وصحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضائل عائشة رضی اللہ عنہا، حدیث: 2438. [5] صحیح البخاري، النکاح، ◄◄

حالات کا مطالعہ کرے گا وہ ان کی ذہانت، روشنیٔ طبع، وسعتِ علم، فقاہت اور اخلاقِ عالیہ دیکھ کر دنگ رہ جائے گا۔ وہ بخوبی سمجھ جائے گا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں ان کا مرتبہ اتنا بلند کیوں تھا۔ [1]

حفصہ بنت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہا
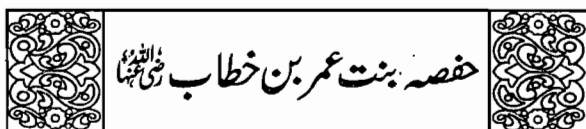
حفصہ رضی اللہ عنہا کے پہلے خاوند خُنَیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ بدری مہاجر تھے۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں حبشہ و مدینہ کی دو ہجرتیں کیں۔ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں ان کو کاری زخم لگا جس کے نتیجے میں وہ فوت ہو گئے۔ [2] ایک روایت کے مطابق وہ غزوۂ بدر کے بعد اللہ کو پیارے ہوئے۔ [3]

ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شادی کی حکمت بھی وہی تھی جو عائشہ وسودہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ شادی کرنے کی تھی۔ مزید یہ کہ انھیں اپنے خاوند کی وفات پر انتہائی غم تھا جس کی بنا پر عمر رضی اللہ عنہ بھی ہر وقت غمگین رہتے تھے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دوستوں ابو بکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کو یکے بعد دیگرے ان کے نکاح کی پیشکش کی تا کہ ان کا زخم مندمل ہو جائے اور وہ غم سے نجات پائیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے تو معذرت کر دی کہ فی الوقت مجھے نکاح کی ضرورت نہیں

◄◄ باب نکاح الأبکار، حدیث: 5077. [1] ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے مفصل حالات الاصابۃ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ کتبِ حدیث میں مناقب کے ابواب اور الفتح الرّباني میں جو احادیث ساعاتی نے جمع کی ہیں، وہ اس سلسلے میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں۔ ام المومنین کی حیاتِ طیبہ کے متعلق جاننے کے لیے اہم ترین ذریعہ کتبِ حدیث میں پھیلی ہوئی یہی متفرق احادیث و روایات ہیں۔
[2] صحیح البخاري، النکاح، باب عرض الإنسان ابنته......، حدیث: 5122، والإصابة: 457,456/1، وتاریخ الطبري: 6/156-160، والاستیعاب: 4/1885. [3] الإصابة: 1/456، والاستیعاب: 1/438.

لیکن ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش ہو رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خاموشی پر زیادہ ناراضی تھی۔ حفصہ رضی اللہ عنہا کی قسمت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت لکھی تھی۔ چند دن گزرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کا پیغام بھیج دیا اور نکاح ہوگیا۔ بعد میں ابو بکر رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور وضاحت فرمائی کہ دراصل میری خاموشی کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے حفصہ کے ساتھ نکاح کا مشورہ کیا تھا۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشاں کروں، البتہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح نہ کرتے تو میں یہ پیشکش قبول کر لیتا۔[1] اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حفصہ کی بیوگی کا بڑا احساس تھا۔ آپ نے ان سے ہمدردی کا فیصلہ کیا کہ اس سے عمر کی بھی دلجوئی ہوگئی کیونکہ ان کا مرتبہ بھی آپ کے ہاں بہت بلند تھا۔

روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طلاق بھی دے دی تھی مگر پھر رجوع کر لیا۔[2]

عمر رضی اللہ عنہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، وہ رو رہی تھیں۔ پوچھا: ''کیوں رو رہی ہو؟ شاید اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے طلاق دے دی ہے؟ سن لے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے طلاق تو دے دی ہے مگر میری وجہ سے رجوع کر لیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے دوبارہ تجھے طلاق دے دی تو میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔''[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طلاق دے دی تو جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور بولے:

---

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب عرض الإنسان ابنته......، حديث: 5122، والفتح الرّباني: 130/22. اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [2] سنن أبي داود، الطّلاق، باب في المراجعة، حديث: 2283، وسنن النسائي، الطلاق، باب الرجعة، حديث: 3590. [3] ساعاتی نے لکھا: ''ہیثمی نے کہا: ''اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' دیکھیے: (الفتح الرباني: 131،130/22، ومجمع الزوائد: 333/4) ابن اسحاق بھی اسے حسن سند سے لائے ہیں، دیکھیے: (السير و المغازي لابن إسحاق، ص: 257، وموارد الظمآن 276،275/4، حديث: 1325. سند صحیح ہے۔ اس روایت پر صحیح ہونے کا حکم البانی رحمہ اللہ نے بھی لگایا ہے، دیکھیے: (إرواء الغليل: 158/7)

''حفصہ سے رجوع کر لیجئے۔ وہ بہت روزے دار اور بکثرت قیام کرنے والی ہے۔ وہ جنت میں بھی آپ کی بیوی ہوگی۔''[1]

ان احادیث سے حفصہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی حکمت عیاں ہوتی ہے۔

زینب بنت خزیمہ ہلالیہ رضی اللہ عنہا
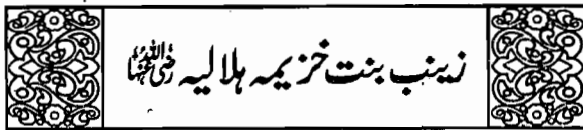
زینب رضی اللہ عنہا طفیل بن حارث بن عبدالمطلب بن عبدمناف کے نکاح میں تھیں۔ اس نے انھیں طلاق دے دی۔[2] ایک قول کے مطابق جہم بن عمرو بن حارث کے نکاح میں تھیں۔[3] پھر ان سے عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔ وہ بدر کے میدان میں شہید ہو گئے۔[4] ایک دوسرے قول کے مطابق وہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ وہ غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔[5] انھیں جاہلیت میں ''ام المساکین'' کہا جاتا تھا کیونکہ یہ مساکین سے بہت شفقت کرتی اور ان پر بہت ترس کھاتی تھیں۔[6]

زبیر بن بکار کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو ولیمے میں ایک اونٹ ذبح کیا۔ مساکین اس کثرت کے ساتھ جمع ہوئے کہ دوسرے لوگوں نے سارا کھانا

[1] ساعاتی نے لکھا ہے: ''ہیثمی نے کہا: اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' دیکھیے: (الفتح الرباني: 131/22) [2] الطبقات الکبریٰ: 115/8. یہ واقدی اور ابن بکار کی سند ہے جو ضعیف ہے۔ ابن حجر نے اسے بصیغۂ تمریض بیان کیا ہے، اور یہ ضعیف ہے۔ دیکھیے: (الإصابة: 315/4) [3] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 391/4) [4] الطبقات الکبریٰ: 115/8. واقدی کی سند سے ہے۔ [5] الاستیعاب: 313/4. یہ معلق روایت ہے۔ انھوں نے اسے کسی کی طرف منسوب نہیں کیا، مزید دیکھیے: (الإصابة: 315/4) [6] یہ ابن اسحاق کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 391/4. ابن سعد نے اسے واقدی کی سند سے بیان کیا ہے، دیکھیے: (الطبقات الکبریٰ: 115/8)

مساکین ہی کے لیے چھوڑ دیا اور خود بغیر کھائے چلے گئے۔ [1]

یہ ماں کی طرف سے ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی بہن تھی۔ [2] ان کی ماں کا نام ہند بنت عوف بن حارث بن حماطہ حمیر یہ تھا۔ [3]

ایک ایسی عورت جس کی متعدد بار شادی ہوئی، دو خاوند شہید ہوئے۔ اور جو بہت نیک تھیں، مساکین پر شفقت کرتی تھیں، یقیناً اس قابل تھیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کی طرف توجہ کرتے اور ان کی دینی خدمات کی قدر فرماتے۔ اس کی بہترین صورت یہی تھی کہ آپ ﷺ نے ان سے شادی کر کے ان کی عزت افزائی فرمائی۔ یہ ہجرت سے اکتیسویں ماہ رمضان المبارک 3 ھ کی بات ہے۔ وہ آپ کے ہاں تقریباً آٹھ ماہ رہیں اور ربیع الاول 4 ھ کے آخر میں وفات پا گئیں۔ [4] رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں یہی دو بیویاں خدیجہ اور زینب رضی اللہ عنہما فوت ہوئیں۔

ایک قول کے مطابق وفات کے وقت ان کی عمر صرف تیس سال تھی۔ [5] لیکن یہ بات بہت بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک عورت جو جاہلیت میں ''ام المساکین'' کے لقب سے معروف ہو، پھر اس نے اسلام لانے کے بعد بھی پندرہ سال بسر کیے ہوں اس کی عمر صرف تیس سال ہو۔ اس کی عمر اس سے زیادہ ہونی چاہیے۔ صواف نے بیان کیا ہے کہ جب ان کی شادی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہوئی تو وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچ چکی تھیں۔ [6] انھوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اگر یہ صحیح ثابت ہو جائے تو قرینِ قیاس ہے۔ واللّٰہ أعلم.

سیرت کی قدیم کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کے گھر ان کے رہن سہن، خاص طور پر آپ ﷺ کی دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت بیان نہیں کی

[1] المنتخب من كتاب أزواج النبي ﷺ، ص: 48. اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ [2] الاستيعاب: 313/4، والإصابة: 315/4. [3] المحبر لابن حبيب، ص: 105-109. [4] الطبقات الكبرٰى: 115/8. یہ واقدی کی سند ہے۔ [5] الطبقات الكبرٰى: 116/8. یہ واقدی کی سند ہے۔ [6] زوجات النبي ﷺ الطاهرات، ص: 49.

گئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی بنا پر دیگر ازواج مطہرات ان پر غیرت کرتیں، لہٰذا کسی نے ان کی پروا نہیں کی۔ ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ وہ خاندان نبوت میں بہت کم عرصہ رہیں۔

ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا
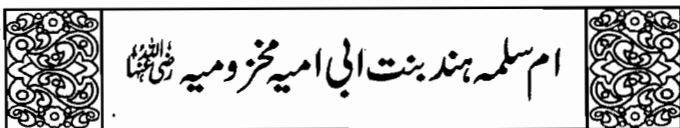
تاریخ نے اس عظیم خاتون کو شاندار الفاظ کے ساتھ یاد رکھا ہے۔ یہ مشہور خاتون تھیں۔ انھوں نے غزوۂ احد میں مجاہدین کی صفوں کے پیچھے زخمیوں کی تیمارداری کی۔ انتہائی عقل مند اور معاملہ فہم خاتون تھیں۔ حدیبیہ کی صلح میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو نہایت کارگر مشورہ دیا تھا۔ ان کا عظیم ترین جہاد اپنے خاوند ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کرنا تھا۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نبیٔ اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد اور رضاعی بھائی تھے۔

ابوسلمہ نے غزوۂ احد میں بہادری کے جوہر دکھائے حتی کہ وہ شدید زخمی ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد زخم تو ٹھیک ہو گئے لیکن تکلیف دوبارہ شروع ہو گئی حتی کہ یہی تکلیف پیام موت بن گئی۔ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ اپنے پیچھے چار بچے چھوڑ گئے زینب، سلمہ، عمر اور درہ۔ رسول اللہ ﷺ نے مناسب سمجھا کہ عملی طور پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے تعاون کیا جائے اور ان کی عزت افزائی بھی کی جائے کیونکہ وہ مخلص مہاجر عورتوں میں سے تھیں اور مدینہ منورہ میں ان کے بیٹوں کے علاوہ ان کا کوئی سہارا نہ تھا۔ ان سے تعاون کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ﷺ انھیں اپنے حبالۂ عقد میں لے آتے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک دن ابوسلمہ نے مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے سے ایک بات بتائی۔ میں بہت خوش ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ ﴿ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھے، پھر کہے:

«اَللّٰهُمَّ! أْجُرْنِي فِي مُصِيبَتِي وَأَخْلِفْ لِي خَيْرًا مِّنْهَا»

''اے اللہ! مجھے میری اس مصیبت کا اجر عطا فرما اور مجھے اس کے بجائے بہترین بدل دے۔'' اللہ تعالیٰ اس سے یقیناً یہی سلوک کرے گا۔''

ام سلمہ نے کہا: ''میں نے یہ الفاظ یاد کر لیے۔ جب ابو سلمہ فوت ہوئے تو میں نے ﴿ إِنَّا لِلّٰهِ وَ إِنَّآ إِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ پڑھا اور یہی دعا پڑھتی رہی۔ پھر میں دل ہی دل میں سوچتی رہی کہ ابو سلمہ سے بہتر شخص مجھے کہاں ملے گا؟ جب میری عدت ختم ہوئی تو ایک دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے اجازت طلب کی۔ میں نے اجازت دے دی۔ آپ نے مجھے شادی کا پیغام دیا۔ جب آپ اپنی بات سے فارغ ہوئے تو میں بولی: ''اے اللہ کے رسول! یہ تو ممکن نہیں کہ مجھے آپ میں رغبت نہ ہو مگر مجھ میں غیرت اور غصہ بہت ہے۔ مجھے خطرہ ہے کہ اگر مجھ سے آپ کی ذات گرامی کے ساتھ کوئی بے ادبی ہو گئی تو میں اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گی۔ میری عمر بھی زیادہ ہو چکی ہے، پھر میں بال بچے دار ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے جو غیرت کی بات کی ہے تو اللہ تعالیٰ یہ تم سے دور کر دے گا۔ باقی رہی عمر کی بات تو میری عمر بھی زیادہ ہے۔ تیرے بال بچے میرے بال بچوں کی طرح میری نگرانی اور ذمہ داری میں ہوں گے۔'' ام سلمہ کہتی ہیں: ''میں نے ہاں کر دی۔'' رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ وہ کہتی ہیں: ''اللہ نے مجھے ابو سلمہ کے بدلے ان سے بہتر شوہر رسول اللہ ﷺ عطا کر دیے۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہوئی تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انھیں

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب ما يقال عند المصيبة؟، حديث: 919,918، وصحيح سنن الترمذي، الجنائز، حديث: 990، وسنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء فيما يقال......، حديث: 1447، والطبقات الكبرى: 89/8، والفتح الرباني: 67/21، واللفظ له.

شادی کا پیغام بھیجا۔ انھوں نے انکار کر دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ نے پیغام بھیجا۔ انھوں نے اسے بھی قبول نہ کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا تو کہنے لگیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی زہے قسمت! مگر ایک تو میں غیرت والی عورت ہوں، دوسرا بال بچوں والی ہوں۔ میرا کوئی ولی یہاں موجود نہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب بھیجا: ''تمھارے بال بچوں کو اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔ تمھاری غیرت کے بارے میں مَیں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ تمھیں ضرورت سے زیادہ غصہ اور غیرت نہ آئے۔ باقی رہا ولی کا مسئلہ تو خواہ تمھارا کوئی ولی یہاں ہو یا نہ ہو وہ مجھے ناپسند نہیں کرے گا۔'' ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''عمر! اٹھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح کر دو۔''[1] ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی شوال 4 ھ میں ہوئی۔[2]

الاصابہ اور اس قسم کی دیگر تاریخی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ازواج مطہرات میں سب سے آخر میں فوت ہونے والی اہلیہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا
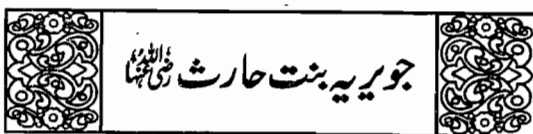
غزوۂ بنی مصطلق کی تفصیلات میں ان کی شادی کا حال بیان ہو چکا ہے۔ اس نکاح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد جنگ میں قید ہونے والی عورتوں کو اعزاز بخشنا تھا۔ یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں آزاد عورتوں کے برابر مرتبہ عطا فرمایا اور لوگوں کے سامنے اسلام کی عظمت کی سچی تصویر پیش کی۔ اُس دور کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جنگ میں گرفتار ہونے والی عورتیں حقیر و ذلیل ہوتی ہیں۔ انھیں لونڈیاں بنا کے رکھا جائے یا بھیڑ بکریوں کی طرح فروخت کر دیا جائے، وہ آزادی کی نعمت سے محروم رکھی جاتی تھیں اِلّا یہ کہ وہ خود اپنی قیمت

[1] الفتح الربّاني: 68,67/21. اس روایت کی سند صحیح ہے۔ احمد کے علاوہ جن محدثین نے یہ روایت نقل کی، ساعاتی نے ان کا ذکر کیا ہے۔ [2] الطبقات الکبریٰ: 87/8. یہ واقدی کی سند ہے۔

ادا کر کے مالک سے جان چھڑا لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس نکاح کے ذریعے سے اس قسم کے توہین آمیز تکبرانہ خیالات کی نفی فرما دی۔ آپ ﷺ کے اس نکاح سے مسلمانوں کو یہ سبق مل گیا کہ معزز خاندانی اور عالی نسب خواتین سے رحمدلانہ سلوک کر کے اُن کی عزت کی حفاظت کی جائے اور جب کسی قوم کا معزز ذلیل ہو جائے یا مالدار فقیر ہو جائے تو اُس پر ترس کھا کر اُس سے شایانِ شان سلوک کیا جائے۔

اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ قیدی عورتوں سے خلفاء، امراء، سرداروں اور بڑے لوگوں نے شادیاں کیں اور اُن سے خلفاء، امراء، عظیم جرنیل اور بڑے بڑے علماء پیدا ہوئے۔ یہ بات بخوبی سمجھنے کے لیے خلفائے بنی عباس کی تاریخ کا مطالعہ مفید ثابت ہوگا۔

زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا
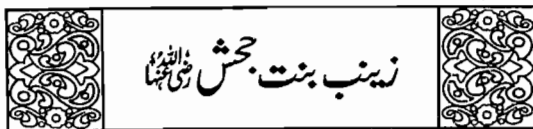
زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ کی بیٹی تھیں۔ آپ نے ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کیا تھا۔ زید کو آپ ﷺ نے آزاد کرنے کے بعد اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا۔ انھیں باقاعدہ زید بن محمد کہا جاتا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے متبنّٰی بنانے سے روک دیا۔ ان کی زید سے اور پھر رسول اللہ ﷺ سے شادی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات نازل ہوئیں:

﴿ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ ۚ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ۖ فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِيٓ أَزْوَاجِ أَدْعِيَآئِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ أَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُولًا ۝ ﴾

''اور جب تو اُس شخص سے، جس پر اللہ نے انعام کیا اور تو نے انعام کیا، یہ کہہ رہا

تھا: اپنی بیوی کو برقرار رکھو (طلاق نہ دو) اور اللہ سے ڈرو۔اور تو اپنے دل میں چھپا رہا تھا وہ بات جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اور تو لوگوں سے ڈر رہا تھا، حالانکہ اللہ زیادہ مستحق ہے کہ تو اُس سے ڈرے، لہٰذا جب زید نے اس سے حاجت پوری کی تو ہم نے تجھے اُس سے بیاہ دیا تاکہ مومنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے متعلق کوئی حرج نہ رہے جبکہ وہ ان سے حاجت پوری کر چکیں۔اور اللہ کا فیصلہ (پورا) کیا ہوا تھا۔'' [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ زید اپنی بیوی کی شکایت لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے۔آپ نے ان سے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو برقرار رکھو۔'' عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''اگر رسول اللہ ﷺ نے کوئی چیز (دینی مسئلہ) چھپانی ہوتی تو یہ آیت چھپا لیتے۔'' حضرت زینب رضی اللہ عنہا دوسری ازواجِ مطہرات کے سامنے فخر کے طور پر کہتی تھیں: ''تمھارے نکاح تمھارے اولیاء نے کیے جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سے کیا۔'' [2]

نبیٔ اکرم ﷺ کی اُن سے شادی یکم ذوالقعدہ 5 ھ کو ہوئی۔اُس وقت اُن کی عمر پینتیس برس تھی۔ [3] اس شادی کا مقصد متبنّٰی کی رسم کو ختم کرنا تھا جیسا کہ سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت میں وضاحت ہے۔

اس آیت کریمہ کی منقول تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے آپ ﷺ کو بتا رکھا تھا کہ عنقریب زینب آپ ﷺ کی بیوی بنے گی۔مگر آپ اس بات کے اعلان سے ڈرتے تھے مبادا مخالفین شور برپا کر دیں: ''لو جی! اب تو انھوں نے اپنی بہو [4] کے

---

[1] الأحزاب 33:37. صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ ......﴾، حدیث: 4787. [2] صحیح البخاري، التوحید، باب: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، حدیث: 7420، وصحیح سـ... ترمذي: 3/[illegible]93. [3] الطبقات الکبرٰی: 14/8. [4] عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے ◄◄

ساتھ بھی شادی رچا لی ہے۔'' جبکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ متبنّٰی اور اُس کے متعلق جاہلیت کے تمام رسم و رواج ختم کر دیے جائیں۔ اس کا سب سے بہترین طریقہ یہی تھا کہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے شادی کرائی جائے اور وہ بھی نبیِ کریم ﷺ جیسی عظیم شخصیت کے ذریعے سے تاکہ مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ رہے۔[1]

صحیح بخاری سے اخذ کردہ اس جائزے کے بعد ہمیں اُن غیر معتبر روایات کا جائزہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی جن میں رسول اللہ ﷺ کی زینب سے شادی کے متعلق افسانے تراشے گئے ہیں۔ خصوصاً واقدی کی روایات جو ہر دور میں زندیق، بے دین، مستشرقین اور ان جیسے دیگر خود غرض لوگوں کے لیے موشگافیوں کا سامان مہیا کرتی رہی ہیں۔

ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ رضی اللہ عنہا
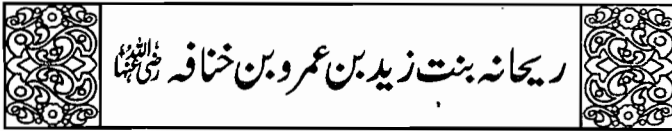
رسول اللہ ﷺ کی ازواج میں ریحانہ بنت زید بن عمرو نضر یہ اور بعض کہتے ہیں کہ قرظیہ[2] تھیں۔ وہ بنوقریظہ کی جنگ میں قید ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اُنھیں اپنے لیے منتخب کیا اور آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔[3] بعدازاں آپ نے انھیں ایک طلاق دے دی، پھر

◄◄ روایت ہے کہ ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے حتی کہ قرآنی حکم آ گیا: ﴿ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ''انھیں ان کے آباء کی نسبت سے پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف والی بات ہے۔'' (الأحزاب 33:5) البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحیح سنن الترمذي: 92/3)

[1] فتح الباري: 140/18، یہ سدّی کی تفسیر ہے جو ابن ابی حاتم نے نقل کی ہے۔ عبدالرزاق نے بھی قتادہ سے یہی تفسیر نقل کی ہے۔ امام ترمذی نے بھی اسے نقل کیا ہے، دیکھیے: (تفسیر ابن کثیر: 421,420/6)

[2] ان کا تعلق بنونضیر سے تھا اور شادی بنوقریظہ میں ہوئی تھی، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 520/2، والإصابة: 309/4) ابن عبدالبرّ نے لکھا: ''غالب گمان یہ ہے کہ ان کا تعلق بنوقریظہ سے تھا۔'' دیکھیے: (الاستیعاب: 310/4) [3] المغازي للواقدي: 521/2. یہ زہری کی مرسل روایت ہے۔ واقدی ◄◄

رجوع کر لیا۔ [1]

بعض حضرات کا خیال ہے وہ آپ کی قابل احترام مملوکہ تھیں اور آپ ﷺ اُن کے ہاں اسی حیثیت سے شب بسری کیا کرتے تھے، لہٰذا وہ ان کا شمار ازواجِ مطہرات کے بجائے آپ کی محترم کنیزوں میں کرتے ہیں۔ [2] اُن کی وفات کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے فوت ہوئیں یا بعد میں۔ مؤرخین نے کسی ایک بات کو ترجیح نہیں دی۔ [3] ہمارا خیال ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی ہی میں فوت ہوئیں کیونکہ اس روایت کی سندیں قوی ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو دُرست کہا ہے۔ [4]

» نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''ہمارے نزدیک یہ حدیث دونوں احادیث میں سے زیادہ مضبوط ہے۔'' ومنتخب أزواج النبي ﷺ لابن البكار، ص: 56,55. ابن بکار کی نقل کردہ روایت ایوب بن عبداللہ بن صعصعہ کی مرسل روایت ہے۔ ایوب بن عبداللہ صدوق ہے۔ اسی سند میں ابن زبالہ بھی ہے۔ وہ حدیث میں متروک ہے۔ [1] الطبقات الكبرٰى: 130/8. یہ واقدی کی روایت ہے۔

[2] السيرة النبوية لابن هشام: 339/4. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ اس میں ایوب بن عبدالرحمٰن بن صعصعہ مرسل طور پر روایت کرتے ہیں، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 521,520/2، والطبقات الكبرٰى: 131/8) یہ واقدی کی سند سے ہے۔ اس کے باقی راوی قابلِ اعتبار ہیں۔ ابن اسحاق کی روایت ابن سعد کی روایت کو تقویت دیتی ہے۔ ابن القیم نے اسی کو اختیار کیا ہے، دیکھیے: (زاد المعاد: 31/1)

[3] واقدی نے کہا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فوت ہوئیں۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق بعد میں فوت ہوئیں۔ دونوں روایات واقدی کی سند سے مروی ہیں۔ واقدی کے علاوہ سب راوی قابل اعتبار ہیں، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 521/2، والطبقات الكبرٰى: 131/8)

[4] الاستيعاب: 310/4. کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات 10ھ میں ہوئی جب رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے لوٹے۔ یہ بات ابن سعد نے واقدی کی سند سے لکھی ہے، دیکھیے: (الطبقات الكبرٰى: 130/8) ابن بکار نے بھی اسے نہایت ضعیف سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (منتخب أزواج النبي ﷺ لابن بکار، ص: 56)

ام حبیبہ رَملہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے خاوند عبیداللہ بن جحش اسدی کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئی تھیں۔ وہاں جا کر خاوند عیسائی ہو گیا اور انھیں چھوڑ دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خاوند کے عیسائی ہو جانے کے باوجود ان کے اسلام پر قائم رہنے کا پتہ چلا تو آپ نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کے پاس بھیجا کہ ام حبیبہ کو میری طرف سے نکاح کا پیغام دیں۔ وہ بڑی خوشی سے راضی ہو گئیں۔ نجاشی نے آپ کی طرف سے بطورِ وکیل ام حبیبہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔ ام حبیبہ نے اپنے چچازاد بھائی خالد بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ نکاح کے بعد نجاشی نے اُن کو شُرَحْبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ آپ کی خدمت میں بھیج دیا۔ مہر اور سامانِ ضرورت نجاشی نے اپنی طرف سے مہیا کیا۔[1]

یہ 7 ہجری کی بات ہے۔ اُس وقت اُن کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی۔ عبیداللہ بن جحش سے اُن کی ایک بچی تھی جس کا نام حبیبہ تھا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ بچی مکہ میں پیدا ہوئی یا حبشہ میں۔[2]

اس شادی کی حکمت کسی سے مخفی نہیں کہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا خاوند غیر ملک میں جا کر مرتد

[1] الفتح الرّبّاني: 133/22. ساعاتی نے کہا: ''اس روایت کی سند جید ہے۔ ابو داود اور نسائی نے اسے روایت کیا ہے۔'' مزید دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 389/4) ابن ہشام نے اسے بالاختصار روایت کیا ہے۔ سند حسن درجے کی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں زیاد البکائی ہے جو صدوق اور سیرت میں قابلِ اعتبار ہے۔ ابن سعد نے اسے واقدی سے روایت کیا ہے۔ اس میں احمد اور ابن ہشام کی حدیث پر اضافہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن امیہ ضمری کو نجاشی کی طرف بھیجا کہ وہ آپ کے لیے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شادی کا پیغام دیں، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 389/4، والطبقات الكبرىٰ: 8/96-99) [2] الطبقات الكبرىٰ: 8/96-99. یہ واقدی کی روایت ہے۔

ہوگیا۔ باپ اسلام کا سخت مخالف تھا اور غزوۂ بدر کے علاوہ باقی تمام جنگوں میں مسلمانوں کے خلاف قریش کی قیادت کرتا رہا تھا۔ غزوۂ بدر بھی اُسی کی وجہ سے ہوا کیونکہ وہ اُس قافلے کا سردار تھا جس کی حفاظت اور بچاؤ کے لیے یہ جنگ برپا ہوئی۔ ان حالات میں تن تنہا ایک عورت جس کا میکے یا سسرال میں کوئی سہارا نہ تھا، اجنبی ملک میں آپ ﷺ کی ہمدردی اور غمخواری کی بے حد مستحق تھی تاکہ اعدائے اسلام اُن کی اس عظیم مصیبت پر بغلیں نہ بجائیں۔ اور اس شادی سے بنوامیہ کی اسلام اور نبیِ اسلام ﷺ سے شدید عداوت میں کمی کا خاصا امکان تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بے حد خواہش تھی کہ قریش کی دشمنی ختم ہو جیسا کہ فتح مکہ اور حنین کی غنیمت تقسیم کرتے وقت بلکہ بہت سے دوسرے مواقع پر بھی نبیٔ اکرم ﷺ نے ابوسفیان کے ساتھ خصوصی رعایت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو ہدایت دی اور یہ لوگ مستقبل میں اسلام کا زور آور بازو اور اس کے زبردست مددگار بن گئے۔

صفیہ بنت حیی بن اخطب رضی اللہ عنہا

جب مسلمانوں نے خیبر فتح کیا تو بہت سی عورتیں قید ہوئیں۔ ان میں صفیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ وہ دحیہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آگئیں۔ لوگوں کی تجویز پر آپ ﷺ نے اُن کو دحیہ سے خرید لیا، پھر آپ نے انھیں آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔[1] مدینہ منورہ کو واپسی کے دوران آپ نے اُن کے ساتھ شب بسری کی۔ اُس رات حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے رضا کارانہ طور پر آپ کے خیمے پر پہرہ دیا۔ انھیں خدشہ تھا کہ کہیں صفیہ رسول اللہ ﷺ کے خلاف دھوکے سے کوئی کارروائی نہ کر گزریں۔[2] یہ صرف اُن کا وہم

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4211، وصحيح مسلم، النكاح، باب فضيلة إعتاقه أمته ثم يتزوجها، حديث: 1365 بعد الحديث: 1427. [2] الطبقات الكبرى: 121/8. یہ واقدی کی روایت ہے جو ان کی اپنی اسانید سے ہے۔

تھا ورنہ وہ تو اُسی دن دل سے مسلمان ہو چکی تھیں جس دن آپ نے انھیں منتخب کیا تھا اور اُن کے دل میں اللہ کے رسول ﷺ کے خلاف ذرہ بھر کینہ نہیں تھا۔ اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ جب آپ خیبر سے صرف چھ میل کے فاصلے پر تھے آپ نے اُن کے ساتھ شب بسری کا ارادہ کیا تو انھوں نے انکار کر دیا۔ جب آپ خیبر سے بارہ میل کے فاصلے پر صہباء کے مقام پر پہنچے تو وہ آمادہ ہو گئیں۔ آپ نے اُن سے پہلی دفعہ انکار کا سبب پوچھا تو وہ کہنے لگیں: ''وہاں خیبر قریب تھا۔ مجھے خطرہ تھا کہ یہودی آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ کے دل میں اُن کی محبت اور بڑھ گئی۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تمھارا باپ تمام یہودیوں سے زیادہ مجھ سے دشمنی رکھتا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے واصل جہنم کر دیا۔'' وہ کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ اپنی عظیم کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾

''کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''تمھیں اختیار ہے اگر اسلام قبول کرو تو میں تمھیں اپنے لیے رکھوں گا اور اگر یہودیت پسند کرو تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا۔ تم اپنی قوم کے پاس چلی جانا۔'' انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں تو آپ کے دعوت دینے سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکی اور آپ کی تصدیق کر چکی تھی۔ مجھے یہودیت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ نہ اس سلسلے میں مجھے اپنے والد یا بھائی کی کوئی پروا ہے۔ آپ نے مجھے کفر و اسلام میں اختیار دیا ہے تو اللہ و رسول مجھے آزادی اور اپنی قوم میں واپس جانے سے بدرجہا زیادہ محبوب ہیں۔'' لہٰذا رسول اللہ ﷺ نے انھیں اپنے گھر بسا لیا۔

صفیہ رضی اللہ عنہا کی والدہ بنوقینقاع سے تھی۔ ان سے سلام بن مشکم نضیری نے نکاح کر لیا،

[1] الطبقات الکبریٰ: 123/8. یہ واقدی کی سند سے ہے۔ [2] الأنعام 164:6.

پھر اُس نے طلاق دے دی۔ دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا۔ وہ خیبر کی جنگ میں مارا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زبانِ مبارک سے ان کے والد کے بارے میں کبھی کوئی ایسا لفظ نہیں سنا گیا جس سے انھیں صدمہ پہنچے۔

صفیہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں وہی حکمت و مصلحت تھی جو جویریہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے میں تھی۔ یہ بھی یہودیوں کے ایک بہت بڑے سردار کی بیٹی تھیں۔ باپ، خاوند اور بھائی رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ کرتے کرتے مارے گئے تھے۔ ان کی عزت افزائی ضروری تھی کیونکہ یہودیوں کے نزدیک وہ بہت معزز اور محترم تھیں۔

یہ شادی اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی یا معاشرتی لغت میں یہود کی مخالفت کا عنصر شامل نہ تھا۔ اور یہود کا یہ الزام غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمان بنیادی طور پر ہمارے مخالف رہے ہیں۔

صفیہ رضی اللہ عنہا خاندانِ نبوت میں پوری عزت و تکریم سے رہیں۔ اگر کبھی اُن کے ساتھ آپ کی کسی اور بیوی کی نوک جھونک ہو جاتی تو آپ انھیں جواب دینے کے گُر سکھایا کرتے تھے۔ سوکنوں میں اکثر ایسا ہو ہی جاتا ہے۔ سنن ترمذی میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ”ایک دن حفصہ رضی اللہ عنہا نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کہا: ”یہودی کی بیٹی۔“ انھیں پتہ چلا تو رو پڑیں۔ اسی حالت میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ پوچھا: «مَا يُبْكِيكِ؟» ”کیوں رو رہی ہو؟“ کہنے لگیں: ”حفصہ نے مجھے ”یہودی کی بیٹی“ کہا ہے۔“ آپ نے فرمایا: ”تم تو نبی کی بیٹی ہو۔ تمھارا تایا بھی نبی تھا، پھر تم نبی کے نکاح میں ہو۔ حفصہ کس بات میں تم پر فخر کر سکتی ہے؟“ پھر آپ نے حفصہ سے فرمایا: ”حفصہ! اللہ سے ڈرو!“[1]

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، حديث: 3894. البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ ”نبی کی بیٹی“ سے مراد اسحاق علیہ السلام اور ”تمھارا تایا نبی ہے“ سے مراد اسماعیل علیہ السلام ہیں۔“ اسے احمد نے بھی روایت کیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 136/3) سند صحیح ہے۔ ترمذی کی ایک روایت میں ◄◄

جب زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نے صفیہ رضی اللہ عنہا کو یہودی ہونے کا طعنہ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے تین ماہ تک اُن سے قطع تعلقی رکھی، پھر جب رسول اللہ ﷺ نے اُن سے قطع تعلقی ختم کی تو انھوں نے خوشی کے اظہار کے طور پر اور اپنی غلطی پر اظہارِ ندامت کرتے ہوئے اپنی ایک لونڈی بطور ہدیہ آپ کو پیش کی۔ [1] یہ حجۃ الوداع کی بات ہے جیسا کہ اس صحیح حدیث اور دیگر احادیث کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے۔

میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا
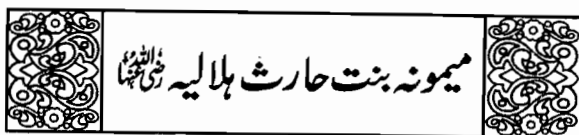
عمرۂ قضا کی تفصیلات میں ان کی شادی کا واقعہ بیان ہو چکا ہے۔ یہاں قابل ذکر یہ ہے کہ اُن سے آپ کی شادی کی بنیادی وجہ اُن کی نیکی اور تقویٰ تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''وہ ہماری سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی اور صلہ رحمی کرنے والی خواتین میں سے تھیں۔'' [2] رسول اللہ ﷺ نے اُن کے اور ان کی بہنوں کے بارے میں فرمایا:

◄◄ ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہ بات کہنے میں حفصہ رضی اللہ عنہا کی شریک تھیں۔ یہ روایت ہاشم بن سعید کوفی کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث غریب ہے۔ ہم اسے ہاشم کوفی کی روایت ہی سے جانتے ہیں۔ اس کی سند قوی نہیں ہے۔'' دیکھیے: (جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبيﷺ، حديث: 3892 ، وجامع الأصول: 144/9) [1] الفتح الرباني: 144/22. ساعاتی نے کہا: ''میں نہیں جانتا کہ اسے احمد کے سوا کسی نے روایت کیا ہو۔ اس کی سند جید ہے۔'' احمد نے اسے ایک دوسری سند سے بھی روایت کیا ہے جس کی سند حسن ہے۔ اس میں شمیسة راویۂ حدیث مقبول درجے کی ہے۔ اسے ابن سعد نے بھی اسی دوسری سند کی مثل ایک جید سند سے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں جیسا کہ ساعاتی نے کہا ہے۔ ابن سعد کی روایت کے لیے دیکھیے: (الطبقات الكبرىٰ: 127,126/8) [2] الطبقات الكبرىٰ: 139/8. ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (الإصابة: 413/4)

«اَلْأَخَوَاتُ مُؤْمِنَاتٌ: مَيْمُونَةُ وَأُمُّ الْفَضْلِ وَأَسْمَاءُ»

''میمونہ، ام الفضل اور اسماء مومن بہنیں ہیں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ رسول اللہ ﷺ اُن سے شادی کر لیں، اس لیے انھوں نے آپ سے گزارش کی: ''اے اللہ کے رسول! میمونہ بنت حارث بیوہ ہوگئی ہے۔ کیا آپ اُس سے شادی کریں گے؟'' [2] چونکہ میمونہ اُن کی بیوی ام فضل کی ہمشیرہ تھیں، اس لیے وہ اُن سے بخوبی واقف تھے۔ اتنے بلند درجے کی خاتون یقیناً اس قابل تھی کہ رسول اللہ ﷺ اُسے خاندانِ نبوت میں شامل کرتے تاکہ اُن کے خاوند کی وفات کا صدمہ ہلکا ہو جائے، اُن کی فضیلت کا سرعام اعتراف ہو اور اُن کی قوم میں اسلام سے محبت پیدا ہو۔

محترم و معزز کنیزیں
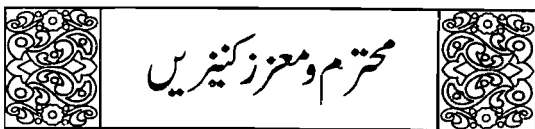
رسول اللہ ﷺ نے ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی کو کنیز نہیں بنایا۔ [3] یہ آپ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ تھیں۔ دو تین اور لونڈیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ایک لونڈی جو قیدیوں میں سے آپ کو ملی تھی۔ [4] دوسری لونڈی زینب بنت جحش نے آپ کو دی تھی [5] اور تیسری ریحانہ بنت زید جن کے بارے میں اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کی کنیز ہی تھیں۔ روایت ہے کہ جب ماریہ رضی اللہ عنہا سے ابراہیم پیدا ہوئے تو آپ نے فرمایا: ''ان کے

---

[1] الإصابة: 412/4. ابن حجر نے اسے ابن سعد کی طرف منسوب کیا اور اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔
[2] الاستيعاب: 407/4. یہ شرحبیل بن سعد کی مرسل روایت ہے۔ [3] ان کا واقعہ نبی ﷺ کے بادشاہوں اور رؤسا کو خطوط ''مقوقس کو خط'' کے باب میں ملاحظہ کیجیے۔ [4] البداية والنهاية: 344/5، والفتح الرباني: 148/22، وزاد المعاد: 114/1. ان کے ماخذوں کا علم نہیں ہو سکا۔
[5] ہم نے اس کا ذکر صفیہ رضی اللہ عنہا کے واقعے میں کیا ہے جب زینب رضی اللہ عنہا نے انھیں یہودیہ کہہ کر طعنہ دیا تھا۔ یہ احمد کی روایت ہے جس کی سند جید ہے۔

بیٹے نے انھیں آزاد کر دیا۔“[1]

جس معاشرے میں بیویوں کی کثرت تھی اور لونڈیاں رکھنا عام رواج تھا اور یہ عمل کسی

[1] ابن کثیر نے اس روایت کو دارقطنی کی ابن عباس تک پہنچنے والی سند سے نقل کرنے کے بعد کہا: ”اسے ابن ماجہ نے حسین بن عبداللہ کی سند سے دارِقطنی کی روایت کے مانند نقل کیا ہے۔ ہم نے اسے ایک اور سند سے بھی روایت کیا ہے۔“ دیکھیے: (البداية والنهاية: 341/5) بیہقی نے اس حدیث کی سند کے متعلق لکھا: ”اس حدیث میں ابوبکر بن ابی سبرہ ضعیف ہے، اُسے حجت نہیں مانا گیا، تاہم یہ حدیث اس کے سوا ایک اور سند حسين بن عبدالله بن عبيدالله بن عباس عن عكرمة عن ابن عباس سے روایت کی گئی ہے۔ اس کے الفاظ بھی یہی ہیں۔ حسین بن عبداللہ کو اکثر اصحابِ حدیث نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (السنن الكبرٰى للبيهقي: 346/10) اسی طرح اسے ابواُویس نے بھی مرسل سند سے روایت کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ ابواویس سے موصول روایت ہے جس میں ابن عباس کا ذکر ہے۔ اسے سعید بن کلیب اور عبداللہ بن سلمہ بن اسلم نے بھی حسین بن عبداللہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ ابن ابی سبرہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ علاوہ ازیں اسے بیہقی نے علی بن عمر الحافظ کی روایت سے بھی نقل کیا ہے۔ یہ زیاد بن ایوب کی ابن عباس رضی اللہ عنہما تک متصل سند ہے۔ بیہقی نے یہ روایت نقل کر کے لکھا: ”ابن ابی حسین زیاد بن ایوب کی حدیث بیان کرنے میں علی بن عمر الحافظ منفرد ہیں اور زیاد ثقہ ہیں۔“ ابن الترکمانی نے السنن الکبریٰ کے حاشیے میں لکھا: ”حاکم نے مستدرک میں مرفوع روایت نقل کی اور کہا: ”اس کی سند صحیح ہے۔“ پھر اس کی ایک متابعت (تائیدی روایت) بیان کی۔ ابن حبان نے بھی اس حدیث کو ابو عاصم کی روایت سے نقل کیا ہے۔ انھوں نے ابوبکر نہشلی سے اور انھوں نے حسین سے روایت کی۔ نہشلی کی روایات مسلم نے نقل کی ہیں اور انھیں محدثین کی ایک جماعت نے ثقہ قرار دیا ہے۔ اس حدیث کی ایک اور جید (عمدہ) سند سے متابعت بھی آئی ہے۔ ابن حزم نے کہا: ”ہمیں قاسم بن اصبغ کے طریق (سند) سے روایت کی گئی......، پھر کہا: ”اس روایت کی سند جید ہے۔ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔“ کتاب البیوع میں انھوں نے کہا: ”اس کی سند صحیح ہے۔“ ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث متابعات (تائیدی روایات) کی بنا پر قوی ہے۔ ام ولد کے متعلق فقہی احکام جاننے کے لیے ملاحظہ کیجیے: (المغني لابن قدامة: 527/9، والسنن الكبرٰى للبيهقي، كتاب عتق أمهات الأولاد: 342/10-349) اس روایت کو البانی رحمہ اللہ نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (ضعيف سنن ابن ماجه، حديث: 2563، وإرواء الغليل: 187،186/6، حديث: 1772)

بھی شخص کی مالی اور جسمانی قوت پر موقوف تھا، اُس میں اگر آپ ﷺ بیسیوں لونڈیاں رکھتے تب بھی یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہ ہوتی۔ یہود و نصاریٰ نے ہمارے علم کے مطابق، سلیمان علیہ السلام کی بیویوں اور لونڈیوں کی بدرجہا کثرت کو کبھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا[1] لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ انھی نا انصاف لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی کثرتِ ازواج کو مسئلہ بنا رکھا ہے۔ اس کا سبب تعصب اور خود غرضی کے سوا اور کچھ نہیں۔

کثرت ازواج کی حکمت

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد زندہ رہنے والی ازواجِ مطہرات امت مسلمہ کے مردوں اور عورتوں کے لیے معلم اور مفتی کی حیثیت رکھتی تھیں۔ عورتوں کے متعلق مسائل اور آدابِ زوجیت کے بارے میں تو سب لوگ اُن کے محتاج تھے۔ شرعی احکام اور نبوی مقالات کا معتدبہ ذخیرہ بھی اُن سے منقول ہے، پھر نیکی، صلہ رحمی اور حسنِ سلوک میں وہ امت کے لیے اسوۂ حسنہ تھیں، بالکل اُسی طرح جس طرح رسول اللہ ﷺ حسن خلق اور ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسن سلوک کا نہایت اعلیٰ اور بے مثال نمونہ تھے۔ آپ نے اپنی بیویوں کے ساتھ حق و انصاف والی نہایت بلند پایہ زندگی گزاری۔

[1] بخاری، مسلم اور احمد کے ہاں چند روایات وارد ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی کئی بیویاں تھیں، دیکھیے: (صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ ......﴾، حديث: 3424) بعض روایات میں ان کی تعداد 100 بیان کی گئی ہے۔ کم از کم تعداد جس کا ذکر ایک روایت میں ہے، ساٹھ ہے۔ اس حدیث کی شرح میں ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا: ''وہب بن مُنَبِّہ نے المبتدأ میں بیان کیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی 1300 بیویاں اور 700 کنیزیں تھیں۔ ایسی ہی ایک روایت مستدرک میں ابو معشر عن محمد بن کعب کے طریق (سند) سے ہے۔ محمد بن کعب کا کہنا ہے: ''ہمیں یہ روایت ملی کہ سلیمان علیہ السلام کے لکڑی پر شیشے کے 1000 گھر تھے۔ ان میں سے 300 سامنے اور 700 مخفی تھے۔'' دیکھیے: (218, 217/13) ابن وہب اور ابو معشر کی دونوں روایات ضعیف ہیں۔

انھیں عورتوں کے متعلق شرعی احکام کی خصوصی تعلیم دی۔ کثرتِ ازواج کے متعلق رسولِ اکرم ﷺ کا طرزِ عمل دراصل اُس دور کا سیاسی تقاضا تھا۔ دعوتِ اسلامیہ کے وسیع میدان میں ایک بیوی کفایت نہ کرسکتی تھی اور بہت سے خانگی مسائل لوگوں سے اوجھل رہنے کا امکان تھا۔[1] اس عظیم الشان مقصد کے سوا کوئی اور بات ایسی نظر نہیں آتی جس کے باعث ازواجِ مطہرات ہنسی خوشی آپ کے گھر میں رہ رہی تھیں۔ یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ ازواجِ مطہرات انتہائی سادہ زندگی بسر کرتی تھیں۔ ایک دفعہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ حد تک اخراجات بڑھانے کا مطالبہ کیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے انھیں صاف صاف بتا دیا کہ اگر اس قسم کی روکھی سوکھی زندگی گزار سکتی ہو تو میرے پاس رہو ورنہ طلاق لے کر چلی جاؤ۔ کسی بھی زوجۂ مطہرہ نے علیحدگی گوارا نہ کی اور زندگی بھر آپ ﷺ سے کوئی معمولی سی چیز بھی طلب نہ کی۔ اس کا قرآن مجید میں واضح طور پر ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ إِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِن كُنتُنَّ تُرِدْنَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَٱلدَّارَ ٱلْءَاخِرَةَ فَإِنَّ ٱللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَٰتِ مِنكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○ ﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں کچھ مال و متاع دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو (پھر اسی حالت میں گزارا کرو اور) یاد رکھو کہ اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''[2]

[1] زوجات النبي ﷺ الطاهرات و حكمة تعدد هن للصواف، ص: 17. [2] الأحزاب 33:28، 29. صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَٰجِكَ ﴾، حديث: 4785، وصحيح مسلم، الطلاق، باب بيان أن تخييره امرأته......، حديث: 1475.

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ازواجِ مطہرات میں سے کوئی تو اتنی کم عمر ہیں کہ وہ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ گڑیاں کھیلتی رہتی ہیں، کوئی اتنی بوڑھی ہیں کہ اُن کے لیے چلنا پھرنا دشوار ہے، کوئی آپ کے جانی دشمن کی بیٹی ہیں اور کوئی آپ کے نہایت مخلص جاں نثار دوست کی صاحبزادی ہیں، کوئی ہر وقت یتیم بچوں کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتی ہیں اور کوئی صیام و قیام میں ازواج مطہرات کے درمیان نمایاں ہیں۔ یہ سب جلیل القدر بیویاں نوعِ انسانی کے مختلف افراد کے لیے اپنے اپنے میدان میں فیض و فضیلت کا بہترین نمونہ ہیں۔ انھی کے توسط سے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے سامنے ایک عدیم النظیر شریعت پیش کی کہ ہر تعلیم کے ساتھ ساتھ اُس کا ٹھیک ٹھیک عملی نمونہ بھی موجود تھا۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ منتقل ہوئے تو دشمنی کا دائرہ قریش تک محدود نہ رہا اور دیگر عربی قبائل بھی دشمن بن گئے، اس لیے حکمت کا تقاضا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اس دشمنی کی آگ بجھائیں۔ وہ اس طرح کہ مختلف قبائل میں شادیاں کریں کیونکہ عربوں میں یہ معروف تھا کہ وہ اپنے داماد کی حفاظت کرتے تھے۔ اس کی تائید لغت بھی کرتی ہے۔ عربی میں عورت کے رشتہ داروں کو أَحْمَاء کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ حمایت سے بنا ہے، یعنی حفاظت کرنے والے۔ ممکن تھا کہ اس مصلحت سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے کیونکہ لہو ولعب کے مارے لوگ جنسی معاملات میں بگٹٹ ہو جاتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس وسعت کے ساتھ تعدد ازواج کو رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص فرما دیا اور عام افراد کے لیے بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار مقرر کر دی۔[1]

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے تعدد ازواج کے مقاصد بہت ارفع تھے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اُس کا نام سودہ تھا۔ یاد رہے کہ یہ سودہ مشہور ام المومنین سودہ بنت زمعہ نہیں۔ اس کا نسب بھی معروف نہیں، اس لیے حافظ ابن حجر

نے انھیں ''سودہ قرشیہ'' کے نام سے موسوم کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة: 4/339) اُس نے معذرت کی۔ اُس کے پانچ چھ بچے تھے اور خاوند فوت ہو چکا تھا۔ جب اُس نے معذرت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ سے انکار کیوں کرتی ہو؟'' وہ کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اس کی وجہ یہ نہیں کہ مجھے آپ سے محبت نہیں۔ آپ تو مجھے تمام مخلوقات سے زیادہ پیارے اور محبوب ہیں۔ لیکن میں مناسب نہیں سمجھتی کہ آپ کے سر کے پاس یہ بچے صبح و شام چیختے چلاتے اور رُوں رُوں کرتے رہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اس کے سوا کوئی اور وجہ تو نہیں؟'' اُس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم!'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَرْحَمُكِ اللّٰهُ، إِنَّ خَيْرَ نِسَاءٍ رَكِبْنَ أَعْجَازَ الْإِبِلِ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِي صِغَرٍ، وَأَرْعَاهُ عَلٰى بَعْلٍ بِذَاتِ يَدٍ»

''اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے۔ اونٹوں پر سوار ہونے والی (یعنی عرب) عورتوں میں سے بہترین عورتیں قریش کی نیک عورتیں ہیں۔ چھوٹے بچوں پر انتہائی شفیق اور خاوند کے مال کی بہترین نگران و محافظ۔''[1]

حافظ ابن حجر یہ حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اصل روایت صحیح بخاری میں ایک اور سند سے آئی ہے لیکن انھوں نے عورت کا نام درج نہیں کیا۔''[2]

حافظ ابن حجر نے صحیح مسلم میں بھی اس کے اصل الفاظ موجود ہونے کا حوالہ دیا ہے۔[3]

[1] مسند أحمد: 1/319,318، حديث: 2925. احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ الموسوعة الحديثية کے محققین نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس کی مکمل تخریج بھی کی ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 5/92، حديث: 2923) [2] صحيح البخاري، النكاح، باب: إلى من ينكح؟ وأي النساء خير؟......، حديث: 5082. [3] صحيح مسلم، فضائل الصّحابة، باب من فضائل نساء قريش، حديث: 2527. دیگر محدثین نے بھی اسے قریش کی عورتوں کے فضائل میں روایت کیا ہے۔

باب

8

شمائل نبویہ

- بہترین طرزِ زندگی
- اخلاقیات ورذائل
- اسوۂ حسنہ

***

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝﴾

”اور بلاشبہ تو خلق عظیم پر (فائز) ہے۔“ [القلم 68:4]

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۝﴾

”یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لیے جو اللہ (سے ملاقات) اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے۔“ [الأحزاب 33:21]
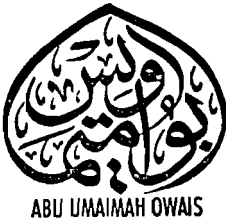
رسول اللہ ﷺ اخلاق عالیہ کی نہایت جمیل و جامع تصویر تھے۔ آپ ﷺ کی تمام صفاتِ حمیدہ کا احاطہ تو ناممکن ہے۔ میں ایک خاص مقصد کے پیشِ نظر چند اوصاف و اخلاق بیان کروں گا اور وہ مقصد یہ ہے کہ تمام انسان اس بات کے محتاج ہیں کہ ہر زمان و مکان میں آپ ﷺ کی اقتدا و اتباع کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ آپ کی تعلیمات ہی کا پرتو ہیں، لہٰذا ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اُن اخلاق کی معرفت حاصل کر کے اپنے فکر و عمل کو اُن سے مزین کرے۔ میں نے محسوس کیا کہ قارئین کرام رسول اللہ ﷺ کے اوصافِ عالیہ کی مزید تفصیل کے خواہش مند ہیں، اس کے پیشِ نظر میں نے اشاعت دوم میں مثالوں کی تعداد بڑھا دی ہے تاکہ اُن کی تشفی ہو جائے۔

اب معزز قارئین کی خدمت میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ کی چند نمایاں مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔

سادہ خوراک

نبیِ کریم ﷺ کے خادمِ خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ہاں کبھی گوشت اور روٹی کا کھانا صبح و شام دو وقت موجود نہیں رہا۔ ہاں جب مہمان آ جاتے

تو ایسا ہوتا۔ [1]

مالک بن دینار کی ایک روایت ہے، انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے گوشت روٹی والا کھانا کبھی سیر ہو کر نہیں کھایا سوائے اس کے کہ جب کبھی مہمان آ جاتے۔'' [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''آل محمد ﷺ نے لگاتار دو دن جو کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی حتی کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے۔'' [3] انھی کی ایک دوسری روایت ہے: ''جب سے آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے آلِ محمد ﷺ نے کبھی مسلسل تین راتیں گندم کی روٹی سیر ہو کر نہیں کھائی حتی کہ آپ وفات پا گئے۔'' [4] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے: ''رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل خانہ مسلسل کئی راتیں بھوکے سوتے تھے۔ انھیں رات کا کھانا میسر نہیں آتا تھا۔ ان کی زیادہ تر روٹی جو کی ہوتی تھی۔'' [5]

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے: ''ناشتہ وغیرہ ہے؟'' میں کہتی: ''نہیں!'' آپ کہتے: ''پھر آج میرا روزہ ہے۔'' [6]

[1] یہ روایت ترمذی نے شمائل میں نقل کی ہے۔ البانی نے شمائل ترمذی کے اختصار میں لکھا: ''اس روایت کی سند شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔'' دیکھیے: (مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: 84) ابوالشیخ نے اسے أخلاق النبيّ ﷺ میں نقل کیا ہے۔ اس کتاب کی تحقیق عصام الدین صبابطي نے کی ہے۔ انھوں نے کہا: ''اسے احمد نے روایت کیا ہے، ابن حبان بھی اسے اپنی صحیح میں لائے ہیں، ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں نقل کیا اور کہا: ''اسے احمد اور ابو یعلیٰ نے روایت کیا۔ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' دیکھیے: (أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 300) [2] ترمذی نے اسے شمائل میں درج کیا ہے۔ البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''اس حدیث کی سند مرسل صحیح ہے۔'' دیکھیے: (مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: 76) [3] صحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2970، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، حديث: 828. [4] صحيح البخاري، الأطعمة، باب ما كان النبيّ ﷺ وأصحابه يأكلون، حديث: 5416، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2970. [5] مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: 87. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [6] صحيح مسلم، الصيام، باب جواز صوم النافلة بنية ◄◄

ایک دفعہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ سے کہا: ''بسا اوقات ہم تین تین چاند طلوع ہوتے دیکھتے اور رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں چولہا نہ جلتا۔'' عروہ کہتے ہیں: میں نے پوچھا: ''پھر آپ لوگ زندہ کیسے رہتے تھے؟'' وہ بولیں: ''دو سیاہ چیزوں پانی اور کھجوروں پر گزران تھی۔ ہاں! رسول اللہ ﷺ کے انصار پڑوسی آپ کو دودھ کا تحفہ بھیج دیا کرتے کیونکہ ان کے ہاں دودھ والے جانور بکثرت تھے، وہ دودھ رسول اللہ ﷺ ہمیں پلاتے۔''[1]

قتادہ نے کہا: ''ہم انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ہاں جاتے تو عموماً ان کا باورچی روٹی پکا رہا ہوتا۔ وہ کہتے: ''کھاؤ۔ میرے علم کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات تک میدے کی چپاتی اور بھنی ہوئی بکری کبھی اپنی آنکھ سے نہ دیکھی تھی۔''[2]

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''نبی ﷺ فوت ہوئے اور میرے طاق میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی جسے کوئی زندہ کھا سکے، البتہ تھوڑے سے جو ضرور پڑے تھے۔ میں وہی کھاتی رہی۔ جب بہت عرصہ گزر گیا تو میں نے انھیں ماپ لیا تو وہ ختم ہو گئے۔''[3] انھی کا کہنا ہے: ''رسولِ اکرم ﷺ وفات پا گئے جبکہ آپ نے کبھی ایک دن میں دو دفعہ (صبح و شام) روٹی اور زیتون کا تیل پیٹ بھر کر نہیں کھایا۔''[4]

مزید فرماتی ہیں: ''نبیٔ کریم ﷺ نے مرتے دم تک کھانا میز یا تپائی وغیرہ پر رکھ کر نہیں کھایا۔''[5]

» من النهار قبل الزوال......، حديث: 1154، و مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: 103,102، واللفظ له. [1] صحيح البخاري، الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي ﷺ وأصحابه......؟ حديث: 6459، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: (28)-2972، وأخلاق النبي ﷺ وآدابه لأبي الشيخ، ص: 297,296. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي ﷺ وأصحابه......؟ حديث: 6457. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب فضل الفقر، حديث: 6451، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2973. [4] صحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2974. [5] صحيح البخاري، الرقاق، باب فضل الفقر، حديث: 6450.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی بتاتی ہیں: ''آل محمد نے کسی بھی دن دو وقت کھانا کھایا ہے تو اس میں ایک وقت کھجوریں ضرور ہوتی تھیں۔''[1]

سماک بن حرب نے کہا: ''میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو منبر پر کہتے سنا: ''کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم حسب منشا جی بھر کر کھاتے پیتے ہو جبکہ خود میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ نبی ﷺ کو ردی کھجوریں بھی اتنی نہیں ملتی تھیں کہ پیٹ بھر کر کھا سکیں۔''[2] ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے کہا: ''عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دنیا کی فراوانی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سارا سارا دن بے قرار رہتے، آپ کے پاس ردی کھجوریں بھی نہ ہوتیں کہ ان سے پیٹ بھر سکیں۔''[3]

ایک اور مقام پر انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے اللہ کے راستے میں اس قدر تکلیف دی گئی جو کسی اور کو نہ دی گئی ہوگی۔ مجھے اللہ کے راستے میں اس قدر خوفزدہ کیا گیا کہ کسی اور کو نہ کیا گیا ہوگا۔ مجھ پر لگاتار تین تین دن ایسے گزرتے رہے کہ میرے اور بلال کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی تھی جسے کوئی زندہ شخص کھا سکے، سوائے اس معمولی سی چیز کے جو بلال کی بغل میں سما سکتی تھی۔''[4]

انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھ پر تیس تیس دن اس طرح گزرتے تھے کہ میرے اور بلال کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہوتی تھی جسے کوئی زندہ شخص کھا سکے، سوائے اس معمولی سی چیز کے جو بلال کی بغل میں سما سکتی تھی۔''[5]

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي ﷺ وأصحابه......؟ حديث: 6455، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2971. [2] صحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2977، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 297، حديث: 855. [3] صحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2978. [4] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل سلمان......، حديث: 151، و مسند أحمد: 120/3، واللفظ له، والموسوعة الحديثية: 245/19. یہ سند مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ [5] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب أحاديث عائشة وأنس......، حديث: 2472، و مسند أحمد: 287/3.

انس رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''ایک مرتبہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر آئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''تمھیں یہ ٹکڑا کہاں سے ملا؟'' انھوں نے بتایا: ''میں نے ایک روٹی پکائی تھی۔ میرے دل کو گوارا نہ ہوا کہ اکیلی ہی کھا لوں، اس لیے یہ ٹکڑا آپ کے لیے لے آئی ہوں۔'' نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یقین کرو، تمھارے باپ کے منہ میں تین دن کے بعد یہ پہلی چیز جا رہی ہے۔''[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے جبکہ آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تیس صاع (تقریباً ڈیڑھ من) جو کے عوض گروی رکھی ہوئی تھی۔[2] ابو الشیخ نے انس رضی اللہ عنہ کی حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے تین دن پہلے تک سرخ گندم کی روٹی کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ ایک یہودی کے ہاں کچھ غلے کے عوض گروی رکھی تھی۔ یہ غلہ آپ نے اپنے اہل خانہ کے لیے منگایا تھا۔[3]

یہ زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور صاحبزادیوں کے لیے بہت مشکل تھی۔ اس لیے آپ کی ازواج مطہرات نے آپ سے کچھ وسعت کی درخواست کی تو اس کے بارے میں آیات تخییر نازل ہوئیں:

[1] أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 297، حديث: 856. نیز اسے مختصر الفاظ سے بھی روایت کیا ہے، ص: 286، حديث: 825. محقق کتاب عصام الدین صبابطی نے کہا: ''احمد نے اسے عبدالصمد بن عبدالوارث سے اسی سند سے روایت کیا ہے۔'' ہیثمی نے کہا: ''ان دونوں روایات کے راوی ثقہ ہیں۔'' [2] مسند أحمد: 300/1. احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ابو الشیخ نے اس روایت کو بیان کیا ہے۔ یہ روایت اپنے شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ ہے۔ محقق نے لکھا: ''جو کے عوض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کا یہودی کے ہاں گروی رکھا ہونا صحیح روایت میں ہے۔'' دیکھیے: (أخلاق النبي لأبي الشيخ، ص: 299، حديث: 863 وص: 285، حديث: 822) [3] أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 300، حديث: 865. محقق نے اس روایت کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ہماری بیان کردہ روایات اسے تقویت دیتی ہیں۔

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَوٰةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ○ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ○﴾

''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیں: اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتی ہو تو آؤ میں تمھیں مال و متاع دوں اور تمھیں رخصت کر دوں، اچھے طریقے سے رخصت کرنا۔ اور اگر تم اللہ، اس کے رسول اور آخرت والے گھر کا ارادہ رکھتی ہو تو بلاشبہ اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لیے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''[1]

آفرین ہے ازواج مطہرات پر کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آخرت کے اجر پر راضی ہو گئیں۔[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود ہیں۔ فرمایا: ''اس وقت آپ دونوں یہاں کیسے؟'' انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! بھوک سے بے کل ہیں۔'' فرمایا: ''میرا حال بھی یہی ہے۔ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں بھی بھوک سے بے حال ہو کر ہی باہر آیا ہوں، اچھا چلو۔'' پھر تینوں چلے۔ ایک انصاری کے گھر پہنچے۔ انصاری گھر پر موجود نہ تھے۔ ان کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے نہال ہو گئیں۔ اس نے آپ ﷺ کو خوش آمدید اور مرحبا کہا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''صاحب کہاں ہے؟'' اس نے بتایا: ''وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں۔'' اسی اثنا میں وہ انصاری بھی آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے: ''الحمد للہ! آج مجھ سے بڑھ کر خوش قسمت کوئی میزبان نہ ہو گا۔'' فوراً اندر گئے۔ کھجور کا ایک خوشہ

---

[1] الأحزاب 33:28، 29. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ ......﴾، حديث: 4785.

اٹھالائے جس میں نیم پختہ، تازہ اور خشک کھجوریں تھیں۔ بولے: ''سر دست یہ تناول فرمائیں۔'' پھر چھری پکڑی اور ایک جانب چل دیے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے تیور بھانپ گئے، فرمایا: ''دیکھنا! دودھ والی بکری ذبح نہ کرنا۔'' پھر وہ بکری ذبح کر کے لائے۔ تینوں نے بکری کا گوشت کھایا۔ کھجوریں تناول کیں اور میٹھا پانی نوش جان کیا۔ خوب سیر ہو چکے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال ہوگا۔ تم گھروں سے بھوک کے مارے بے قرار نکلے تھے۔ اب اتنی نعمتیں تناول کر کے گھر جا رہے ہو۔''[1]

غزوۂ خندق کے واقعات میں ہم بتا چکے ہیں کہ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر بھوک کے آثار دیکھے تھے۔ بھوک اس قدر شدید تھی کہ آپ کو مجبوراً پیٹ پر پتھر باندھنے پڑے تھے۔ وہ برداشت نہ کر سکے۔ انھوں نے فوراً آپ کے لیے جو کی روٹی اور کچھ گوشت تیار کیا اور آپ کو دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا معجزہ دکھایا کہ وہ تھوڑا سا کھانا خندق کھودنے والے تمام صحابہ کے لیے کافی ہو گیا۔[2]

ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک آدمی کا نام ابوشعیب تھا۔ اس کا ایک غلام گوشت بنایا کرتا تھا۔ ابوشعیب نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر بھوک کا اثر دیکھا تو فوراً اپنے غلام کے پاس جا کر کہنے لگا: ''ارے! بات سنو۔ جلد از جلد پانچ آدمیوں کے لیے کھانا تیار کرو۔ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، ساتھ دو

---

[1] صحیح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غیره إلی دار من یثق برضاه بذلك......، حدیث: 2038. ترمذی کی روایت میں ہے: ''میزبان انصاری کا نام ابوالہیثم بن تیہان ہے۔'' دیکھیے: (شمائل الترمذي (تحقیق ماهر فحل)، ص: 205) اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [2] صحیح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غیره ......، حدیث: 2039.

چار اور آدمی ہوں گے۔'' غلام نے کھانا تیار کیا۔ ابو شعیب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساتھیوں سمیت آپ کو دعوت پر بلا لیا......۔[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو ام سُلَیم سے کہتے سنا: ''ام سلیم! مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کمزور کمزور لگتی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو شدید بھوک لگ رہی ہے۔ گھر میں کچھ ہے تو لاؤ۔'' انھوں نے فوراً جو کی چند روٹیاں نکالیں......''

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس تھوڑے سے کھانے کی دعوت دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں موجود تمام لوگوں کو بھی بلا لیا، حالانکہ کھانا صرف آپ کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ آپ کے ستر اسی ساتھیوں نے بھی وہ کھانا کھایا اور خوب سیر ہو کر کھایا لیکن وہ کھانا اتنی ہی مقدار میں جوں کا توں باقی بچا رہا۔[2]

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: ''ناقابل برداشت بھوک لگی ہے۔'' آپ نے اپنی ایک زوجۂ مطہرہ کے پاس پیغام بھیجا۔ جواب آیا: ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا! میرے ہاں پانی کے سوا کوئی چیز نہیں۔'' آپ نے دوسری زوجۂ مطہرہ کی طرف پیغام بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا حتی کہ تمام ازواج مطہرات نے یہی فرمایا: ''پانی کے علاوہ گھر میں کوئی چیز نہیں۔'' آپ نے فرمایا:

«مَنْ یُّضِیفُ هٰذَا اللَّیْلَةَ؟ رَحِمَهُ اللّٰهُ»

''آج رات کون اس کی مہمان نوازی کرے گا؟ اللہ اس پر رحم کرے!۔''

ایک انصاری اٹھا اور بولا: ''اے اللہ کے رسول! میں یہ سعادت حاصل کروں گا۔'' پھر

[1] صحیح مسلم، الأشربة، باب ما یفعل الضیف إذا تبعه غیر من دعاه صاحب الطعام......، حدیث: 2036. [2] صحیح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غیره......، حدیث: 2040. ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ پر پتھر باندھا کرتے تھے۔

وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے پوچھا: ''مہمان کے لیے کوئی چیز ہے؟'' وہ بولی: ''نہیں! صرف بچوں کی خوراک ہے۔'' انصاری نے کہا: ''بچوں کو بہلا پھسلا کر سلا دینا، پھر جب مہمان آئے تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا تا کہ مہمان سمجھے کہ یہ بھی میرے ساتھ کھانا کھا رہے ہیں۔'' ایسا ہی کیا گیا۔ مہمان آکر بیٹھ گیا۔ بیوی چراغ درست کرنے کے بہانے اٹھی اور چراغ گل کر دیا۔ میزبان پاس بیٹھے منہ ہلاتے رہے اور مہمان کھاتا رہا۔ جب صبح اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ نے بطور تحسین فرمایا:

«قَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ»

''رات تم نے مہمان کے ساتھ جو سلوک کیا اس پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا ہے۔''

ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

''اور وہ (دوسروں کو) اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، خواہ انھیں سخت حاجت ہو۔''[1]

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ کے ایک دفعہ مقداد اور ان کے دو ساتھی مہمان بنے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ان کی مہمانی کے لیے بکریوں کے دودھ کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے۔ مجھے بڑی تشویش ہوئی۔ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''اللہ کے رسول! آپ کو کیا ہوا؟'' آپ ﷺ نے جواب دیا: ''بھوک۔'' میں رونے لگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو ہریرہ! مت رو۔ دنیا میں بھوکا رہنے والے کو قیامت کے دن بھوک نہیں لگے گی بشرطیکہ وہ اس بھوک میں اللہ تعالیٰ سے ثواب کا طالب ہو۔''[3]

[1] الحشر 59:9. صحیح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث: 2054.
[2] صحیح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث: 2055. [3] الوفا بأحوال

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب یہ روایت کسی قابلِ حجت سند سے روایت نہیں ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ ننگے کر کے دکھائے جن پر ایک ایک پتھر بندھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بطن مبارک سے کپڑا ہٹایا تو اس پر دو پتھر بندھے تھے۔ واضح رہے کہ اس کی سند میں ایک راوی سیار بن حاتم عنزی ضعیف ہے۔ [1]

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے طعام کا واقعہ جو انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، اس کی ایک سند میں یہ الفاظ ہیں: ''ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صحابہ کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں اور آپ ﷺ نے اپنے بطن مبارک پر کپڑا باندھ رکھا ہے۔'' راوی اسامہ کہتا ہے کہ روایت میں شاید یہ لفظ بھی ہیں: ''آپ ﷺ نے وہ کپڑا پتھر پر باندھ رکھا تھا۔'' [2]

جابر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے خندق کی کھدائی کے دوران جب ایک چٹان کو ریزہ ریزہ کیا تھا تب آپ نے اپنے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔'' [3]

سادہ بستر اور سواری

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کا بستر جس پر آپ سویا کرتے تھے، رنگا ہوا چمڑا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔'' [4]

» المصطفٰی لابن الجوزي (تحقیق مصطفٰی عبدالقادر عطاء)، ص: 486. محقق نے کہا: ''اسے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں روایت کیا اور ہندی نے اسے کنز العمال میں نقل کیا ہے، دیکھیے: (تاریخ بغداد: 155/3، وتاریخ دمشق: 329/6، وکنز العمال، حدیث: 16628 و 16643) [1] شمائل الترمذي (تحقیق ماهر فحل)، ص: 204. [2] صحیح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غیره......، حدیث: 2040. [3] صحیح البخاري، المغازي، باب غزوة الخندق وهي الأحزاب، حدیث: 4101، و مسند أحمد: 300/3، وسنن الدارمي: 42/12، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشیخ، ص: 60، حدیث: 117. [4] صحیح البخاري، «

انھی کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: ''نبیِ کریم ﷺ کا وہ بستر جس پر آپ رات کو سویا کرتے، چمڑے کا بنا ہوا تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔''[1]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''نبیِ کریم ﷺ اپنے گھر بالائی منزل پر تشریف لے گئے۔ دروازے پر آپ کا ایک غلام بیٹھا تھا۔ میں نے کہا: '' میرے لیے اجازت طلب کرو۔'' اس نے اجازت طلب کی۔ رسول اللہ ﷺ کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور آپ ﷺ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے تھے۔ آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔''[2]

ایک دن عمر رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو کھجور کی ننگی چٹائی پر لیٹا پایا۔ چٹائی پر کوئی بچھونا نہیں تھا۔ آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی، آپ کے پاؤں کے پاس قَرَظ (کیکر کے مشابہ درخت) کے پھلوں یا پتوں کی گٹھڑی پڑی تھی۔ آپ کے سر کے پاس چند چمڑے لٹک رہے تھے۔ آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشان تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سب دیکھ کر رو پڑے۔ نبیِ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ''عمر! کیوں روتے ہو؟'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کس قدر عیش و عشرت میں ہیں اور آپ رسول اللہ ہونے کے باوجود کس قدر تنگی میں ہیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم اس بات پر مطمئن نہیں کہ انھیں دنیا ملی ہے اور ہمیں آخرت ملے گی؟''[3]

◄◄الرقاق، باب: كيف كان عيش النبي ﷺ و أصحابه......؟ حديث: 6456، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس، حديث: 2082، واللفظ له. [1] مسند أحمد: 48/6، و أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، حديث: 491. [2] صحيح البخاري، اللباس، باب ماكان النبي ﷺ يتجوز من اللباس والبسط، حديث: 5843، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، حديث: 491. ابو الشیخ نے اسے بخاری کی سند سے روایت کیا ہے۔ [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾......، حديث: 4913، وصحيح مسلم، الطلاق، باب في الإيلاء واعتزال ◄◄

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ہمارے گھر میں کھجور کی ایک چٹائی تھی جسے دن کے وقت ہم بچھا لیتے اور رات کو اسی کا ایک حجرہ سا بنا لیتے تھے۔''[1]

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی چٹائی اور رنگے ہوئے چمڑے پر نماز پڑھا کرتے تھے۔''[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کی چٹائی پر سوئے۔ آپ کے جسم پر چٹائی کے نشان پڑ گئے۔ ہم نے کہا: ''اللہ کے رسول! آپ نے ہمیں اجازت کیوں نہ دی کہ ہم آپ کے نیچے نرم بستر بچھا دیتے۔'' آپ نے فرمایا: ''میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میری اور دنیا کی مثال بس ایسے ہے جیسے ایک سوار شدید گرم دن میں روانہ ہوا۔ راستے میں اس نے ایک درخت کے نیچے تھوڑی دیر کے لیے سایہ حاصل کیا، پھر اٹھا اور چھوڑ کر چلا گیا۔''[3]

انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کے بارے میں کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پرانے سے خستہ حال پالان پر حج کو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک چادر تھی جس کی قیمت چار درہم بھی نہیں تھی۔''[4]

سادہ لباس

امام مسلم رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے بارے میں چند روایات نقل کی ہیں

◄◄النساء وتخييرهن......، حديث: 1479. [1] صحيح البخاري، الأذان، باب صلاة اللّيل، حديث: 730، ومسند أحمد: 40/6و61و241، و أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 176، حديث: 499، واللفظ له. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة على الحصير، حديث: 659، ومسند أحمد: 254/4، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ: 501. اس روایت کی سندیں ضعیف ہیں۔ [3] جامع الترمذي، الزهد، باب حديث: ما الدنيا إلا كراكب استظل، حديث: 2377. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' ومسند أحمد: 391/1، واللفظ له. احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، حديث: 502. [4] مختصر شمائل الترمذي للألباني، حديث: 288. البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

جن کا عنوان ہے: ''لباس میں سادگی، موٹے جھوٹے اور ہلکے لباس اور بستر وغیرہ پر اکتفا کرنا۔'' ان میں سے چند روایات یہ ہیں:

ابو بردہ نے کہا: ''میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انھوں نے ایک موٹا سا تہبند نکال کر ہمیں دکھایا جو یمن میں تیار ہوتا تھا اور ایک اوڑھنے والی چادر بھی دکھائی جسے مُلَبَّدَة (موٹی چادر) کہا جاتا تھا، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو کپڑوں میں وفات پائی۔''[1]

عائشہ رضی اللہ عنہا ہی نے فرمایا: ''نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھر سے نکلے۔ آپ نے سیاہ بالوں سے بنی ہوئی چادر اوڑھ رکھی تھی جس پر پالانوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔''[2]

ابونعیم، ابن عدی اور ابن اعرابی نے احوص بن حکیم کے طریق سے روایت کی۔ احوص نے خالد بن معدان سے اور انھوں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کی، انھوں نے کہا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک اونی سیاہ دھاری دار چادر پہن کر نماز پڑھائی۔ آپ نے اس کے ایک سرے کو بائیں کاندھے کے اوپر دائیں بازو کے نیچے سے گزار کر سینے پر باندھنا چاہا تو وہ تنگ پڑ گئی۔ تب آپ نے اپنی گردن کے پیچھے اس کے دونوں کناروں کو گرہ لگا دی۔ اس کے علاوہ آپ کے پاس کوئی چادر نہ تھی۔[3]

امام ابو داود رحمہ اللہ نے جابر بن سُلیم هُجَیمي سے روایت کی، انھوں نے کہا: ''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک سیاہ اونی چادر کے ساتھ گوٹھ مارے بیٹھے تھے اور اس چادر کے کنارے آپ کے پاؤں پر لٹک رہے تھے۔''[4]

ابن عساکر نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی، انھوں نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] صحیح البخاري، اللّباس، باب الأكسية والخمائص، حدیث: 5818، وصحیح مسلم، اللّباس والزینة، باب التواضع في اللّباس......، حدیث: 2080. [2] صحیح مسلم، اللّباس والزینة، باب التواضع في اللّباس......، حدیث:2081. [3] سبل الهدٰی والرشاد للشامي: 481/7.
[4] سبل الهدٰی والرشاد للشامي: 481/7.

کپڑے کا طول چار ہاتھ اور ایک بالشت ہوتا تھا اور عرض ایک ہاتھ اور ایک بالشت۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کی مبارک زندگی ہر پہلو سے سادگی کی تصویر تھی۔ آپ نے فرمایا تھا:

إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيمَانِ ''یقیناً سادگی ایمان سے ہے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے دنیا کی بے وقعتی کو خوب واضح کیا۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ بالائی مدینہ سے آتے ہوئے بازار سے گزرے۔ آپ کے ارد گرد بہت سے لوگ تھے۔ آپ کا گزر بکری کے ایک مردار بچے کے پاس سے ہوا۔ اس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے۔ آپ نے اس کا کان پکڑ کر فرمایا: ''تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینے پر راضی ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''ہم تو اسے ایک پیسے میں لینے کے بھی روادار نہیں۔ بھلا اس کا کیا فائدہ ہے؟'' آپ نے دریافت فرمایا: ''اچھا تم ایسا جانور مفت لینے پر تیار ہو؟'' لوگوں نے کہا: ''اگر یہ زندہ ہوتا تب بھی یہ عیب دار شمار ہوتا کیونکہ اس کے کان بہت چھوٹے ہیں اور اب تو یہ مرا ہوا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَوَاللهِ! لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ»

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اس مردار سے بھی کم حیثیت ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ»

''دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔'' [4]

مزید فرمایا:

[1] سبل الهدٰى والرشاد للشامي: 481/7. [2] سنن أبي داود، الترجل، باب النهي عن كثير من الإرفاه، حديث: 4161، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب من لا يؤبه له، حديث: 4118. البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [3] صحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2957. [4] صحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2956.

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَّا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ»

''دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت رکھتی تو وہ کسی کافر کو دنیا میں پانی کا ایک گھونٹ پینے کو نہ دیتا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا:

«لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرْضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ»

''تونگری سامان کی کثرت سے نہیں ہوتی۔ اصل تونگری تو دل کی بے نیازی ہے۔''[2]

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''دنیا میں انسان ان تین چیزوں کے سوا کسی چیز کا حقدار نہیں: گھر جس میں وہ رہ سکے۔ اتنا کپڑا جس سے اپنا تن ڈھانپ سکے۔ روکھی سوکھی روٹی اور پانی۔''[3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ ایک چٹائی پر سو کر اٹھے تو آپ کے پہلو پر چٹائی کے نشانات تھے۔ ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! کیا

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في هوان الدنيا على الله عزوجل، حديث: 2320. امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث اس سند سے صحیح غریب ہے۔'' وسنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، حديث: 4110. جامع الاصول کے محقق اور البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 510/4، وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 140) [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب: الغنى غنى النفس، حديث: 6446، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل القناعة والحث عليها، حديث: 1051. [3] جامع الترمذي، الزهد، باب منه الخصال التي ليس لابن آدم حق في سواها، حديث: 2341. امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' ومسند أحمد: 62/1. احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاكم: 312/4. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کا یہ حکم برقرار رکھا ہے۔ و الجامع الصغير للسيوطي، حديث: 7661. سیوطی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مناوی نے اس حکم کو برقرار رکھا ہے، دیکھیے: (فيض القدير: 380/5)

ہی بہتر ہوا گر ہم آپ کے لیے ایک نرم سا بستر بنا دیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرا دنیا سے کیا تعلق؟ دنیا میں میری مثال تو اس مسافر جیسی ہے جو تھوڑی دیر کے لیے کسی درخت کے سائے تلے ٹھہرتا ہے، پھر اسے چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔''[1]

سادہ رہائش

ہم اس سے پہلے آپ کی ازواج مطہرات کے کمروں کی کیفیت بیان کر آئے ہیں۔
گھروں کی تعمیر پر زیادہ مال خرچ کرنے کی مذمت میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''انسان کو ہر کام میں مال خرچ کرنے پر اجر ملتا ہے سوائے گھر تعمیر کرنے کے۔''[2]

ایک روایت میں ہے: ''بلاشبہ مسلمان کو ہر چیز میں جو وہ خرچ کرے، اجر دیا جاتا ہے سوائے اس چیز کے جسے وہ مٹی میں ڈال دے، یعنی مکان کی تعمیر۔''[3]

انکسار

رسول اللہ ﷺ نے اپنی شان میں مبالغہ آرائی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ''میری شان میں مبالغہ آرائی نہ کرنا جس طرح نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں، لہٰذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔''[4]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت کی عقل میں کچھ خرابی تھی۔ وہ ایک دن کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول! مجھے آپ سے ایک ضروری کام ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اللہ

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب حديث: مالدنيا إلا كراكب استظل، حديث: 2377. امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' [2] الأدب المفرد للبخاري: 228/1، حديث: 447، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 799/6، حديث: 2831. [3] الأدب المفرد للبخاري: 231/1، حديث: 455، وسلسلة الأحاديث الصحيحة 799/6، حديث: 2831. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ......﴾، حديث: 3445.

کی بندی! مدینہ منورہ کی جس گلی میں بھی تمھیں کام ہے میں تمھارے ساتھ جانے کو تیار ہوں۔'' پھر آپ اس کے ساتھ ایک گلی میں گئے اور اس کا کام کیا۔ [1]

امام نووی رحمہ اللہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ چلتے چلتے راستے میں ایک جگہ کھڑے ہو گئے تاکہ آپ اس کی بات علیحدگی میں سن کر اسے جواب دیں۔'' میں کہتا ہوں کہ کچھ علماء نے اس امر (اجنبی عورت کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنے) کو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں شمار کیا ہے جیسے سیوطی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ [2]

اہل مدینہ کی لونڈیوں میں سے کوئی لونڈی اپنے کام کے لیے جہاں چاہتی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو لے جاتی۔ [3]

ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں لکھا: ''ہاتھ پکڑنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی درخواست پر آپ بلا تاخیر اس کے ساتھ چل پڑتے اور اس معاملے میں رحم دلی اور نرمی کا مظاہرہ کرتے۔''

آپ کو جو کی روٹی اور باسی چربی کھانے کی بھی دعوت دی جاتی تو قبول کر لیتے۔ [4] آپ نے فرمایا: ''اگر مجھے جانور کے اگلے یا پچھلے پائے کھانے کی دعوت دی جائے تو وہ بھی قبول کروں گا۔ اور اگر مجھے جانور کا اگلا یا پچھلا پایہ بطور تحفہ پیش کیا جائے تو میں بخوشی قبول کروں گا۔'' [5]

آپ نے لگام والے گدھے پر سواری کی جس پر کاٹھی کے بجائے صرف ایک موٹی سی

[1] صحیح مسلم، الفضائل، باب قربه ﷺ من الناس......، حدیث: 2326، و مختصر شمائل الترمذي، ص: 176. [2] الخصائص الکبرٰی: 432/2. [3] صحیح البخاري، الأدب، باب الكِبْرِ، حدیث: 6072. [4] صحیح البخاري، کتاب و باب في الرهن في الحضر......، حدیث: 2508، و مختصر شمائل الترمذي للألباني والدعاس، ص: 177، حدیث: 287. [5] صحیح البخاري، الهبة وفضلها......، باب القلیل من الهبة، حدیث: 2568، ومختصر شمائل الترمذي للألباني [illegible]، ص: 179.

چادر پڑی تھی، پھر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ [1]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی بیمار پرسی کرنے جاتے، جنازے کے ساتھ تشریف لے جاتے، غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے۔ گدھے پر سواری کر لیتے۔ غزوۂ خیبر، غزوۂ بنو قریظہ اور غزوۂ بنو نضیر میں آپ گدھے ہی پر سوار تھے جس کو کھجور کی رسی کی لگام ڈالی گئی تھی اور اس کی کمر پر پالان تھا جس کے اندر کھجور کی چھال تھی۔'' [2]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے گھر میں کیا مصروفیت ہوتی تھی؟'' انھوں نے فرمایا: ''جیسے ایک عام آدمی گھریلو کام کرتا ہے۔ جوتا سی لیتے اور کپڑے کو پیوند لگا لیا کرتے۔'' [3]

ابوبردہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں کیا کچھ کرتے تھے؟'' انھوں نے فرمایا: ''اپنے گھر والوں کے کام کاج کیا کرتے تھے۔'' [4]

جب آپ بچوں یا عورتوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں سلام کہا کرتے۔ [5] آپ

---

[1] أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص:61. محقق کے مطابق اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ [2] أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 62. متابعت (تائیدی روایت) کی بنا پر یہ سند حسن لغیرہ کے درجے پر پہنچ جاتی ہے۔ [3] أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 62. اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ [4] صحيح البخاري، النفقات، باب خدمة الرجل في أهله، حديث:5363، وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب فضل كل قريب هين سهل......، حديث:2489، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 62، حديث: 124. [5] صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث:6247، وصحيح مسلم، السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: 2168. آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں کو سلام کہنے کے متعلق دیکھیے: (سنن أبي داود، الأدب، باب في السلام على النساء، حديث: 5204، وجامع الترمذي، الاستئذان، باب ماجاء في التسليم على النساء، حديث: 2697، وسنن ابن ماجه، الأدب، باب السلام على الصبيان والنساء، حديث:3701) اس حدیث کی سند حسن ہے۔ وأخلاق النبي ﷺ، ص: 65، حديث: 135. محقق نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

نے اپنے بیٹے ابراہیم کو ایک لوہار ابو سیف کے گھر رضاعت (پرورش) کے لیے بھیجا۔ آپ اس گھر میں صاحبزادے کو دیکھنے جاتے۔ وہ مٹی سے لتھڑا ہوا آپ کے پاس آتا تو آپ اسے اسی حالت میں گود میں لے لیتے، پیار کرتے اور بوسے دیتے۔ [1]

ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''نبیِ کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی کسی مسئلے میں بات چیت کے لیے آیا۔ وہ مرعوب ہو کر کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا: ''حوصلہ رکھو۔ میں کوئی بادشاہ نہیں۔ ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔'' [2]

ابو ہریرہ اور ابو ذر رضی اللہ عنہما نے بتایا: ''نبیِ کریم ﷺ صحابۂ کرام کے درمیان میں بیٹھتے تھے۔ کوئی اجنبی آجاتا تو اسے پتہ نہ چلتا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ اسے پوچھنا پڑتا۔ ہم نے نبیِ کریم ﷺ سے استدعا کی کہ ہم آپ کے لیے امتیازی نشست بنا دیتے ہیں تاکہ کوئی اجنبی آئے تو پہچان جائے، چنانچہ ہم نے آپ کے لیے گارے کا ایک تھڑا بنا دیا۔ اس پر آپ تشریف رکھتے اور ہم اردگرد بیٹھ جاتے۔'' [3]

انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے میز یا تپائی پر کھانا نہیں کھایا۔ نہ آپ چھوٹی چھوٹی پیالیوں وغیرہ میں کھاتے یہاں تک کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔'' [4]

آپ بوسیدہ مشکیزے سے پانی پی لیا کرتے تھے۔ [5]

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: إنا بك لمحزونون، حديث: 1303، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال......، حديث: 2316، ومسند أحمد: 112/3.

[2] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب القديد، حديث: 3312، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 66، حديث: 139. محقق صبابطی نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' [3] سنن أبي داود، السنة، باب في القدر، حديث: 4698، وأخلاق النبي ﷺ، ص: 66. محقق صبابطی نے اس کی اور سنن ابی داود کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الخبز المرقق والأكل على الخوان والسفرة، حديث: 5386. [5] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا حلف أن لا يشرب نبيذاً فشرب......، حديث: 6686.

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا مگر وہ جب آپ ﷺ کو آتا دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ انھیں علم تھا کہ رسول اللہ ﷺ یہ عمل پسند نہیں فرماتے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے عاجزی و انکسار کی تعریف اور تکبر کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''سنو! کیا میں تمھیں اہلِ جنت کے بارے میں نہ بتاؤں؟ ہر کمزور و کم مرتبہ آدمی جسے کمزور اور کم مرتبہ خیال کیا جاتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر قسم ڈال دے تو اللہ ضرور اسے پورا کرتا ہے۔ سنو! کیا میں تمھیں اہل نار کے متعلق نہ بتاؤں؟ ہر سخت مزاج، بدخلق اور متکبر۔'' [2]

رسول اللہ نے مزید فرمایا:

«وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ»

''اور جو کوئی اللہ کے لیے انکساری کرتا ہے، اللہ اسے بلند کر دیتا ہے۔'' [3]

چونکہ بڑائی اور کبریائی اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے مومن بندوں کے لیے حرام قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

«اَلْعِزُّ إِزَارُهُ، وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَاؤُهُ،فَمَنْ يُّنَازِعُنِي عَذَّبْتُهُ»

''عزت اللہ تعالیٰ کا تہبند اور بڑائی اس کی چادر ہے۔ اللہ نے فرمایا:'' جو مجھ سے چھینا جھپٹی کرے میں اسے عذاب دوں گا۔'' [4]

[1] مختصر شمائل الترمذي للألباني والدعاس، ص: 178، حديث: 289، والأدب المفرد، ص: 946، وأخلاق النبي ﷺ، ص: 63، حديث: 127، بسند صحيح. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب الكبر، حديث: 6071. [3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الكبر، حديث: 2620.

اخلاقیات ورذائل
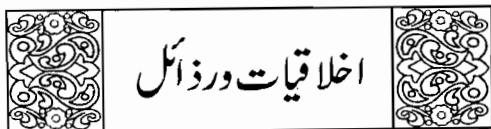
حسن اخلاق

* سعد بن عامر نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے درخواست کی: ''اے ام المومنین! مجھے اللہ کے رسول ﷺ کے اخلاق کے بارے میں کچھ بتائیے۔'' انھوں نے پوچھا: ''کیا تم قرآن نہیں پڑھتے؟'' میں نے کہا: ''کیوں نہیں!'' فرمایا: ''اللہ کے نبی ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔''[1]

* اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ''خلق عظیم'' سے متصف بتلایا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ ''اور بلاشبہ تو خلق عظیم پر (فائز) ہے۔''[2]

صحابۂ کرام نے اس سے زیادہ کچھ نہیں کیا اور نہ وہ کر سکتے تھے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے اخلاق کا جو اجمالی نقشہ کھینچا، وہ اس کی تفصیل بیان کر دیں۔ ہم جو کچھ یہاں لکھیں گے وہ انھی کے خوان علم کی خوشہ چینی ہے۔

* رسول اللہ ﷺ بدترین شخص کے ساتھ بھی خندہ روئی سے پیش آتے اور اس کی بات پوری توجہ سے سنتے تاکہ وہ آپ سے مانوس ہو جائے۔[3]

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب جامع صلاة الليل، حديث: 746، و سنن أبي داود، التطوع، باب صلاة الليل، حديث: 1342، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 19، حديث: 9، ومسند أحمد: 54/6و91و163و188و216، وسنن الدارمي: 259/1، الصلاة، باب صفة صلاة رسول الله ﷺ، حديث: 1475. [2] القلم 4:68. [3] یہ ایک روایت کا جز ہے جسے ترمذی نے بسند حسن نقل کیا ہے، دیکھیے: (مختصر شمائل الترمذي، للألباني والدعاس، ص: 181، حديث: 295).

* انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے پورے دس سال آپ ﷺ کی خدمت کی۔ آپ ﷺ نے انھیں کبھی اف تک نہیں کہا۔ اگر ان سے اتفاقاً کوئی کام بگڑ گیا تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اگر ان سے کوئی کام نہیں ہو سکا تو آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟ [1]

* رسول اللہ ﷺ بے حیا و بدکلام نہیں تھے، نہ بدکلامی کرنے کی کوشش کرتے۔ بازاروں میں شور نہیں مچاتے تھے۔ بدسلوکی کا بدلہ نہیں لیتے تھے بلکہ چشم پوشی اور درگزر کیا کرتے تھے۔ [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یقیناً تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اخلاق کے لحاظ سے بہترین ہیں۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''لوگوں میں سے بدترین آدمی وہ ہے جسے لوگ اس کی بدکلامی کی وجہ سے منہ نہ لگائیں۔'' [4]

* مزید فرمایا: ''مومن کی عزت اس کے دین کے حساب سے ہے، اس کی جوانمردی کا پتہ اس کی عقل سے چلتا ہے اور حسب ونسب کا اندازہ اس کے اخلاق سے لگایا جاتا ہے۔'' [5]

* رسول اللہ ﷺ نے لعنت بھیجنے سے منع فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے: ''کسی صِدِّیق کے لائق نہیں کہ وہ لعنت بھیجنے والا ہو۔'' [6]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء......، حديث:6038، وصحيح مسلم، الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ، حديث:2309، ومختصر شمائل الترمذي للألباني والدعاس، ص: 181. البانی اور دعاس نے اس سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في خلق النبي ﷺ، حديث: 2016. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء و مايكره من البخل، حديث:6035. [4] صحيح البخاري، الأدب، باب مايجوز من اغتياب أهل الفساد والريب، حديث:6054. [5] المستدرك للحاكم:123/1. حاکم رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ روایت مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔'' والترغيب والترهيب للمنذري:405/3. منذری رحمہ اللہ نے کہا: ''اسے ابن حبان نے اپنی کتاب ''صحیح'' میں روایت کیا ہے۔'' [6] صحيح مسلم، البر والصلة ◄◄

* نیز فرمایا: ''لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن سفارشی یا گواہ نہیں ہوں گے۔'' [1]

* ایک دفعہ آپ سے درخواست کی گئی: ''مشرکین پر بددعا کیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو رحمت کرنے کی خاطر بھیجا گیا ہے۔'' [2] یہاں تک کہ آپ ﷺ نے جانوروں پر لعنت بھیجنے سے بھی روکا ہے۔ [3] آپ نے اس غامدی عورت کو بھی برا کہنا گوارا نہیں کیا جسے زنا کے جرم میں رجم کیا گیا تھا۔ [4]

نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»

''تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرو۔ کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی کر لو، گناہ مٹ جائے گا۔ لوگوں کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آؤ۔'' [5]

* نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ دے میں اس کے لیے جنت کے کنارے پر ایک مکان کی ضمانت دیتا ہوں۔ جو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولے میں اس کے لیے جنت کے درمیان ایک گھر کی ضمانت دیتا ہوں اور جس کے اخلاق اچھے ہوں میں اس کے لیے جنت کے بلند ترین حصے میں ایک مکان کا ضامن ہوں۔'' [6]

* حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''مومن

[1] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهي عن لعن الدوابّ وغيرها، حديث: 2597. [2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهي عن لعن الدوابّ وغيرها، حديث: 2598. [3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهي عن لعن الدوابّ وغيرها، حديث: 2599. [4] صحيح مسلم، الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، حديث: 2596,2595. [5] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في معاشرة الناس، حديث: 1987. [6] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4800.

اپنے حسن خلق کی وجہ سے ہمیشہ کے روزہ دار اور تہجد گزار کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ»

''مجھے اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔''[2]

* نیز فرمایا: ''قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے محبوب اور سب سے قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سب سے اچھے اخلاق والے ہیں اور قیامت کے دن میرے نزدیک سب سے ناپسندیدہ اور مجھ سے دُور وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے «ثَرْثَارُون» باتونی، «مُتَشَدِّقُون» چبا چبا کر باتیں کرنے والے اور «مُتَفَيْهِقُون» ہیں۔'' پوچھا گیا: ''«مُتَفَيْهِقُون» کون ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تکبر کرنے والے۔''[3]

* نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نیکی حسن خلق ہے۔''[4]

* جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: ''کون سی چیز لوگوں کو جنت میں بکثرت داخل کرنے کا سبب ہے؟'' تو آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا ڈر اور حسن خلق۔'' پھر آپ سے پوچھا گیا: ''لوگوں کو جہنم میں بکثرت داخل کرنے والی چیز کون سی ہے؟'' تو آپ نے فرمایا: ''منہ اور شرمگاہ۔''[5]

* حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جب میں نے (یمن جاتے وقت) اپنا پاؤں

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4798، وصحيح ابن حبان: 229/2، حديث: 480، والمستدرك للحاكم: 60/1، حديث: 199. حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت کی سند اس کے شواہد کی بنا پر حسن لغیرہ ہے۔ [2] مسند أحمد: 381/2، والمستدرك للحاكم: 613/2 حاکم رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
[3] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في معالي الأخلاق، حديث: 2018. [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تفسير البر والإثم، حديث: 2553. [5] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث: 2004.

اونٹ کی رکاب میں رکھا تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے آخری وصیت یہ کی: ''معاذ! لوگوں کے لیے اپنا اخلاق اچھا رکھنا۔''[1]

* ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا: ''قیامت کے دن مومن کے ترازو میں کوئی چیز حسن خلق سے بڑھ کر وزنی نہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حیا، بدکلام شخص کو انتہائی ناپسند کرتا ہے۔''[2]

* ایک دوسری روایت میں ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''کوئی چیز ترازو میں حسنِ خلق سے بڑھ کر وزنی نہ ہوگی اور حسنِ خلق والا شخص اپنے اخلاق کی بدولت ہمیشہ کے روزہ دار اور نمازی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔''[3]

* انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں نے کبھی ایسا موقع نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سرگوشی کی ہو اور آپ ﷺ نے اپنا سر اس سے پہلے پرے کر لیا ہو یہاں تک کہ وہ خود پہلے اپنا سر پرے کرتا۔ میں نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص نے آپ کا ہاتھ پکڑا ہو اور آپ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا ہو یہاں تک کہ وہ خود آپ ﷺ کا ہاتھ چھوڑتا۔''[4]

* ایک دوسری روایت میں انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''نبیِ کریم ﷺ سے کوئی شخص ملتا اور مصافحہ

---

[1] الموطأ للإمام مالك: 464/2، حديث: 1716. امام مالک نے اس روایت کی سند بیان نہیں کی۔ وجامع الأصول: 4/4. جامع الاصول کے محقق نے کہا: ''یہ حدیث اپنے شواہد اور سندوں کی بنا پر حسن درجے کی ہے۔'' [2] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، حديث: 2002. امام ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' جامع الاصول کے محقق نے اس کی سند کو حسن اور ریاض الصالحین کے محقق نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 6/4، و رياض الصالحين، حديث: 232) [3] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الخلق، حديث: 4799. وجامع الترمذي، البر والصلة، باب في حسن الخلق، حديث: 2003، واللفظ له. جامع الاصول کے محقق نے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ [4] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن العشرة، حديث: 4794. محقق جامع الاصول نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔

کرتا تو آپ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے حتی کہ وہ خود اپنا ہاتھ چھوڑتا اور آپ اپنا چہرہ اس کے چہرے کے سامنے سے نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہ خود اپنا چہرہ پھیر لیتا۔ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ آپ ﷺ اپنے کسی ہم نشین کی طرف پاؤں پسار کر بیٹھے ہوں۔''[1]

* ابوالشیخ کے ہاں ان کی ایک اور روایت یہ ہے: ''جب صحابہ میں سے کوئی آپ کو ملتا تو آپ ﷺ اس کے ساتھ کھڑے رہتے اور وہاں سے نہ ہٹتے یہاں تک کہ وہ چلا جاتا۔ اور کوئی آپ کا ہاتھ تھامنا چاہتا تو آپ بخوشی اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتے اور جب تک وہ خود آپ کا ہاتھ نہ چھوڑ دیتا آپ نہیں چھڑاتے تھے۔ اور کوئی آپ کو ملتا اور آپ سے سرگوشی کرنا چاہتا تو آپ اپنا کان اس کے قریب کر دیتے اور جب تک وہ بات پوری نہ کر لیتا آپ کان پیچھے نہ کرتے۔''[2]

* ہم بتا چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی پر لعنت بھیجنے سے منع فرمایا ہے، البتہ اگر اللہ کے رسول ﷺ نے کسی پر لعنت بھیجی یا کوئی بددعا دی یا برا بھلا کہا ہو جبکہ وہ اس کا مستحق نہ تھا تو وہ اس کے لیے گناہوں کی معافی، ثواب اور رحمت الٰہی کا ذریعہ بن جاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے خود اس کے بارے میں فرمایا: ''میں تو ایک انسان ہی ہوں۔ میں نے اپنے ربّ کریم سے طے کر رکھا ہے کہ میں جس مسلمان کی بھی بے عزتی کر بیٹھوں یا برا بھلا کہہ دوں تو اسے اس کے لیے گناہوں کی معافی اور اجر و ثواب کا ذریعہ بنا دیا جائے۔''[3]

---

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب تواضعه ﷺ مع جليسه، حديث: 2490. البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 2845) [2] اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ ابوالشیخ نے اسے اس کی دیگر ضعیف سندوں ہی سے روایت کیا ہے۔ ابوداود اور ترمذی کی روایات اس کی شاہد ہیں۔ [3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب من لعنه النبي ﷺ......، حديث: 2602.

* عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے سنا، آپ ﷺ نے دو آدمیوں کو برا کہا اور ان پر لعنت بھیجی۔ مجھے آپ کے الفاظ سے ان کے بارے میں عذاب کا خطرہ محسوس ہوا۔ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ میں نے اس کے بارے میں اپنے رب سے کیا طے کر رکھا ہے؟ میں نے کہا: اے اللہ! میں ایک انسان ہی ہوں۔ میں کسی مسلمان پر لعنت بھیج دوں یا برا کہہ دوں تو اسے اس کے لیے گناہوں کی بخشش اور باعث اجر بنا دے۔''[1]

* امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں البر والصلة والأدب کے تحت اس موضوع کے متعلق ایک باب اس عنوان سے قائم کیا ہے: باب من لعنه النبي ﷺ أوسبّه أودعا عليه وليس هو أهلًا لذلك، كان له زكاة وأجراً و رحمةً ''جس پر نبیِ کریم ﷺ نے لعنت بھیجی یا اسے برا کہا یا اسے بددعا دی جبکہ وہ اس کا مستحق نہیں تھا تو وہ لعنت یا بددعا یا برا بھلا کہنا اس کے لیے گناہوں سے بخشش، اجر اور رحمت ہوتی ہے۔''

* انھوں نے اس سلسلے میں چند مثالیں بھی بیان کی ہیں جن سے رسول اللہ ﷺ نے یہ الفاظ کہے۔ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما بھی ان میں سے ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اللہ اس کے پیٹ کو نہ بھرے۔''[2]

والدین سے حسن سلوک کی اہمیت

* رسول اللہ ﷺ کے کمال اخلاق کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے والدین سے حسن سلوک کے بارے میں بڑی تاکید کی ہے اور اس نیکی کی بہت عظمت بیان کی ہے۔ جب

[1] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب من لعنه النبي ﷺ.....، حدیث: 2600. [2] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب من لعنه النبي ﷺ.....، حدیث: 2604. اسی باب کی دیگر احادیث بھی ملاحظہ کیجیے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل کون سا ہے؟'' تو آپ نے فرمایا:

«اَلصَّلَاةُ عَلٰى وَقْتِهَا» ''وقت پر نماز پڑھنا۔''

انھوں نے پوچھا: ''پھر کونسا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«بِرُّ الْوَالِدَيْنِ» ''والدین سے نیک سلوک کرنا۔''

انھوں نے کہا: پھر کون سا؟ فرمایا:

«اَلْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللّٰه» ''اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔''[1]

* معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''میں کس سے نیک سلوک کروں؟'' فرمایا: «أُمَّكَ» ''اپنی والدہ سے۔'' میں نے کہا: ''پھر کس سے؟'' فرمایا: «أُمَّكَ» ''اپنی والدہ سے۔'' میں نے کہا: ''پھر کس سے؟'' فرمایا: «ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ الْأَقْرَبَ فَالْأَقْرَبَ» ''پھر اپنے والد سے، پھر قریب ترین سے، پھر اس کے بعد قریب ترین سے۔''[2]

* معاویہ بن جاہمہ سلمی رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ جہاد کرنے کی درخواست لے کر حاضر ہوئے اور انھوں نے بہت اصرار کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب پتہ چلا کہ اس کی والدہ زندہ ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر افسوس! والدہ کے قدموں سے چمٹا رہ، وہاں جنت ہے۔''[3]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب البر والصلة، حديث: 5970، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الإيمان بالله تعالى أفضل الأعمال، حديث: 85، واللفظ له. [2] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في بر الوالدين، حديث: 1897. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' وسنن أبي داود، الأدب، باب في بر الوالدين، حديث: 5139. جامع الاصول کے محقق نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ و المستدرك للحاكم: 150/4. حاکم نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے نقل نہیں کیا۔ ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔'' [3] سنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرجل يغزو وله أبوان، حديث: 2781، وصحيح سنن ابن ماجه، حديث:

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا: ''مجھے جہاد کی بڑی تمنا ہے مگر مجھ میں جہاد کرنے کی قدرت نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''تیرے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟'' اس نے کہا: ''میری والدہ زندہ ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کی خدمت اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اللہ سے مل۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم حاجی ہو اور عمرہ کرنے والے ہو اور مجاہد ہو۔ جب وہ تم سے راضی ہو جائے تو اللہ سے ڈر اور والدہ کی خدمت کر۔''[1]

* عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''تابعین میں سے بہترین ایک شخص ہے جسے اُویس کہا جاتا ہے۔ اس کی والدہ (حیات) ہوگی۔ اس کے جسم پر ایک درہم کے بقدر پھلبہری کا نشان ہوگا۔ اسے کہنا وہ تمھارے لیے مغفرت کی دعا کرے۔''

* عمر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ''یمن سے آنے والے امدادی لشکروں میں تمھارے پاس اُویس بن عامر آئے گا جس کا تعلق بڑے قبیلے مراد اور چھوٹے قرن سے ہوگا۔ اسے پہلے دور میں پھلبہری رہی ہوگی۔ ایک درہم کے بقدر جگہ کے علاوہ باقی ٹھیک ہو چکی ہوگی، وہ اپنی والدہ سے بہت حسن سلوک کرنے والا ہوگا۔ اگر وہ اللہ پر قسم ڈال دے تو اللہ اسے پورا کرے گا۔ اگر تم اس سے اپنے لیے دعائے مغفرت کراس کو تو ضرور کرانا۔'' پھر ایسا ہی ہوا۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ

2441، ومسند أحمد: 429/3. جامع الاصول کے محقق نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاكم: 151/4. حاکم نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' بخاری و مسلم نے اسے نقل نہیں کیا۔ ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ یہ الفاظ ابن حبان کے ہیں۔ [1] مجمع الزوائد للهيثمي: 138/8، ہیثمی نے کہا: ''اسے ابو یعلیٰ نے اور طبرانی نے المعجم الصغیر اور المعجم الأوسط میں روایت کیا ہے۔ ان دونوں کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' منذری نے کہا: ''ان دونوں (ابو یعلیٰ اور طبرانی) کی سند جید ہے۔'' دیکھیے: (الترغیب والترھیب: 315/3)

کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں مجھے قراءت کی آواز سنائی دی۔ میں نے پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' تو مجھے بتایا گیا: ''یہ حارثہ بن نعمان ہیں۔ نیک آدمی ایسا ہی ہوتا ہے۔ نیک آدمی ایسا ہی ہوتا ہے۔'' وہ اپنی والدہ کے ساتھ بہت حسن سلوک کرنے والے تھے۔ [2]

* عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ»

''سب سے افضل حسن سلوک یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والد محترم کے دوستوں سے حسن سلوک کرے۔'' [3]

* ایک شخص نے درخواست کی: ''اے اللہ کے رسول! میں نے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ کیا میرے لیے توبہ کی گنجائش ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھاری والدہ زندہ ہیں؟'' اس نے کہا: ''نہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''تمھاری کوئی خالہ ہے۔'' اس نے کہا: ''جی ہاں۔'' فرمایا: ''اس سے حسن سلوک کرو۔'' [4] آپ نے مزید فرمایا: «اَلْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّ» ''خالہ والدہ کے مرتبے میں ہوتی ہے۔'' [5]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نیکی اور حسن سلوک کے سوا کوئی چیز انسان کی عمر میں

---

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أويس القرني رضي الله عنه، حديث: 2542.
[2] المستدرك للحاكم: 229/3. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ وشرح السنة للبغوي: 7/13. محقق نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' [3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم ونحوهما، حديث: 2552. [4] جامع الترمذي، البر والصلة، باب في بر الخالة، حديث: 1904، وصحيح سنن الترمذي، حديث: 1554، والمستدرك للحاكم: 155/2. حاکم نے کہا: ''یہ سند صحیح ہے۔'' ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔
[5] صحيح البخاري، المغازي، باب عمرة القضاء، حديث: 4251.

اضافہ نہیں کرتی اور دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کو روک نہیں سکتی اور انسان کسی نہ کسی غلطی یا گناہ کا ارتکاب کر کے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔'' [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رِضَا الرَّبِّ فِي رِضَا الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ»

''رب کریم کی رضا مندی والد کی رضا مندی میں ہے اور رب رحیم کی ناراضگی کا موجب والد کی ناراضگی ہے۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی اپنے والد کو اس کا بدلہ نہیں دے سکتا الا یہ کہ وہ اسے غلام پائے تو خرید کر آزاد کر دے۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ حنین کے بعد جعرانہ کے دن اپنی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ کے لیے اپنی چادر زمین پر بچھا دی تھی۔ [4]

* رسولِ اکرم ﷺ اپنی والدہ آمنہ بنت وہب کی قبر کی زیارت کے لیے گئے تو خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا اور فرمایا: ''میں نے اپنے رب کریم سے ان کے لیے دعائے مغفرت کی اجازت طلب کی تھی لیکن مجھے اجازت نہیں ملی، پھر میں نے ان کی قبر کی زیارت

---

[1] جامع الترمذي، القدر، باب ماجاء لایرد القدر إلا الدّعاء، حديث: 2139. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر، حديث: 90، واللفظ له، ومسند أحمد: 277/5. البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاكم: 493/1. حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [2] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء من الفضل في رضا الوالدين، حديث: 1899. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاكم: 151/4. حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [3] صحيح مسلم، العتق، باب فضل عتق الوالد، حديث: 1510. [4] سنن أبي داود، الأدب، باب في برّالوالدين، حديث: 5144، والمستدرك للحاكم: 164/4. حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

کرنے کی اجازت طلب کی تو مجھے اجازت مل گئی۔ قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ قبریں تمھیں موت کی یاد دلاتی ہیں۔'' [1]

باکمال اخلاق

* رسول اللہ ﷺ کے باکمال اخلاق کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے کبھی کسی معاملے میں اپنے لیے انتقام نہیں لیا یہاں تک کہ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کی ہتک کی جائے۔ تب آپ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔ [2] کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ سے کچھ مانگا گیا ہو اور آپ نے کہہ دیا ہو: ''نہیں۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے اس امر سے منع فرمایا کہ دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشیاں کرنے لگیں۔ آپ کا ارشاد ہے: ''جب تم تین ساتھی اکٹھے ہو تو دو آدمی تیسرے کو چھوڑ کر سرگوشیاں نہ کریں کیونکہ اس سے وہ اذیت محسوس کرے گا۔'' [4]

* رسولِ رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان تین اشخاص کا احترام واکرام دراصل اللہ تعالیٰ کا اکرام ہے: سفید بالوں والا بوڑھا مسلمان، قرآن کا حافظ و عالم جو قرآن میں غلو کرے نہ اس سے بدسلوکی کرے، عدل وانصاف کرنے والا حکمران۔'' [5]

* رسول اللہ ﷺ نے راستوں میں بیٹھنے سے منع فرمایا۔ اگر مجبوری ہو تو پھر راستے کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''راستوں میں بیٹھنے سے پرہیز کرو۔''

[1] صحيح مسلم، الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ ربه- عزوجل- في زيارة قبر أمه، حديث: 976. [2] صحيح البخاري، الحدود، باب إقامة الحدود والانتقام لحرمات الله، حديث: 6786، وصحيح مسلم، الفضائل، باب مباعدته للآثام و اختياره من المباح....، حديث: 2327. [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث :2311. [4] صحيح البخاري، الاستئذان، باب لايتناجى اثنان دون الثالث، حديث: 6288، وصحيح مسلم، السلام، باب تحريم مناجاة اثنين دون الثالث بغير رضاه، حديث :2184. [5] سنن أبي داود، الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، حديث: 4843. البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! راستوں میں بیٹھنا ہماری مجبوری ہے۔'' اس پر آپ نے ارشاد فرمایا: ''اگر بیٹھے بغیر چارہ نہیں تو راستے کا حق ادا کیا کرو۔'' لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! راستے کا حق کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نظر نیچی رکھنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، سلام کا جواب دینا، نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا نہ کسی عورت کو نہ خادم کو الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہے ہوں۔[2]

* رسول اللہ ﷺ نے سلام عام کرنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ سے پوچھا گیا: ''اسلام کے کاموں میں بہترین کام کون سے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''کھانا کھلانا اور ہر شخص کو سلام کہنا، چاہے جان پہچان ہو یا نہ ہو۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانے کا حکم دیا۔ آپ کا ارشاد ہے: ''ایک آدمی چل رہا تھا۔ اس نے راستے میں ایک کانٹے دار شاخ پڑی دیکھی۔ اس نے اسے ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدر کی اور اسے معاف فرما دیا۔''[4]

* رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ»

''جہنم کی آگ سے بچو، چاہے نصف کھجور کے ذریعے سے اور اگر یہ نہ ہو تو اچھی

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب قول الله تعالى: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا ......﴾، حديث: 6229، وصحيح مسلم، اللّباس والزينة، باب النهي عن الجلوس في الطرقات، وإعطاء الطريق حقه، حديث: 2121. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام......، حديث: 2328. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، حديث: 12، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان تفاضل الإسلام وأي أموره أفضل، حديث: 39. [4] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في إماطة الأذى عن الطريق، حديث: 1958. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''

بات کے ذریعے سے۔"[1]

* مزید فرمایا: "ہر نیکی صدقہ ہے۔ یہ بھی نیکی ہے کہ تم اپنے بھائی سے خندہ روئی سے ملو یا (اپنے ہاتھ سے نکالا ہوا) پانی اپنے بھائی کے برتن میں انڈیل دو۔"[2]

* نیز فرمایا:

«وَتَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»

"اپنے بھائی کو دیکھ کر مسکرانا بھی صدقہ ہے۔"[3]

* مزید فرمایا: "کسی بھی نیکی کو حقیر نہ جانو، چاہے وہ یہی ہو کہ تم اپنے بھائی سے ہنستے مسکراتے چہرے سے ملو۔"[4]

* رسول اللہ ﷺ خود بھی نہایت خندہ جبیں تھے۔ صحابۂ کرام کو دیکھ کر مسکراتے تھے۔ ان کی باتوں پر خوش ہو کر ہنس پڑتے۔ ان کے ساتھ مل جل کر رہا کرتے۔ بسا اوقات اس قدر ہنسی آجاتی کہ آپ ﷺ کی ابتدائی ڈاڑھیں نظر آجاتی تھیں۔

* امام ترمذی نے اپنی کتاب شمائل میں عبداللہ بن حارث بن جزء رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ انھوں نے کہا: "میں نے کسی کو رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مسکرانے والا

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب طيب الكلام، حديث:6023، و صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة و لو بشق تمرة أو كلمة طيبة ، و أنها حجاب من النار ، حديث: 1016.
[2] صحيح البخاري، الأدب، باب: كل معروف صدقة، حديث:6021، وصحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، حديث: 1005، وجامع الترمذي، البروالصلة، باب ما جاء في طلاقة الوجه وحسن البشر، حديث : 1970 ، واللفظ له. [3] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في صنائع المعروف، حديث: 1956. امام ترمذی نے کہا: "یہ حدیث حسن غریب ہے۔" وشعب الإيمان للبيهقي :6/504,503، حديث: 3056. شعب الایمان کے محقق نے اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ البانی نے بھی اسے حسن لغیرہ کہا ہے، نیز انھوں نے اسے ابن حبان کی طرف منسوب کیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 572، وحديث: 864) [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب استحباب طلاقة الوجه عند ◄◄

نہیں دیکھا۔'' [1]

انھی کی ایک روایت میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ کی ہنسی مسکراہٹ ہوتی تھی۔'' [2]

* امام ترمذی نے علی رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے: ''رسول اللہ ﷺ ان باتوں پر مسکراتے تھے جن پر تم مسکراتے ہو اور ان باتوں پر تعجب کرتے (خوش ہوتے) تھے جن پر تم تعجب کرتے (خوش ہوتے) ہو۔'' [3]

* امام مسلم رحمہ اللہ نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے: ''صحابۂ کرام جاہلیت کے دور کی باتیں کر کے ہنستے تو آپ بھی مسکراتے۔'' [4]

* رسول اللہ ﷺ نے قطع تعلق سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ''کسی شخص کے لیے حلال نہیں کہ تین دن سے زیادہ اپنے مسلمان بھائی سے تعلقات منقطع رکھے کہ جب دونوں ایک دوسرے سے ملیں تو ایک اپنا منہ ادھر پھیر لے اور دوسرا ادھر۔ ان دونوں میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔'' [5]

* رسول اللہ ﷺ نے خود غرضی سے منع فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: ''تم میں سے کوئی

<< اللقاء، حديث: 2626. [1] شیخ ماہر فحل نے کہا: ''یہ سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ وہ اسے بیان کرنے میں متفرد (اکیلے) ہیں۔'' دیکھیے: (الشمائل للترمذي، (تحقيق ماهر فحل)، ص: 134 حديث: 227) البانی نے اسے مختصر الشمائل میں ضعیف قرار دیا اور صحیح سنن الترمذي (3641) میں صحیح کہا ہے۔ ضیاء مقدسی نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس کے الفاظ یہی ہیں، دیکھیے: (المختارة: 206,205/9) [2] الشمائل للترمذي، ص: 134، حديث: 228. اس روایت کی سند کو محقق شیخ ماہر فحل نے حسن قرار دیا ہے۔ سمیح عباس نے اسے ترمذی کی پیروی کرتے ہوئے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (أوصاف النبي ﷺ لِسميح عباس، ص: 184) [3] الشمائل للترمذي (تحقيق ماهر فحل)، حديث: 35. یہ ایک طویل روایت کا جز ہے جس کی سند کو محقق نے ضعیف قرار دیا ہے۔
[4] صحيح مسلم، الفضائل، باب تبسمه ﷺ وحسن عشرته، حديث: 2322. [5] صحيح البخاري، الأدب، باب الهجرة، حديث: 6077، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام، حديث: 2560.

مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بازاری ہنگاموں (فتنوں) سے بچو۔'' [2]

* نبی ﷺ نے منع فرمایا کہ کسی کو اس کے ماں باپ کی حیثیت جتا کر عار دلائی جائے۔ ایک دفعہ ابو ذر رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو طعنہ دیا: ''او کالی لونڈی کے بیٹے!'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابو ذر! تم نے اسے اس کی ماں کا طعنہ دیا! تم میں ابھی تک جاہلیت باقی ہے۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے گالی گلوچ سے منع فرمایا۔ آپ کا ارشاد ہے: ''دو گالی گلوچ کرنے والے شیطان ہیں جو ایک دوسرے سے بکواس کرتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔'' [4]

* رسول اللہ ﷺ نے فضولیات سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ»

''آدمی کے حسن اسلام میں سے یہ ہے کہ وہ غیر متعلقہ کاموں میں دخل نہ دے۔'' [5]

* رسول اللہ ﷺ نے سلام کے آداب بھی بیان کیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹا

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب: من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، حديث: 13، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم......، حديث: 45. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف......، حديث: 432. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب: المعاصي من أمر الجاهلية......، حديث: 30، وصحيح مسلم، الإيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل، حديث: 1661. [4] مسند أحمد: 162/4، والأدب المفرد: 219/1، حديث: 428,427. البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصغير وزيادته، حديث: 6696) [5] جامع الترمذي، الزهد، باب: حديث: من حسن إسلام المرء......، حديث: 2318، ومسند أحمد: 201/1، والموطأ للإمام مالك: 364/2، حديث: 1718، واللفظ له. زرقانی نے موطأ کی شرح میں لکھا: ''یہ حدیث حسن ہے، بلکہ صحیح ہے۔'' ومجمع الزوائد: 18/8. ہیثمی نے لکھا: ''اسے احمد نے اور طبرانی نے اپنے تینوں معاجم میں روایت کیا ہے۔''

بڑے کو، گزرنے والا بیٹھے ہوئے کو، قلیل کثیر کو اور سوار پیدل کو سلام کہے۔'' [1]

* رسول اللہ ﷺ نے کھانے کی موجودگی میں اور پیشاب و پاخانہ کے زور کے وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ [2]

* رسول اللہ ﷺ کو یہ بات اچھی لگتی تھی کہ آدمی کو اس کے پسندیدہ ترین نام اور کنیت سے بلائیں۔ [3]

* رسول اللہ ﷺ نے تاکید کی ہے کہ کوئی شخص دو ساتھیوں کے درمیان ان کی اجازت کے بغیر نہ بیٹھے۔ [4]

* رسول اللہ ﷺ نے تاجروں کو تقویٰ، نیکی اور سچ بولنے کی تلقین کی۔ آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''تاجر قیامت کے دن بدکاروں میں اٹھائے جائیں گے مگر جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا، نیکی کرتا اور سچ بولتا ہے۔'' [5]

* نبی ﷺ نے عوام الناس کو بھی سچ بولنے اور جھوٹ سے پرہیز کرنے کی تاکید کی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''سچ کو اختیار کرو کیونکہ سچ نیکی کا پیش خیمہ ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے صِدِّیق (انتہائی سچا) لکھ دیا جاتا ہے۔ جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ گناہ کا پیش خیمہ

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب تسليم القليل على الكثير، حديث: 6231-6233، وصحيح مسلم، السلام، باب يسلم الراكب على الماشي......، حديث: 2160. [2] صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب كراهة الصلاة بحضرة الطعام......، حديث: 560. [3] مجمع الزوائد: 56/8. ہیثمی نے کہا: ''اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' [4] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرجل يجلس بين الرجلين بغير إذنهما، حديث: 4844، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية الجلوس بين الرجلين بغير إذنهما، حديث: 2752. صحیح الجامع کے محقق و مخرج نے کہا: ''اس حدیث کی سند حسن ہے۔'' البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

[5] سنن ابن ماجه، التجارات، باب التوقي في التجارة، حديث: 2146. البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ہے اور گناہ آگ میں لے جاتا ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ کے مواقع تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے کَذَّاب (انتہائی جھوٹا) لکھ دیا جاتا ہے۔''[1]

اطاعتِ امیر کی اہمیت

* رسول اللہ ﷺ نے تعصب دور کرنے، جماعت کی وحدت قائم رکھنے اور حکمران کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص امیر کی اطاعت سے نکل گیا اور جماعت سے الگ ہو کر مر گیا وہ جاہلیت کی موت مرا۔ جو شخص تعصب کے اندھے جھنڈے کے نیچے لڑا، اس کا غیظ و غضب بھی عصبیت کی بنا پر ہے اور دعوت بھی عصبیت کی طرف ہے، وہ مارا گیا تو اس کی موت بھی جاہلیت والی ہو گی۔ جو شخص میری امت کے خلاف خروج اور بغاوت کرتا ہے، نیک کو بھی مارتا ہے اور برے کو بھی، نہ اسے مومن کے قتل کی پروا ہے نہ کسی ذمی کے عہد کی۔ اس کا مجھ سے اور میرا اس سے کوئی تعلق نہیں۔''[2]

* نیز فرمایا: ''جس آدمی میں جس قدر عصبیت داخل ہوتی ہے اس میں سے اسی قدر ایمان نکل جاتا ہے۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے ابوموسیٰ اشعری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کو یمن دعوتِ اسلام کے لیے روانہ کیا تو تاکید فرمائی: ''(لوگوں پر) آسانی کرنا، مشکل اور تنگی میں نہ ڈالنا، (لوگوں کو) خوش رکھنا، متنفر نہ کرنا۔ آپس میں اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ وَكُونُوا۟ مَعَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴾، حديث: 6094، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، حديث: 2607، واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين عند ظهور الفتن......، حديث: 1848 [3] المراسيل لأبي داود (تحقيق الشيخ السيروان)، ص: 233. یہ زُہری کی مرسل روایت ہے۔ [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب مايكره من التنازع والاختلاف في الحرب......، حديث: 3038، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب في الأمر بالتيسير وترك التنفير، حديث: 1733، واللفظ له.

* آپ ﷺ نے فرمایا: ''(امیر کی بات) سنو اور (اس کی) اطاعت کرو، چاہے ایک حبشی غلام تمھارا امیر بنا دیا جائے جس کا سر منقیٰ جیسا ہو۔'' [1]

* ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میرے خلیل مکرم ﷺ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں امیر کی بات سنوں اور اس کی اطاعت کروں، چاہے وہ ناک اور کان کٹا غلام ہو۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے مجھے دیا ہے: (امیر کی بات) سننا، (اس کی) اطاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا، جماعت کو لازم پکڑنا کیونکہ جو شخص ایک بالشت بھر جماعت سے خارج ہوا اس نے اسلام کا قلادہ اپنے گلے سے اتار دیا اِلّا یہ کہ دوبارہ جماعت میں واپس آجائے۔ جو شخص دور جاہلیت کے نعرے لگائے وہ جہنم میں اوندھے منہ گرایا جائے گا۔'' ایک آدمی کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! خواہ وہ نماز روزے کا پابند ہو؟'' فرمایا: ''(ہاں!) چاہے وہ نماز روزے کا پابند ہو، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے (پسندیدہ) اسلامی نعرے لگاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے تم مسلمانوں اور مومنوں کو اپنا بندہ قرار دیا ہے۔'' [3]

* وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے بتائیں اگر ہم پر ایسے حکمران مسلط ہو جائیں جو ہمیں ہمارا حق نہ دیں لیکن اپنا حق ہم سے مانگیں تو ہم کیا کریں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''حکمرانوں کی بات سنو اور اطاعت کرو۔ ان کی ذمہ داریوں کے بارے میں ان سے سوال ہوگا تم اپنی ذمہ داری ادا کرو۔'' [4]

---

[1] صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام......، حديث: 7142. [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية......، حديث: 1837. [3] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة، حديث: 2863. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔'' ومسند أحمد: 130/4 و 202، وصحيح ابن خزيمة: 195/3، والإيمان لابن مندة: 377،376/1، حديث: 212. [4] صحيح مسلم، الإمارة، باب في طاعة ◄◄

* نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے ایک خطبے میں ارشاد فرمایا: ''اپنے رب کریم سے ڈرتے رہو، اپنی پانچ نمازیں پڑھتے رہو، اپنے رمضان کے روزے رکھتے رہو، اپنے مالوں کی زکاۃ دیتے رہو اور اپنے حکمرانوں کی اطاعت کرتے رہو، تم اپنے رب رحیم کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔''[1]

* نیز فرمایا:

«مَنْ خَلَعَ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ، لَّقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا حُجَّةَ لَهُ ، وَمَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً»

''جس شخص نے (اپنے امیر کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچا وہ روز قیامت اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہ ہوگی۔ جو شخص حکمران کی بیعت سے دست کش فوت ہوا، وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔''[2]

* مزید فرمایا: ''جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، جس شخص نے (میرے مقرر کردہ) امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے (میرے مقرر کردہ) امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام ایک ڈھال کی طرح ہوتا ہے جس کی اطاعت کر کے دشمن سے لڑائی کی جاتی ہے اور اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے۔ اگر امام اللہ تعالیٰ کا ڈر رکھتے ہوئے اور عدل و انصاف کرتے ہوئے حکمرانی کرے تو اس کا اجر عظیم ملے گا اور اگر اس کے

»الأمراء، حديث: 1846، وجامع الترمذي، الفتن، باب ماجاء ستكون فتنة كقطع الليل......، حديث: 2199، واللفظ له. امام ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' [1] جامع الترمذي، الزكاة، باب ماذكر في فضل الصلاة، حديث: 616. امام ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' ومسند أحمد: 251/5، و المستدرك للحاكم: 9/1و389. حاکم نے کہا: ''یہ حدیث مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔'' ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [2] صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب ملازمة جماعة المسلمين......، حديث: 1851.

برعکس بات ہوئی تو حکمرانی اس کے لیے عذاب بن جائے گی۔''[1]

* نبی کریم ﷺ نماز شروع کرنے سے پہلے مقتدیوں سے فرمایا کرتے تھے:

«اِسْتَوُوا، وَلَا تَخْتَلِفُوا فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ»

''سیدھے ہو جاؤ۔ آگے پیچھے بے ترتیبی سے کھڑے نہ ہو ورنہ تمھارے دل ایک دوسرے سے آگے پیچھے ہو جائیں گے (آپس میں اختلاف ہو جائے گا۔)''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے خبردار کیا کہ امتیں اختلاف کی بنا پر تباہ و برباد ہو جایا کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ اِخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا»

''تم سے پہلی امتیں اختلاف و افتراق کی بنا پر مٹ گئیں۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے جنتی لوگوں کا یہ حال بیان فرمایا:

«لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَّاحِدٌ»

''ان میں کسی قسم کا اختلاف ہو گا نہ کوئی ناراضگی ہو گی۔ ان کے دل ایک دل کی طرح ہوں گے۔''[4]

ذات پات کے امتیاز کی ممانعت

* رسول اللہ ﷺ نے ذات پات کے امتیاز کی سختی سے ممانعت فرمائی۔ اسی بنا پر آپ ﷺ نے ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ کی مطلقہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے نکاح

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب يقاتل من وراء الإمام ويتقى به، حديث:2957، وصحيح مسلم، الإمارة، باب الإمام جنة يقاتل من ورائه ويتقى به، حديث:1841. [2] صحيح مسلم، الصلاة، باب تسوية الصفوف......، حديث: 432. [3] صحيح البخاري، الخصومات، باب مايذكر في الإشخاص والخصومة بين المسلم واليهود، حديث: 2410. [4] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة......، حديث:3245.

کرنے کا حکم دیا، حالانکہ اسامہ کی والدہ حبشی لونڈی تھی اور ان کے والد گرامی بھی کسی دور میں غلام رہ چکے تھے۔ اس کے مقابلے میں آپ ﷺ نے فاطمہ کو معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم رضی اللہ عنہما سے شادی کی اجازت نہیں دی۔ [1]

* فاطمہ بنت قیس اپنی شادی کی تفصیل خود بیان کرتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے میرے زمانۂ عدت میں مجھے حکم دیا: ''جب تمھاری عدت ختم ہو جائے تو مجھے بتانا۔'' جب عدت ختم ہوئی تو میں نے آپ ﷺ کو اطلاع کر دی۔ اس وقت تک مجھے معاویہ، ابوجہم اور اسامہ رضی اللہ عنہم شادی کا پیغام بھیج چکے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''معاویہ تو فقیر آدمی ہے اور ابوجہم عورتوں کو پیٹنے میں بہت مشہور ہے، البتہ اسامہ بن زید سے نکاح مناسب ہے۔'' میں نے یوں ہی ہاتھ نچاتے ہوئے کہا: ''اسامہ؟! اسامہ؟!'' رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت تیرے لیے بہتر ہے۔'' میں نے رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق اسامہ سے نکاح کر لیا اور اس قدر خوش قسمت رہی کہ دوسری عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں۔''

* رسول اللہ ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش اسدیہ رضی اللہ عنہا سے کی [2] اور عبدالرحمٰن بن عوف قریشی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ کی شادی بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے کی۔ [3]

---

[1] صحيح مسلم، الطلاق، باب المطلقة البائن……، حديث: 1480. [2] سنن الدارقطني: 300/3، حديث: 206، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 136/7، والمصنف لعبدالرزاق: 153/6، وسنن سعيد بن منصور: 161/1. [3] الكنٰى للبخاري: 172، وسنن الدارقطني: 301/3، حديث: 207، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 137/7، والجرح والتعديل لابن أبي حاتم: 357/9، حديث: 1615، والإصابة: 11829. ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام ہالہ بنت عوف زہریہ تھا۔ والتلخيص الحبير: 156/3، وتاريخ ابن معين: 12/3، حديث: 512. یہ دوری کی روایت ہے، ان کا کہنا ہے: ''یحییٰ بن معین نے اس روایت کو کمزور کہا ہے۔ ان کے علاوہ کسی »

* رسول اللہ ﷺ نے صہیب رومی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انصار کے کچھ لوگوں کے ہاں جائیں اور اپنی شادی کے لیے پیغام دیں۔ وہ ان کے ہاں آئے اور رشتہ مانگا۔ انھوں نے کہا: ''ہم تجھے رشتہ نہیں دے سکتے کیونکہ تو غلام ہے۔'' ان کے انکار پر صہیب نے کہا: ''اگر رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم نہ دیا ہوتا تو میں تم سے رشتہ طلب نہ کرتا۔'' انصار کہنے لگے: ''اچھا تجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''ہاں!'' انصار نے کہا: ''تو پھر کوئی اعتراض نہیں۔ آپ ﷺ کا حکم سر آنکھوں پر'' اور صہیب سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو بتلایا گیا تو آپ ﷺ نے صہیب کو سونے کا ایک ٹکڑا دیا اور فرمایا: ''یہ اپنی بیوی کو بطور مہر دے دو۔'' اور صحابہ سے فرمایا: ''اپنے بھائی کے ولیمے میں تعاون کرو۔''[1]

* رسولِ اکرم ﷺ نے باہمی فضیلت کا معیار ذات پات کے بجائے دین، تقویٰ اور اخلاق کو قرار دیا۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارے پاس کسی ایسے شخص کی طرف سے نکاح کا پیغام آئے جس کی دیانت و امانت پر تم مطمئن ہو تو اسے رشتہ دے دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بہت بڑا فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔'' لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! چاہے وہ شخص بدصورت ہو، فقیر ہو؟'' فرمایا: ''ہاں! ہاں!''[2]

» محدث نے اسے کمزور نہیں کہا۔'' [1] سنن سعید بن منصور: 162,161/1، حدیث: 588، والمصنف لابن أبي شیبة: 561/3، حدیث: 17161، و المراسیل لأبي داود، ص: 194,193، حدیث: 226. دکتور خالد الدریس نے اپنے غیر مطبوع مخطوطے میں لکھا کہ اس روایت کی سند مرسل ہے۔ یہ حَکَم بن عُتَیبہ کی روایت ہے۔ ان کا شمار ثقہ اور مضبوط افراد میں ہوتا ہے۔ لیکن ان کا تعلق صغار تابعین کے طبقے سے ہے۔ اس بنا پر انھوں نے صہیب اور بلال رضی اللہ عنہما سے ملاقات نہیں کی۔ غیر صحابی کی مرسل ضعیف کی اقسام میں سے ہے۔ [2] سنن سعید بن منصور: 162/1، حدیث: 590، وجامع الترمذي، النکاح، باب ماجاء فیمن ترضون دینه فزوجوه، حدیث: 1085، والمراسیل لأبي داود (تحقیق الزهراني)، ص: 306,305، والآحاد والمثاني لابن أبي عاصم: 351/2، والمعجم »

* صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی زندگی میں اس اخلاقی ضابطے کا نفاذ یوں کیا کہ ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے سالم کو جو ایک انصاری عورت کے آزاد کردہ غلام تھے، اپنا بیٹا بنایا اور پھر انھیں اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ سے بیاہ دیا۔ اس وقت تک کسی کو بیٹا بنانے کی حرمت نازل نہیں ہوئی تھی۔ [1]

* زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط سے جو قریش کے ایک بڑے خاندان کی صاحبزادی تھیں، شادی کی۔ ان کی شہادت کے بعد زبیر، پھر عبدالرحمٰن بن عوف، پھر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے یکے بعد دیگرے ان سے شادی کی۔ بالآخر وہ عمرو بن عاص کے ہاں اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوئیں۔ [2]

» الکبیر: 229/22، حدیث: 762، ومعرفة الصحابة لأبي نعیم: 2868/5، والسنن الکبریٰ للبیهقي: 82/7، و الکنٰی للدولابي: 25/1، و معجم الصحابة لابن قانع: 303/2. ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ البانی رحمہ اللہ نے لکھا: ''شاید ترمذی کا اس روایت کو حسن قرار دینا اس کے شواہد کی بنا پر ہے۔'' دیکھیے: (إرواء الغلیل: 266/6) دکتور الدریس نے اس حدیث کی تخریج میں یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ حدیث ضعیف اور مرفوع ہے، لہٰذا تقویت دیے جانے کے لائق نہیں ہے۔ ہر چند اس کے معنی اصولِ شریعت کی رُو سے درست ہیں۔ ابو حاتم مزنی کی روایت، جسے ترمذی، بیہقی اور دولابی نے روایت کیا، حسن قرار دیے جانے کے شواہد کے لیے دیکھیے: (إرواء الغلیل: 6/6 26-268) [1] صحیح البخاري، النکاح، باب الأکفاء في الدین، حدیث 5088. [2] ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا کی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے شادی کی روایت کا انحصار مرسل اور ضعیف سندوں پر ہے۔ ام کلثوم تک متصل روایت ہمیں صرف ابن شبہ کی اخبار مدینہ میں ملی ہے۔ لیکن اس سند میں عبدالعزیز بن عمران متروک ہے، دیکھیے: (أخبار مدینة لابن شبة: 492/2) درج ذیل مصادر میں اس روایت کی مرسل سندیں آئی ہیں، دیکھیے: (المستدرك للحاکم: 6927). اس میں واقدی ہے جو اپنی وسعتِ علم کے باوجود ضعیف ہے۔ والطبقات الکبریٰ: 45,44/3. اس میں واقدی، ہشام کلبی اور اس کا والد محمد ہے۔ یہ دونوں بھی متروک ہیں۔ میں کہتا ہوں: ''یہ ضعیف روایات دلالت کرتی ہیں کہ اس واقعے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔ بالخصوص ابن شبہ کی روایت کی اصل صحیح البخاري میں موجود ہے، دیکھیے: (صحیح »

* ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنی ہمشیرہ سے کہا: ''میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو کسی مسلمان سے شادی کرنا، خواہ وہ سرخ رومی ہو یا سیاہ حبشی۔''[1]

* نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا کہ ایک منافق نے سلمان فارسی، صہیب رومی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہم کی توہین کی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو کر اٹھے اور مسجد میں لوگوں سے خطاب فرمایا: ''اے لوگو! تمھارا رب ایک ہے۔ تمھارا والد ایک ہے۔ تمھارا دین ایک ہے۔ تمھارا عربی ہونا ماں باپ کی بنا پر نہیں بلکہ عربی زبان کی وجہ سے ہے۔ جو بھی عربی بولتا ہے وہ عربی ہے۔''[2]

◄ البخاري، الشروط، باب مایجوز من الشروط......، حدیث: 2712,2711) ابن حجر، ابن کثیر، ابن معین اور خطیب بغدادی جیسے جلیل القدر علماء نے اس پر اعتماد کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة: 491/4، ترجمة: 1475، وتفسیر ابن کثیر: 490/3، وتاریخ ابن معین: 60/3و247، والکفایة في علم الرّوایة، ص: 163) [1] سنن سعید بن منصور: 161/1، حدیث: 584. دکتور الدریس لکھتے ہیں: ''اس روایت کی سند کے راوی ثقہ ہیں لیکن یہ منقطع ہے کیونکہ ابراہیم بن یزید تیمی نے ابن مسعود کا زمانہ نہیں پایا۔'' [2] تاریخ دمشق لابن عساکر: 407/21، 225,224/24. یہ روایت ابن عساکر کی اپنی سند سے ہے جو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن تک پہنچتی ہے۔ ابن عساکر نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: ''یہ حدیث مرسل ہونے کے ساتھ ساتھ ضعیف بھی ہے۔ ابوبکر سلمی بن عبداللہ ہذلی اسے بیان کرنے میں منفرد ہے۔ اس کے علاوہ اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔ الصالحی نے لکھا: ''خطیب بغدادی نے اس روایت کو الرواۃ عن مالك میں ابوسلمہ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔'' دیکھیے: (سبل الهدٰی والرشاد: 119/10) دکتور الدریس نے اس کی تخریج کے بعد لکھا: ''ابوسلمہ تابعی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا نہ معاذ بن جبل سے ان کی ملاقات ثابت ہے۔ اس سبب سے یہ حدیث مرسل ہے۔ اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ اس سند کا ایک راوی ابوبکر ہذلی ناقدین کے نزدیک متروک ہے۔ انھوں نے ابوبکر ہذلی کے بارے میں ناقدین کی آراء نقل کی ہیں۔'' پھر لکھا: ''مالک عن زہری کے حوالے سے یہ حدیث بیان کرنے میں اس متروک کا اکیلا پن (تفرد) حدیث کو ایسا کر دیتا ہے کہ اس کے متعلق نرمی برت کے بہت اچھی رائے بھی قائم کی جائے تو وہ یہی ہوگی کہ یہ حدیث موضوع (جھوٹ پر مبنی) اور باطل ہے۔ ◄

* رسول اللہ ﷺ نے اس جاہلانہ طرز فکر کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلی تکبر وغرور اور آباء واجداد پر فخر کو دُور کر دیا ہے۔ اب یا تو متقی مومن لوگ ہیں یا بدبخت بدکار۔ تم سب آدم علیہ السلام کی نسل سے ہو اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔ کچھ لوگ اپنی قوموں پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔ وہ جہنم کے کوئلے ہیں۔ اس قسم کے (متکبر) لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں گندگی کے کیڑے سے بھی بڑھ کر ذلیل ہوں گے جو اپنی ناک سے گندگی دھکیلتا رہتا ہے۔''[1]

* مزید فرمایا:

«أَرْبَعٌ فِي أُمَّتِي مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْاِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ»

''میری امت میں چار چیزیں جاہلیت کی ہیں، لوگ انھیں نہیں چھوڑیں گے: خاندان کی بنا پر فخر کرنا، خاندان کو طعنہ دینا، ستاروں کے وسیلے سے بارش طلب کرنا اور نوحہ کرنا۔''[2]

* ایک روایت میں ہے:

» اس کی سند میں قرہ بن عیسیٰ بھی ہے جس کے حالات مجھے نہیں ملے۔ اس جیسے راوی کا تفرد (اکیلا پن) بھی بہت کھٹکتا ہے۔ حدیث کے بارے میں احسن ترین رائے یہی ہے کہ یہ باطل یا نہایت ضعیف ہے۔ واللہ أعلم.'' [1] سنن أبي داود، الأدب، باب في التفاخر بالأحساب، حديث: 5116، وجامع الترمذي، المناقب، باب في فضل الشام واليمن، حديث: 3955. امام ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' امام منذری نے المختصر میں کہا: ''اسے ترمذی نے نقل کیا اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 934.

«اِثْنَتَانِ فِي النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ: اَلطَّعْنُ فِي النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ»

''لوگوں میں دو چیزیں کفر کی باقیات سے ہیں: برادری کا طعنہ دینا اور مرنے والے پر نوحہ کرنا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے ''علم الانساب'' کے بارے میں فرمایا: ''یہ بے فائدہ علم ہے۔ اگر کسی کو اس کی سدھ بدھ نہ ہو تو اسے کوئی نقصان نہیں۔'' اس ارشاد گرامی کا پس منظر یہ ہے کہ کسی شخص نے آپ ﷺ کے سامنے کہا: ''اے اللہ کے رسول! فلاں آدمی کس قدر علم رکھتا ہے!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کس چیز کا؟'' اس نے کہا: ''لوگوں کے انساب (خاندانوں) کا۔''

* صحابۂ کرام پر ان تعلیمات عالیہ کا یہ اثر تھا کہ ابو قرہ کندی نے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو اپنی ہمشیرہ کے رشتے کی پیشکش کی لیکن سلمان نے اپنی آزاد کردہ لونڈی ''بُقَیرہ'' کو ترجیح دی۔[2]

انفاق فی سبیل اللہ

وہ اعلیٰ اخلاق حمیدہ جن میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا بے مثل اسوۂ حسنہ پیش فرمایا اور لوگوں کو ان کی رغبت دلائی۔ ان میں سے ایک نمایاں وصف مال خرچ کرنا اور صدقہ کرنا ہے۔ یہاں اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے چند ارشادات پیش کیے جاتے ہیں:

* ''جب ایک مسلمان اپنے اہل و عیال پر ثواب حاصل کرنے کی نیت سے مال خرچ

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب إطلاق اسم الكفر......، حديث: 67، والمراسيل لأبي داود (تحقيق الشيخ السيروان)، ص: 233. یہ زید بن اسلم کی مرسل روایت ہے۔ والأدب المفرد للبخاري: 203/1، حديث: 395، بسند صحيح. [2] الأدب المفرد للبخاري: 122/1، حديث: 234. کندی رضی اللہ عنہ کا تعلق عرب اشرافیہ سے تھا۔

کرتا ہے تو وہ اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔''[1]

* ''ایک دینار جسے تم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کر دیا، ایک دینار جسے تم نے کسی غلام کی آزادی میں صرف کر دیا، ایک دینار جسے تم نے کسی مسکین پر صدقہ کر دیا، ایک دینار جسے تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کر دیا۔ سب سے زیادہ ثواب اس دینار پر ملے گا جو تم نے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا۔''[2]

اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ»

''(وہ سات افراد جنھیں اللہ تعالیٰ اس دن سایہ مہیا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا) ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جو اس قدر چھپا کر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی دائیں ہاتھ کے خرچ کرنے کا پتہ نہیں چلتا۔''[3]

* سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اپنا دو تہائی مال صدقہ کرنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا، حَتَّى اللُّقْمَةَ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ»

''اور آپ جو چیز بھی اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی غرض سے خرچ کریں گے

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: (12)، حديث: 4006، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة، والصدقة......، حديث: 1002، واللفظ له. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك......، حديث: 995. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة باليمين، حديث: 1423، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031.

آپ کو اس کا ثواب ملے گا حتی کہ جو لقمہ آپ اپنی بیوی کے منہ میں ڈالیں وہ بھی آپ کے لیے ثواب کا باعث ہے۔'' [1]

* ہر دن جب لوگ صبح کرتے ہیں دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے: «اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا» ''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔'' دوسرا کہتا ہے: «اَللّٰهُمَّ! أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا» ''اے اللہ! کنجوسی کرنے والے کا اصل مال بھی برباد کر دے۔'' [2]

* ''جو شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر (جتنی مقدار بھی) خرچ کرے گا، اس کے لیے اس کا ثواب سات سو گنا تک لکھا جائے گا۔'' [3]

* ''عام مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ ہے مگر رشتہ دار مسکین پر خرچ کرنا دو صدقے شمار ہوتے ہیں، ایک صدقہ اور دوسرا صلہ رحمی۔'' [4]

* ''میں تین چیزوں کے لیے قسم کھاتا ہوں اور تمھیں ایک بات بتاتا ہوں۔ اسے اچھی طرح یاد رکھنا۔ (وہ تین چیزیں جن پر قسم کھاتا ہوں یہ ہیں): صدقہ کسی بندے کے مال کو کم نہیں کرتا۔ جس بندے پر کوئی ظلم وزیادتی کی جائے اور وہ اس پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ جو بندہ سوال کا دروازہ کھولے اللہ تعالیٰ اس کے لیے

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب رثاء النبي ﷺ سعد بن خولة، حديث: 1295، وصحيح مسلم، الوصية، باب الوصية بالثلث، حديث: 1628. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله تعالى: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾، حديث: 1442، و صحيح مسلم، الزكاة، باب في المنفق والممسك، حديث: 1010. [3] سنن النسائي، الجهاد، باب فضل النفقة في سبيل الله تعالى، حديث: 3188. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ وصحيح الجامع، حديث: 6110، وجامع الترمذي، فضائل الجهاد، باب ماجاء في فضل النفقة في سبيل الله، حديث: 1625. جامع الاصول کے محقق نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [4] سنن النسائي، الزكاة، باب الصدقة على الأقارب، حديث: 2583. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب فضل الصدقة، حديث: 1844.

فقر کا دروازہ کھول دیتا ہے۔"[1]

* "جب بھی کوئی شخص حلال اور پاکیزہ مال سے صدقہ کرتا ہے...... اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال اور پاک مال ہی قبول کرتا ہے...... تو رحمٰن اسے اپنے داہنے ہاتھ سے پکڑتا ہے اگرچہ وہ ایک کھجور ہی ہو، پھر وہ صدقہ رحمٰن کے ہاتھ میں پھلتا پھولتا رہتا ہے حتی کہ وہ پہاڑ سے بھی بڑا ہو جاتا ہے جس طرح تم اپنے بچھیرے یا اونٹ کے بچے کو پالتے پوستے ہو۔"[2]

* "تم میں سے جو آگ سے بچ سکتا ہے وہ بچے، چاہے آدھی کھجور ہی کے ذریعے سے۔"[3]

* "تم میں سے ہر شخص آگ سے بچنے کی کوشش کرے، چاہے نصف کھجور کے ذریعے سے، اگر یہ بھی نہ ملے تو اچھی اور پاکیزہ باتیں کر کے جہنم سے بچے۔"[4]

* "اے مسلمان عورتو! کوئی عورت اپنی پڑوسن (کے تحفے) کو حقیر نہ سمجھے، چاہے وہ بکری کا ایک کھر ہی ہو۔"[5]

اس کے بارے میں احادیث بہت زیادہ ہیں اور رسول اللہ ﷺ صحابۂ کرام اور تابعین کی زندگی میں اس کی بے شمار عملی مثالیں درخشاں ہیں۔

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا مثل أربعة نفر؟، حديث: 2325، مطوّلا. امام ترمذی نے اس حدیث کو "حسن صحیح" کہا ہے۔ ومسند أحمد: 231/4، واللفظ له. البانی رحمہ اللہ نے صحیح الجامع میں اس کا ذکر کیا اور اسے امام احمد کی طرف منسوب کیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع: 61/2)
[2] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة من كسب طيب، حديث: 1410، و صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب......، حديث: 1014، واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة......، حديث: 1016. [4] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة قبل الرّدّ، حديث: 1413، مطوّلا. [5] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب فضل الهبة، حديث: 2566، و صحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بالقليل......، حديث: 1030.

فخر وتکبر کی مذمت

جن اخلاق قبیحہ سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور لوگوں کو ان سے بچنے کی تلقین کی ہے ان میں ایک بدترین برائی ''تکبر'' ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا:

* ''...... اپنا تہبند نصف پنڈلی تک اونچا رکھو، اگر یہاں تک پسند نہ ہو تو ٹخنوں سے اونچا رکھو۔ تہبند کے کنارے نہ لٹکاؤ کہ یہ بھی تکبر ہے اور اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں کرتا......۔''[1]

* نیز فرمایا:

«مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ كِبْرٍ، أَكَبَّهُ اللّٰهُ عَلٰى وَجْهِهِ فِي النَّارِ»

''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا، اللہ تعالیٰ اسے اوندھے منہ آگ میں پھینکے گا۔''[2]

* مزید فرمایا: ''تکبر سے بچو! کبھی انسان میں چادر یا قمیص پہننے سے بھی تکبر آجاتا ہے۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا، نہ انھیں نظر رحمت سے دیکھے گا، نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے: بوڑھا زناکار، جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔''[4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص مرتے وقت تکبر، خیانت اور قرض سے پاک ہوا وہ

---

[1] سنن أبي داود، اللّباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، حديث: 4084، مطوّلا. البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [2] مسند أحمد: 215/2. [3] الترغيب والترهيب: 561/3. منذری نے لکھا: ''اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' ابن حجر نے لکھا: ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 491/1) [4] صحیح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار......، حديث: 107.

جنت میں جائے گا۔'' [1]

* اور فرمایا: ''فخریہ انداز جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے وہ ہے جسے کوئی شخص (دین کے) دشمن سے لڑائی کے وقت یا صدقہ کرتے وقت اختیار کرے اور باطل میں فخر و تکبر کو اللہ تعالیٰ سخت ناپسند کرتا ہے۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دریں اثنا ایک آدمی جس نے عمدہ لباس پہن رکھا تھا، اکڑ اکڑ کر چل رہا تھا۔ اسے اپنا آپ بہت بھا رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا۔ اب وہ قیامت تک زمین میں دھنستا ہی چلا جائے گا۔'' [3]

* مزید فرمایا:

«لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَخَشِيتُ عَلَيْكُمْ مَّا هُوَ أَكْبَرُ مِنْهُ»

''اگر تم گناہ نہ کرو تب بھی مجھے تمھارے بارے میں اس چیز کا ڈر ہے جو اس سے بڑی ہے، یعنی تکبر۔'' [4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ تَعَالَى إِلٰى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خُيَلَاءَ»

[1] جامع الترمذي، السير، باب ماجاء في الغلول، حديث: 1572، وسنن ابن ماجه، الصدقات، باب التشديد في الدّين، حديث: 2412، ومسند أحمد: 276/5. البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 664/6، حديث: 2785، والمستدرك للحاكم: 26/2) حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو شیخین کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔

[2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الخيلاء في الحرب، حديث: 2659، وسنن النسائي، الزكاة، باب الاختيال في الصدقة، حديث: 2559، واللفظ له. البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ وإرواء الغليل: 1999، ومسند أحمد: 446،445/5. [3] صحيح البخاري، اللباس، باب من جرّ ثوبه من الخيلاء، حديث: 5789، و صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم التبختر في المشي......، حديث: 2088، واللفظ له. [4] الترغيب والترهيب: 571/3. منذری نے لکھا: ''اسے بزار نے بسند جید روایت کیا ہے۔''

”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نہیں دیکھے گا جس نے تکبر کی وجہ سے اپنا کپڑا گھسیٹا۔“ [1]

* اور فرمایا: ”جسے یہ اچھا لگے کہ لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوا کریں تو وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے۔“ [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”نیکی کا حکم دو، برائی سے روکو حتی کہ جب دیکھو کہ حرص و خود غرضی کی غلامی کی جا رہی ہے، خواہش نفس کی پیروی کی جا رہی ہے، دنیا کو ترجیح دی جا رہی ہے اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر نازاں ہے تو اپنی فکر کرو اور عوام الناس کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تمھیں ایسے دور سے واسطہ پڑنے والا ہے جس میں دین پر قائم رہنا ہاتھ میں انگارہ رکھنے کے مترادف ہو گا۔ اس دور میں دین پر عمل کرنے والے کو پچاس آدمیوں کا اجر ملے گا جو اس جیسا عمل کریں۔“ [3]

میانہ روی

رسول اللہ ﷺ نے اسراف و فضول خرچی سے منع کیا اور میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ اس سلسلے میں آپ کے چند فرمودات یہ ہیں: ”اچھا انداز، تحمل و وقار اور میانہ روی نبوت کا چوبیسواں حصہ ہیں۔“ [4]

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ وَمَنْعًا وَّهَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ ثَلَاثًا: قِيلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ، وَإِضَاعَةَ الْمَالِ»

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب من جرّ إزاره من غير خيلاء، حديث: 5784، و صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب تحريم جرّ الثوب خيلاء......، حديث: 2085. [2] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية قيام الرجل للرجل، حديث: 2755، وصحيح سنن الترمذي، حديث: 2212. [3] سنن أبي داود، الملاحم، باب الأمر والنهي، حديث: 4341، وسنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالى: ﴿يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ﴾، حديث: 4014. [4] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في التأني والعجلة، حديث: 2010. ترمذی نے کہا: ”یہ ◄◄

’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی، بیٹیوں کو زندہ دفن کرنا، صرف اپنا حق طلب کرنا اور کسی صاحب حق کا حق نہ دینا حرام قرار دیا ہے اور تین باتوں کو تمھارے لیے ناپسند فرمایا ہے: بلاتحقیق سنی سنائی باتیں بیان کرنا، کثرت سے سوال کرنا اور مال ضائع کرنا۔‘‘ [1]

کنجوسی کی ممانعت

* رسول اللہ ﷺ نے سخت کنجوسی سے منع فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’سخت کنجوسی سے بچو۔ سخت کنجوسی نے تم سے پہلی قوموں کو تباہ و برباد کیا۔ اسی کی وجہ سے انھوں نے ایک دوسرے کے خون بہائے اور حرمتوں کو پامال کیا۔‘‘ [2]

* مزید فرمایا: ’’سات مہلک چیزوں سے بچو۔‘‘ پوچھا گیا: ’’اے اللہ کے رسول! وہ کون سی چیزیں ہیں؟‘‘ آپ نے فرمایا: ’’اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا، سخت کنجوسی، اس جان کو ناحق قتل کرنا جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ دکھا جانا اور پاکدامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر بہتان لگانا۔‘‘ [3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’انسان کے بدترین اوصاف یہ ہیں: حد سے بڑھی ہوئی کنجوسی، حرص اور شدید بزدلی۔‘‘ [4]

« حدیث حسن غریب ہے۔‘‘ [1] صحيح البخاري، الاستقراض، باب ماينهى عن إضاعة المال، حديث: 2408، وصحيح مسلم، الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل......، حديث: 593، بعد الحديث: 1715، واللفظ له. [2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2578. [3] سنن النسائي، الوصايا، باب اجتناب أكل مال اليتيم، حديث: 3701. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [4] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الجرأة والجبن، حديث: 2511، ومسند أحمد: 302/2 و 320. احمد شاکر نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 164/15، حديث: 7997) وابن حبان: 103/5. ابن مفلح نے اس روایت کی سند کو جید قرار دیا ہے، دیکھیے: (الآداب الشرعية لابن مفلح: 306/3)

* مزید فرمایا: ''کسی بندے کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں اڑنے والا غبار اور جہنم کا دھواں اکٹھے نہ ہوں گے اور کسی بندے کے دل میں حرص اور ایمان کبھی جمع نہیں ہو سکتے۔''[1]

* اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''آدم کے بیٹے! تو زائد مال خرچ کر دے، یہ تیرے لیے بہتر ہے اور اسے سنبھالے رکھنا تیرے لیے برا ہوگا۔ ضرورت کے مطابق روزی حاصل کرنے پر تجھے کوئی ملامت نہیں کی جائے گی۔ سب سے پہلے اس پر خرچ کر جس کا تو ذمہ دار ہے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''[2]

اس سے قبل ذکر کردہ احادیث میں حرص، خود غرضی اور بخل کی مذمت بخوبی بیان ہو چکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ کی طرف بھی توجہ دلائی اور اس کے مفاہیم کو وسعت دی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ امت اسلامیہ کی وحدت و بقا اور اس کے اخلاق کی حفاظت کے لیے سب سے مضبوط باڑ یہی ہے۔

اصلاح معاشرہ

معاشرے میں پاکیزگی اور طہارت نفس قائم رکھنے کے لیے آپ نے مرد وعورت کے آزادانہ میل جول پر پابندی لگا دی ہے۔ اس طرح کا میل جول بہت سی خرابیوں اور شیطان کی دسیسہ کاریوں کا سبب بنتا ہے۔ آپ ﷺ کا ایک فرمان یہ ہے: ''عورتوں کے پاس جانے سے بچو۔'' ایک انصاری نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا دیور (خاوند کے مرد رشتہ دار) جاسکتا ہے؟'' فرمایا: ''وہ تو موت ہے۔''[3]

[1] سنن النسائي، الجهاد، باب فضل من عمل في سبيل الله على قدمه، حديث: 3112. احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 221,220:13، حديث: 7474) ابن مفلح نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (الآداب الشرعية لابن مفلح: 306/3) [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير من اليد السفلى......، حديث: 1036.

[3] صحيح البخاري، النكاح، باب لايخلون رجل بامرأة......، حديث: 5232، وصحيح

حسن ظن کی خوبی

رسالت مآب ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اچھا گمان رکھنے کی تاکید کی اور شکوک وشبہات سے دور رہنے کا حکم دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ حُسْنَ الظَّنِّ بِاللّٰهِ تَعَالٰی مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ»

''اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھنا حسن عبادت میں سے ہے۔''[1]

* آپ ﷺ نے اپنی وفات سے تین دن پہلے فرمایا:

«لَا يَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''تم میں سے کسی کو موت آئے تو اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو۔''[2]

* حدیث قدسی ہے:

«أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي ، إِنْ ظَنَّ بِي خَيْرًا فَلَهُ، وَإِنْ ظَنَّ شَرًّا فَلَهُ»

''میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھے، میں اسی کے مطابق اس سے سلوک کرتا ہوں۔ اگر وہ میرے بارے میں اچھا گمان رکھے تو اس کے لیے اچھائی ہے اور اگر برا گمان رکھے تو اس کے لیے برائی ہے۔''[3]

◄◄ مسلم، السلام، باب تحريم الخلوة بالأجنبية......، حديث: 2172. [1] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن الظن، حديث: 4993، وجامع الترمذي، الدعوات، باب إن حسن الظن بالله من حسن عبادة الله، حديث: (5)-3604، ومسند أحمد: 491/2. احمد شاکر نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ جامع الاصول کے محقق نے بھی اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 693/11) [2] صحيح مسلم، الفتن، باب الأمر بحسن الظن بالله تعالى......، حديث: 2877، وسنن أبي داود، الجنائز، باب ما يستحب من حسن الظنّ بالله عند الموت، حديث: 3113، و سنن ابن ماجه، الزهد، باب التوكل واليقين، حديث: 4167، واللفظ له. [3] مسند أحمد: 391/2. البانی ◄◄

اولاد میں عدل

جن اخلاق عالیہ اور محاسن کی آپ ﷺ نے تاکید فرمائی ان میں سے ایک یہ ہے کہ آدمی اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرے۔

* حضرت بشیر رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے نعمان رضی اللہ عنہ کو لے کر رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تم نے اپنے سب بیٹوں کو ایسا ہی دیا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''نہیں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اسے واپس لو۔''[1]

ایک روایت میں ہے: ''کیا تم نے اپنے ہر بیٹے سے یہی سلوک کیا ہے؟'' انھوں نے نفی میں جواب دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کیا کرو۔''[2]

ایک روایت میں ہے: ''یہ غلام بھی واپس لو۔''[3]

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''تم مجھے ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔''[4]

ایک روایت میں ہے: ''اس ظلم پر کسی اور کو گواہ بناؤ۔''[5]

ایک اور روایت میں ہے: ''اپنے بیٹوں میں مساوات قائم کرو۔''[6]

اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی ایک کو عطیہ دینے سے اولاد میں دشمنی، بغض اور قطع رحمی پیدا

◄ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحیح الجامع، حدیث: 4315) [1] صحيح البخاري، الهبة وفضلها والتحريض عليها، باب الهبة للولد، حديث: 2586، وصحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: 1623. [2] صحيح مسلم، الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، حديث: (13)-1623. [3] صحيح مسلم، الهبات، حديث: (10)-1623. [4] صحيح مسلم، الهبات، حديث: (15)-1623. [5] صحيح مسلم، الهبات، حديث: (17)-1623. [6] سنن النسائي، النحل، باب ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين ......، حديث: 3716، ومسند أحمد: 276/4.

ہو گی، لہٰذا اس سے روک دیا گیا جس طرح پھوپھی اور اس کی بھتیجی، خالہ اور اس کی بھانجی اور دو بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام قرار دیا گیا۔ [1]

نیک عورت کی فضیلت

اولاد کی تربیت اور اسلامی اخلاق کی تعلیم میں نیک عورت کا کردار بہت اہم ہے، اس لیے آپ ﷺ نے شادی کے وقت بیوی کے انتخاب کے لیے چند اوصاف کا تعین کر دیا ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت سے نکاح میں چار چیزیں مدنظر رکھی جاتی ہیں: مال، حسب ونسب، خوبصورتی اور دین۔ تم دین والی عورت منتخب کرو۔ اللہ تمھارا بھلا کرے۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مومن کے لیے اللہ کے تقویٰ کے بعد سب سے بہتر چیز نیک بیوی ہے۔ جسے وہ حکم دے تو وہ اس کی اطاعت کرے، اسے دیکھے تو وہ اسے خوش کر دے، اگر اس پر قسم ڈال دے تو وہ قسم پوری کرے اور جب وہ گھر میں موجود نہ ہو تو وہ اپنے نفس اور اس کے مال کی حفاظت کرے۔'' [3]

[1] المغني لابن قدامة: 257/8. [2] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، حديث: 5090، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدِّين، حديث: 1466. [3] سنن ابن ماجه، النكاح، باب أفضل النساء، حديث: 1857. البانی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے (سلسلة الأحاديث الضعيفة: 413/9، حديث: 4421) دوسری ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ''کون سی عورتیں بہترین ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اپنے خاوند کو خوش کریں جب وہ اسے دیکھے..... ۔'' اس روایت کے لیے دیکھیے: (مسند أحمد: 251/2و432و438) الموسوعة الحديثية کے محققین نے اس کی تفصیلی تخریج کرنے کے بعد اسے قوی الاسناد قرار دیا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 383/12، حديث: 7421) احمد شاکر نے کہا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 153/13، حديث: 7415) ودلائل النبوة للبيهقي: 82/7، و المستدرك للحاكم: 162,161/2. حاکم نے کہا: ''یہ حدیث مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔'' ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ البانی نے اس حدیث کو

رسول اللہ ﷺ نے ایسی خوبصورت عورت سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے جس کی تربیت بد اخلاق خاندان میں ہوئی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

* ''گندگی کے ڈھیر کے سبزے سے بچو۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! ڈھیر کے سبزے سے کیا مراد ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''برے خاندان کی خوبصورت عورت۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے ایسے مرد کو رشتہ دینے کی تلقین فرمائی جس کی دیانت، امانت اور اخلاق پسندیدہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر خاوند خراب ہو تو بیوی اور بچے بھی خرابی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم سے کوئی ایسا آدمی رشتہ طلب کرے جس کا دین اور اخلاق تمھیں پسند ہو تو اسے رشتہ دے دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور وسیع فساد برپا ہو جائے گا۔''[2]

دعا کی ترغیب و اہمیت

رسول اللہ ﷺ نے ہر حال میں دعا اور اللہ کے ذکر کی رغبت دلائی ہے۔ اس سے انسان کا اپنے خالق و مالک سے رابطہ برقرار رہتا ہے، وہ گناہ کے اسباب سے محفوظ اور اسلامی اخلاق پر کاربند رہتا ہے۔

* آپ ﷺ کا فرمان ہے: ''دعا کرو تو تمھیں دعا کی قبولیت کا پختہ یقین ہونا چاہیے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی غافل اور بے پروا دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔''[3]

»» ''حسن'' لکھا ہے، دیکھیے: (إرواء الغلیل: 197/6، حدیث: 1786) [1] مشكاة المصابيح: 160/2. البانی کے مطابق اس حدیث کی سند حسن ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الضعيفة: 69/1، حدیث: 14) [2] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء فيمن ترضون دينه فزوجوه، حدیث: 1084. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' وصحيح سنن ابن ماجه: 333/1. البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 20/3، حدیث: 1022، وإرواء الغليل، حدیث: 1868) [3] جامع الترمذي، الدعوات، باب: (65)، حدیث: 3479. امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' والمستدرك للحاكم: 493/1. حاکم نے کہا: ''اس ««

* نبی ﷺ نے فرمایا: ”دعا کیا کرو، دعا تقدیر کو لوٹا دیتی ہے۔“ [1]
* آپ ﷺ نے فرمایا: ”اذان واقامت کے درمیان کی جانے والی دعا رد نہیں ہوتی۔“ [2]
* مزید فرمایا: ”انسانوں میں سب سے بڑا عاجز وہ ہے جو دعا کرنے سے عاجز ہے اور سب سے بڑا بخیل وہ ہے جو سلام کرنے میں بخل کرتا ہے۔“ [3]
* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جسے یہ پسند ہے کہ پریشانی اورشدائد کے وقت اس کی دعا قبول ہو، وہ خوش حالی میں کثرت سے دعا کیا کرے۔“ [4]

دعا کے بارے میں بکثرت احادیث آئی ہیں۔امام طبرانی نے اس کے بارے میں ایک الگ کتاب لکھی ہے جس کی احادیث کی تحقیق وتخریج نے اس کی افادیت میں اضافہ کر دیا ہے۔

اللہ کا ذکر

اللہ کے ذکر کی اہمیت اور تلقین کے بارے میں چند احادیث درج ذیل ہیں:

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”افضل ترین ذکر «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» ہے اور افضل ترین دعا «اَلْحَمْدُلِلّٰهِ» ہے۔“ [5]
* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں، اگر

» حدیث کی سند درست ہے۔“ وسلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 594. [1] مسند أحمد: 255155/3، وشرح السنة للبغوي: 165/5. کتاب کے محققین کا کہنا ہے: ”اس حدیث کی سند حسن ہے۔“ والدعاء للطبراني: 798/3. [2] جامع الترمذي، الصلاة، باب ماجاء في أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، حديث: 212. ترمذی نے کہا: ”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“ ومسند أحمد: 225/3. [3] الدعاء للطبراني: 811/2، حديث: 60. محقق نے کہا: ”اس حدیث کی سند حسن ہے۔“ [4] المستدرك للحاكم: 544/1. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ والدعاء للطبراني: 805/2، حديث: 44. سند حسن ہے۔ [5] جامع الترمذي، الدعوات، باب ماجاء أن دعوة المسلم مستجابة، حديث: 3383. ترمذی نے لکھا: ”یہ حدیث غریب ہے۔“ البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ وسنن ابن ماجه، الأدب، باب فضل الحامدين، حديث: 3800، «

وہ مجھے یاد کرے اور میرے ساتھ اس کے ہونٹ حرکت کریں۔‘‘[1]

✱ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَّا يَرُدُّ اللّٰهُ دُعَائَهُمْ: اَلذَّاكِرُ اللّٰهَ كَثِيرًا، وَّدَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَالْإِمَامُ الْمُقْسِطُ»

’’تین قسم کے لوگ ہیں، اللہ ان کی دعا رد نہیں کرتا: اللہ کا بہت زیادہ ذکر کرنے والا، مظلوم اور عادل حکمران۔‘‘[2]

✱ حدیث قدسی میں آیا ہے: اللہ عزوجل فرماتا ہے: ’’میں اپنے بندے کے گمان کے مطابق سلوک کرتا ہوں جو وہ مجھ سے رکھے۔ جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرے تو میں اسے اس سے بہتر (فرشتوں کی) مجلس میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہو تو میں اس سے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں۔ اگر وہ مجھ سے ایک ہاتھ قریب ہو تو میں اس سے چار ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔‘‘[3]

عدل و انصاف

رسول اللہ ﷺ نے عدل و انصاف کی بڑی رغبت دلائی ہے کیونکہ یہ ہر زمان و مکان

◄◄ والموطأ للإمام مالك: 185/1، والمستدرك للحاكم: 498/1. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [1] المستدرك للحاكم: 496/1. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [2] شعب الإيمان للبيهقي: 419/1، حديث: 558 و 11/6، حديث: 7358، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 211/3، حديث: 1211. البانی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ [3] صحيح البخاري، التوحيد، باب ذكر النبي ﷺ و روايته عن ربه، حديث: 7536، وصحيح مسلم، الذكر و الدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالىٰ، حديث: 2675.

میں نہایت بلند پایہ قیمتی تہذیبی ورثہ رہا ہے جو کسی حکومت یا معاشرے کی انسانیت اور ترقی کی دلیل ہے۔ موجودہ دور میں مغربی تہذیب بھی اس کی حمایت میں رطب اللسان ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب فیصلہ کرو تو انصاف سے کام لو۔''[1]

* مزید فرمایا: ''بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے ہاں نور کے منبروں پر فروکش ہوں گے، رحمٰن کے دائیں طرف اور اس کے دونوں ہاتھ داہنے ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے فیصلوں، اہل وعیال اور اپنی ذمہ داری میں عدل کرتے ہیں۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور سب سے قریب عادل حکمران ہوگا اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند اور سب سے دور اس سے ظالم حکمران ہوگا۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین اشخاص کی دعا رد نہیں کی جاتی: عادل امام، روزہ دار یہاں تک کہ افطار کرلے اور مظلوم کی دعا۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مظلوم کی دعا کو بادلوں سے اوپر اٹھائے گا۔ اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''مجھے اپنی عزت کی قسم! میں ضرور تیری مدد کروں گا اگرچہ کچھ ٹھہر کر کروں۔''[4]

[1] صحیح الجامع: 194/1، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 840/1، حديث: 469، ومجمع الزوائد: 197/5، واللفظ له. ہیثمی نے کہا: ''اس حدیث کو طبرانی نے الاوسط میں روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' [2] صحیح مسلم، الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل وعقوبة الجائر......، حديث: 1827. [3] جامع الترمذي، الأحكام، باب ماجاء في الإمام العادل، حديث: 1329. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' سیوطی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (الجامع الصغير، حديث: 2174) لیکن الجامع الصغیر کے محقق عبداللہ الدویش (اور البانی رحمہ اللہ) نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (ضعيف الجامع الصغير، حديث: 1363) [4] جامع الترمذي، الدعوات، باب سبق المُفَرِّدون......، حديث: 3598. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' ومسند أحمد: 305/2، حديث: 8030. اس حدیث کو احمد شاکر نے صحیح قرار دیا ہے۔ وسنن ابن ماجه، الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته، حديث: 1752، واللفظ له.

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سات اشخاص ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنا سایہ مہیا کرے گا جس دن اللہ تعالیٰ کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہیں ہوگا: عادل حکمران ......۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قاضی تین قسم کے ہیں: ایک جنت میں اور دو جہنم میں ہیں۔ جنتی قاضی وہ ہے جو حق کو پہچان لے اور اسی کے مطابق فیصلہ کرے اور جو قاضی حق جان لینے کے باوجود فیصلے میں ظلم کرے وہ جہنمی ہے اور جو قاضی لوگوں کے لیے جہالت پر مبنی فیصلے کرے وہ بھی جہنمی ہے۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس امت کو کبھی تقدیس عطا نہیں کرے گا جس میں فیصلے حق کی بنیاد پر نہ ہوتے ہوں اور کمزور طاقتور سے اپنا حق بلا جھجک وصول نہ کر سکتا ہو۔''[3]

بیویوں میں عدل

* ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات میں باریاں تقسیم کرتے اور انصاف کرتے اور کہتے:

«اَللّٰهُمَّ! هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ»

''اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں یہ میری تقسیم ہے۔ جس چیز کا تو مالک ہے اور مجھے اس میں اختیار نہیں (قلبی میلان)، اس میں مجھے ملامت نہ کرنا۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب الصدقة باليمين، حديث: 1423، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031. [2] سنن أبي داود، القضاء، باب في القاضي يخطئ، حديث: 3573، والمستدرك للحاكم: 90/4. حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ محققِ جامع الاصول نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس حدیث کی نسبت طبرانی اور ابو یعلیٰ کی طرف کی ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 168/10) [3] المعجم الكبير للطبراني: 385/19، حديث: 903، ومجمع الزوائد: 209/5. ہیثمی نے کہا: ''اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' [4] سنن أبي داود، النكاح،

* رسول اللہ ﷺ نے بیعت عقبہ ثانیہ کرنے والوں سے عدل و انصاف کرنے کی بیعت لی تھی چاہے وہ کہیں بھی ہوں۔ [1] جب آپ ﷺ جعرانہ میں حنین کی غنیمت تقسیم کر رہے تھے تو ایک شخص نے کہا: ''عدل کریں۔'' آپ نے فرمایا: ''اگر میں (نبی ہونے کے باوجود) عدل و انصاف نہ کروں تو پھر میں سخت بدنصیب ہوں۔'' [2]

* ایک روایت میں ہے کہ اس آدمی نے کہا: ''اللہ کی قسم! اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا گیا، اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مقصود نہیں تھی۔'' ایک دوسرے آدمی نے آکر آپ ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرتے تو پھر کون انصاف کرے گا؟ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے۔ انھیں اس سے زیادہ تکلیف پہنچائی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔'' [3]

اس کے متعلق بعض احادیث کسی نہ کسی مناسبت سے پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ عدل و انصاف کے بارے میں مزید احادیث آگے آ رہی ہیں۔

» باب في القسم بين النساء، حديث: 2134، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، حديث: 1140، وسنن النسائي، عشرة النساء، باب ميل الرجل إلى بعض نسائه، حديث: 3395، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب القسمة بين النساء، حديث: 1971، والسنن الكبرى للبيهقي: 7/ 298، ومسند أحمد: 6/ 144، والمستدرك للحاكم: 2/ 187. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ وصحيح ابن حبان: 6/203. زادالمعاد کے محققین نے ابن ماجہ کی سند کو قوی کہا ہے۔ جامع الأصول کے محقق نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[1] سنن النسائي، البيعة، باب البيعة على القول بالعدل، حديث: 4158، وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب البيعة، حديث: 2866. [2] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب: ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين، حديث: 3138، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، حديث: 1063. [3] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث: 3150، وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث: 1062.

اتفاق میں برکت

* رسول اللہ ﷺ نے مل جل کر ایک دوسرے کی کفالت کرنے کی بڑی ترغیب دی ہے۔ یہ عظیم عمل انسانیت اور مروت کا مظہر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْأَشْعَرِيِّينَ إِذَا أَرْمَلُوا فِي الْغَزْوِ، أَوْ قَلَّ طَعَامُ عِيَالِهِمْ بِالْمَدِينَةِ، جَمَعُوا مَا كَانَ عِنْدَهُمْ فِي ثَوْبٍ وَّاحِدٍ، ثُمَّ اقْتَسَمُوهُ بَيْنَهُمْ فِي إِنَاءٍ وَّاحِدٍ بِالسَّوِيَّةِ، فَهُمْ مِنِّي، وَأَنَا مِنْهُمْ»

''اشعری لوگ جب جنگ میں اپنا کھانا ختم کر بیٹھیں یا مدینے میں ان کے اہل و عیال کے کھانے پینے کا سامان ختم ہونے کے قریب آئے تو وہ بچا کھچا کھانا جو ان کے پاس ہو، ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں، پھر اسے اپنے درمیان ایک برتن میں برابر تقسیم کر لیتے ہیں، سو وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔''[1]

شریعتِ اسلامیہ میں زکاۃ کی فرضیت اور رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اس کا عملی نفاذ اسی خصوصیت کے پیش نظر کیا گیا تھا کہ کمزوروں کی عزتِ نفس قائم رہے اور ان کے دل امراء و اغنیاء کے خلاف کینہ، بغض اور حسد کے جذبات سے بھی محفوظ رہیں۔

عفو و درگزر

رسول اللہ ﷺ نے معاف کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ اس سے دلوں میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے اور ان میں مبادیِ اسلام کو قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

* آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] صحيح البخاري، الشركة، باب الشركة في الطعام، حديث: 2486، و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل الأشعريين رضي الله عنهم، حديث: 2500.

«وَمَا زَادَ اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا»

''معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت ہی میں اضافہ کرتا ہے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے حدود اللہ کے بارے میں بھی فرمایا:

«تَعافَوُا الْحُدُودَ فِيمَا بَيْنَكُمْ، فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ»

''آپس میں ایک دوسرے کو معاف کر دیا کرو۔ اگر مقدمہ میرے پاس پہنچ جائے تو (الزام ثابت ہونے پر) حد ضرور لگے گی۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے مسلمان بھائی سے معذرت کرے اور وہ اس سے معذرت قبول نہ کرے تو اسے بھتا لینے والے کے برابر عذاب ہوگا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ان دشمنوں کو بھی معاف فرما دیا جو آپ سے برسرِ پیکار رہے۔ افراد کو بھی اور جماعتوں کو بھی، دونوں کی پوری فراخدلی سے جاں بخشی کر دی۔ فتح مکہ کے واقعات میں ہم بتا چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے دن قریش کو معاف کر دیا تھا۔ بہت سے ان افراد کو بھی معاف کیا جو آپ ﷺ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی مذموم کوشش کر چکے تھے۔ ان میں سے غورث بن حارث اور دعثور

[1] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب استحباب العفو والتواضع، حديث: 2588. ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے: ''کبھی ایسا نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے بدتمیزی کی گئی ہو اور انھوں نے بدتمیزی کرنے والے سے انتقام لیا ہو، البتہ اگر اللہ کی محترم اشیاء میں سے کسی شے کی ہتک کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے انتقام لیتے۔'' دیکھیے: (صحيح مسلم، الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام......، حديث: 2328) [2] سنن أبي داود، الحدود، باب يعفى عن الحدود مالم تبلغ السلطان، حديث: 4376، و صحيح سنن النسائي: 70/8، حديث: 4538، 4539، والمستدرك للحاكم: 383/4. حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

[3] المراسيل لأبي داود، ص: 245. یہ روایت حسن بصری، زید بن اسلم اور محمد بن جُردان کی مرسل ہے۔

محاربی کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے۔[1] آپ ﷺ نے ان سخت کوش اعرابیوں سے بھی صرفِ نظر کیا جنھوں نے مختلف مواقع پر اپنے رویّے سے آپ کو تکلیف پہنچائی۔ ان کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کے حلم کے بیان میں آئے گا۔

علم کی فضیلت

رسول اللہ ﷺ نے طلب علم اور فہم دین کی طرف خصوصی توجہ دلائی کیونکہ امت کے لیے سب سے بڑی آفت دین سے ناواقفیت ہے۔ آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرامین ہیں:

* رسول اللہ ﷺ نے علم کی فضیلت یوں بیان فرمائی:

«إِنَّ فَضْلَ الْعِلْمِ خَيْرٌ مِّنْ فَضْلِ الْعِبَادَةِ، وَخَيْرُ دِينِكُمُ الْوَرَعُ»

''علم کی فضیلت عبادت کی فضیلت سے زیادہ ہے اور تمھارے دین کی بہترین خوبی تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''دنیا ملعون ہے، دنیا کی ہر چیز ملعون ہے۔ سوائے

[1] سراقہ بن مالک، عمیر بن وہب، شیبہ بن عثمان اور فضالہ بن عمیر بن ملوک لیثی کی کوششیں ان کے علاوہ ہیں۔ [2] المستدرك للحاكم: 93/1. حاکم ؒ نے بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ منذری نے کہا: ''اس حدیث کو طبرانی نے الأوسط میں اور بزّار نے اپنی مسند میں بسند حسن روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (الترغيب و الترهيب: 118/1، حديث: 103، ومسند البزار، (البحر الزخار): 371/7، حديث: 2969) «وَمَلَاكُ دِينِكُمُ الْوَرَعُ» ''اور تمھارے دین کا جوہر ورع وتقویٰ ہے۔'' اس حدیث کو علماء کی ایک بڑی تعداد ضعیف قرار دیتی ہے۔ ابن الجوزی نے الواھیات میں، ترمذی نے العلل میں اور دارقطنی نے العلل میں اسے ضعیف کہا ہے۔ طبرانی اور بزّار کے علاوہ اسے عجلونی نے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (كشف الخفاء: 111/2، حديث: 1827) المغرب کے محدّثِ کبیر ابن عبدالبرؒ نے اپنی معرکہ آراء اور مشہورِ زمانہ کتاب جامع بيان العلم و فضله میں اس حدیث کے شواہد (تائیدی روایات) نقل کیے ہیں۔

اللہ کے ذکر کے یا جو اس سے تعلق رکھے یا عالم یا متعلم کے۔“ [1]

* رسول اللہ ﷺ سے ایک عالم اور ایک عابد کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِي عَلٰى أَدْنَاكُمْ»

”عابد پر عالم کی فضیلت اس قدر ہے جس قدر میری فضیلت تم میں سے ایک عام آدمی پر۔“ [2]

* رسول اللہ ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ”ابو ذر! تم صبح کے وقت جا کر کتاب اللہ کی ایک آیت کا علم حاصل کر لو، یہ تمھارے لیے ایک سو رکعات پڑھنے سے بہتر ہے اور اگر تم صبح جا کر علم کا ایک پورا باب جس پر عمل کیا جائے یا نہ کیا جائے، سیکھ لو تو یہ تمھارے لیے ایک ہزار رکعات پڑھنے سے بہتر ہے۔“ [3]

* نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کا ثواب منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیزوں کے: صدقۂ جاریہ، وہ علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے، نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔“ [4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چل پڑتا ہے اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ فرشتے طالب علم سے خوش ہو کر اس کے

---

[1] جامع الترمذي، الزهد، باب منه حديث: إن الدنيا ملعونة، حديث : 2322 . ترمذی نے کہا: ”یہ حدیث حسن غریب ہے۔“ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، حديث: 4112. رسول اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”جس سے اللہ بھلائی کا ارادہ رکھے، اسے دین کی سمجھ دے دیتا ہے۔“ دیکھیے: (صحيح البخاري، العلم، باب من يرد الله به خيرا......، حديث: 71) [2] جامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، حديث: 2685. ترمذی نے کہا: ”یہ حدیث حسن صحیح ہے۔“ [3] سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل من تعلّم القرآن و علّمه، حديث: 219، والترغيب والترهيب: 130/1، حديث: 130. منذری نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ [4] صحيح مسلم، الوصية، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، حديث: 1631.

لیے اپنے پر جھکاتے ہیں۔ عالم کے لیے زمین و آسمان کی ہر چیز استغفار کرتی ہے حتی کہ پانی میں مچھلیاں بھی۔ عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے چاند کی فضیلت ستاروں پر۔ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء نے وراثت میں نہ کوئی درہم چھوڑا نہ دینار۔ انھوں نے صرف علم کا ورثہ چھوڑا۔ جس نے یہ وراثت حاصل کر لی اس نے وافر حصہ حاصل کر لیا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے عالم کی لغزش کے نقصان سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ آپ ﷺ نے عالم کی غلطی تلاش کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔[2]

ابن عبدالبر نے علم اور علم کی فضیلت کے بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے۔ ان احادیث کی وجہ سے بہت سے سلف صالحین نے فرائض کے بعد علم کو قربِ الٰہی کا افضل ترین ذریعہ قرار دیا ہے۔ ابن عبدالبر نے اپنی معروف کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں ایک باب قائم کیا ہے کہ علم عبادت سے افضل ہے۔ اس باب کے تحت انھوں نے سلف صالحین کے چند اقوال نقل کیے ہیں، مثلاً:

* عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ''پڑھنا پڑھانا نماز (کے برابر) ہے۔''
* ابو درداء رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تھوڑی دیر کے لیے تعلیم و تعلم کئی راتوں کے قیام سے بہتر ہے۔''
* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں کچھ دیر کے لیے بیٹھ کر دین کی سمجھ حاصل کروں، یہ مجھے ساری رات کے قیام سے زیادہ پسند ہے۔''
* قتادہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''علم کا ایک باب اپنے اور دوسرے لوگوں کی اصلاح کے لیے یاد کرنا ایک سال کی عبادت سے افضل ہے۔''

[1] جامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، حديث: 2682، وسنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث: 3641، وصحيح سنن أبي داود: 694/2. جامع الأصول کے محقق نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ [2] المراسيل لأبي داود، ص: 248. یہ روایت محمد بن کعب قرظی اور مکحول کی مرسل ہے۔

* امام ثوری رحمہ اللہ نے کہا: ''ادائے فرائض کے بعد کوئی چیز طلب علم سے افضل نہیں۔''
* امام زہری رحمہ اللہ نے کہا: ''فقہ (دین کی سمجھ حاصل کرنے) کے مانند کوئی چیز نہیں جس کے ذریعے سے اللہ کی عبادت کی گئی ہو۔''
* امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے: ''علم حاصل کرنا نفل نماز سے افضل ہے۔''[1]

■ رسول اللہ ﷺ نے رذائل (گھٹیا کاموں) سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ کاموں کو پسند کرتا اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔''[2]

قناعت پسندی کی اہمیت

نبیِ کریم ﷺ نے قناعت (تھوڑے پر صبر کرنے) اور زہد (دنیا سے بے رغبت رہنے) کی ترغیب دلائی ہے۔ اس میں افراد اور معاشرے کے لیے بیشتر فوائد پوشیدہ ہیں۔ اس کے برعکس لالچ انسان کو خراب کرتا ہے اور اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر راضی نہ رہے تو زندگی کے تمام معاملات میں بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات ملاحظہ ہوں:

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«طُوبٰى لِمَنْ هُدِيَ لِلْإِسْلَامِ، وَكَانَ عَيْشُهُ كَفَافًا وَّقَنَعَ»

''خوشخبری ہے اس شخص کے لیے جسے اسلام کی ہدایت نصیب ہوگئی، ضرورت کے مطابق سامانِ زندگی مل گیا اور اس نے قناعت اختیار کی۔''[3]

[1] نوافل پر علم کی فضیلت کے متعلق امام مالک اور امام ابو حنیفہ ﷭ سے بھی اسی طرح کے اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں ملاحظہ کیجیے: (الرسول والعلم للدكتور يوسف القرضاوي، ص: 28,27) [2] سلسلة الأحاديث الصحيحة : 168/4، حديث : 1627. [3] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في الكفاف والصبر عليه، حديث : 2349. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' والمستدرك للحاكم: 35/1. حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے ◄◄

«قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ»

''وہ شخص کامیاب ہے جو مطیع و فرمانبردار ہو گیا، اسے ضرورت کے مطابق رزق مل گیا اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے عطا کردہ رزق پر راضی اور مطمئن کر دیا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا أَبَا هُرَيْرَةَ! كُنْ وَرِعًا، تَكُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ. وَكُنْ قَنِعًا، تَكُنْ أَشْكَرَ النَّاسِ. وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ، تَكُنْ مُؤْمِنًا. وَأَحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَكَ، تَكُنْ مُسْلِمًا. وَأَقِلَّ الضَّحِكَ، فَإِنَّ كَثْرَةَ الضَّحِكِ تُمِيتُ الْقَلْبَ»

''ابو ہریرہ! پرہیز گار بن جاؤ، تم سب لوگوں سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔ قناعت پسند بن جاؤ، سب لوگوں سے زیادہ شکر گزار بن جاؤ گے۔ لوگوں کے لیے وہی پسند کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو تم مومن بن جاؤ گے۔ اپنے پڑوسی اور ساتھی سے بہترین سلوک کرو، تم مطیع و فرمانبردار بن جاؤ گے۔ کم ہنسا کرو، زیادہ ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس کی طرف دیکھو جو تم سے پست (تنگ دست) ہے اور اس کی طرف نہ دیکھو جو تم سے بالا (خوشحال) ہے، چنانچہ اس طرح تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو حقیر نہیں سمجھو گے۔''[3]

»» اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ [1] صحيح مسلم، الزكاة، باب في الكفاف والقناعة، حديث: 1054. [2] سنن ابن ماجه، الزهد، باب الورع والتقوى، حديث: 4217. مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب: لينظر إلى من هو أسفل منه......، حديث: 6490، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2963، واللفظ له.

* نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تونگری سامانِ دنیا کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ تونگری دل کی تونگری ہے۔''[1]

اس سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی نہایت سادہ اور پر مشقت زندگی کے احوال بیان کیےجا چکے ہیں۔ وہ بھی دراصل انھی ارشادات وفرامین کی سچی اور عملی تفسیر ہے۔

میاں بیوی کے راز کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے میاں بیوی کے خصوصی تعلقات افشا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

* آپ کا ارشاد گرامی ہے: ''روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی امانت میں سے یہ امر بھی ہے کہ مرد اپنی عورت سے اور عورت مرد سے تنہائی میں ملاپ کرے، پھر مرد اپنی عورت کا راز کھولتا پھرے۔''[2]

ایک روایت میں ہے: ''اللہ کے ہاں مرتبے کے لحاظ سے بدترین لوگوں میں سے ہے۔''[3]

* اسی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا ہرگز نہ کرو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شیطانہ ایک شیطان سے راستے میں ملے، پھر وہ اس سے جماع کرے اور لوگ دیکھ رہے ہوں۔''[4]

میت کے راز کی حرمت

اس کے علاوہ دیگر عام راز اِفشا کرنے سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب الغنى غنى النفس، حديث: 6446، وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل القناعة والحث عليها، حديث: 1051. [2] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، حديث: (124)-1437، وسنن أبي داود، الأدب، باب في نقل الحديث، حديث: 4870. [3] صحيح مسلم، النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة، حديث: (123)-1437. [4] سنن أبي داود، النكاح، باب مايكره من ذكر الرجل مايكون من إصابته أهله، حديث: 2174، ومسند أحمد: 541/2 و457,456/6، واللفظ له، والترغيب والترهيب: ◄◄

* رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''جو شخص کسی میت کو غسل دے اور امانت کا خیال رکھے اور اس کی کوئی بھی صفت جو اس کے سامنے آئے کسی کو نہ بتائے تو وہ اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جیسے اسے آج ہی اس کی ماں نے جنا ہو۔'' نیز فرمایا: ''میت کو اس کا انتہائی قریبی عزیز غسل دے اگر وہ علم رکھتا ہو۔ اگر وہ نہیں جانتا تو پھر تم جسے بہت پرہیزگار اور امانت دار سمجھو وہ غسل دے۔''[1]

اکلِ حلال

رسول اللہ ﷺ نے حصولِ مال کے وقت حلت وحرمت کے سلسلے میں بے احتیاطی اور سستی سے منع فرمایا۔

* آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ آدمی ذرہ بھر پروا نہیں کرے گا کہ مال کہاں سے حاصل کیا، حلال ذریعے سے یا حرام سے۔''[2]

* نیز فرمایا: ''اے لوگو! اللہ تعالیٰ انتہائی پاکیزہ ہے۔ وہ پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے عام ایمان والوں کو بھی وہی حکم دیا جو عالی مرتبت پیغمبروں کو دیا۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَٰلِحًا ۖ إِنِّى بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ ﴾

''اے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو۔ میں ان کاموں کو بخوبی جاننے والا ہوں جو تم کرتے ہو۔''[3]

« 86/3، باب إفشاء السر. [1] مسند أحمد: 120,119/6. اس حدیث کی سند ضعیف ہے، البتہ شواہد کے ذریعے سے قوی ہوجاتی ہے۔ ومجمع الزوائد: 21/3، والمستدرك للحاكم: 1/354-360. امام حاکم نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ [2] صحيح البخاري، البيوع، باب قول الله عزوجل: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوا۟ ٱلرِّبَوٰٓا۟﴾، حديث: 2083.
[3] المؤمنون 51:23.

* دوسرے مقام پر مومنوں سے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾

''اے ایمان والو! وہ پاکیزہ چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمھیں دی ہیں۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کا ذکر فرمایا جو طویل سفر کرتا ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے اور جسم خاک آلود ہے۔ وہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر کہتا ہے: ''اے میرے رب! اے میرے رب!'' حالانکہ اس کا کھانا حرام کا ہے، اس کا پینا حرام کا ہے، اس کا لباس حرام کا ہے، اس کی غذا حرام کی ہے، آخر اس کی دعا کیسے قبول ہو؟''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّهُ لَا يَرْبُوا لَحْمٌ نَبَتَ مِنْ سُحْتٍ إِلَّا كَانَتِ النَّارُ أَوْلَى بِهِ»

''بلاشبہ جو بدن حرام کھا کر پلا ہو وہ چاہے کتنا بڑھ جائے آگ ہی اس کے لائق ہے۔''[3]

* نیز فرمایا: ''جو شخص اپنے حق کے مطابق مال حاصل کرتا ہے اس کے لیے اس مال میں برکت ڈالی جاتی ہے اور جس نے ناحق مال حاصل کیا اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو بہت کھاتا ہے لیکن سیر نہیں ہوتا۔''[4]

* نبی کریم ﷺ نے تحقیق و تفتیش کے سلسلے میں بھی بہترین نمونہ پیش فرمایا تاکہ لوگوں کو محض شبہات کی بنا پر ملزم نہ ٹھہرایا جائے۔

[1] البقرة 172:2. [2] صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتربيتها، حديث: 1015. [3] جامع الترمذي، الجمعة، باب ما ذكر في فضل الصلاة، حديث: 614. ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' والمستدرك للحاكم: 422/4. حاکم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب فضل النفقة في سبيل الله، حديث: 2842، وصحيح مسلم، الزكاة، باب التحذير من الاغترار بزينة الدنيا......، حديث: 1052، واللفظ له.

* نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے: ''اگر میں کسی کو بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو فلاں عورت کو کرتا۔ اس کی چال ڈھال، بات چیت اور اس کے پاس آنے جانے والے لوگ مشکوک ہیں۔''[1]

* نبیِ کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا تو فرمایا: ''جب تمھارے سامنے دونوں فریق بیٹھے ہوں تو کسی ایک کی بات سن کر فیصلہ نہ کرنا جب تک دوسرے کی بات نہ سن لو۔ اس طرح تمھارے سامنے مقدمے کی اصل کیفیت واضح ہو جائے گی۔''[2]

* اسی طرح آپ ﷺ کا فرمان عالی ہے: ''اگر لوگوں کو محض دعوے کے ساتھ ہی ان کی مطلوبہ چیز دے دی جاتی تو کئی لوگوں کے جان و مال ضائع ہو جاتے۔''[3]

* ایک موقع پر صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کے رو برو ایک صحابی کے قتل کا الزام یہود پر لگایا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے باقاعدہ ثبوت طلب کیا اور جب وہ ثبوت پیش نہ کر سکے تو آپ نے یہود سے قسم لینے کا عندیہ دیا۔ مقتول کے ورثاء نے انھیں غیر معتبر سمجھتے ہوئے ان کی قسم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آپ ﷺ نے مجبوراً بیت المال سے دیت ادا کر دی اور بلا ثبوت یہود کو کوئی سزا نہیں دی۔[4]

* جب ایک حضرمی (حضرموت سے تعلق رکھنے والے) نے ایک کندی کے خلاف دعویٰ دائر کیا کہ اس نے میری زمین غصب کی ہے تو آپ ﷺ نے حضرمی سے فرمایا: ''تمھارے پاس کوئی ثبوت ہے؟'' اُس نے کہا: ''نہیں!'' آپ نے فرمایا: ''پھر تم اس سے قسم لے سکتے ہو۔'' اُس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ آدمی تو جھوٹا ہے، کسی بھی چیز پر قسم کھا سکتا

---

[1] سنن ابن ماجه، الحدود، باب من أظهر الفاحشة، حديث:2559، وصحيح سنن ابن ماجه: 82/2، حديث:2073. البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''بخاری و مسلم نے اس حدیث کا پہلا حصہ روایت کیا ہے۔''
[2] سنن أبي داود، القضاء، باب كيف القضاء، حديث:3582، صحيح سنن أبي داود:674/2، حديث:3057. [3] صحيح البخاري، التفسير، سورة آل عمران، باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ...... ﴾، حديث:4552. [4] صحيح البخاري، الديات، باب القسامة، حديث:6898.

ہے۔ یہ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کچھ بھی ہو۔ تم اس کے سوا اس سے کچھ نہیں لے سکتے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو بھیڑ چال اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''نیک لوگ ایک ایک کر کے فوت ہو جائیں گے اور جو کے چھان یا ردی کھجور جیسے نکمے لوگ باقی رہ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی ذرہ بھر پروا نہیں کرے گا۔''[2]

* نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''دیکھا دیکھی بھیڑ چال اختیار نہ کرو کہ تم کہو: اگر لوگ اچھے کام کریں گے تو ہم بھی اچھے کام کریں گے اور اگر لوگ برے کام کریں گے تو ہم بھی برے کام کریں گے بلکہ تم اپنے آپ کو اس امر کا پابند بناؤ کہ لوگ اچھے کام کریں تب بھی اچھے کام ہی کرو اور اگر لوگ برے کام کریں تب بھی تم ظلم نہ کرو۔''[3]

حسد و بدگمانی کی مذمت

* رسول اللہ ﷺ نے نفرت، حسد اور بدگمانی کی مذمت فرمائی ہے۔ ان سے دل بگڑ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''بدگمانی سے بچو۔ یقیناً بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ کسی کی بات چوری چھپے نہ سنو، کسی کی جاسوسی نہ کرو، آپس میں حسد نہ کرو، کسی سے قطع تعلق نہ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب وعید من اقتطع حق مسلم......، حدیث: 139. [2] صحیح البخاري، الرقاق، باب ذھاب الصالحین، حدیث: 6434. امام بخاری کا کہنا ہے کہ حُفَالَة اور حُثَالَة کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی ہر چیز کا ناکارہ حصہ۔ امام خطابی کہتے ہیں: ''کھجور اور جو کا باقی ماندہ، یعنی انتہائی ردی حصہ۔'' بعض کے نزدیک کھجور اور جو کا چھلکا اور بعض کے نزدیک جو کا چھان اور کھجور کی گٹھلی مراد ہے۔ لَا یُبَالِیهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسے لوگ ہوں گے جن کی اللہ کے ہاں کوئی قدر و قیمت ہوگی نہ مقام و مرتبہ ہوگا اور اللہ ان کی ذرا بھی پروا نہ کرے گا۔ [3] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الإحسان والعفو، حدیث: 2007. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' جامع الاصول کے محقق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

کرو اور آپس میں بغض نہ رکھو اور اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ۔'' [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پہلی اُمتوں کی بیماری حسد اور بغض تم میں بھی سرایت کر گئی ہے اور یہ مونڈ دینے والی بیماری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ یہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔ قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک مومن نہ بنو اور مومن نہیں بن سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمھیں ایسی چیز نہ بتاؤں جو تم میں محبت کو قائم کر دے؟ اپنے درمیان سلام عام کرو۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری امت کو بھی پہلی امتوں والی بیماری لگے گی۔'' لوگوں نے پوچھا: ''کون سی بیماری؟'' فرمایا: ''فخر، تکبر، کثرت کی طلب، ایک دوسرے سے بڑھ کر دنیا کی رغبت، ایک دوسرے سے دور رہنا اور حسد کرنا، یہاں تک کہ ظلم و زیادتی اور قتل کا بازار گرم ہو جائے گا۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، حديث:6064، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظن والتجسس......، حديث:2563. [2] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في فضل صلاح ذات البين......، حديث:2510. مسلم کے ہاں اس حدیث کے چند شواہد ہیں جن کی بنا پر جامع الاصول کے محقق نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان......، حديث:45) منذری نے اسے بیان کیا ہے۔ انھوں نے کہا: ''اسے بزار نے بسند جید روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (الترغيب والترهيب: 548/3) ان کے علاوہ بیہقی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ حاکم کی یہ روایت ترمذی کی روایت کی شاہد ہے، دیکھیے: (المستدرك للحاكم: 168/4) [3] حافظ العراقی نے کہا: ''اسے ابن ابی الدنیا نے اور طبرانی نے الأوسط میں روایت کیا۔ اس روایت کی سند جید ہے۔'' دیکھیے: (تخريج إحياء علوم الدين: 199/3)

«لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ: اَلْإِيمَانُ وَالْحَسَدُ»

''دو چیزیں ایک بندے کے دل میں جمع نہیں ہو سکتیں: ایمان اور حسد۔''[1]

* مزید فرمایا:

«لَا يَزَالُ النَّاسُ بِخَيْرٍ مَّا لَمْ يَتَحَاسَدُوا»

''جب تک لوگ ایک دوسرے سے حسد نہیں کریں گے خیریت سے رہیں گے۔''[2]

* حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے مال لے کر آئے۔ انصار کو پتہ چلا تو سب نے صبح کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے اور لوگوں کی طرف رخ کیا تو سب قریب قریب آگئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دیکھا تو مسکرائے اور فرمایا: ''میرا خیال ہے، تمھیں پتہ چل گیا ہے کہ ابوعبیدہ بحرین سے کچھ مال لے کر آئے ہیں۔'' انھوں نے عرض کی: ''جی ہاں! اے اللہ کے رسول!'' آپ نے فرمایا: ''خوش ہو جاؤ اور امید رکھو کہ تمھیں مسرت بخش چیز ملے گی۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ خدشہ نہیں کہ تم فقیر رہو گے بلکہ مجھے خطرہ ہے کہ تمھیں دنیا ضرورت سے زیادہ دے دی جائے گی جس طرح تم سے پہلی امتوں کو ملی۔ تم اس میں اسی طرح مست ہو جاؤ گے جس طرح پہلے لوگ ہوئے اور یہ تمھیں اسی طرح ہلاک کر دے گی جس طرح انھیں ہلاک کیا۔''[3]

بے پردگی کی ممانعت

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو اظہارِ زینت سے منع فرمایا اور اس کے نقصانات سے

[1] سنن النسائي، الجهاد، باب فضل من عمل في سبيل الله على قدمه، حديث: 3111. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ [2] الترغيب والترهيب: 547/3. منذری نے کہا: ''اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' [3] صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب، حديث: 3158، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2961، واللفظ له.

آگاہ کیا کیونکہ اس سے مردوں اور عورتوں کے مابین فتنہ پیدا ہوتا ہے۔ آپ نے اس کے بارے میں فرمایا:

«سَيَكُونُ آخِرَ أُمَّتِي نِسَاءٌ كَاسِيَاتٌ عَارِيَاتٌ عَلٰى رُؤُوسِهِنَّ كَأَسْنِمَةِ الْبُخْتِ، الْعَنُوهُنَّ، فَإِنَّهُنَّ مَلْعُونَاتٌ»

''آخری دور میں میری امت میں ایسی عورتیں ہوں گی جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ اُن کے سروں پر بختی اونٹوں کے کوہانوں جیسے بالوں کے گچھے ہوں گے۔ ایسی عورتوں پر لعنت کرنا، یہ ملعون عورتیں ہیں۔'' [1]

* ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''جہنمیوں کی دو قسمیں ایسی ہیں جنھیں میں نے ابھی تک نہیں دیکھا: وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں گائے کی دم جیسے موٹے موٹے کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔ اور وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود ننگی ہوں گی۔ لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے والی اور خود مائل ہونے والی۔ ان کے سر پر بختی اونٹوں کے ٹیڑھے کوہانوں کی طرح بالوں کے گچھے ہوں گے۔ یہ جنت میں نہیں جائیں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی، حالانکہ جنت کی خوشبو اتنے اتنے فاصلے سے آرہی ہوگی۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے خواتین کو گلی بازار میں کام کاج وغیرہ کیلئے جاتے وقت خوشبو لگا کر جانے یا مٹک مٹک کر ناز و نخرے سے چلنے کی سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کوئی عورت خوشبو لگا کر اس طرح لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے کہ اُن تک اس کی خوشبو پہنچے تو وہ ایسی اور ایسی عورت ہے۔'' اس موقع پر آپ نے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے۔ [3]

[1] المعجم الصغير للطبراني: 1125. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (جلباب المرأة المسلمة، ص: 56) [2] صحيح مسلم، اللّباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات...... حديث: 2128. [3] سنن أبي داود، الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، حديث: 4173، وجامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية خروج المرأة متعطرة، حديث: 2786.

نسائی کی روایت میں ہے: ''......وہ زانیہ ہے۔''[1]

* نیز فرمایا: ''جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز پڑھنے نہ آئے۔''[2]

گالی گلوچ کی ممانعت

* رسالت مآب ﷺ نے کسی کی تکلیف پر خوش ہونے اور عار دلانے کی مذمت کی اور اس کے برے نتائج سے خوف دلایا ہے۔ آپ کا فرمان گرامی ہے: ''اپنے بھائی کی تکلیف پر خوش نہ ہو ورنہ اللہ تعالیٰ اُس پر رحم فرمائے گا اور تجھے مصیبت میں ڈال دے گا۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر کوئی شخص تجھے گالی دے یا تجھے تیرے کسی عیب کا طعنہ دے تو تو اسے اس کے کسی عیب کا طعنہ نہ دے۔ اس کے گناہ کا وبال اُسی پر ہوگا۔''[4]

* نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے کسی بھائی کو اُس کے کسی گناہ کا طعنہ دے، وہ مرنے سے پہلے اُس گناہ میں ضرور مبتلا ہوگا۔''[5]

* نبی کریم ﷺ سخت آزمائش، بدحالی کی گرفت، بدنصیبی اور شماتَة الأعداء (تکلیف پہنچنے پر دشمنوں کی خوشی) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔[6]

---

[1] سنن النسائي، الزينة، باب ما يكره للنساء من الطيب، حديث: 5129. [2] سنن أبي داود، الترجل، باب في طيب المرأة للخروج، حديث: 4175. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب لا تظهر الشماتة لأخيك، حديث: 2506. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' جامع الاصول کے محقق نے کہا: ''یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے۔'' منذری نے ترمذی سے اتفاق کیا ہے، دیکھیے: (الترغيب والترهيب: 310/3) [4] سنن أبي داود، اللباس، باب ماجاء في إسبال الإزار، حديث: 4084. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [5] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في وعيد من عير أخاه بذنب، حديث: 2505. ترمذی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو موضوع (من گھڑت) قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الضعيفة: 327/1، حديث: 178) [6] صحيح البخاري، الدعوات، باب التعوذ من جهد البلاء، حديث: 6347، وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب ◄◄

دنیا کی محبت

* رسول اللہ ﷺ نے دنیا میں لمبی لمبی امیدیں باندھنے کی مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ نے دعا مانگی ہے: ''اے اللہ! جو شخص تجھ پر ایمان لائے اور میرے رسول ہونے کی گواہی دے، اس میں اپنی ملاقات کا شوق پیدا فرما، اس کے لیے اپنی تقدیر آسان کر دے اور اسے دنیا کم مقدار میں دے۔ اے اللہ! جو شخص تجھ پر ایمان نہ لائے اور میری رسالت کی گواہی نہ دے، اسے اپنی ملاقات کا شوق نہ دے، اس کے لیے اپنی تقدیر آسان نہ کر اور اسے دنیا کثرت کے ساتھ دے۔''[1]

* ابن ماجہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''اے اللہ! جو شخص مجھ پر ایمان لایا اور میری تصدیق کی اور یقین رکھا کہ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں وہ تیری طرف سے حق ہے تو اسے کم مال و اولاد عطا فرما، اسے اپنی ملاقات کا شائق بنا اور اسے جلدی موت دے۔ اور جو شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا، نہ میری تصدیق کی، نہ یہ یقین رکھا کہ جو کچھ میں لے کر آیا ہوں وہ تیری طرف سے حق ہے تو اس کے مال و اولاد میں کثرت فرما اور اس کی عمر لمبی کر دے۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَتَيْنِ: فِي حُبِّ الدُّنْيَا، وَطُولِ الْأَمَلِ»

''بوڑھے شخص کا دِل دو چیزوں کے لیے جوان رہتا ہے: دنیا کی محبت اور لمبی امیدوں میں۔''[3]

◀◀ في التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء وغيره، حديث:2707. [1] الترغيب والترهيب: 4/335. منذری نے لکھا: ''اسے ابن ابی دنیا اور طبرانی نے اور ابن حبان نے اپنی کتاب الصحیح میں روایت کیا ہے۔'' [2] سنن ابن ماجه، الزهد، باب في المكثرين، حديث:4133. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصغير، حديث:1311) [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب من بلغ ستين سنة فقد أعذر الله عليه في العمر......، حديث:6420.

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ»

''دنیا میں اس طرح رہو گویا تم کوئی اجنبی یا مسافر ہو۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ''پانچ کو پانچ سے قبل غنیمت جانو: اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے قبل، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے قبل، اپنی امیری کو اپنی غریبی سے قبل، اپنی فراغت کو اپنی مصروفیت سے قبل اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے قبل۔''[2]

احسان جتلانے کی مذمت

* رسالت مآب ﷺ نے احسان جتلانے کی مذمت فرمائی ہے۔ہم وفدِ بنو اسد کے واقعات میں بتا چکے ہیں کہ انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم لڑائی کیے بغیر مسلمان ہوئے ہیں جبکہ فلاں قبیلہ لڑائی کے بعد مسلمان ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ط﴾ ''وہ تجھ پر احسان جتلاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے۔'' یہ بات انھوں نے دین سے کم واقفیت کی بنا پر کہی تھی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی تھی۔[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے آدمی ہیں جن سے اللہ روزِ قیامت کلام نہیں کرے

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبيﷺ: كن في الدنيا كأنك غريب أوعابر سبيل، حديث:6416. [2] المستدرك للحاكم: 306/4. امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق قرار دیتے ہوئے صحیح کا درجہ دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ [3] الحجرٰت 17:49، تفسیر ابن کثیر: 369/7. اس روایت کی سند صحیح اور راوی ثقہ ہیں۔ امام سیوطی نے لکھا ہے: ''ابن المنذر، طبرانی اور ابن مردویہ نے اس روایت کو بسند حسن روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (الدر المنثور: 585/7)

گا: احسان جتلانے والا جو کوئی چیز نہیں دیتا مگر اس کا احسان جتلاتا ہے، جھوٹی قسم کے ذریعے سے اپنے سامان کی فروخت بڑھانے والا اور اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا۔'' [1]

غصہ اچھا نہیں

* رسول اللہ ﷺ نے ضرورت سے زیادہ غصے سے منع کیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ''طاقتور وہ نہیں جو بہت پچھاڑنے والا ہو۔ طاقتور صرف وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔'' [2]

* ایک آدمی نے آپ ﷺ سے گزارش کی: ''مجھے کوئی وصیت کریں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''غصہ نہ کرنا'' اس نے کئی دفعہ پوچھا۔ آپ نے ہر دفعہ یہی جواب دیا۔ [3]

* ایک موقع پر رسالت مآب ﷺ نے أَشَجّ عبدالقیس (منذر بن عائذ) سے فرمایا:

«إِنَّ فِيكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ وَرَسُولُهُ: الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»

''واقعتاً تم میں دو خوبیاں ایسی ہیں جنھیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں: بردباری اور ٹھہراؤ۔'' [4]

کوئی مسلمان حقیر نہیں

رسول اللہ ﷺ نے کسی مسلمان کو حقیر سمجھنے کی مذمت کی ہے۔

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية......، حديث: 106.

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب الحذرمن الغضب، حديث: 6114، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل من يملك نفسه عند الغضب، وبأي شيء يذهب الغضب، حديث: 2609. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، حديث: 6116. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بالإيمان باللّٰه تعالٰى ورسوله ﷺ......، حديث: 18,17، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 10/104-194، وشعب الإيمان للبيهقي: 6/335. (صحیح مسلم میں وَرَسُولُهٗ کے الفاظ نہیں، البتہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے السنن اور شعب الایمان میں مسلم ہی کی سند سے وَرَسُولُهٗ کا اضافہ کیا ہے۔)

* آپ کا فرمان گرامی ہے: ''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، وہ اس پر ظلم نہیں کرتا، نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑتا ہے، نہ حقیر سمجھتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین دفعہ فرمایا: ''تقویٰ یہاں ہے۔ کسی آدمی کے لیے اتنا شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان کا خون، مال اور عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبَا الْاِسْتِطَالَةَ فِي عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ»

''کسی مسلمان کی عزت کے متعلق ناحق زبان درازی کرنا سب سے بڑا سود ہے۔''[2]

* ایک دفعہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اچانک یہ کہہ دیا: ''صفیہ سے تو آپ کو ایسا اور ایسا کافی ہے۔'' ان کا اشارہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے چھوٹے قد کی طرف تھا۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ»

''(عائشہ!) تو نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر کے پانی میں ملا دیا جائے تو اس کی کڑواہٹ اس پر غالب آجائے۔''[3]

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله......، حديث: 2564.

[2] سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث: 4876. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ومسند أحمد: 190/1، واللفظ له. جامع الاصول کے محقق نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 449/8)

[3] سنن أبي داود، الأدب، باب في ذي الوجهين، حديث: 4875. البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث: لو مزج بها ماء البحر، حديث: 2502. ترمذی نے لکھا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' جامع الاصول کے محقق نے بھی اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 448/8)

اعمال کی بربادی (ریاکاری)

* رسول اللہ ﷺ نے ریاکاری کی مذمت کی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''جس نے اپنے عمل کی تشہیر کی، اللہ بھی اس کی محض تشہیر کر دے گا (ثواب نہیں دے گا) اور جس نے اپنا عمل لوگوں کو دکھایا، اللہ بھی اس کا عمل لوگوں کو محض دکھا دے گا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ریاکاری کے برے انجام کے پیشِ نظر اس سے اللہ کی پناہ مانگا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جُبُّ الْحُزْن سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگا کرو۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! جُبُّ الْحُزْن کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم میں ایک وادی ہے جس سے جہنم بھی روزانہ چار سو دفعہ پناہ مانگتی ہے۔'' لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اس میں کون لوگ جائیں گے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ان علماء اور قرّاء کے لیے تیار کی گئی ہے جو اپنے اعمال کا دکھاوا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو وہ عالم اور قاری انتہائی ناپسند ہیں جو حکمرانوں کے درباروں کا طواف کرتے ہیں۔''

راویِ حدیث محاربی کا کہنا ہے: ''حکمرانوں سے مراد ظالم حکمران ہیں۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دکھلاوے کے لیے نماز پڑھی اس نے شرک کیا، جس نے دکھلاوے کے لیے روزہ رکھا اُس نے شرک کیا اور جس نے دکھلاوے کے لیے صدقہ کیا اس نے بھی شرک کیا۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''علم دین اس لیے نہ سیکھو کہ علماء پر فخر کرو یا کم علم لوگوں سے جھگڑے کرو یا اس کے ذریعے سے مجالس میں فضیلت حاصل کرو۔ جس نے ایسا کیا تو اس

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب الرّياء والسمعة، حديث: 6499، وصحيح مسلم، الزهد، باب تحريم الرّياء، حديث: 2986. [2] جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في الرّياء والسُّمعة، حديث: 2383، وسنن ابن ماجه، المقدمة، حديث: 256، واللفظ له. [3] مسند أحمد: 126/4.

کے لیے آگ ہے، اس کے لیے آگ ہے۔''[1]

نفاق اور منافق کی نشانیاں

* نبیِ کریم ﷺ نے نفاق اور اس کے اُخروی نتائج سے امت کو خبردار کیا اور نفاق اور منافقین کی صفات کی بھی وضاحت کی ہے۔ آپ کا فرمانِ عالی ہے: ''منافقین پر کوئی نماز عشاء اور فجر سے بڑھ کر بوجھل نہیں۔ اگر انھیں ان نمازوں کے ثواب کا علم ہو تو چوتڑوں کے بل گھسٹ گھسٹ کر آنا پڑے تب بھی یہ لوگ آئیں۔ میں نے ارادہ کیا تھا کہ میں مؤذن سے کہوں، وہ اقامت کہے، پھر کسی آدمی سے کہوں وہ جماعت کرائے۔ اور میں آگ کے شعلوں سے ان لوگوں کے گھر جلا دوں جو ابھی تک نماز کے لیے نہ نکلے ہوں۔''[2]

* نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''منافق کی تین علامات ہیں: جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے اور جب اسے امانت سونپی جاتی ہے تو خیانت کرتا ہے۔''[3]

* مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''چاہے وہ نماز روزے کا پابند ہو اور دعویٰ کرتا ہو کہ وہ مسلمان ہے۔''[4]

* ایک روایت میں منافق کی چار خصلتیں بیان کی گئی ہیں: ''...... جب اسے امانت سونپی جائے تو خیانت کرتا ہے، جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے، جب عہد کرتا ہے تو

[1] سنن ابن ماجه، المقدمة، حديث: 254. مجمع الزوائد میں ہے کہ اس حدیث کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔ والمستدرك للحاكم: 86/1. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، حديث: 657، وصحيح مسلم، المساجد، باب فضل صلاة الجماعة، وبيان التشديد......، حديث: 651. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33، وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: (107)-59. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: (109)-59.

بدعہدی کرتا ہے اور جب جھگڑا کرتا ہے تو گالی بکتا ہے۔''[1]

* قرآن مجید کی ایک سورت ''سورۂ منافقون'' ہے جس میں منافقوں کی صفات اور لوگوں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے۔

زنا کبیرہ گناہ ہے

* رسول اللہ ﷺ نے زنا کی مذمت فرمائی ہے اور اُسے کبیرہ گناہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا، نہ انھیں گناہوں سے پاک کرے گا اور نہ انھیں نظرِ رحمت سے دیکھے گا۔ بوڑھا زنا کار، جھوٹا بادشاہ اور متکبر فقیر۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ أَنْ يُّرْفَعَ الْعِلْمُ، وَيَثْبُتَ الْجَهْلُ، وَيُشْرَبَ الْخَمْرُ، وَيَظْهَرَ الزِّنَا»

''یہ قیامت کی علامت ہے کہ علم اٹھ جائے گا، جہالت عام ہو جائے گی، شراب پی جائے گی اور زنا سرعام ہو گا۔''[3]

* ایک دفعہ آپ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا: ''زنا کے بارے میں آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟'' انھوں نے کہا: ''حرام ہے۔ اِسے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پڑوسی کی بیوی سے

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34، وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 58. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان غلظ تحريم إسبال الإزار والمن بالعطية......، حديث: 107. [3] صحيح البخاري، العلم، باب رفع العلم وظهور الجهل، حديث : 80، وصحيح مسلم، العلم، باب رفع العلم وقبضه وظهور الجهل......، حديث:2671.

زنا دس عورتوں سے زنا کرنے سے بھی زیادہ سنگین جرم ہے۔“ [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو مسلمان شخص گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اُس کا خون بہانا حلال نہیں سوائے تین جرائم کے: ناحق قتل کرنے والا، شادی شدہ زانی اور مسلمانوں کی جماعت چھوڑ کر دین سے مرتد ہونے والا۔“ [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اَدھیڑ عمر زناکار اور متکبر فقیر کی طرف نظر رحمت سے نہیں دیکھے گا۔“ [3]

* نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ حَفِظَ فَرْجَهُ فَلَهُ الْجَنَّةُ»

”جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اس کے لیے جنت ہے۔“ [4]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالت مآب ﷺ سے پوچھا گیا: ”اے اللہ کے رسول! ہم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ کب ترک کر دیں گے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں وہ چیزیں ظاہر ہوں جو پہلی امتوں میں ظاہر ہوئی تھیں۔“ ہم نے کہا: ”اے اللہ کے رسول! پہلی امتوں میں کیا چیزیں ظاہر ہوئی تھیں؟“ فرمایا: ”نوجوان حکمران بن جائیں، بوڑھے بدکار بن جائیں اور علم فاسقوں بدکرداروں کے پاس چلا جائے۔“ [5]

[1] مسند أحمد: 8/6. منذری نے الترغیب و الترھیب میں اس حدیث کا ذکر کیا اور لکھا: ”اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔“ طبرانی بھی اسے المعجم الکبیر اور الأوسط میں لائے ہیں۔ یہ الفاظ طبرانی ہی کے ہیں، دیکھیے: (الترغیب والترهیب: 279,278/3) [2] صحیح البخاري، الدّیات، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ﴾، حدیث: 6878، وصحیح مسلم، القسامة والمحاربین......، باب مایباح به دم المسلم، حدیث: 1676.
[3] منذری نے اس روایت کا ذکر کر کے لکھا: ”اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔“ دیکھیے: (الترغیب والترهیب: 275/3) [4] المستدرك للحاکم: 358/4. حاکم نے کہا: ”یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔“ [5] سنن ابن ماجه، الفتن، باب قوله تعالٰی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ ◄◄

* نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''میری امت میں ایسی قومیں بھی ہوں گی جو زنا، ریشم، شراب اور گانے بجانے کے آلات کو حلال سمجھیں گی۔'' [1]

* نیز فرمایا: ''جو شخص زنا کرتا ہے یا شراب پیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس میں سے ایمان یوں نکال دیتا ہے جس طرح انسان اپنے جسم سے قمیص اتار لیتا ہے۔'' [2]

دھوکہ دہی

* رسول اللہ ﷺ نے ہر قسم کے دھوکے سے منع کیا اور اس سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ آپ کا فرمان گرامی ہے: ''جس نے دھوکا دیا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔'' [3]

* نیز فرمایا: ''جس بندے کو اللہ تعالیٰ کسی رعایا کا ذمہ دار بنائے، پھر وہ انھیں دھوکہ دے اور اسے اسی حالت میں موت آجائے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت حرام کر دیتا ہے۔'' [4]

* رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو زمین کے طے شدہ نشانات بدلتا ہے۔'' [5]

* آپ نے دھوکے کی ایک خاص قسم ''نَجْش'' سے منع فرمایا ہے۔ [6]

''نَجْش'' کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص سودا نہیں لینا چاہتا محض کسی گاہک کو پھنسانے

« اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ »، حدیث: 4015. ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا ہے: ''اس روایت کی سند صحیح اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' ومسند أحمد: 187/3. [1] صحيح البخاري، الأشربة، باب ماجاء فيمن يستحل الخمر......، حديث: 5590. [2] المستدرك للحاكم: 22/1. امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب قول النبي ﷺ: من غشنا فليس منا، حديث: 102. [4] صحيح البخاري، الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح، حديث: 7150، وصحيح مسلم، الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار، حديث: 142، واللفظ له. [5] صحيح مسلم، الأضاحي، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى......، حديث: 1978. [6] صحيح البخاري، البيوع، باب النجش، ومن قال: لا يجوز ذلك البيع، حديث: 2142، وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرّجل على بيع أخيه......، حديث: 1516.

کے لیے چیز کا بھاؤ زیادہ لگا دیتا ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور کرانے والے پر لعنت کی ہے۔ [1]

غیبت و بہتان تراشی اور جھوٹی گواہی کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ نے غیبت کرنے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی مذمت فرمائی ہے۔

* آپ ﷺ نے ایک موقع پر لوگوں سے پوچھا: ''جانتے ہو غیبت کیا ہوتی ہے؟'' صحابہ نے کہا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں وہ بات کرو جسے وہ ناپسند کرتا ہو۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے دریافت کیا: ''اگر فی الواقع اس میں وہ بات موجود ہو؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر اس میں وہ بات موجود ہو تو یہ غیبت ہے اور اگر اس میں وہ بات موجود نہ ہو تو پھر یہ بہتان ہو گا۔'' [2]

* نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''اے لوگو جو اپنی زبان کے ساتھ ایمان لائے ہو اور ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کیا کرو، نہ اُن کے عیب تلاش کیا کرو، جس نے ان کے عیب تلاش کیے اللہ تعالیٰ اس کے عیب تلاش کرتا ہے۔ اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کرنے لگے تو اسے وہ اس کے گھر میں رُسوا کر دیتا ہے۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انھیں کسی بڑے گناہ کی بنا پر عذاب نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک کو پیشاب (سے نہ بچنے) کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور دوسرے کو غیبت کی وجہ سے۔'' [4]

[1] جامع الترمذي، النكاح، باب ما جاء في المحل والمحلل له، حديث : 1119، وصحيح سنن الترمذي، حديث : 893. [2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الغيبة، حديث: 2589. [3] سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة، حديث : 4880. [4] سنن ابن ماجه، الطهارة وسننها، باب التشديد في البول، حديث : 349، ومسند أحمد:5/36,35. ابن حجر رحمہ اللہ ◀◀

* ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں اکبر الکبائر (کبیرہ گناہ) کے متعلق نہ بتاؤں؟'' ہم نے کہا: ''ضرور، اے اللہ کے رسول!'' آپ ﷺ نے تین دفعہ دریافت فرمایا، پھر یوں وضاحت فرمائی: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔'' پہلے آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے، پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''غور سے سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی۔ غور سے سنو! جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی'' آپ یہی کہتے رہے حتی کہ میں نے کہا: ''شاید آپ چپ ہی نہ ہوں۔''[1]

* صحیح مسلم میں بشر بن مفضل کی روایت میں ہے: ......حتی کہ ہم نے کہا: ''کاش! آپ خاموش ہو جائیں۔''[2]

* جھوٹی گواہی نفاق کی علامت ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے جھوٹی گواہی کی شدید مذمت فرمائی کیونکہ جھوٹی گواہی سے کسی کی جان جا سکتی ہے، مال ضائع ہو سکتا ہے، عزت پامال ہو سکتی ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں بہت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ»

''منافق کی تین علامات ہیں: جب بات کرے گا تو جھوٹ بولے گا، جب وعدہ کرے گا تو خلاف ورزی کرے گا اور جب اسے امانت سونپی جائے گی تو خیانت کرے گا۔''[3]

» نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے یہ حدیث احمد اور طبرانی کے حوالے سے نقل کی ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 175/1) [1] صحيح البخاري، الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر، حديث: 5976، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87. [2] صحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 87. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات »

منافقین آگ کے سب سے گہرے گڑھے میں ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس مذموم فعل کو بہت سے دیگر حرام اور رذیل کاموں کے ساتھ بیان کر کے بھی اس کی مذمت کی گئی ہے۔ جیسا کہ سابقہ بیان کردہ احادیث و روایات سے ظاہر ہے۔

پڑوسیوں کے حقوق

* پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں آپ ﷺ نے بڑے تاکیدی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ایک موقع پر فرمایا:

«مَا زَالَ جِبْرِيلُ يُوصِينِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ»

''جبریل مجھے پڑوسی کے ساتھ حسنِ سلوک کی اتنی تاکید کرتا رہا کہ مجھے خیال ہوا کہ وہ عنقریب اسے وارث بنا دے گا۔'' [1]

* نبی کریم ﷺ نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَكْثِرْ مَاءَ هَا، وَ تَعَاهَدْ جِيرَانَكَ»

''ابو ذر! جب تمھارے گھر میں شوربا پکایا جائے تو اس کا پانی زیادہ کر لیا کرو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو۔'' [2]

* ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«......ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِّنْ جِيرَتِكَ فَأَصِبْهُمْ مِّنْهَا بِمَعْرُوفٍ»

◄◄ المنافق، حديث: 33، وصحيح مسلم، الإيمان باب خصال المنافق، حديث: 59. صحیح بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''چار صفات جس میں ہوں وہ خالص منافق ہے۔ ایک ان میں سے یہ ہے کہ جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔'' [1] صحيح البخاري، الأدب، بابُ الوَصاء ة بالجار، حديث: 6014، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: 2625,2624. [2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب الوصية ►►

”...... پھر اپنے پڑوسیوں میں سے کوئی اہل خانہ دیکھ کر ان کے گھر مناسب مقدار میں سالن بھیجو۔“ [1]

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ»

”جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ دے۔“ [2]

* رسول اللہ ﷺ سے منقول ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ إِلٰى جَارِهِ»

”جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرے۔“ [3]

* عمرو بن حمق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اس کے پڑوسیوں کے نزدیک محبوب بنادیتا ہے۔“ [4]

* رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَاللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ، وَخَيْرُ الْجِيرَانِ عِنْدَاللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ»

[1] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: (142)-2625. [2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب الوصية بالجار والإحسان إليه، حديث: (143)-2625. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب: من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، حديث: 6018. صحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار......، حديث : 48، وصحيح سنن ابن ماجه: 296/2، حديث: 3672. [4] مسند أحمد: 200/4، وإحياء علوم الدين للغزالي: 215/2، واللفظ له. حافظ عراقی نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

’’اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہترین ہے اور اللہ کے نزدیک بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہترین ہے۔‘‘[1]

* رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے پوچھا:

«مَا تَقُولُونَ فِي السَّرِقَةِ؟» ’’آپ لوگ چوری کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟‘‘

انھوں نے کہا: ’’اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے تو یہ حرام ہے۔‘‘

آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَأَنْ يَّسْرِقَ الرَّجُلُ مِنْ عَشْرَةِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّسْرِقَ مِنْ جَارِهٖ»

’’پڑوسی کے گھر سے چوری کرنا دس گھروں میں چوری کرنے سے بدتر ہے۔‘‘[2]

* نبی کریم ﷺ نے برے پڑوسی سے پناہ مانگی ہے۔ ارشادِ گرامی ہے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنْ جَارِ السُّوءِ فِي دَارِ الْمُقَامَةِ، فَإِنَّ جَارَ الْبَادِيَةِ يَتَحَوَّلُ»

’’اے اللہ! میں آبادی میں برے پڑوسی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بادیہ (دشت) کا پڑوسی تو تبدیل ہو جاتا ہے۔‘‘[3]

نیز فرمایا:

[1] جامع الترمذي، البروالصلة، باب ماجاء في حق الجوار، حديث: 1944. ترمذی نے کہا: ’’یہ حدیث حسن غریب ہے۔‘‘ جامع الاصول کے محقق نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (جامع الأصول: 640/6) [2] مسند أحمد: 8/6، والترغيب والترهيب للألباني: 678/2. منذری نے لکھا: ’’اسے احمد نے روایت کیا اور یہ الفاظ انھی کے ہیں۔ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ طبرانی بھی اسے المعجم الکبیر اور الأوسط میں لائے ہیں۔‘‘ [3] المستدرك للحاكم: 532/1. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

«لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَجَارُهُ جَائِعٌ»

''وہ صاحب ایمان نہیں جو خود تو سیر ہو کر کھائے اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔''[1]

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

«مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَ جَارُهُ جَائِعٌ إِلٰى جَنْبِهٖ وَ هُوَ يَعْلَمُ بِهٖ»

''وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا سوئے اور وہ خود سیر ہو کر سوئے اور اسے اس بات کا علم بھی ہو۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جانتے ہو کہ پڑوسی کا حق کیا ہے؟ جب وہ تم سے مدد طلب کرے تو تم اُس کی مدد کرو، جب وہ تم سے قرض مانگے تو اُسے قرض دو، اگر وہ ضرورت مند ہو تو اس کا خیال کرو، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اسے کوئی خوشی نصیب ہو تو مبارکباد دو، اسے کوئی مصیبت پہنچے تو تسلی دو، وہ مر جائے تو اس کے جنازے میں جاؤ۔ اپنی عمارت اتنی اونچی نہ بناؤ جو اس تک ہوا پہنچنے میں رکاوٹ بن جائے اِلّا یہ کہ اس سے اجازت حاصل کر لو۔ اگر تمھارے گھر کوئی خوشبودار چیز ہو جس کی مہک اُس کے گھر تک پہنچے تو اسے بھی اس میں سے کچھ تحفہ بھیجو، اگر کوئی پھل خرید کر لاؤ تو اس کے گھر بھی کچھ نہ کچھ بھیجو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھل چھپا کر لاؤ اور تمھارا بچہ پھل لے کر باہر نہ نکلے تاکہ اس کے بچے کا دل نہ دُکھے۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں۔ اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں۔ اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں۔'' دریافت کیا گیا: ''کون اے اللہ کے رسول!؟''

---

[1] المستدرك للحاكم: 167/4. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 278/1، حدیث: 149) [2] مجمع الزوائد: 167/8. ہیثمی نے کہا: ''اس حدیث کو طبرانی اور بزار نے روایت کیا ہے۔ بزار کی سند حسن ہے۔ [3] الترغيب والترهيب: 357/3، ومجمع الزوائد: 165/8.

فرمایا: ''وہ جس کی شرارتوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہیں۔'' [1]

* ایک آدمی نے آپ ﷺ کو بتایا کہ فلاں عورت نماز، روزہ اور صدقہ تو بہت کرتی ہے مگر وہ اپنی زبان سے اپنے پڑوسیوں کو تکلیف دیتی ہے۔ آپ نے فرمایا: «هِيَ فِي النَّارِ» ''وہ جہنمی عورت ہے۔'' اُس آدمی نے کہا: ''ایک دوسری عورت نفل نماز، روزہ تو زیادہ نہیں کرتی۔ صدقہ بھی پنیر کے ٹکڑوں ہی کا کرتی ہے لیکن وہ اپنے پڑوسیوں کو تکلیف نہیں دیتی۔'' فرمایا: «هِيَ فِي الْجَنَّةِ» ''وہ جنتی عورت ہے۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ! لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِّجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ»

''اے مسلم خواتین! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کے لیے کوئی چیز حقیر نہ جانے، خواہ وہ کسی بکری کا کھر ہی ہو۔'' [3]

* آپ ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ الْجَارُ الصَّالِحُ وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيُّ وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ»

''کسی انسان کی خوش نصیبی ہے کہ اسے نیک پڑوسی، خوشگوار سواری اور رہنے کے لیے کھلا گھر مل جائے۔'' [4]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه، حديث: 6016. [2] الترغيب والترهيب: 356/2. منذری نے لکھا: ''اسے احمد، بزار، ابن حبان اور حاکم نے روایت کیا ہے۔'' پھر لکھا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا اور کہا کہ یہ سند صحیح ہے۔''

[3] صحيح البخاري، الأدب، باب لا تحقرن جارة لجارتها، حديث: 6017، وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بالقليل، حديث: 1030. [4] المستدرك للحاكم: 166/4. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ومجمع الزوائد: 103/8. ہیثمی نے لکھا: ''اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔''

* نیز فرمایا:

«اَلْجَارُ أَحَقُّ بِسَقَبِهِ»

''پڑوسی اپنے قرب کی بدولت (شفعہ کا) زیادہ حقدار ہے۔''[1]

اس حدیث میں دلیل ہے کہ پڑوسی شفعہ کا زیادہ حق رکھتا ہے، یعنی اگر کوئی شخص اپنی زمین یا گھر بیچنا چاہے تو ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے پڑوسی کو خریدنے کی پیشکش کرے، وہ انکار کرے تب کسی اور کو بیچ سکتا ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كَمْ مِّنْ جَارٍ مُّتَعَلِّقٍ بِجَارِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ: يَا رَبِّ! هٰذَا أَغْلَقَ بَابَهُ دُونِي، فَمَنَعَ مَعْرُوفَهُ»

''قیامت کے دن کتنے ہی پڑوسیوں نے اپنے پڑوسیوں کو پکڑ رکھا ہوگا۔ وہ کہہ رہے ہوں گے: یا اللہ! اس نے مجھ پر اپنا دروازہ بند کر رکھا تھا۔ یہ مجھ سے حسن سلوک نہیں کرتا تھا۔''[2]

طہارت و نظافت کی اہمیت

* رسول اللہ ﷺ نے میلا کچیلا رہنے کی مذمت فرمائی۔ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ہمارے ہاں تشریف لائے۔ آپ نے ایک پراگندہ حال آدمی دیکھا جس کے سر کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَا يُسَكِّنُ بِهِ شَعْرَهُ؟»

[1] صحيح البخاري، الشفعة، باب عرض الشفعة على صاحبها قبل البيع، حديث: 2258.

[2] الأدب المفرد: 60/1. اس حدیث کی سند حسن لغیرہ ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 2618)

''کیا اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے یہ اپنے بال سنوار لے؟''

* آپ نے ایک اور آدمی دیکھا جس کے کپڑے میلے کچیلے تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟»

''کیا اسے پانی نہیں ملتا جس سے یہ اپنے کپڑے دھو لے؟''[1]

* اسی طرح آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا: ''ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ انھیں کسی بڑے گناہ کی بنا پر عذاب نہیں ہو رہا۔ ان میں سے ایک شخص اپنے پیشاب (کی چھینٹوں) سے بچاؤ نہیں کرتا تھا۔''[2]

* ایک دفعہ ایک شخص نے نماز کی امامت کروائی اور قبلے کی طرف تھوک دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمھیں نماز نہ پڑھایا کرے۔'' لوگوں نے اسے روک دیا اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے مطلع کیا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! (میں نے روکا تھا) تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (ﷺ) کو تکلیف دی ہے۔''[3]

ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ أَعْمَالُ أُمَّتِي، حَسَنُهَا وَسَيِّئُهَا، فَوَجَدْتُ فِي مَحَاسِنِ أَعْمَالِهَا الْأَذٰى يُمَاطُ عَنِ الطَّرِيقِ، وَوَجَدْتُ فِي مَسَاوِي أَعْمَالِهَا النُّخَاعَةَ تَكُونُ فِي الْمَسْجِدِ وَلَا تُدْفَنُ»

[1] سنن أبي داود، اللّباس، باب في الخلقان وفي غسل الثوب، حديث: 4062، وسنن النسائي، الزينة، باب تسكين الشعر، حديث: 5238، و مسند أحمد: 357/3. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ الموسوعة الحديثية کے محققین کا کہنا ہے: ''اس حدیث کی سند جید ہے۔ محدثین نے اسے روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية : 142/23، حديث : 14850)

[2] صحيح مسلم، الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول......، حديث: 292، وسنن النسائي، الطهارة، باب التنزه عن البول، حديث: 31، واللفظ له. [3] سنن أبي داود، الصلاة، باب في كراهية البزاق في المسجد، حديث: 481. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔

''میرے رو برو میری امت کے اعمال پیش کیے گئے۔ اچھے بھی، برے بھی۔ میں نے دیکھا کہ اچھے اعمال میں یہ بھی شامل تھا کہ کوئی تکلیف دہ چیز راستے سے ہٹادی جاتی ہے اور برے اعمال میں یہ بھی شامل تھا کہ مسجد میں بلغم ہے جسے دفن نہیں کیا گیا۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ، فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَذَرًا أَوْ أَذًى فَلْيَمْسَحْهُ وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا»

''جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں آئے تو اپنے جوتے اچھی طرح دیکھ لے۔ اگر کوئی گندگی لگی ہوئی ہو تو اسے اچھی طرح صاف کرے، پھر ان میں نماز پڑھ لے۔''[2]

* نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''مسواک منہ کی صفائی اور رب تعالیٰ کی رضا مندی ہے۔''[3]

* مزید فرمایا:

«لَا يَبُولَنَّ أَحَدُكُمْ فِي الْمَاءِ الدَّائِمِ [الرَّاكِدِ] ثُمَّ يَغْتَسِلُ مِنْهُ»

''کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے کہ پھر اس میں غسل کرنا شروع کردے۔''[4]

[1] صحيح مسلم، المساجد مواضع الصلاة، باب النهي عن البصاق في المسجد، حديث: 553. [2] سنن أبي داود، الصلاة، باب الصلاة في النعل، حديث: 651،650، ومسند أحمد: 20/3. الموسوعة الحديثية کے محققین نے کہا: ''اس حدیث کی سند مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔'' محدثین نے اسے روایت کیا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 243/18، حديث: 11153) [3] سنن النسائي، الطهارة، باب الترغيب في السواك، حديث: 5. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، الوضوء، باب البول في الماء الدائم، حديث: 239،238، وصحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الراكد، حديث: 282.

اسوۂ حسنہ
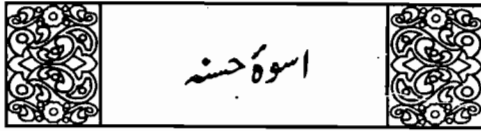
کھانے میں کوئی عیب نہ نکالا جائے

رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عالیہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ آپ ﷺ کوئی چیز پسند نہ کرتے تو اس سے احتراز کرتے اور کوئی تبصرہ نہ فرماتے۔

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا۔ اس پر صُفرہ (زرد رنگ کی خوشبو) کا نشان تھا۔ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے تھے مگر کسی کے منہ پر ایسی بات نہ کہتے جو اسے ناگوار گزرے۔ جب وہ اٹھ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا:

«لَوْ قُلْتُمْ لَهٗ: يَدَعُ هٰذِهِ الصُّفْرَةَ»

''تم اس سے کہہ دینا کہ صُفرہ استعمال نہ کیا کرے۔''[1]

دراصل صُفرہ عورتوں کی خوشبو تھی اور مرد کے لیے کسی بھی رنگدار خوشبو کا استعمال ممنوع ہے۔ مرد صرف بے رنگ خوشبو استعمال کر سکتا ہے۔

* ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا۔ پسند آتا تو کھا لیتے، اچھا نہ لگتا تو چھوڑ دیتے۔''[2]

* جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اہلِ خانہ سے سالن مانگا۔ انھوں نے کہا: ''سرکے کے سوا کچھ نہیں۔'' آپ نے وہی منگوا لیا۔ آپ کھاتے جاتے اور فرماتے

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في حسن العشرة، حديث: 4789، والشمائل للترمذي، حديث: 339، ومسند أحمد: 154/3و160. اس روایت کی سند صحیح ہے۔ [2] صحيح البخاري، الأطعمة، باب: ماعاب النبي ﷺ طعاماً، حديث:5409.

جاتے: ”بھئی! سرکہ اچھا سالن ہے۔ سرکہ اچھا سالن ہے۔“ [1]

* جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک ہنڈیا لائی گئی۔ اس میں مختلف قسم کی سبزیاں تھی۔ آپ نے ان کی بو محسوس کی۔ آپ نے پوچھا تو بتایا گیا کہ اس میں فلاں فلاں سبزی ہے۔ آپ نے فرمایا: ”یہ فلاں صحابی کو پیش کر دی جائے۔“ جب آپ نے دیکھا کہ وہ بھی یہ سالن کھانا ناپسند کر رہے ہیں تو فرمایا:

«كُلْ، فَإِنِّي أُنَاجِي مَنْ لَّا تُنَاجِي»

”تم کھا لو۔ میں اُس سے باتیں کرتا ہوں جس سے تم نہیں کرتے۔“ [2]

نبی کریم ﷺ کی شجاعت

* انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ اچھے اور سب سے زیادہ بہادر تھے۔ ایک رات مدینہ والوں میں گھبراہٹ پھیلی تو لوگ آواز کی جانب نکل بھاگے۔ راستے میں انھیں رسول اللہ ﷺ ملے۔ آپ ابوطلحہ کے گھوڑے کی ننگی پشت پر سوار تھے اور آواز والی جگہ کا معائنہ کر کے واپس آ رہے تھے۔ گلے میں تلوار حمائل تھی اور فرما رہے تھے: ”مت گھبراؤ، مت گھبراؤ۔“ پھر گھوڑے کے بارے میں فرمایا: ”بھئی! یہ تو سمندر (کی چال چلتا) ہے۔“ یا کہا: ”ہمیں تو یہ سمندر معلوم ہوا ہے۔“

راوی کا کہنا ہے کہ وہ گھوڑا اس سے پہلے بہت سست رفتار تھا۔ [3]

* علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”بدر کے دن جنگ چھڑی تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اوٹ میں

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب فضيلة الخل والتأدم به، حديث:2052. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب ماجاء في الثوم النّيء والبصل والكراث، حديث:855، وصحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثومًا أوبصلا......، حديث:564. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب الحمائل وتعليق السيف بالعنق، حديث:2908، وصحيح مسلم، الفضائل، باب شجاعته ﷺ، حديث:2307.

ہو کر اپنا بچاؤ کیا۔ زیادہ سے زیادہ جس قدر کوئی بہادر ہو سکتا ہے آپ اس سے بھی زیادہ بہادر تھے۔ جنگ میں آپ سے زیادہ مشرکین کے نزدیک اور کوئی نہیں تھا۔''

* انھی سے ایک دوسری روایت میں ہے: ''بدر کے دن میں نے دیکھا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اوٹ میں پناہ لیتے تھے۔ آپ ہم سب سے زیادہ دشمن کے قریب تھے۔ آپ بہادر ترین لوگوں میں سے تھے۔''

آپ گزشتہ اوراق میں بدر، اُحد اور حنین کے ابواب میں رسول اللہ ﷺ کی جرأت و بہادری کی تفصیل پڑھ چکے ہیں۔ یہ حقیقت محتاجِ وضاحت نہیں کہ ان مواقع پر صحابۂ کرام بڑی زبردست آزمائش میں تھے۔ [1]

وصفِ حیا

* ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ پردہ نشین کنواری عورت سے بھی بڑھ کر حیادار تھے۔ جب آپ کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھتے تو ہم آپ کے چہرے پر اس (ناگواری) کے اثرات دیکھ لیتے۔'' [2]

* آپ ﷺ نے حیا کے بارے میں فرمایا: ''حیا جب بھی آتی ہے خیر ہی خیر لاتی ہے۔'' [3]

* ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ ایک آدمی کے پاس سے گزرے، وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں ڈانٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا: ''تم اس قدر حیا کرتے ہو کہ اپنا حق بھی نہیں مانگ سکتے، یہ تمھیں نقصان پہنچائے گی۔''

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[1] الفتح الرباني: 36/21، ومسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 64/2، حديث: 654. ساعاتی اور احمد شاکر نے اس روایت کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2] صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3562. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، حديث: 6117.

«دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ» ''اسے چھوڑ دو، حیا تو ایمان کا جز ہے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ»

''پہلی نبوتوں کی جو باتیں لوگوں نے پائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے: جب تمھیں حیا نہ آئے تو جو چاہو کرو۔''[2]

* حق کی بات کرنے سے رسول اللہ ﷺ کوئی شرم و حیا محسوس نہیں کرتے تھے کیونکہ اس کا تعلق دین کے علم سے ہے۔ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''ام سلیم رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! واقعی اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔ اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! جب پانی دیکھے۔''[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چار چیزیں انبیاء کی سنت ہیں: حیا، خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔''[4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر دین کا ایک خلق (عادت) ہوتا ہے۔ اسلام کا خلق حیا ہے۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، حديث: 6118. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب: إذا لم تستح فاصنع ماشئت، حديث: 6120. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب ما لا يستحيا من الحق للتفقه في الدين، حديث: 6121. [4] جامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في فضل التزويج والحث عليه، حديث: 1080. یہ حدیث شواہد کی بنا پر جنھیں ترمذی نے نقل کیا ہے، حسن لغیرہ ہے۔ ومسند أحمد: 425/5. سیوطی نے اسے حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (الجامع الصغير، حديث: 919)

[5] سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحياء، حديث: 4182,4181. جامع الاصول کے محقق نے کہا: ''یہ حدیث اپنی سندوں کی بنا پر حسن ہے۔''

* رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے بھی حیا کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی تعریف آپ نے یوں فرمائی:

«اَلِاسْتِحْيَاءُ مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ : أَنْ تَحْفَظَ الرَّأْسَ وَمَا وَعٰى، وَالْبَطْنَ وَمَا حَوٰى، وَتَتَذَكَّرَ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى، وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ تَرَكَ زِينَةَ الدُّنْيَا، فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيٰى يَعْنِي مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ»

''اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا اصل حق یہ ہے کہ تم سَر اور جو کچھ اس نے یاد رکھا، پیٹ اور جو کچھ اس نے اپنے اندر ڈالا، اس کا خیال رکھو، موت اور بوسیدگی کو یاد رکھو، جو شخص آخرت کا طلبگار ہو وہ دنیوی زیب و زینت سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ جو شخص ایسا کرے اس نے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کا حق ادا کر دیا۔'' [1]

* نیز رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ایمان کی ساٹھ سے زائد شاخیں ہیں اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔'' [2]

* مزید فرمایا: ''جس چیز میں بے حیائی آجائے وہ عیب دار ہو جاتی ہے اور جس میں حیا آجائے وہ خوبصورت بن جاتی ہے۔'' [3]

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في بيان ما يقتضيه الاستحياء من الله حق الحياء، حديث: 2458. ترمذی نے کہا: ''یہ روایت غریب ہے۔'' والمستدرك للحاكم: 323/4. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ جامع الاصول کے محقق نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے: ''یہ اپنے شواہد کی بنا پر تقویت پاتی ہے۔'' [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب أمور الإيمان، حديث: 9، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان......، حديث: 35. یہ روایت بایں الفاظ بھی آئی ہے: ''ایمان کی ستر سے زائد شاخیں ہیں۔'' [3] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في الفحش والتفحش، حديث: 1974. ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الحياء، حديث: 4185، واللفظ له.

* عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ کو جب کسی شخص کے بارے میں ناگوار بات کی اطلاع ملتی تو آپ اس سے براہِ راست کوئی جواب طلب نہ کرتے کہ تم نے یہ کیوں کہا؟ بلکہ آپ بصیغۂ عام خطاب فرماتے: کیا وجہ ہے لوگ ایسی بات کہتے ہیں؟'' [1]

آسانی پیدا کرنے، نرمی اور بردباری کا ذکر

* ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو چیزوں میں اختیار دیا گیا آپ ﷺ نے آسان کو پسند کیا بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو۔ اگر وہ گناہ ہوتا تو سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور رہتے۔ [2] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا بہترین دین وہ ہے جو سب سے آسان ہو، تمھارا بہترین دین وہ ہے جو سب سے آسان ہو۔ تمھارا بہترین دین وہ ہے جو سب سے آسان ہو۔'' [3]

ایک اور روایت میں ارشادِ گرامی ہے: ''تم وہ امت ہو جس سے آسانی کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے۔'' [4]

* نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

«عَلِّمُوا وَيَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ، وَإِذَا غَضِبْتَ فَاسْكُتْ»

'' علم سکھاؤ اور آسانی پیدا کرو اور تنگی میں نہ ڈالو۔ جب تمھیں غصہ آئے تو

<< جامع الاصول کے محقق نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ انھوں نے اسے نقل کر کے احمد اور بخاری (الأدب المفرد) کا حوالہ دیا ہے۔ [1] صحيح الجامع الصغير للألباني: 5448، ومكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا: 70. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ: يسّروا ولا تعسّروا، حديث: 6126، وصحيح مسلم، الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام......، حديث: 2327. [3] مسند أحمد : 32/5. حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 94/1) [4] مسند أحمد: 32/5.

خاموش ہو جاؤ، جب تمھیں غصہ آئے تو خاموش ہو جاؤ، جب تمھیں غصہ آئے تو خاموش ہو جاؤ۔'' [1]

نیز فرمایا: ''ہر نرم مزاج، نرم خو جو لوگوں کے قریب ہو وہ آگ پر حرام کر دیا گیا ہے۔'' [2]

مزید فرمایا: ''ایک آدمی حق دینے اور لینے میں نرم مزاجی کی وجہ سے جنت میں چلا گیا۔'' [3]

* رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو خرید و فروخت اور اپنا حق طلب کرتے وقت نرمی اختیار کرتا ہے۔'' [4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی تنگ دست کو مہلت دی یا اسے سرے سے معاف کر دیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے اپنے سائے تلے جگہ دے گا۔'' [5]

* نیز فرمایا: ''جسے پسند ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے روزِ قیامت کے کرب سے نجات دے، وہ دنیا میں کسی تنگ دست کو سہولت مہیا کرے یا معاف ہی کر دے۔'' [6]

* مزید فرمایا: ''آسانی پیدا کرو، تنگی میں نہ ڈالو، پرسکون رکھو اور متنفر نہ کرو۔'' [7]

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اسے مارنے کو دوڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کچھ نہ کہو، اس کے پیشاب پر پانی کا

---

[1] مسند أحمد: 239/1 و 283، حديث: 2136 و 2556. محدث احمد شاکر نے کہا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' [2] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب فضل كل قريب هين سهل......، حديث: 2488. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔'' ومسند أحمد: 415/1 واللفظ له. محدث احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3] مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 160/11. احمد شاکر نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع......، حديث: 2076. [5] صحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، حديث: 3006. [6] صحيح مسلم، المساقاة، باب فضل إنظار المعسر......، حديث: 1563. [7] صحيح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ: يسروا ولا تعسروا، حديث: 6125.

ایک ڈول بہا دو۔ تم صرف آسانی پیدا کرنے کے لیے مبعوث کیے گئے ہو، تنگی ڈالنے کے لیے نہیں۔'' [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ ہر خیر سے محروم ہے۔'' [2]

* ایک روایت میں ہے: ''اللہ تعالیٰ بہت نرم ہے۔ نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی پر وہ کچھ دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور کسی بھی اور خوبی پر وہ کچھ عطا نہیں کرتا جو نرمی پر عطا کرتا ہے۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نرمی جس چیز میں بھی ہو اسے مزین کر دیتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکال دی جائے اسے عیب دار کر دیتی ہے۔'' [4]

* عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے۔ ان کے پاس ایک عورت بیٹھی تھی۔ پوچھا: ''یہ کون ہے؟'' انھوں نے بتایا: ''یہ فلاں عورت ہے، اس کی نفل نماز کا بہت شہرہ ہے۔''...... فرمایا: ''بس کرو۔ نفلی عبادت اس قدر اختیار کرو جتنی تم طاقت رکھتے ہو۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا حتی کہ تم اکتا جاؤ گے۔ اللہ کو وہی عبادت سب سے زیادہ پسند ہے جس کا کرنے والا اسے ہمیشہ کرتا رہے۔'' [5]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بزرگ آدمی کو دیکھا جسے اس کے دو بیٹے سہارا دے کر بمشکل چلا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دریافت کیا: ''انھیں کیا ہوا؟'' لوگ کہنے لگے: ''انھوں نے نذر مانی تھی کہ پیدل حج کو جائیں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو ہرگز ضرورت نہیں کہ یہ اپنے آپ کو عذاب میں ڈالیں۔'' پھر آپ نے

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ: يسروا ولا تعسروا، حديث: 6128.
[2] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل الرفق، حديث: 2592. [3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل الرفق، حديث: 2593. [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل الرفق، حديث: 2594. [5] صحيح البخاري، الإيمان، باب: أحب الدين إلى الله أدومه، حديث: 43.

اس بزرگ کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ [1]

معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ ایک آدمی کو چھینک آئی۔ میں نے کہا: «يَرْحَمُكَ اللّٰهُ»، لوگ مجھے گھورنے لگے۔ میں نے کہا: ''ہائے! میری ماں مجھے نہ پائے (میں مر جاؤں) میں نے کون سا جرم کیا ہے جو تم مجھے یوں گھور رہے ہو۔'' لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے۔ میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے چپ کرا رہے ہیں۔ خیر میں چپ ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ میں نے آپ سے پہلے اور بعد میں آپ سے بہتر کوئی معلّم نہیں دیکھا۔ اللہ کی قسم! نہ آپ نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا، نہ برا کہا بلکہ فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِّنْ كَلَامِ النَّاسِ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ»

''نماز میں کوئی بات کرنا درست نہیں۔ نماز تو تسبیح و تکبیر اور قرآن کی قراءت کا نام ہے۔'' [2]

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے شراب پی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کہا: ''اِسے مارو۔'' کوئی اسے ہاتھوں سے مارنے لگا، کوئی جوتے سے، کوئی کپڑے سے۔ جب وہ جانے لگا تو ایک آدمی نے کہا: ''اللہ تجھے رسوا کرے!'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایسا نہ کہو اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو بلکہ کہو: اللہ تجھ پر رحم کرے۔'' [3]

[1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب من نذر المشي إلى الكعبة، حديث: 1865، و صحيح مسلم، النذر، باب من نذر أن يمشي إلى الكعبة، حديث: 1642. [2] صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب تحريم الكلام في الصلاة......، حديث: 537. [3] صحيح البخاري،»

ایک آدمی آپ کے پاس حاضر ہوا۔ وہ رمضان المبارک کے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کر بیٹھا تھا اور اب نادم تھا۔ اس کے پاس کفارہ ادا کرنے کے لیے بھی کوئی چیز نہ تھی۔ آپ نے صدقہ کرنے کے لیے اسے بیت المال سے ایک کھجوروں بھرا ٹوکرا دیا تو وہ کہنے لگا: ''بھلا کوئی ہم سے بڑھ کر بھی فقیر ہے۔'' نبی کریم ﷺ کو ہنسی آگئی حتی کہ آپ کی ابتدائی داڑھیں نظر آنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اپنے گھر والوں ہی کو کھلا دو۔''[1]

* حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نماز کو آئے تو دیکھا کہ رسولِ اکرم ﷺ رکوع میں ہیں۔ انھوں نے صف میں پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر دیا، پھر اسی حالت میں چل کر صف میں شامل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے نماز پوری کی تو فرمایا: ''اللہ تعالیٰ تمھاری نیکی کی حرص میں اضافہ فرمائے۔ دوبارہ ایسا نہ کرنا۔''[2]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ایک بیوی، میرا خیال ہے عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر بیٹھے تھے کہ کسی دوسری ام المومنین نے اپنے نوکر کو ایک پیالہ یا پلیٹ دے کر بھیجا۔ اس میں کچھ کھانا تھا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نوکر کے ہاتھ پر ہاتھ مارا تو پیالہ گر کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«غَارَتْ أُمُّكُمْ» ''تمھاری ماں کو غیرت آگئی ہے۔''

پھر دونوں ٹکڑے جوڑ کر اس میں دوبارہ کھانا ڈالا اور فرمایا: ''کھاؤ۔'' سب نے مل کر کھایا۔ آپ نے خادم کو روک لیا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے ٹوٹا ہوا پیالہ

الحدود، باب الضرب بالجريد والنعال، حديث: 6777، و مسند أحمد: 300/2، واللفظ له.

[1] صحيح البخاري، كفارات الأيمان، باب متى تجب الكفارة على الغنيّ والفقير؟......، حديث: 6709، وصحيح مسلم، الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان على الصائم......، حديث: 1111. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب: إذا ركع دون الصفّ، حديث: 783.

رکھ لیا اور خادم کو دوسرا صحیح پیالہ دے کر رخصت کیا۔ [1]

* ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک قریشی نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دیجیے۔'' لوگ اسے ڈانٹنے اور برا بھلا کہنے لگے: ''چپ رہ، خاموش ہو جا!'' لیکن آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''قریب آجاؤ۔'' وہ آپ کے بالکل قریب آگیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی تمھاری ماں کے ساتھ ایسا کرے؟'' وہ بولا: ''نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسی طرح کوئی بھی اپنی ماں کے ساتھ یہ سلوک پسند نہیں کرے گا۔'' پھر آپ نے اس کی دیگر رشتہ دار عورتوں بہن، بیٹی، پھوپھی، خالہ میں سے ایک ایک رشتے کا حوالہ دے کر یہی پوچھا۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس کے کندھے پر رکھ کر دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ ذَنْبَهُ وَطَهِّرْ قَلْبَهُ وَحَصِّنْ فَرْجَهُ»

''اے اللہ! اس کا گناہ معاف فرما دے، اس کا دل پاکیزہ بنادے اور اس کی شرمگاہ محفوظ کردے۔''

اس کے بعد وہ نوجوان کبھی اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا تھا۔ [2]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دورانِ نماز کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو چھوٹی اور ہلکی سورت کی قراءت کرتے۔ [3]

* ابو ہریرہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ہمیں

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الغيرة، حديث: 5225. [2] مسند أحمد: 257/5، ومجمع الزوائد: 129/1. ہیثمی نے کہا: ''اسے احمد اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے۔ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 470، و مسند أحمد: 156/3.

صبح کی نماز پڑھائی۔آپ نے ایک بچے کے رونے کی آواز سنی تو نماز مختصر کر دی۔ پوچھا گیا: ”اے اللہ کے رسول! آج تو آپ نے نماز مختصر کر دی ہے۔“ فرمایا: ”مجھے ایک بچے کے رونے کی آواز سنائی دی۔ مجھے خطرہ ہوا کہ وہ اپنی ماں کو نماز سے ہٹا دے گا۔“[1]

* مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: رسول اللہ ﷺ نہایت مہربان اور نرم خو تھے۔ ہم آپ کے پاس بیس دن ٹھہرے۔ آپ ﷺ سمجھ گئے کہ ہمیں گھر بار یاد آنے لگا ہے۔ آپ ﷺ نے ہم سے ہمارے اہل خانہ کے متعلق جنھیں ہم چھوڑ آئے تھے، پوچھا۔ ہم نے بتایا تو آپ نے فرمایا: ”تم اپنے گھر والوں کے ہاں لوٹ جاؤ اور اُن کے پاس ٹھہرو۔“[2]

* انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”ایک دفعہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ نے نجران کی بنی ہوئی موٹے کنارے والی ایک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ ایک اعرابی آپ سے ملا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر بڑے زور سے کھینچی۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی گردن کے ایک پہلو پر چادر کے کنارے کی رگڑ سے نشان پڑ چکا ہے، پھر اس نے کہا: ”اللہ نے جو مال تجھے دے رکھا ہے اس سے مجھے بھی کچھ دے۔“ آپ نے مڑ کر اسے دیکھا، مسکرائے اور پھر اسے کچھ دینے کا حکم فرمایا۔[3]

[1] اس حدیث کو ابو الشیخ نے جس سند سے روایت کیا اسے محقق صنابجی نے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ: 168/1) ابو الشیخ نے لکھا: ”لیکن قریب قریب اسی مضمون کی حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے آئی ہے۔“ دیکھیے: (صحيح البخاري، حديث: 708، وصحيح مسلم، حديث: 470، و سنن النسائي، حديث: 826) صحیح بخاری کے الفاظ ہیں: ”میں نے کبھی کسی امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھی جو نماز کو نبی ﷺ سے بڑھ کر ہلکی اور کما حقہ پڑھنے والا ہو۔ آپ بچے کے رونے کی آواز سنتے تو اس ڈر سے نماز ہلکی کر دیتے کہ وہ اپنی ماں کو نماز سے ہٹا دے گا۔“
[2] صحيح البخاري، الأذان، باب الأذان للمسافرين......، حديث: 631، وصحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب من أحق بالإمامة، حديث: 674. [3] صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ما كان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم......، حديث: 3149.

* عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چٹائی تھی۔ رات کو آپ اس سے ایک حجرہ سا بنا لیتے اور اس میں نماز پڑھتے۔ دن کو اسے بچھا لیتے تھے۔ لوگ بھی آپ کی اقتدا میں نماز پڑھنے لگے۔ ایک رات بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! (نفلی) اعمال اتنے کرو جتنی طاقت رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نہیں اکتائے گا حتی کہ تم اکتا جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس کی پابندی کی جائے چاہے وہ کم ہی ہو۔''

* آلِ محمد ﷺ کا دستور تھا کہ جب وہ کوئی نفلی عمل کرتے تو اسے ثابت قدمی سے کرتے رہتے۔[1]

* عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ صفیہ رضی اللہ عنہا سے اکثر معذرت کرتے ہوئے کہا کرتے: ''صفیہ! تمھارا والد میرے خلاف عربوں کو اکٹھا کر لایا تھا (ورنہ میں اسے کچھ نہ کہتا۔)'' آپ ﷺ اسی طرح معذرت کرتے رہے حتی کہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے دل سے صدمہ جاتا رہا۔[2]

* عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے ایک وسق (تقریباً 3 من) عجوہ کھجور کے بدلے میں ایک اونٹنی یا کچھ اونٹ خریدے۔ آپ اسے گھر لے کر آئے تاکہ اسے کھجوریں دے دیں۔ کھجوریں نہ مل سکیں۔ آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ''اللہ کے بندے! ہم نے تم سے اونٹنی یا کچھ اونٹ ایک وسق عجوہ کھجور کے عوض خریدے تھے مگر کھجوریں نہیں مل سکیں (لہٰذا سودا منسوخ سمجھو۔)'' اعرابی کہنے لگا: ''ہائے! اتنی بڑی وعدہ

[1] صحیح البخاري، اللّباس، باب الجلوس علی الحصیر ونحوه، حدیث: 5861، وصحیح مسلم، صلاة المسافرین وقصرها، باب فضیلة العمل الدائم من قیام اللّیل وغیره، حدیث: 782، واللفظ له. [2] أخلاق النبيﷺ لأبي الشیخ، ص: 73، حدیث: 161. محقق کے مطابق روایت کی سند صحیح ہے۔ محقق نے کہا: ''اسے ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے صفیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اسی مضمون کے ساتھ روایت کیا ہے۔'' وکنز العمال: 637/13، حدیث: 37609، و مجمع الزوائد: 15/1.

خلافی!'' لوگوں نے اسے ڈانٹا: ''اللہ تجھے تباہ کرے! کیا اللہ کے رسول ﷺ وعدہ خلافی کیا کرتے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کچھ نہ کہو۔ جسے حق لینا ہو اُسے بات کرنے کا حق ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس اعرابی سے دوبارہ وہی معذرت کی۔ اس نے پھر وہی جواب دیا۔ صحابہ نے پھر اسے ڈانٹا۔ آپ نے دیکھا کہ وہ معذرت قبول کرنے پر آمادہ نہیں تو آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: ''خویلہ بنت حکیم بن امیہ کے پاس جاؤ اور کہو: اللہ کے رسول (ﷺ) کہتے ہیں کہ اگر تمھارے پاس ایک وسق کھجور ہے تو ہمیں اُدھار دے دو۔ ہم اِن شاء اللہ عنقریب ادا کر دیں گے۔'' صحابی ان کے پاس گئے اور واپس آکر بتایا کہ وہ کہتی ہیں: ''ٹھیک ہے۔ آپ کسی آدمی کو بھیجیں، وہ کھجور لے جائے۔'' آپ نے اسی صحابی سے کہا: ''اس اعرابی کو لے جاؤ اور ناپ کر پوری کھجور دے دو۔'' وہ صحابی اسے لے گئے اور ناپ کر پوری کھجوریں دے دیں، پھر جب وہ اعرابی آپ کے پاس سے گزرا جبکہ آپ ﷺ صحابہ کے درمیان بیٹھے تھے۔ اس نے کہا: ''اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے پورا پورا معاوضہ ادا کیا ہے اور بہت اچھا مال دیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین بندے وہی ہوں گے جو لوگوں کو ان کا حق پورا پورا ادا کریں اور بہترین مال دیں۔''[1]

* عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک اعرابی اپنی اونٹنی پر سوار مدینہ منورہ آیا۔ اس نے اونٹنی مسجد کے دروازے کے پاس بٹھا دی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں حمزہ رضی اللہ عنہ چند مہاجرین و انصار کے ساتھ بیٹھے تھے۔ ان میں

[1] مسند أحمد: 268/6. ہیثمی نے لکھا: ''احمد کی سند صحیح ہے۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 140/4) الموسوعة الحديثية کے محققین نے بھی اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 337/43-339، حديث: 26312) دیگر نے بالاختصار روایت کیا ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، الاستقراض، باب استقراض الإبل، حديث: 2390، وصحيح مسلم، المساقاة، باب جواز اقتراض الحيوان......، حديث: 1601)

نُعَیمان نامی ایک صحابی بھی تھے۔ ساتھی انھیں کہنے لگے: ''نعیمان! افسوس تجھ پر! دیکھ کیسی موٹی تازی اونٹنی ہے۔ اگر تو اسے ذبح کر دے تو کیا ہی خوب ہو! ہمارا گوشت کھانے کو بڑا جی چاہ رہا ہے۔ اگر تو ایسا کر دے تو رسول اللہ ﷺ خود ہی اس کی قیمت ادا کر دیں گے اور ہمیں مفت میں کھانے کو گوشت مل جائے گا۔'' نعیمان کہنے لگے: ''اگر میں نے ایسا کیا اور تم نے رسول اللہ ﷺ کو بتا دیا تو رسول اللہ ﷺ مجھ سے ناراض ہوں گے۔'' انھوں نے کہا: ''ہم ایسا نہیں کریں گے۔'' نعیمان اٹھے، اونٹنی کے سینے کے گڑھے میں نیزہ مارا اور بھاگ گئے۔ راستے میں مقداد بن عمرو ملے۔ انھوں نے ایک گڑھا کھودا تھا اور وہ اس میں سے مٹی نکال رہے تھے۔ یہ اُن سے کہنے لگے: ''مجھے اس گڑھے میں چھپا دو۔ اوپر کوئی چیز ڈال دو اور کسی کو میرے بارے میں کچھ نہ بتانا میں ایک شرارت کر آیا ہوں۔'' انھوں نے اسی طرح کیا۔ اُدھر اعرابی باہر نکلا، اونٹنی کو شدید زخمی دیکھا تو چیخنے چلانے لگا۔ نبیِ کریم ﷺ باہر تشریف لائے، فرمایا: ''ایسا کس نے کیا؟'' صحابہ نے کہا: ''نعیمان نے۔'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اب وہ کدھر گیا؟'' رسول اللہ ﷺ حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کے ساتھ ان کی تلاش میں نکلے۔ مقداد کے پاس سے گزرے۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''نعیمان کو اِدھر کہیں دیکھا ہے؟'' وہ چپ ہو رہے۔ آپ نے ذرا سختی سے فرمایا: ''ضرور بتاؤ وہ کدھر ہے؟'' انھوں نے کہا: ''مجھے تو اس کا علم نہیں۔'' ساتھ ہی اس گڑھے کی طرف اشارہ بھی کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے گڑھے کو ننگا کیا اور فرمایا: ''او اپنی جان کے دشمن! تو نے ایسا کیوں کیا؟'' کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا دین دے کر بھیجا! مجھے حمزہ اور ان کے ساتھیوں نے ایسا کرنے کو کہا تھا۔ اور انھوں نے یہ یہ بات بھی کہی تھی۔'' رسول اللہ ﷺ نے اعرابی کو اس اونٹنی کی قیمت دے کر راضی کر دیا اور صحابہ سے فرمایا: ''جاؤ اونٹنی کا جو چاہو کرو۔'' پھر سب نے مل کر گوشت کھایا۔

اس کے بعد جب کبھی آپ ﷺ کو نعیمان کی یہ شرارت یاد آتی تو آپ ﷺ ہنس

پڑتے اور آپ کی ابتدائی ڈاڑھیں نظر آنے لگتیں [1] (جو کبھی کبھار ہی نظر آتی تھیں۔)

* سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گھر آنے کی اجازت طلب کی۔ آپ کے پاس کچھ قریشی عورتیں بیٹھی اونچی آواز سے آپ سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ آپ سے کوئی مطالبہ کر رہی تھیں۔ جب انھوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی آواز سُنی تو اٹھ کر پردے کی طرف بھاگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر کو اجازت دی۔ وہ داخل ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے نظر آئے۔ عمر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے! کیا بات ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''مجھے ان عورتوں پر تعجب ہوا جو ابھی میرے پاس بیٹھی بلند آہنگی سے بول رہی تھیں۔ جب انھوں نے تیری آواز سنی تو فوراً پردے میں جا چھپیں۔'' عمر بولے: ''اے اللہ کے رسول! انھیں آپ سے ڈرنا چاہیے تھا۔'' پھر عمر رضی اللہ عنہ نے ان عورتوں سے مخاطب ہو کر کہا: ''او اپنی جان کی دشمنو! تم مجھ سے ڈرتی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ڈرتیں؟'' وہ بولیں: ''ہاں! آپ بہت سخت طبیعت اور دُرشت ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واہ! ابن خطاب! قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! انسان تو انسان اگر کسی راستے پر شیطان بھی تجھے دیکھ لے تو وہ بھی اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔'' [2]

* آپ کے تحمل اور نرمی سے منافقین بھی برابر مستفید ہوتے تھے۔ آپ گذشتہ اوراق میں واقعۂ افک کے موقع پر عبداللہ بن ابی کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ اخلاق کا حال

[1] أخلاق النبي ﷺ وآدابه لأبي الشيخ، ص: 83، حديث: 180. محقق کا کہنا ہے: ''یہ روایت مرسل ہے۔'' اس میں ابن اسحاق کی تدلیس ہے اور انھوں نے اسے عن عن سے بیان کیا ہے۔ اس میں ایک راوی کو میں نہیں جانتا۔ زبیر بن بکار نے اس واقعے کا ذکر اپنی کتاب الفکاهة والمزاح میں کیا ہے۔ ابن حجر نے اس کا ذکر نعیمان کے حالات میں کیا ہے، دیکھیے: (الإصابة: 570/3)

[2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب عمر بن الخطاب رضي الله عنه، حديث: 3683و6085، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضي الله عنه، حديث: 2396.

پڑھ آئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ فوت ہونے والے منافقین کا جنازہ بھی پڑھا دیا کرتے حتی کہ آپ کو من جانب اللہ اس سے روک دیا گیا۔

* روایت ہے کہ عبداللہ بن ابی کی وفات پر اس کے مخلص بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے والد کو کفن دینے کے لیے آپ کی قمیص مبارک مانگی۔ آپ ﷺ نے اپنی قمیص عطا کر دی تا کہ اس میں زعیم المنافقین عبداللہ بن ابی کو کفن دیا جائے، پھر جب انھوں نے آپ سے جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ جنازہ پڑھانے کے لیے جا کھڑے ہوئے۔ عمر رضی اللہ عنہ آئے اور آپ کی چادر پکڑ کر کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ اس کا جنازہ پڑھاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس کا جنازہ پڑھانے سے روکا ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللّٰهُ، فَقَالَ: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴾، وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ»

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا ہے کہ ''تو ان کے لیے مغفرت طلب کرے یا نہ کرے، اگر تو ستر بار بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرے، اللہ انھیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔'' میں ستر بار سے بھی زیادہ مغفرت طلب کروں گا۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ منافق ہے۔'' لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ ﴾

''ان (منافقین) میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس کا جنازہ نہ پڑھ اور نہ اس کی قبر پر (دعائے مغفرت کے لیے) ٹھہر۔''[1]

[1] التوبة 84:9. صحيح البخاري، التفسير، سورة براءة، باب قوله: ﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ...... ﴾، حديث: 4670-4672، وصحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين

* نبیِ کریم ﷺ کی نرمی اور بردباری اپنے ذاتی حقوق کی حد تک یہود کے ساتھ بھی قائم تھی، مثلاً: یہود کا ایک بہت بڑا عالم زید بن سعنہ آپ کی خدمت میں اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کرنے آیا۔ اس نے آپ ﷺ کی قمیص کا گریبان اور چادر پکڑ کر آپ ﷺ کو زور سے کھینچا، بڑے سخت الفاظ استعمال کیے اور بڑے درشت چہرے کے ساتھ آپ ﷺ کو دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا: ''اے محمد! کیا تو مجھے میرا حق نہیں دے گا؟ تم، عبدالمطلب کے خاندان والے ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیتے ہو۔'' وہ اسی طرح زبان درازی کرتا رہا۔ یہ دیکھ کر عمر رضی اللہ عنہ کو بڑا طیش آیا، انھوں نے بے پناہ غصے کے عالم میں اسے دیکھا، ان کی آنکھیں بھنور میں کشتی کے مانند گھوم رہی تھیں۔ وہ سختی سے بولے: ''او اللہ کے دشمن! تو میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ سے یہ بدسلوکی اور بکواس کر رہا ہے؟ اللہ کی قسم جس نے انھیں سچا نبی بنا کر بھیجا! اگر مجھے ان کی سرزنش کا ڈر نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔'' رسول اللہ ﷺ نے عمر کو بڑے سکون اور تحمل سے دیکھا، پھر آپ مسکرائے اور فرمایا: ''عمر! یہ اور میں آپ سے ایک اور سلوک کے مستحق تھے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ آپ مجھے اچھے طریقے سے قرض واپس کرنے اور اسے بھلے انداز سے قرض واپس مانگنے کو کہتے۔ اب اسے لے جائیں اور اس کا حق ادا کریں۔ آپ نے اسے دھمکیاں دے کر خوفزدہ کیا ہے، اس لیے اسے مزید بیس صاع (تقریباً ایک من) کھجوریں دے دیں۔'' رسول اللہ ﷺ کا یہ کریمانہ اخلاق دیکھ کر یہودی عالم بے ساختہ پکار اٹھا: «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ» ''میں گواہی دیتا ہوں، بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں، بے شک محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔'' زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ اس واقعے سے قبل کہا کرتے تھے کہ میں محمد ﷺ کے چہرۂ انور میں نبوت کی تمام علامات پہچان چکا ہوں۔ صرف دو نشانیاں باقی ہیں جن کا مجھے ابھی تک پتہ نہیں چلا۔

« وأحكامهم، حديث:2774.

آپ کا تحمل آپ کے غصے پر غالب ہوگا اور مخالف کے غصے اور جہالت سے آپ کے تحمل میں اضافہ ہی ہوگا۔"[1]

* آپ کے تحمل و نرمی کا شجر ان افراد پر بھی سایہ فگن رہا جن کی تالیفِ قلب کی گئی۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے سونے کی ایک ڈلی رنگے ہوئے چمڑے میں لپیٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ارسال کی جس سے مٹی نہ جھاڑی گئی تھی۔ وہ سونے کی ڈلی آپ ﷺ نے چار اشخاص میں تقسیم کر دی: عیینہ بن حصن فزاری، اقرع بن حابس تمیمی، زید الخیر، علقمہ یا عامر بن طفیل۔ آپ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی نے کہا: "ہم اس سونے کے ان سے بڑھ کر حقدار تھے۔" یہ بات آپ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَأْمَنُونِي وَأَنَا أَمِينُ مَنْ فِي السَّمَاءِ، يَأْتِينِي خَبَرُ السَّمَاءِ صَبَاحًا وَّمَسَاءً؟»

"کیا تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے جبکہ میں اس کا امین ہوں جو آسمان میں ہے، میرے پاس صبح و شام آسمان سے وحی آتی ہے؟"

ایک آدمی کھڑا ہوا۔ اس کی آنکھیں گہری، رخسار ابھرے ہوئے، ماتھا اٹھا ہوا اور سر منڈا ہوا تھا۔ اس کی ڈاڑھی گھنی تھی اور اس نے اپنا تہبند پنڈلیوں تک اٹھا رکھا تھا۔ اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! اللہ سے ڈریے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] المستدرك للحاكم: 604/3. حاکم نے کہا: "یہ روایت صحیح الإسناد ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔ یہ نمایاں احادیث میں سے ہے۔" صحیح ابن حبان (موارد الظمآن)، حدیث: 2105، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 8، حدیث: 179. محقق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ ہیثمی نے لکھا: "اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔" دیکھیے: (مجمع الزوائد: 240/8)

«وَيْلَكَ! أَوَلَسْتُ أَحَقَّ أَهْلِ الْأَرْضِ أَنْ يَتَّقِيَ اللّٰهَ؟»

''تو تباہ ہو! کیا میں رسول ہونے کے ناتے تم سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں؟''

وہ شخص وہاں سے چل دیا۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں اس کی گردن نہ اتار دوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں! ہو سکتا ہے وہ نماز پڑھتا ہو۔'' خالد نے کہا: ''کتنے ہی ایسے نمازی ہیں جو زبان سے کچھ کہتے ہیں اور ان کے دل میں کچھ ہوتا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ قُلُوبَ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ»

''مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا کہ میں لوگوں کے دل چیر کر یا پیٹ پھاڑ کر دیکھوں۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جاتے ہوئے دیکھا اور فرمایا: ''اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب بڑے اچھے انداز سے پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گی۔ وہ دین سے یوں گزر جائیں گے جس طرح تیر اپنے شکار سے صاف گزر جاتا ہے (اسے خون تک نہیں لگتا، اسی طرح یہ لوگ دیندار ہونے کے باوجود دین کی سمجھ سے بے بہرہ ہوں گے۔)'' میرا خیال ہے آپ نے یہ بھی فرمایا: ''اگر میری زندگی میں ان کا ظہور ہو گیا تو میں انھیں اسی طرح قتل کروں گا جس طرح ثمود کو ملیامیٹ کر دیا گیا۔''[1]

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لین دین میں نرمی برتنے والوں کے حق میں خصوصی دعا فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو خرید و فروخت اور اپنا حق طلب کرنے میں، ایک روایت کے مطابق، کسی کا حق ادا کرنے میں نرم خو ہو۔''[2]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: بعث علي بن أبي طالب وخالد بن الوليد رضي الله عنه إلى اليمن......، حديث: 4351، وصحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، حديث: 1064.

[2] صحيح البخاري، البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع......، حديث: 2076.

* رسول اللہ ﷺ نے تجارت میں نرمی اور سخاوت برتنے کے نتائج بھی بیان کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک تاجر لوگوں سے لین دین کیا کرتا تھا۔ جب اس کا واسطہ کسی تنگ دست سے پڑتا تو وہ اپنے نوکروں سے کہتا: اسے معاف کر دو۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف فرما دے۔ فی الواقع اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔''[1]
* آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا کرے گا۔''[2]
* کسی مسلمان کو لوگ عاجز و لاچار کہیں تو اسے اپنی نسبت یہ بات صبر سے سن لینی چاہیے اور راضی برضا رہنا چاہیے۔ صبر وتحمل کی یہ خوبی اس بات سے بدر جہا بہتر ہے کہ وہ بات بات پر جھگڑا کرے، بدکلامی کا مظاہرہ کرے اور اپنی ضد پر اڑ جائے۔
* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم پر ایک زمانہ آئے گا جس میں انسان کو لاچاری اور گناہ میں اختیار دیا جائے گا۔ جو یہ زمانہ پائے وہ گناہ کے بجائے لاچاری کو اختیار کرے۔''[3]
* رسول اللہ ﷺ نے ضد بازی سے منع کیا ہے جس سے جھگڑے اور تنازعات پیدا ہوتے ہیں۔ فرمایا:

«أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ»

''اللہ تعالیٰ کو وہ شخص سب سے زیادہ ناپسند ہے جو نہایت ہٹ دھرم اور جھگڑالو ہو۔''[4]

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب من أنظر معسرًا، حديث: 2078. [2] صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، حديث: 2699. [3] الموسوعة الحديثية: 169/13، حديث: 7744، ومسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 166/14، حديث: 7730. روایت کی سند ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے شیخ کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حاکم نے اس مجہول شیخ کا نام سعید بن ابی خیرہ بتایا ہے۔ تاہم اسے ابن حبان کے سوا کسی محدث نے ثقہ نہیں کہا۔ ابن حبان لوگوں کو ثقہ قرار دینے میں سہولت پسند واقع ہوئے ہیں۔ ان کی توثیق کا، جبکہ کوئی اور محدث ان کی تائید نہ کرے کوئی اعتبار نہیں۔ [4] صحيح البخاري، الأحكام، الألدّ الخصم......، حديث: 7188.

* جھگڑا جھوٹ کا سبب بنتا ہے اور یہ سخاوت، نرمی اور معافی جیسے اوصاف کے منافی ہے اور سخاوت ونرمی ایمان کا حصہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْإِیمَانُ : الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ» ”ایمان صبر اورنرم خوئی کا نام ہے۔“ [1]

صلہ رحمی کی نصیحت

* رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، مثلاً: آپ ﷺ نے فرمایا: ”قیامت کے دن ہر رشتہ داری انسان کے سامنے آئے گی۔ اگراس نے اس رشتہ داری کو جوڑا ہوگا تو وہ اس کے حق میں صلہ رحمی کی گواہی دے گی اوراگر اس نے رشتہ داری کو کاٹا ہوگا تو وہ اس کے خلاف قطع رحمی کی شہادت دے گی۔“ [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ»

”سب سے بڑا حسن سلوک یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے والد کے دوستوں سے اچھا سلوک کرے۔“ [3]

* ایک آدمی نے نبی ﷺ سے گزارش کی: ”کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے جنت میں پہنچا دے۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم کرو، زکاۃ ادا کرو اور رشتے داری ملاؤ۔“ [4]

[1] صحيح الجامع للألباني، حديث:2795. [2] الأدب المفرد:1/156، حديث:73. سند کے راوی ثقہ ہیں۔ والمستدرك للحاكم: 4/161. حاکم نے کہا: ”یہ روایت بخاری ومسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔“ ذہبی نے حاکم سے اتفاق کیا ہے۔ [3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم، حديث:2552. [4] صحيح البخاري، الزكاة، باب وجوب الزكاة، حديث: 1396، و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان الذي يدخل به الجنة......، حديث: 14.

* نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کسی قوم کے گھروں کو آباد رکھتا ہے اور ان کے مالوں میں برکت دیتا ہے، حالانکہ وہ اسے اس قدر ناپسند ہیں کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے انھیں پیدا کیا ہے ان کی طرف نہیں دیکھا۔'' صحابہ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! پھر ان پر یہ احسانات کیوں ہوتے ہیں؟'' فرمایا: ''ان کی صلہ رحمی کی خوبی کی وجہ سے۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''رشتہ داری ایک شاخ ہے جس نے عرشِ الٰہی کو پکڑ رکھا ہے اور وہ فصیح زبان سے کہہ رہی ہے: اے اللہ! جو مجھے جوڑے تو اسے جوڑ اور جو مجھے توڑے تو اسے توڑ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں رحمان و رحیم ہوں۔ میں نے رشتے داری (رحم) کا نام اپنے نام سے مشتق کیا ہے۔ جو اسے جوڑے گا میں اسے جوڑوں گا اور جو اسے توڑے گا میں اسے توڑوں گا۔''[2]

* رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کر کے فارغ ہوا تو رشتے داری اٹھ کھڑی ہوئی۔ کہنے لگی: ''میں قطع رحمی سے تیری پناہ چاہتی ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔ کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے توڑے میں اسے توڑوں؟'' رشتے داری نے کہا: ''میرے رب کریم! میں راضی ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے یہ بات تیرے لیے ٹھہری۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چاہو تو یہ آیات پڑھ لو:

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ○ أُولَٰئِكَ

---

[1] المستدرك للحاكم: 161/4. حاکم نے کہا: ''صحیح غریب ہے۔'' ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ہیثمی نے لکھا: ''اسے طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 159/8)

[2] مجمع الزوائد: 151/8. ہیثمی نے لکھا: ''اسے بزار نے روایت کیا اور اس کی سند حسن ہے۔ اس حدیث کی اصل بخاری میں ہے۔'' دیکھیے: (صحيح البخاري، الأدب، باب من وصل وصله الله، حديث: 5988، والأدب المفرد: 32/1-34، حديث: 53-55)

﴿الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ۝ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝﴾

''کیا ایسا تو نہیں کہ اگر تمھیں حکومت مل جائے تو تم زمین میں فساد کرو اور اپنی رشتے داریاں توڑ دو۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور اس نے انھیں بہرا اور ان کی نگاہوں کو اندھا کر دیا۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے ہیں۔''[1]

* ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے میرے خلیل ﷺ نے وصیت کی کہ تمھیں اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ اور مجھے صلہ رحمی کی نصیحت فرمائی، چاہے مجھ سے قطع رحمی کی جائے۔''[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسکین پر صدقہ کرنا ایک صدقہ (نیکی) ہے لیکن رشتے دار پر صدقہ کرنا دو (نیکیاں) ہیں: صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔''[3]

* آپ ﷺ نے فرمایا: ''رشتے داری عرش کے ساتھ معلق ہے، وہ کہہ رہی ہے: ''جو مجھے جوڑے اللہ تعالیٰ اسے جوڑے اور جو مجھے توڑے اللہ تعالیٰ اسے توڑے۔''[4]

[1] محمد 47:22-24. صحيح البخاري، الأدب، باب من وصل وصله الله، حديث: 5987، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث: 2554، واللفظ له. [2] مجمع الزوائد: 8/154. ہیثمی نے کہا: ''اسے طبرانی نے المعجم الصغير اور الكبير میں اور بزار نے زوائد میں روایت کیا ہے۔ طبرانی کے راوی سلام بن منذر کے سوا صحیح کے راوی ہیں۔ سلام بن منذر ثقہ ہے۔'' [3] سنن النسائي، الزكاة، باب الصدقة على الأقارب، حديث: 2583، وجامع الترمذي، الزكاة، باب ماجاء في الصدقة على ذي القرابة، حديث: 658. ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب فضل الصدقة، حديث: 1844. محقق نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ [4] صحيح البخاري، الأدب، باب من وصل وصله الله، حديث: 5989، وصحيح مسلم، البروالصلة والأدب، باب صلة الرحم، وتحريم قطيعتها، حديث: 2555، واللفظ له.

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صلہ رحمی اور خوش خلقی یا اچھی ہمسائیگی گھروں کو آباد کرتی ہے اور عمر میں اضافے کا باعث ہے۔“[1]

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی: ”مجھے کوئی ایسا کام بتائیے جو کروں تو جنت میں داخل ہو جاؤں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”سلام عام کرو، کھانا کھلاؤ، رشتوں کو جوڑو، رات کو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں، نماز پڑھا کرو، پھر جنت میں سلامتی سے داخل ہو جاؤ۔“[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”صلہ رحمی سے بڑھ کر کوئی ایسی نیکی اور اطاعت نہیں جس کا ثواب جلدی مل جاتا ہو اور قطع رحمی اور سرکشی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جس کی سزا جلدی مل جاتی ہو اور جھوٹی قسم آباد گھروں کو اجاڑ دیتی ہے۔“[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص صلہ رحمی نہیں کرتا جو بدلے میں صلہ رحمی کرتا ہو بلکہ اصل صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے جس سے رشتہ توڑا جائے وہ تب بھی جوڑے۔“[4]

* مزید فرمایا: ”جسے یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں اضافہ کیا جائے اور اس کی عمر لمبی ہو، اسے چاہیے کہ وہ صلہ رحمی کرے۔“[5]

* نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ”جسے یہ پسند ہو کہ اس کی عمر لمبی کی جائے، اس کے رزق میں

[1] مسند أحمد : 159/6، وفتح الباري : 510/10، تحت الحديث : 5985. [2] المستدرك للحاكم: 160/4، حديث: 7278. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ وجامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في فضل إطعام الطعام، حديث: 1855، وسنن ابن ماجه، الأطعمة، باب إطعام الطعام، حديث:3251، ومسند أحمد:451/5، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 113/2، حديث: 569. ترمذی، ابن ماجہ، مسند احمد اور الصحيحة میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ [3] السنن الكبرٰى للبيهقي: 62/10، و صحيح الجامع للألباني:950/2، حديث:5391. [4] صحيح البخاري، الأدب، باب ليس الواصل بالمكافئ، حديث :5991. [5] صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث: 5986، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم وتحريم قطيعتها، حديث:2557.

فراخی ہو اور وہ بری موت سے بچا رہے، اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور رشتے جوڑے۔“ [1]

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت افزائی کرے، جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے رشتے داروں کو ملائے اور جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔“ [2]

* رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ میں اپنے پورے قبیلے کو جمع کیا، بنو کعب بن لوی، بنو مرہ بن کعب، بنو عبد شمس، بنو عبد مناف، بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب اور اپنی صاحبزادی فاطمہ رضی اللہ عنہا سمیت سب کو بلایا اور فرمایا:

«أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ......، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبِلَالِهَا»

”اپنے آپ کو آگ سے بچالو......، میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمھارے بارے میں کوئی اختیار نہیں رکھتا، البتہ تم سے میرا رشتہ ہے، میں اس کا حق ادا کرتا رہوں گا۔“ [3]

* بہت سے مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے مشرک والدین اور دیگر مشرک رشتہ داروں سے بھی صلہ رحمی کا حکم دیا۔ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا: ”میری والدہ جو مشرکہ تھیں، معاہدۂ صلح حدیبیہ کے دوران اپنے والد کے ہمراہ تشریف لائیں۔ میں نے نبی ﷺ سے

[1] الزوائد علی المسند لعبد اللّٰه بن أحمد بن حنبل: 156/3. شیخ احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 290/2، حديث: 1212) [2] صحيح البخاري، الأدب، باب إكرام الضيف وخدمته إياه بنفسه، حديث: 6138، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف......، حديث: 47. [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالىٰ: ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾، حديث: 204.

فتویٰ پوچھا: میں نے کہا: میری والدہ آئی ہیں۔ وہ مجھ سے صلہ رحمی کی امید وار ہیں تو کیا میں اُن سے صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! اپنی والدہ سے صلہ رحمی کرو۔''[1]

* بے سہارا بہنوں کی پرورش کے بارے میں آپ ﷺ کا ارشادِ عالی ہے: ''جس شخص کے ہاں تین بیٹیاں یا تین بہنیں ہوں اور وہ ان سے حسنِ سلوک کرتا رہے، وہ جنت میں جائے گا۔''[2]

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب صلة المرأة أمها ولها زوج، حديث: 5979. [2] سنن أبي داود، الأدب، باب فضل من عال يتامٰى، حديث: 5147، وجامع الترمذي، البروالصلة، باب ماجاء في النفقة على البنات والأخوات، حديث: 1912، ومسند أحمد: 42/3، واللفظ له، والأدب المفرد: 46/1. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 590/1، حديث: 294)

باب

9

رحمۃ للعالمین

- مجسمہ رحمت وشفقت
- رسول اللہ ﷺ کی خوش مزاجی
- سیرت وصورت کے لحاظ سے جامع کمالات

***

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○﴾

”اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔“ [الأنبيآء 21:107]

«يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ : اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

”لڑکے! میں تجھے چند اہم باتیں سکھاتا ہوں: تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ، وہ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ، تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب بھی تو کچھ مانگیتو اللہ سے مانگ۔ اور جب بھی تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر اور جان لے کہ اگر پوری امت تجھے کوئی فائدہ پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گی مگر جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر سب لوگ تجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں تو وہ تجھے ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے اور (تقدیر کے) اوراق خشک ہو چکے ہیں۔“ [جامع الترمذي، حديث: 2516]
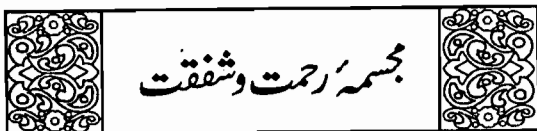
بچوں پر شفقت

* انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کو اٹھایا، چوما اور پیار کیا۔ تب ابراہیم بہت چھوٹے تھے۔ ابو سیف لوہار کے گھر دودھ پی رہے تھے اور آپ اپنے بیٹے کو دیکھنے گئے تھے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو جنت کی خوشخبری دی ہے جس کے تین نابالغ بچے فوت ہو جائیں۔ یہ خوشخبری اس کی اپنے بچوں پر شفقت کی فضیلت کی وجہ سے دی گئی۔[2]

* بچوں کی وفات پر رسول اللہ ﷺ کی مبارک آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے تھے۔ ایک دفعہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! یہ آنسو کیسے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں ہی پر رحم فرماتا ہے۔''[3]

* اپنے فرزند ابراہیم کی وفات پر رسول اللہ ﷺ کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگتی

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: إنا بك لمحزونون، حديث: 1303، وصحيح مسلم، الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال......، حديث: 2315. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما قيل في أولاد المسلمين، حديث: 1381. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: يُعَذَّبُ الْمَيِّتُ بِبَعْضِ بُكَاءِ أَهْلِهِ عَلَيْهِ......، حديث: 1284.

دیکھ کر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے تعجب سے کہا: ”اے اللہ کے رسول! آپ بھی روتے ہیں؟“ آپ نے فرمایا: ”ابن عوف! یہ رحم ہے۔“ چشم مبارک سے بدستور آنسو برستے رہے۔

* آپ ﷺ نے اسی دوران فرمایا: ”آنکھ آنسو بہا رہی ہے، دل غم میں ڈوبا ہوا ہے لیکن ہم زبان سے وہی بات کہیں گے جو ہمارے رب کو پسند ہے۔ ابراہیم! حقیقت یہ ہے کہ ہم تیری جدائی پر بہت غمگین ہیں۔“ [1]

* ایک دن آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف لائے۔ آپ کی پیاری بیٹی زینب رضی اللہ عنہا کی بیٹی امامہ بنت ابن ربیع آپ ﷺ کے کندھے پر سوار تھی۔ آپ نے اسی حالت میں صحابۂ کرام کو نماز پڑھانی شروع کر دی۔ رکوع میں جاتے تو اسے نیچے بٹھا دیتے اور جب سر اٹھاتے تو اسے بھی اٹھا لیتے۔ [2]

* نبیِ کریم ﷺ نے حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ اقرع بن حابس آپ ﷺ کے پاس بیٹھا تھا۔ وہ بولا: ”میرے دس بچے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔“ رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا اور فرمایا:

«مَنْ لَّا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ» ”جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔“ [3]

* ایک اعرابی آیا اور بولا: ”کیا تم بچوں کو چومتے ہو؟ ہم تو نہیں چومتے۔“ اس پر نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ”اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں؟“ [4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کرتا

---

[1] صحيح البخاري، الجنائز، باب قول النبي ﷺ: إنا بك لمحزونون، حديث: 1303.
[2] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله......، حديث: 5996. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله......، حديث: 5997. [4] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله......، حديث: 5998.

اور ہمارے بزرگ کا احترام نہیں کرتا۔''[1]

* آپ ﷺ کی مجلس میں بعض سمجھدار لڑکے بھی حاضر ہوتے تھے۔ آپ مجلس میں ان کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے۔ اس کی دلیل سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے پاس کوئی مشروب لایا گیا۔ آپ ﷺ نے کچھ پیا۔ آپ کے دائیں جانب ایک لڑکا بیٹھا تھا اور بائیں جانب بزرگ صحابہ تھے۔ آپ نے لڑکے سے کہا: ''تم مجھے اجازت دیتے ہو کہ میں یہ ان بزرگوں کو دے دوں؟'' لڑکا بولا: ''اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں آپ کے تبرک پر کسی کو فوقیت نہیں دے سکتا۔'' اس پر رسول اللہ ﷺ نے مشروب والا برتن لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔[2]

* اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے پکڑ کر اپنی ایک ران پر بٹھا لیتے اور حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو دوسری ران پر، پھر ہم دونوں کو اپنے ساتھ لگا لیتے اور فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ! ارْحَمْهُمَا فَإِنِّي أَرْحَمُهُمَا»

''اے اللہ! ان دونوں پر رحم فرما۔ مجھے ان دونوں پر رحم آتا ہے۔''[3]

* انس رضی اللہ عنہ نے کہا: نبیِ کریم ﷺ اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے تھے۔ میرا ایک بھائی تھا، اس کا نام ابوعمیر تھا، اس کا دودھ چھڑائے تھوڑا عرصہ ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في الرحمة، حديث:4943، وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الصبيان، حديث: 1920، واللفظ له. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' ریاض الصالحین کے محققین نے بھی اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ ومسند أحمد:5/323. احمد کی روایت میں یہ اضافہ ہے: ''اور وہ ہمارے عالم کو نہیں پہچانتا۔'' الأدب المفرد کے محقق سمیر الزہیری کو غلطی لگی اور انہوں نے یہ لکھ دیا: ''یہ روایت حدیث کی چھ کتابوں (کتب ستہ) میں سے کسی میں بھی نہیں۔''

[2] صحيح البخاري، الأشربة، باب هل يستأذن الرجل مَن عن يمينه في الشرب ليعطي الأكبر؟ حديث:5620، وصحيح مسلم، الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن......، حديث:2030.

[3] صحيح البخاري، الأدب، باب وضع الصبي على الفخذ، حديث:6003.

جب تشریف لاتے تو فرماتے:

«یَا أَبَا عُمَیْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ؟» ''ابو عمیر! تیرا بلبل کہاں گیا؟''

میرا بھائی اس بلبل کے ساتھ کھیلا کرتا تھا، پھر وہ بلبل مر گیا۔[1]

* یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے میرا نام یوسف رکھا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا۔''[2]

* کبھی آپ ﷺ بچوں کو اپنی سواری پر اپنے پیچھے بٹھا لیتے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے کہا: ''تمھیں یاد ہے جب میں، تم اور ابن عباس نے رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا تھا؟'' وہ کہنے لگے: ''ہاں! رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سواری پر بٹھا لیا تھا اور تمھیں (گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے) چھوڑ دیا تھا۔''[3]

ایک روایت کے مطابق ابتدائی الفاظ عبداللہ بن جعفر نے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے کہے تھے۔[4]

* عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں، قثم بن عباس اور عبیداللہ بن عباس بچے تھے۔ ایک دن ہم اکٹھے کھیل رہے تھے کہ نبیِ کریم ﷺ کا وہاں سے سواری پر گزر ہوا تو میری طرف اشارہ کرتے ہوئے صحابہ سے فرمایا: ''یہ بچہ مجھے پکڑاؤ۔'' پھر آپ ﷺ نے مجھے اپنے آگے بٹھا لیا، پھر قثم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''اِسے بھی پکڑاؤ۔'' آپ ﷺ نے اسے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔[5]

[1] صحیح البخاري، الأدب، باب الکنیة للصبي......، حدیث:6203، وصحیح مسلم، الأدب، باب جواز تکنیة من لم یولد له، وکنیة الصغیر، حدیث: 2150. [2] شمائل الترمذي، صںّ: 190، حدیث:339. محقق نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' ومسند الحمیدي:384/2، حدیث: 869، ومسند أحمد:35/4و6/6، و الأدب المفرد، حدیث:367و838. [3] صحیح البخاري، الجهاد والسیر، باب استقبال الغزاة، حدیث:3082. [4] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن جعفر رضی اللہ عنہ، حدیث: 2427. [5] مسند أحمد (تحقیق أحمد شاکر):◄◄

* مسلم کی ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے ساتھ حسن و حسین رضی اللہ عنہما میں سے بھی کسی کو بٹھایا تھا۔ [1]

* ایک روایت میں ہے کہ ایک دن آپ ﷺ نے عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو اپنے پیچھے بٹھایا اور چپکے سے ان سے کوئی بات کی۔ عبداللہ کہتے تھے: ''میں نبی کریم ﷺ کے راز کو کبھی فاش نہ کروں گا۔'' [2] آپ ﷺ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر بچوں کو بھی مختلف اوقات میں سواری پر اپنے پیچھے بٹھایا۔ [3]

* کبھی آپ اپنے چچازاد بھائیوں عبداللہ بن عباس، عبیداللہ بن عباس اور کُثیر بن عباس کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور کہتے: ''جو مجھ تک پہلے پہنچے گا اسے اتنا انعام ملے گا۔'' وہ بھاگتے ہوئے آتے۔ کوئی آپ ﷺ کی پشت پر گرتا کوئی آپ کے سینۂ مبارک پر۔ آپ انھیں اپنے ساتھ لگا لیتے اور انھیں بوسے دیتے۔ [4]

* نبیِ کریم ﷺ انصار صحابہ سے ملنے جاتے تو ان کے بچوں کو بھی سلام کہتے اور ان کے سروں پر ہاتھ پھیرتے۔ [5]

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے ان کانوں نے سنا، میری ان آنکھوں نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے حسن یا حسین کے دونوں ہاتھ پکڑے اور

« 198,197/3، حدیث: 1760. محقق کا کہنا ہے: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' ہیثمی نے مجمع الزوائد میں لکھا: ''اسے احمد نے روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' والمستدرك للحاكم: 567/3. حاکم نے حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ [1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن جعفر رضی اللہ عنہ، حديث: 2428. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عبدالله بن جعفر رضی اللہ عنہ، حديث: 2429. [3] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة......، حديث: 2516. [4] مجمع الزوائد: 17/9. ہیثمی نے کہا: ''اسے امام احمد (214/1) نے عبداللہ بن حارث سے بسند حسن روایت کیا ہے۔'' [5] زوائد ابن حبان. یہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اس کے پاؤں اپنے پاؤں پر رکھے، پھر فرمایا: ''چڑھو۔'' وہ بچہ آہستہ آہستہ چڑھنے لگا حتی کہ اس نے اپنے پاؤں آپ کے سینۂ مبارک پر رکھ دیے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''منہ کھولو۔'' بچے نے منہ کھولا، آپ نے اسے چوما، پھر فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! أَحِبَّهُ فَإِنِّي أُحِبُّهُ»

''اے اللہ! اس سے محبت کر کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔''[1]

* ایک روایت میں ہے آپ اسے پاؤں پاؤں اوپر چڑھاتے اور کہتے: ''ارے چھوٹے سے قد کے آدمی! چھوٹے سے قد کے آدمی! چڑھ! چڑھ! ننھے سے پتو!'' بچہ آہستہ آہستہ چڑھتا رہا حتی کہ اس نے اپنے پاؤں آپ کے سینے پر رکھ دیے۔[2]

* اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ مجھے اور حسن کو اٹھاتے اور کہتے ''اے اللہ! میں ان سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر۔''[3]

* براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ حسن بن علی رضی اللہ عنہما آپ کے کندھے پر سوار تھے، آپ کہہ رہے تھے: ''اے اللہ! میں اس

---

[1] الأدب المفرد (تحقيق سمير الزهيري): 131/1، حديث: 249. البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الضعيفة: 483/7، حديث: 3486) [2] المصنف لابن أبي شيبة: 380/6، حديث: 3293، والعيال لابن أبي الدنيا، ص: 209. ابن ابی دنیا کی روایت میں حزقة ''چھوٹے سے قد کے آدمی'' والے لفظ نہیں ہیں۔ والمعجم الكبير: 49/3، حديث: 2653، وعمل اليوم والليلة لابن السني، ص: 423، وأمثال الحديث للرامهرمزي، ص: 129، والزوائد على فضائل الصحابة للقطيعي: 787/2، ومستمر الأوهام لابن ماكولا، ص: 67، وتاريخ دمشق لابن عساكر: 194/13، والأدب المفرد، ص: 270، وسلسلة الأحاديث الضعيفة: 483/7، وضعيف الجامع الصغير: 32/3، حديث: 2708. دکتور خالد الدریس نے حدیث کے متعلق اپنا فیصلہ سناتے ہوئے لکھا: ''راجح یہ ہے کہ یہ حدیث ابو مزرد کے مجہول ہونے کی بنا پر ضعیف ہے۔'' [3] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ذكر أسامة بن زيد، حديث: 3735.

سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔"[1]

* عمرو بن سعید بن العاص ام خالد بنت خالد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: نبی کریم ﷺ کے پاس کچھ کپڑے آئے، ان میں ایک چھوٹی سیاہ چادر بھی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا: "کیا خیال ہے یہ چادر کس کو دی جائے؟" لوگ چپ ہو گئے، آپ نے فرمایا: "ام خالد کو میرے پاس لاؤ۔" بچی کو اٹھا کر لایا گیا۔ آپ نے چادر اپنے ہاتھ میں پکڑی اور اسے پہنائی، پھر دعا دی: «أَبْلِي وَأَخْلِقِي» "اسے پرانا اور بوسیدہ کر۔" چادر میں سبز اور زرد دھاریاں تھیں۔ آپ نے فرمایا: "ام خالد! یہ کتنی خوبصورت ہے!"[2]

* رسول اللہ ﷺ نے جنگ میں بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[3]

* جب آپ ﷺ بچوں کے پاس سے گزرتے تو انھیں سلام کہتے۔[4]

* رسول اللہ ﷺ کے خلق عظیم کی ایک گواہی انس رضی اللہ عنہ کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لوگوں میں سے تھے جو اخلاق کے اعتبار سے سب سے اچھے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک دن مجھے کسی کام بھیجا۔ میں نے کہہ دیا: "اللہ کی قسم! میں نہیں جاؤں گا۔" دل میں یہ تھا کہ جس کام کے لیے اللہ کے نبی ﷺ مجھے بھیج رہے ہیں، ضرور جاؤں گا۔ میں نکلا، راستے میں بچے کھیل رہے تھے۔ میں کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ اچانک رسول اللہ ﷺ پیچھے سے آئے اور مجھے گدّی سے پکڑ لیا۔ میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ مسکرا رہے ہیں۔ فرمایا: "انس! میں نے تمھیں جہاں جانے کو کہا تھا، وہاں گئے؟" میں نے کہا: "ہاں! میں

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب الحسن والحسين رضي الله عنهما، حديث: 3749. [2] صحيح البخاري، اللّباس، باب الخميصة السوداء، حديث: 5823، و الفتح الرباني: 432/22. [3] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب قتل الصبيان في الحرب، حديث: 3014، وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، حديث: 1744. [4] صحيح البخاري، الاستئذان، باب التسليم على الصبيان، حديث: 6247، وصحيح مسلم، السلام، باب استحباب السلام على الصبيان، حديث: 2168.

جارہا ہوں، اے اللہ کے رسول!'' انس کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! میں نے نو سال نبی ﷺ کی خدمت کی۔ مجھے نہیں یاد کہ کبھی آپ نے مجھ سے کہا ہو: تم نے ایسے کیوں کیا؟ یا ایسے کیوں نہ کیا؟'' [1]

* انھی سے ایک روایت میں ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے کبھی نہیں ڈانٹا'' فرماتے ہیں: ''میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا، نہ کبھی یہ کہا کہ یہ کام کیوں کیا؟ یا کیوں نہیں کیا؟'' [2]

* بچوں کے ساتھ آپ ﷺ کی شفقت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ بچوں کے ساتھ بھی بڑوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان کو بھی عقائد و آداب سکھاتے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ایک دن میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ : اِحْفَظِ اللّٰهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللّٰهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلٰى أَنْ يَّضُرُّوكَ بِشَيْءٍ لَّمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ»

''لڑکے! میں تجھے چند اہم باتیں سکھاتا ہوں: تو اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ، وہ تجھے یاد رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ کو یاد رکھ، تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ جب بھی تو کچھ مانگے

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب حسن خلقه ﷺ، حديث:2310,2309. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما يكره من البخل، حديث:6038.

تو اللہ سے مانگ۔ اور جب بھی تو مدد طلب کرے تو اللہ سے مدد طلب کر اور جان لے کہ اگر پوری امت تجھے کوئی فائدہ پہنچانے پر متفق ہو جائے تو وہ کچھ بھی فائدہ نہ پہنچا سکے گی مگر جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے اور اگر سب لوگ تجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں تو وہ تجھے ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے لکھ رکھا ہے۔ قلم اٹھا لیے گئے اور (تقدیر کے) اوراق خشک ہو چکے ہیں۔'' [1]

* عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کے گھر پرورش پاتا تھا۔ کھاتے وقت میرا ہاتھ ساری پلیٹ میں گھومتا تھا۔ یہ دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ»

''بچے! اللہ کا نام لو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

پھر اس کے بعد میں ساری زندگی اسی طرح کھاتا رہا۔ [2]

* بعض اوقات رسول اللہ ﷺ بچوں کو اہم کاموں کی ذمہ داری بھی سپرد کر دیتے تھے تاکہ بچپن ہی سے انھیں ذمہ داری کی عادت پڑ جائے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ آپ نے ہمیں سلام کہا، پھر مجھے ایک کام کے لیے بھیجا۔ اس بنا پر مجھے گھر پہنچنے میں تاخیر ہوگئی۔ جب میں گھر پہنچا تو والدہ محترمہ نے پوچھا: ''دیر سے کیوں آئے؟'' میں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے کسی کام بھیجا تھا۔'' انھوں نے پوچھا: ''کیا کام تھا؟'' میں نے کہا: ''وہ راز کی بات ہے۔'' انھوں

[1] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث حنظلة......، حديث: 2516. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الأطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، حديث: 5376، و صحيح مسلم، الأشربة، باب آداب الطعام والشراب وأحكامهما، حديث: 2022.

نے کہا: ''پھر کسی کو بھی رسول اللہ ﷺ کے راز سے مطلع نہ کرنا۔'' (شاگرد کہتا ہے) انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ثابت! اگر میں وہ راز کسی کو بتاتا تو تمھیں ضرور بتاتا۔''[1]

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ پر خصوصی شفقت

* ایک دفعہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بیمار پڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ ان کی بیمار پرسی کے لیے تشریف لے گئے۔ گھر والے آپ ﷺ کے ارد گرد کھڑے تھے، آپ نے فرمایا: ''فوت ہو گیا؟'' لوگوں نے کہا: ''نہیں، اے اللہ کے رسول!'' رسول اللہ ﷺ ان کی حالت زار دیکھ کر رونے لگے۔ آپ کو روتا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی رونے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ آنکھوں کے آنسوؤں اور دل کے غم پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اس پر عذاب دیتا ہے (یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا) یا چاہے تو معاف کر دیتا ہے۔''[2]

خواتین پر شفقت

نبیِ کریم ﷺ نے عورتوں کو آئینے سے تشبیہ دی ہے۔ آپ کا اشارہ دراصل ان کی صفائے قلب، نزاکت اور رقتِ قلب اور ان کی کمزوری اور کم قوتِ برداشت کی طرف ہے۔ اسی بنا پر وہ نرمی اور شفقت کی زیادہ مستحق ہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی عملی کاوشیں بہت ہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

* رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں جا رہے تھے۔ آپ کے ساتھ چند عورتیں بھی تھیں جن میں ام سلیم رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ ایک حبشی لڑکا حدی خوانی کر رہا تھا۔ لڑکے کا نام انجشہ تھا۔

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب حفظ السر، حديث: 6289، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أنس بن مالك رضي الله عنه، حديث: 2482، واللفظ له. ثابت سے مراد ثابت البنانی ہے۔ [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب البكاء عند المريض، حديث: 1304.

نبیِ کریم ﷺ نے اس سے کہا: ''او انجشہ! آبگینوں (خواتین) کے اونٹوں کو آرام آرام سے چلنے دو۔''[1]

* ایک دن رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی لڑکھڑائی۔ آپ ﷺ کے ساتھ آپ کی زوجۂ مطہرہ صفیہ رضی اللہ عنہا بھی سوار تھیں۔ وہ زمین پر گر پڑیں۔ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ بھاگ کر آپ کے پاس پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''(پہلے) خاتون کو سنبھالو۔''[2]

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص دو بچیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائیں، قیامت کے دن وہ اور میں اس طرح اکٹھے ہوں گے۔'' یہ کہہ کر آپ نے اپنی انگلیوں کو ملایا۔[3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس آدمی کو بیٹیوں کے ذریعے سے کسی آزمائش میں ڈالا گیا، پھر اس نے ان سے حسن سلوک کیا تو وہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم میں جانے سے رکاوٹ بن جائیں گی۔''[4]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم اپنی اس بیٹی کی پرورش کرو جسے اس کے خاوند نے چھوڑ دیا ہو اور تمھارے سوا اس کا کوئی سہارا نہ ہو۔''[5]

* رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ روایت ہے کہ آپ کی بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب آپ کے ہاں آتیں تو آپ ان کے استقبال کے لیے کھڑے

---

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه، حديث: 6149. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب قول الرجل: جعلني الله فداك، حديث: 6185.

[3] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل الإحسان إلى البنات، حديث: 2631.

[4] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حديث: 5995، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل الإحسان إلى البنات، حديث: 2629، واللفظ له.

[5] ابن ماجہ میں اس مفہوم کی روایت موجود ہے، دیکھیے: (سنن ابن ماجه، الأدب، باب برالوالد والإحسان إلى البنات، حديث: 3667، وصحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الولد و تقبيله ومعانقته، حديث: 5996,5995)

ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑتے اور انھیں چومتے، پھر انھیں اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کبھی میں نماز شروع کرتا ہوں۔ میرا ارادہ ہوتا ہے کہ نماز لمبی کروں مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دے جاتی ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے رونے سے اس کی ماں کو سخت پریشانی ہوگی۔'' [2]

* ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللّٰهِ» ''اللہ کی بندیوں کو نہ مارا کرو۔''

عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: ''عورتیں خاوندوں پر بہت دلیر ہوگئی ہیں۔'' آپ ﷺ نے انھیں مارنے کی رخصت دے دی۔ بعدازاں بہت سی عورتیں رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے پاس حاضر ہوئیں اور اپنے شوہروں کی شکایت کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آلِ محمد کے گھرانوں میں بہت سی عورتیں اپنے خاوندوں کے خلاف شکایات لے کر آئی ہیں۔ یاد رکھو! ایسے لوگ اچھے نہیں ہیں۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہترین ہیں۔'' [4]

* عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في القيام، حديث: 5217. [2] صحيح البخاري، الأذان، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، حديث: 709، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 470. [3] سنن أبي داود، النكاح، باب في ضرب النساء، حديث: 2146. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح سنن أبي داود: 403/3)
[4] المستدرك للحاكم: 173/4. حاکم نے کہا: ''یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔'' ذہبی نے بھی کہا: ''صحیح ہے۔''

’’تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنے گھر والوں کے ساتھ بہترین ہیں۔ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب سے بہترین ہوں۔‘‘ [1]

ابن عساکر نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے: ’’عورتوں کی عزت صرف عزت والا کرتا ہے اور انھیں ذلیل صرف کمینہ کرتا ہے۔‘‘ [2]

* حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ’’مومنین میں سے مکمل ایمان والا شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ با اخلاق ہو اور تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو اپنی عورتوں کے ساتھ بہترین (زندگی بسر کرتے) ہیں۔‘‘ [3]

* ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: ’’مومنین میں سے سب سے زیادہ ایمان والا شخص وہ ہے جو ان میں سب سے زیادہ با اخلاق ہے اور اپنے گھر والوں کے ساتھ انتہائی شفیق ہے۔‘‘ [4]

* نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا بڑے ثواب کے کاموں میں سے ایک ہے۔‘‘ [5]

* رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«حُبِّبَ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا الطِّيبُ وَالنِّسَاءُ وَجُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ»

’’دنیوی چیزوں میں سے خوشبو اور عورتیں مجھے محبوب بنا دی گئی ہیں۔ میری

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، حديث: 3895، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حسن معاشرة النساء، حديث: 1977. [2] ابن عساکر نے یہ روایت علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کی ہے۔ بوصیری نے الزوائد میں لکھا: ’’اس حدیث کی سند شیخین کی شرائط کے مطابق ہے۔‘‘ [3] مسند أحمد: 250/2و472، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1162۔ ترمذی نے کہا: ’’یہ حدیث حسن صحیح ہے۔‘‘ [4] جامع الترمذي، الإيمان، باب في استكمال الإيمان والزيادة والنقصان، حديث: 2612، ومسند أحمد: 47/6. ترمذی نے کہا: ’’یہ حدیث حسن صحیح ہے۔‘‘ [5] صحيح مسلم، الزكاة، باب فضل النفقة على العيال......، حديث: 995,994.

آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔“ [1]

* رسول اللہ ﷺ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان کی سہیلیوں کو تحفے بھیجا کرتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا خود اقرار کرتی ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر غیرت کھایا کرتی تھی۔ [2]

* روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرانے کے لیے اپنا گھٹنا کھڑا کیا تھا تاکہ وہ اس پر اپنا پاؤں رکھ کر اونٹ پر سوار ہو جائیں۔ [3]

* اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَّإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا»

”عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت لو کیونکہ عورت ٹیڑھی پسلی سے پیدا ہوئی ہے اور پسلی کا سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر والا ہوتا ہے۔ اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے اور اگر تم اسے اسی طرح رہنے دو تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، چنانچہ عورتوں سے بھلائی کرنے کی وصیت لو۔“ [4]

* حجۃ الوداع کے خطبے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”...... عورتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت لو۔ وہ تمھارے گھروں

[1] مسند أحمد: 199/3 و285، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ، ص: 101، حديث: 232. سند ضعیف ہے لیکن شواہد و متابعات کی بدولت قوی ہو جاتی ہے۔ والمستدرك للحاكم: 160/2. حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔
[2] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب تزويج النبي ﷺ خديجة وفضلها رضي الله عنها، حديث: 3821. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة خيبر، حديث: 4211. [4] صحيح البخاري، النكاح، باب الوصاة بالنساء، حديث: 5186، وصحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1470.

میں پابند ہیں، تم اس کے سوا ان پر کسی شے کا اختیار نہیں رکھتے۔ تم نے انھیں اللہ تعالیٰ کے عہد کے ساتھ حاصل کیا ہے اور تم نے ان کی شرم گاہوں کو اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کے ذریعے سے حلال کیا ہے، لہٰذا اے لوگو! عقل سے کام لو اور میری بات غور سے سنو۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم تم تک پہنچا دیا ہے۔'' [1]

* بیوی کو پیٹنے کی قباحت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے بعض لوگ اپنی بیوی کو اونٹ کی طرح کیوں پیٹتے ہیں، پھر بعد میں انھیں گلے بھی ملتے ہوں گے؟!'' ایک روایت میں اونٹ کے بجائے ''غلام'' کا لفظ ہے۔ [2]

* جب عورتوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ مردوں کے لیے علمی اور تربیتی مجالس منعقد کرتے ہیں تو انھوں نے درخواست کی کہ ہمارے لیے بھی خصوصی مجلس منعقد کی جائے جس میں ہم اپنے عمومی اور خصوصی معاملات پر کھل کر بات کر سکیں۔ [3]

* جب عورتیں عید کی نماز میں حاضر ہوتیں تو بسا اوقات آپ ﷺ انھیں خصوصی وعظ فرماتے۔ ایک دفعہ آپ نے اس قسم کے موقع پر فرمایا:

«تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ»

''صدقہ کیا کرو۔ تم میں سے اکثر جہنم کا ایندھن ہیں۔''

---

[1] صحيح مسلم، الحج، باب حجة النبي ﷺ، حديث: 1218، وسنن أبي داود، المناسك، باب صفة حجة النبي ﷺ، حديث: 1905، وجامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1163، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حق المرأة على الزوج، حديث: 1851. مسند احمد میں اس حدیث کی تائید میں ایک شاہد (تائیدی روایت) ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 73،72/5) والمنتقٰی لابن الجارود: 469، وسنن الدارمي، مناسك الحج، باب في سنة الحج، حديث: 1857.

[2] صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالٰى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّن قَوْمٍ﴾، حديث: 6042. [3] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب تعليم النبي ﷺ أمته من الرجال والنساء مما علمه الله، حديث: 7310، وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، حديث: 2633.

ایک معزز گھرانے کی سیاہ وسرخ رخساروں والی عورت کھڑی ہوئی اور بولی: ''اے اللہ کے رسول! ایسا کیوں ہے؟'' آپ نے فرمایا:

«لِأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ، وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ»

''اس لیے کہ تم شکوے شکایت زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔''

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''پھر عورتوں نے اپنے زیورات صدقے میں دینے شروع کر دیے اور وہ بلال کے کپڑے میں اپنی بالیاں اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔''[1]

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع کیا کہ کوئی شخص اپنے گھر والوں کی خیانتیں یا غلطیاں تلاش کرنے کے لیے رات کو اچانک گھر واپس آئے۔[2]

* حضرت معاویہ قشیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟'' فرمایا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ، وَتَكْسُوَهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوِ اكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ»

''جب تم خود کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ۔ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ۔ چہرے پر نہ مارو، نہ اسے بددعا دو اور علیحدگی اختیار نہ کرو مگر گھر کے اندر ہی۔''[3]

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور حسن معاشرت اور عورتوں کے ساتھ عموماً اور اپنی

---

[1] صحيح مسلم، كتاب وباب صلاة العيدين، حديث: 885. [2] صحيح البخاري، العمرة، باب: لايطرق أهله إذا بلغ المدينة، حديث: 1801و5243، وصحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الطروق، وهو الدخول ليلًا......، حديث: 1928، واللفظ له. [3] سنن أبي داود، النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142. البانی رحمہ اللہ نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' جامع الأصول کے محقق نے کہا: ''اس حدیث کی سند حسن ہے۔''

بیویوں کے ساتھ خصوصاً شفقت کا ثبوت وہ حدیث ہے جس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دورِ جاہلیت کا ایک طویل واقعہ بیان کیا ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری توجہ سے سنتے رہے۔ وہ واقعہ چند عورتوں کا تھا جنھوں نے اپنے خاوندوں کے اخلاق، اعمال اور رہن سہن کو بے کم و کاست بیان کیا تھا۔ یہ حدیث ''ام زرع کی حدیث'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں بڑی دلچسپ اور خوبصورت باتیں ہیں، جو انتہائی دلفریب اور لغویات سے یکسر پاک ہیں۔ ہلکے پھلکے مزاح کا پہلو بھی اس میں موجود ہے جو دل پر خوشگوار اثر چھوڑتا اور روح کو تازگی بخشتا ہے۔

صحیحین اور شمائل ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، یہ الفاظ ترمذی کے ہیں، وہ کہتی ہیں: گیارہ عورتیں اکٹھی بیٹھیں۔ انھوں نے آپس میں طے کیا کہ اپنے خاوندوں کی کوئی بات نہیں چھپائیں گی اور بے کم و کاست بیان کریں گی۔

پہلی عورت نے کہا: ''میرا خاوند تو لاغر اونٹ کا گوشت ہے جو انتہائی دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر پڑا ہو۔ نہ پہاڑ پر چڑھنا آسان ہے اور نہ گوشت اتنا عمدہ ہے کہ اسے لانے کی کوشش کی جائے۔''[1]

دوسری نے کہا: ''میں اپنے خاوند کی کوئی بات نہیں بتاؤں گی۔ ڈرتی ہوں کہ میں اس کی کوئی خبر باقی نہ چھوڑوں گی۔ اگر میں اس کا ذکر کرنے لگی تو اس کا سارا کچا چٹھا کہہ سناؤں گی۔''[2]

---

[1] یعنی بد اخلاق بھی ہے اور مغرور بھی۔ اسے راضی رکھنا جان جوکھوں کا کام ہے اور اس کے ساتھ زندگی گزارنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ [2] اس عورت کا کہنا ہے کہ وہ شوہر کی کوئی بات نہیں بتائے گی اور نہ اس کا کوئی عیب ظاہر کرے گی مبادا اسے علم ہو جائے اور وہ اسے طلاق دے کر گھر سے باہر کر دے۔ اتنی بات کہہ کر گویا اس نے اپنی دانست میں کچھ کہے بغیر سب کچھ کہہ دیا کہ اس کا شوہر مجموعۂ عیوب ہے اور دنیا کی ہر برائی اس میں پائی جاتی ہے۔ اپنی کمزوری اور شوہر کی طرف سے »

تیسری نے کہا: ''میرا خاوند احمق اور بد اخلاق ہے۔ اگر بولوں تو طلاق دی جاتی ہے اور چپ رہتی ہوں تو نظر انداز رہتی ہوں۔''

چوتھی نے کہا: ''میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح ہے۔ نہ گرم نہ سرد، نہ ڈر نہ کوئی اکتاہٹ۔'' (82)

پانچویں نے کہا: ''میرا خاوند گھر آتا ہے تو چیتے کی طرح لمبی تان کر سو جاتا ہے۔ باہر نکلتا ہے تو شیر کی طرح گرجتا ہے اور جو چیز میرے سپرد کر دے اس کا حساب کتاب نہیں لیتا۔'' [1]

چھٹی نے کہا: ''میرا خاوند کھانے لگتا ہے تو سب کچھ چٹ کر جاتا ہے۔ پینے لگتا ہے تو آخری بوند بھی ڈکار جاتا ہے۔ لیٹتا ہے تو اپنے آپ سے لپٹ کر سو جاتا ہے۔ اپنا ہاتھ میرے کپڑوں میں داخل نہیں کرتا کہ میرے غم واندوہ (میری محبت کی شدت) کو جان سکے۔''

ساتویں عورت نے کہا: ''میرا خاوند نکما، گمراہ اور احمق ہے۔ ہر بیماری اس میں پائی جاتی ہے۔ تیرا سر پھاڑے گا یا بازو توڑے گا یا سر بھی پھاڑے گا اور ہڈی بھی توڑے گا۔''

آٹھویں نے کہا: ''میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور اس کی مہک کچور (83) جیسی ہے۔''

(82) تہامہ: تہامہ سے مراد مکہ اور اس کے گرد و نواح کے علاقے ہیں۔ یہ عورت اپنے شوہر کو تمام معاملات میں معتدل، نرم خو اور با اخلاق قرار دے رہی ہے۔

(83) کچور: ہلدی کی قسم کا ایک خوشبودار پودا، اس کی جڑ دواؤں میں استعمال ہوتی ہے۔

« اپنے اوپر ہونے والی زیادتیوں کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر اس کے عیب گنوانا شروع کیے تو جذبات کی رو میں سارا کچا چٹھا کہہ ڈالوں گی اور اپنے آپ پر قابو نہیں رکھ سکوں گی۔ [1] اس عورت کا کہنا ہے کہ اس کا شوہر کھلے دل کا، نہایت سخی اور بہادر ہے۔ گھر آئے تو خواہ مخواہ سوال جواب نہیں کرتا، اطمینان سے پڑا رہتا ہے۔ گھر سے باہر اس کی بہادری کے شہرے ہیں۔

نوویں نے کہا: ''میرا خاوند اونچے ستون والا اور لمبی پیٹی والی تلوار کا حامل ہے۔ بڑی راکھ والا ہے اس کا گھر عام مجلس سے قریب ہے۔'' [1]

دسویں نے کہا: ''میرے خاوند کا نام مالک ہے۔ (جانتی ہو) مالک کون ہے؟ مالک ان سب اچھے خاوندوں سے کئی گنا اچھا ہے۔ اس کے پاس بے بہا اونٹ ہیں۔ جو اکثر اوقات (مہمانوں کے انتظار میں) باڑوں ہی میں رکھے جاتے ہیں اور چراگاہوں میں بہت کم جاتے ہیں کہ نہ جانے کب ان کی ضرورت پڑ جائے۔ جب وہ باجے کی آواز سنتے ہیں تو انھیں مہمانوں کی آمد کا پتہ چلتا ہے اور وہ یقین کر لیتے ہیں کہ اب ان کی شامت آگئی۔''

گیارھویں بولی: ''میرا خاوند ابو زرع تھا۔ کیا خوب تھا ابو زرع! اس نے زیورات کے وزن سے میرے کان جھکا دیے، چربی سے میرے بازو بھر دیے، اتنا خوش رکھا کہ مجھے اپنے آپ پر رشک آنے لگا۔ اس نے مجھے چند بکریوں والے گھرانے میں بڑی مشقت میں پایا اور مجھے گھوڑوں، اونٹوں، بیلوں اور نوکروں والا بنا دیا۔ اس کے گھر میں کوئی بات کرتی تھی تو مجھے بد دعا نہ دی جاتی تھی۔ لیٹتی تھی تو دن چڑھے تک سوئی رہتی تھی۔ پیتی تھی تو

[1] ''اونچے ستون والا'' سے مراد ہے کہ اس کا گھر اونچا اور عالی شان ہے۔ آس پاس کے گھروں میں نمایاں نظر آتا ہے۔ دور سے پہچانا جاتا ہے کہ واقعی کسی بڑے آدمی کا گھر ہے۔ ''لمبی پیٹی والی تلوار کا حامل ہے۔'' یعنی دراز قد ہے۔ تلوار کی لمبی پیٹی لمبے آدمی کے لیے ہی بنائی جاتی ہے۔ ''بڑی راکھ والا ہے'' یعنی بڑا مہمان نواز ہے۔ اس کے گھر مہمانوں کی ریل پیل رہتی ہے۔ چولہوں پر دیگیں چڑھی رہتی ہیں اور آگ ہر وقت جلتی رہتی ہے جس سے بہت راکھ بنتی ہے۔ یہ کہہ کر اس عورت نے اپنے شوہر کی بے پناہ سخاوت کا اظہار کیا ہے۔ ''اس کا گھر عام مجلس سے قریب ہے۔'' یعنی اس کا گھر محلے کی نمایاں جگہ پر واقع ہے۔ عام مجلس جہاں مسافر، مہمان اور دیگر بہت سے لوگ آتے جاتے ہیں، کے قریب ہے۔ ان پنچایتوں اور بیٹھکوں میں آنے والے اکثر لوگ اس کے مہمان بنتے ہیں اور وہ بڑی خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے ان کا استقبال کرتا اور ان کی میزبانی میں پیش پیش رہتا ہے۔ الغرض اس عورت نے اپنے شوہر کی سیادت، سخاوت، خوش اخلاقی اور وسعت قلبی کو بڑے شاہانہ اور بلیغ اسلوب میں بیان کیا ہے۔

خوب سیر ہو کر پیتی تھی۔ ابوزرع کی ماں۔ ابوزرع کی ماں بھی کیا خوب تھی! اس کے غلے والے بورے بھرے رہتے تھے اور اس کا گھر فراخ تھا۔ ہاں! ابوزرع کا بیٹا! کیا خوب تھا ابوزرع کا بیٹا بھی! وہ لیٹتا تھا تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے تلوار کنارے کے بل رکھی ہوئی ہے۔ وہ بکری کے بچے کے ایک بازو سے سیر ہو جاتا تھا، پھر ابوزرع کی بیٹی! وہ بھی کیا خوب تھی! باپ کی فرمانبردار، ماں کی اطاعت گزار، خوب موٹی تازی، کپڑوں میں پھنس جاتی تھی۔ اسے دیکھ کر پڑوسن کو بار بار غصہ آتا کہ میری بیٹی اس جیسی کیوں نہیں ہے، پھر ابوزرع کی لونڈی بھی کیا خوب تھی۔ وہ ہماری باتیں باہر جا کر نہیں بتاتی تھی۔ ہمارا غلہ ضائع نہیں کرتی تھی۔ ہمارا گھر کوڑا کرکٹ سے پاک رکھتی تھی۔

ایک دفعہ ابوزرع کسی کام سے گیا۔ اس وقت مشکیزوں میں دودھ بلویا جا رہا تھا۔ وہاں اسے ایک عورت ملی جس کے ساتھ چیتے جیسے دو بچے تھے۔ جو اس کے پہلو کے نیچے دو اناروں (پستانوں) سے کھیل رہے تھے۔ ابوزرع نے مجھے طلاق دے دی اور اس عورت سے شادی کر لی۔ اس کے بعد میں نے بھی ایک سردار سے نکاح کر لیا۔ وہ ایک شوخ گھوڑے کا سوار تھا۔ نیزہ بازی کا ماہر تھا۔ اس نے مجھ پر بہت نعمتیں نچھاور کیں۔ وہ بے شمار اونٹوں کا مالک تھا۔ اس نے مجھے ہر آرام دہ چیز کا جوڑا جوڑا عنایت کیا۔ وہ مجھ سے کہنے لگا: ''ام زرع! خود بھی کھاؤ۔ اپنے گھر والوں کو بھی کھلاؤ۔'' لیکن اگر میں اس کی عطا کردہ ساری اشیا اکٹھی کر دوں تو وہ ابوزرع کے سب سے چھوٹے برتن کا مقابلہ بھی نہ کر سکیں گی۔''

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ»

''میں تمھارے لیے ایسا ہوں جیسا ام زرع کے لیے ابوزرع تھا۔''[1]

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، حديث: 5189، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب ذكر حديث أم زرع، حديث: 2448، ومختصر شمائل الترمذي ◄◄

حضرت ہیثم بن عدی کی روایت میں ہے: ''میں الفت و وفا میں تمھارے لیے ابو زرع کی طرح ہوں، جدائی اور علیحدگی میں نہیں۔''

امام طبرانی نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں: ''البتہ اس نے طلاق دے دی تھی۔ میں تمھیں طلاق نہیں دوں گا۔''

امام نسائی نے باب عشرۃ النساء میں اور امام طبرانی نے یہ الفاظ بھی بیان کیے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! بلکہ آپ ابو زرع سے بہتر ہیں۔''

نسائی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہی نے بات کی ابتدا کی تھی۔ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: ''میں تمھارے لیے ایسا ہوں جیسا ام زرع کے لیے ابو زرع تھا۔'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا! یہ ابو زرع کون تھا؟'' اس پر آپ ﷺ نے یہی واقعہ بیان فرمایا کہ گیارہ عورتیں اکٹھی ہوئیں......۔

* رسول اللہ ﷺ عورتوں کے احوال دریافت کرتے رہتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو آپ نے ام سنان انصاریہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''حج کرنے کیوں نہیں گئیں؟'' انھوں نے عرض کی: ''میرا خاوند، ابو فلاں، ایک اونٹ پر حج کو چلا گیا۔ دوسرا اونٹ ہماری زمین سیراب کرتا ہے۔ (ہمارے پاس یہی دو اونٹ تھے اور کوئی سواری نہ تھی۔)'' فرمایا: ''رمضان المبارک میں عمرہ کرنا حج یا (فرمایا:) میرے ساتھ حج کی فضیلت رکھتا ہے۔''[1]

* عورتوں کے ساتھ آپ ﷺ کے حسن سلوک اور رحمت و شفقت کا پتہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی

« للألباني، ص: 134-142، حديث: 215. کتاب کے محقق محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [1] صحيح البخاري، جزاء الصيد، باب حج النساء، حديث: 1863، وصحيح مسلم، الحج، باب فضل العمرة في رمضان، حديث: 1256.

اس روایت سے بھی چلتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ایک دن چند حبشی مسجد میں آکر جنگی تربیت کا کھیل کھیلنے لگے۔ آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا:

«يَا حُمَيْرَاءُ! أَتُحِبِّينَ أَنْ تَنْظُرِي إِلَيْهِمْ؟»

''حمیراء! ان کا کھیل دیکھنا چاہتی ہو؟''

میں نے کہا: ''جی ہاں۔'' آپ دروازے پر کھڑے ہوئے۔ میں آپ کی اوٹ میں اس طرح کھڑی ہوگئی کہ میری ٹھوڑی آپ کے کندھے پر تھی۔ میں نے اپنا چہرہ آپ ﷺ کے رخسار کے ساتھ لگا دیا۔ حبشیوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور خوشی کے نعرے لگانے لگے: ''ابو القاسم! آپ کا تشریف لانا کیا ہی خوب ہے!'' رسول اللہ ﷺ کچھ دیر کے بعد مجھ سے پوچھ لیتے: ''بس کافی ہے؟'' میں کہتی: ''ٹھہریے، اے اللہ کے رسول! جلدی نہ کریں۔'' رسول اللہ ﷺ میرے لیے بدستور کھڑے رہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میرا مقصد حبشیوں کا کھیل دیکھنا نہ تھا بلکہ یہ تھا کہ عورتوں (دیگر بیویوں) کو پتہ چل جائے کہ آپ ﷺ میرے لیے اتنی دیر کھڑے رہے اور آپ ﷺ کے نزدیک میرا مقام و مرتبہ واضح ہو جائے۔''[1]

* عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کیا معمولات تھے؟ انھوں نے بتایا: ''گھریلو کام کاج کیا کرتے تھے۔ جب نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے چلے جاتے۔''[2]

[1] صحيح البخاري، العيدين، باب الحراب والدّرقِ يوم العيد، حديث: 950، والسنن الكبرٰى للنسائي، عشرة النساء، باب إباحة الرجل لزوجته النظر إلى اللعب، حديث:8951. حافظ ابن حجر نے لکھا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ میں نے اس کے سوا کسی صحیح حدیث میں حمیراء کا ذکر نہیں دیکھا۔ حمیراء سے مراد ہے: بہت سرخ وسفید رنگ والی (یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے آپ کا اختیار کردہ پیار کا لقب تھا)۔'' دیکھیے: (فتح الباري:515/2) [2] صحيح البخاري، الأدب، باب كيف يكون الرجل

* انھی سے روایت ہے، کہتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ ہم سے باتیں کرتے اور ہم ان سے باتیں کرتے۔ لیکن جب نماز کا وقت ہو جاتا تو یوں لگتا گویا نہ وہ ہمیں پہچانتے ہیں اور نہ ہم انھیں۔''[1]

* حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں ایک سفر میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھی۔ میں نے آپ سے دوڑ کا مقابلہ کیا۔ میں جیت گئی، پھر جب میں ذرا فربہ ہوگئی تو میں نے آپ ﷺ سے دوڑ کا مقابلہ کیا تو آپ ﷺ جیت گئے اور فرمایا: ''یہ جیت پہلی جیت کے بدلے میں ہے۔''[2]

* حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں نبی اکرم ﷺ کے کاشانۂ مبارک میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میری کچھ سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو وہ اِدھر اُدھر چھپ جاتیں۔ آپ انھیں کونوں کھدروں سے نکال کر میرے پاس بھیجتے، وہ پھر میرے ساتھ کھیلنے لگتیں۔''[3]

* حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ان کی بیٹی زینب پیدا ہوئیں۔ بعدازاں رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کر لی۔ وہ اپنی بیٹی زینب کو دودھ پلایا کرتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو بڑی مسرت سے پوچھتے: ''زُناب کہاں ہے؟ زُناب کہاں ہے؟'' اس بات پر ہرگز تنگ دل نہ ہوتے کہ میری نئی نویلی دلہن کے سینے سے بچی چمٹی ہوئی ہے (بلکہ اظہارِ مسرت فرماتے۔)[4]

« في أهله، حديث: 6039. دیگر محدثین نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ [1] إحياء علوم الدين للغزالي: 150/1. اس حدیث کی سند مرسل ہے۔ اس کا مفہوم اس سے قبل بیان کردہ صحیح حدیث میں گزر چکا ہے۔ [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق على الرِّجل، حديث: 2578، وسنن ابن ماجه، النكاح، باب حسن معاشرة النساء، حديث: 1979. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب الانبساط إلى الناس، حديث: 6130. [4] السنن الكبرٰى للنسائي، عشرة النساء، باب الحال التي تختلف فيه حال النساء، حديث: 8926.

* علم و حکمت کی باتیں سیکھنے میں عورتیں رسول اللہ ﷺ سے ڈرتی نہیں تھیں۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عورتیں آپ کے پاس بیٹھی تھیں۔ جب انھیں عمر رضی اللہ عنہ کی آمد کا پتہ چلا تو وہ پردے کی طرف بھاگیں اور خاموش ہوگئیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ مسکرا دیے۔[1] یہ واقعہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

کمزور لوگوں پر شفقت

محمد رسول اللہ ﷺ تمام اہل جہاں کے لیے رحمت و شفقت کے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے۔

﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔''[2]

* اسی رحمت ربانی کے بارے میں جو تمام مخلوقات کے لیے مہیا کی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«وَلَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهِ، فَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي غَلَبَتْ غَضَبِي»

''جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کر لی تو اپنی کتاب میں لکھا اور وہ اس کے پاس عرش کے اوپر ہے: ''بے شک میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کی عظیم شفقت کے گزشتہ احوال و واقعات کے علاوہ ہم کمزور مخلوقات سے بھی آپ ﷺ کی محبت و شفقت کی چند مزید مثالیں پیش کرتے ہیں:

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبيﷺ، باب مناقب عمر بن الخطابؓ، حديث: 3683، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمرؓ، حديث: 2396. [2] الأنبيآء 107:21. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في قول الله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾، حديث: 3194.

* کمزور لوگوں پر آپ کی شفقت اس قدر وسیع ہے کہ نماز میں بھی آپ نے ان کا خیال رکھا ہے۔ آپ نے نماز پڑھانے والے ائمہ کو تلقین فرمائی: ''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے۔ ان میں بیمار بھی ہوتے ہیں کمزور اور بوڑھے بھی۔ اور جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو جس قدر چاہے طویل کرلے۔''[1]

* ایک دوسری روایت میں فرمایا: ''تم میں سے کچھ امام لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں۔ جو شخص بھی جماعت کروائے وہ مختصر نماز پڑھائے۔ لوگوں میں کمزور، بوڑھے اور کام کاج والے بھی شامل ہوتے ہیں۔''[2]

غلاموں پر شفقت

نبیِ کریم ﷺ کی شفقت نوکروں چاکروں، غلاموں، ذمیوں، دوسرے کمزور لوگوں کے سوا جانوروں اور پرندوں تک عام تھی۔ اس کے بارے میں آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

* رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اپنے نوکروں، غلاموں، آزاد کردہ غلاموں اور لونڈیوں کو اپنا دینی یا کم از کم انسانی بھائی سمجھیں جبکہ وہ مسلمان نہ ہوں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ لوگ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارا ماتحت بنا دیا ہے۔ جو خود کھاؤ انھیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو انھیں بھی پہناؤ۔ ان سے کوئی ایسا کام کرنے کو نہ کہو جو ان کے بس میں نہ ہو۔ اگر مجبوراً ایسا کام کرانا پڑے تو خود بھی ساتھ مل کر کام کرو۔''[3]

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب من شكا إمامه إذا طوّل، حديث: 704، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: (185)-467. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب ما يجوز من الغضب و الشدة لأمر الله تعالى، حديث: 6110، وصحيح مسلم، الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، حديث: 466. [3] صحيح مسلم، الأيمان، ◄◄

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارا نوکر تمھارے لیے کھانا تیار کر کے لائے تو اسے بھی اپنے ساتھ بٹھاؤ کیونکہ اس نے کھانا تیار کرتے ہوئے دھویں اور آگ کی تکلیف برداشت کی ہے۔ اگر کھانا کم ہو تو اسے کچھ نہ کچھ حصہ ضرور دو چاہے ایک دو لقمے ہی ہوں۔''[1]

* رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں غلاموں سے حسن سلوک کی وصیت فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

«اَللّٰهَ، اَللّٰهَ، اَلصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ»

''اللہ سے ڈرو، اللہ سے ڈرو، نماز کا خیال رکھو اور غلاموں کے حقوق ادا کرو۔''

رسول اللہ ﷺ یہ بات کہتے رہے جبکہ الفاظ زبان کا ساتھ چھوڑ رہے تھے۔[2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے ماتحتوں سے بدسلوکی کرے گا وہ ہرگز جنت میں نہیں جائے گا۔''[3]

* مزید فرمایا: ''جس شخص کے پاس لونڈی ہو۔ وہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت کرے، پھر اسے آزاد کر کے اس سے شادی کر لے، اسے دُگنا ثواب ملے گا۔''[4]

* رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ غلاموں کے ساتھ بیٹوں جیسا سلوک کرو۔[5]

[1] صحيح مسلم، الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1661. ◀◀باب إطعام المملوك مما يأكل......، حديث: 1663. [2] تاريخ الإسلام (السيرة) للذهبي، ص: 557. ذہبی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ وصحيح سنن ابن ماجه للألباني: 1625، ومجمع الزوائد: 237/4. ہیثمی نے بھی اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ [3] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الإحسان إلى الخادم، حديث: 1946، وسنن ابن ماجه، الأدب، باب الإحسان إلى المماليك، حديث: 3691. [4] صحيح البخاري، العتق، باب فضل من أدّب جاريته وعلّمها، حديث: 2544، وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ إلى جميع الناس، حديث: 154. [5] سنن ابن ماجه، الأدب، باب الإحسان إلى المماليك، حديث: 3691.

* رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ یا چھڑی مارے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔''[1]

* حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ ایک دفعہ اپنے غلام کو مار رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دیکھ لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابومسعود! جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر اس قدر قدرت حاصل ہے جو تمھیں اس غلام پر حاصل نہیں۔''[2] ابومسعود مارنے سے رُک گئے اور اس غلام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا مبادا اس مذموم عمل کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کا عذاب آن پڑے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو تمھیں آگ میں جھلسنا پڑتا۔''[3]

* ابوعلی سُوَید بن مقرن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''مجھے بخوبی یاد ہے۔ ہم سات بھائی تھے لیکن ہماری خدمت کرنے والی صرف ایک لونڈی تھی۔ ایک دفعہ ہمارے چھوٹے بھائی نے اسے تھپڑ مار دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ اسے آزاد کر دو۔''[4]

* رسول اللہ ﷺ نے یتیم بچوں کی کفالت اور پرورش کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ وہ کمزور اور بے سہارا ہوتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''میں اور یتیم کی پرورش کرنے والا جنت میں ایسے ہوں گے۔'' یہ کہہ کر آپ ﷺ نے درمیانی اور ساتھ والی انگلی کو ملا کر اشارہ کیا۔[5]

* ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! میں لوگوں کو دو کمزوروں: یتیم اور عورت (کے حقوق) کے بارے میں سخت تاکید کرتا ہوں۔''[6]

---

[1] صحیح مسلم، الأیمان، باب صحبة الممالیك وكفارة من لطم عبده، حدیث: 1657.
[2] صحیح مسلم، الأیمان، باب صحبة الممالیك......، حدیث: (34)-1659. [3] صحیح مسلم، الأیمان، باب صحبة الممالیك......، حدیث: (35)-1659. [4] صحیح مسلم، الأیمان، باب صحبة الممالیك وكفارة من لطم عبده، حدیث: 1658. [5] صحیح البخاري، الأدب، باب فضل من یعول یتیمًا، حدیث: 6005. [6] سنن ابن ماجه، الأدب، باب حق الیتیم، حدیث: ◄◄

* فتح مکہ کے دن جب سائب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آپ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے فرمایا: ''سائب! جن عادات کی بدولت تم جاہلیت میں معروف تھے، وہی اسلام میں بھی اپنانا: مہمان کی مہمان نوازی کرنا، یتیم کی عزت کرنا اور اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔'' [1]

* نبیِ کریم ﷺ نے یتیم کا مال کھانے کو ان سات مہلک گناہوں میں شمار کیا جن سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ [2]

* نبیِ کریم ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''ابوذر! میں تمھیں کمزور سمجھتا ہوں اور تمھارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے اچھی سمجھتا ہوں۔ تم کبھی دو آدمیوں پر امیر نہ بننا، نہ کبھی یتیم کے مال کی سرپرستی قبول کرنا۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ نے کئی یتیم بچوں کی کفالت فرمائی۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ موتہ کی لڑائی میں شہید ہو گئے [4] تو ان کے بچوں کی پرورش آپ ﷺ نے اپنے ذمے لی، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے چار یتیم بچوں نے آپ کے گھر پرورش پائی۔ ان کی وفات کے بعد آپ نے ان کی بیوہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرلی۔ ابوسلمہ کو احد کی جنگ میں ایک کاری زخم لگا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکے۔ [5] اسی طرح جب آپ نے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ان کی یتیم بچی کی کفالت بھی فرمائی۔

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في كراهية المراء، حديث: 3678، و مسند أحمد: 439/2. [2] صحيح البخاري، الوصايا، باب قول الله تعالىٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا ......﴾، حديث: 2766، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الكبائر وأكبرها، حديث: 89. [3] صحيح مسلم، الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، حديث: 1826، وسنن النسائي، الوصايا، باب النهي عن الولاية على مال اليتيم، حديث: 3697. [4] مسند أحمد: 205,204/1. احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ومجمع الزوائد: 157,156/6. [5] صحيح مسلم، الجنائز، باب مايقال عند المصيبة، حديث: 919,918، والفتح الرّباني: 67/21.

* رسول اللہ ﷺ نے بیواؤں اور مساکین کی کفالت کی بھی تلقین فرمائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیوہ اور مسکین کو کما کر دینے والا مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے یا اس شخص کی طرح جو بلا ناغہ روزے رکھتا ہے اور ساری رات قیام کرتا ہے۔''[1]

نیز فرمایا:

«أَبْغُونِي الضُّعَفَاءَ، فَإِنَّمَا تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ بِضُعَفَائِكُمْ»

''مجھے کمزور لوگوں میں تلاش کیا کرو۔ یاد رکھو انھی کمزوروں کی وجہ سے تمھیں رزق دیا جاتا اور تمھاری مدد کی جاتی ہے۔''[2]

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک حبشی عورت مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے اسے نہ دیکھا تو اس کے بارے میں دریافت فرمایا۔ لوگوں نے کہا: ''اس کی تو وفات ہو گئی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے مجھے اطلاع کیوں نہ کی؟'' انھوں نے گویا اس کے معاملے کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ فرمایا: ''مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔'' پھر آپ ﷺ قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں جنازہ پڑھایا، پھر فرمایا: ''یہ قبریں مدفون لوگوں کے لیے اندھیرے سے بھری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ میری دعا کی وجہ سے انھیں منور کر دیتا ہے۔''[3]

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے دل کے سخت ہونے کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اپنا دل نرم کرنا چاہتے ہو تو کسی مسکین کو کھانا کھلایا کرو یا کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔''[4]

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب الساعي على الأرملة، حديث:6006. [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الانتصار برذل الخيل والضعفة، حديث :2594، ومسند أحمد : 198/5.
[3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الصلاة على القبر بعد ما يدفن، حديث: 1337، وصحيح مسلم، الجنائز، باب الصلاة على القبر، حديث:956. [4] المستدرك للحاكم: 263/2، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 507/2، حديث:854.

* حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ”اے اللہ کے رسول! ہم نوکر کو کتنی دفعہ معاف کیا کریں؟“ آپ ﷺ خاموش رہے۔ اس نے دوبارہ یہی سوال کیا۔ آپ ﷺ پھر خاموش رہے۔ تیسری دفعہ جب اس نے یہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا:

«أَعْفُوا عَنْهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ سَبْعِينَ مَرَّةً»

”ایک دن میں اسے ستر دفعہ معاف کرو۔“[1]

مریضوں پر شفقت

* رسول اللہ ﷺ نے مریض کی عیادت کی خصوصی تاکید فرمائی ہے، اس لیے کہ انسان بیماری کی حالت میں انتہائی کمزور ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کے فرامین ملاحظہ ہوں:

«عُودُوا الْمَرْضٰى، وَاتْبَعُوا الْجَنَائِزَ، تُذَكِّرُكُمُ الْآخِرَةَ»

”مریضوں کی بیمار پرسی کرو، جنازوں کے ساتھ جایا کرو، اس سے تمھیں آخرت یاد آئے گی۔“[2]

«أَطْعِمُوا الْجَائِعَ، وَعُودُوا الْمَرِيضَ، وَفُكُّوا الْعَانِيَ»

”بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو اور قیدی کو چھڑاؤ۔“[3]

* حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا اور سات چیزوں سے منع فرمایا۔ آپ نے ہمیں بیمار کی بیمار پرسی کرنے کا حکم بھی دیا۔[4]

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في حق المملوك، حديث: 5164. [2] مسند أحمد: 48/3، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 379/3. [3] صحيح البخاري، المرضٰى، باب وجوب عيادة المريض، حديث: 5649. [4] صحيح البخاري، الأدب، باب تشميت العاطس إذا حمد الله، حديث: 6222.

* آنحضور ﷺ نے بیمار کی بیمار پرسی کرنے کو ان چھ یا پانچ واجب حقوق میں شامل کیا جو ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہیں۔ [1]

* حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک خطبے میں کہا: ''اللہ کی قسم! ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر و حضر میں رہے۔ وہ ہمارے بیماروں کی عیادت کیا کرتے، جنازوں کے ساتھ جایا کرتے، جنگوں میں ہمارے ساتھ جاتے اور کم یا زیادہ جتنا بھی مال مہیا ہوتا، اس کے ذریعے سے ہماری غمخواری کرتے۔'' [2]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو مسلمان صبح کے وقت کسی مسلمان کی بیمار پرسی کرے، ستر ہزار فرشتے شام تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جو شام کے وقت کسی مسلمان کی بیمار پرسی کو جائے تو ستر ہزار فرشتے صبح تک اس کے لیے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے ایک باغ تیار ہو جاتا ہے۔'' [3]

* رسول اللہ ﷺ بیمار منافقین کی عیادت کو بھی جایا کرتے تھے۔ آپ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابیّ کے مرض الموت میں اس کے ہاں گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں یہود کی محبت سے روکا کرتا تھا۔'' وہ بولا: ''اسعد بن زرارہ نے ان سے بغض رکھا تو اسے کیا فائدہ ہوا؟'' جب وہ مر گیا تو اس کا بیٹا عبداللہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! عبداللہ بن ابی مر گیا ہے۔ آپ مجھے اپنی قمیص دیں، میں اس میں اسے کفن دے دوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اپنی قمیص مبارک اتار کر اسے دے دی۔ [4]

[1] صحیح مسلم، السلام، باب من حق المسلم للمسلم ردّ السلام، حدیث: 2162. [2] احمد شاکر نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد (تحقیق أحمد شاکر): 378/1) [3] جامع الترمذي، الجنائز، باب ماجاء في عیادة المریض، حدیث: 969، وسنن أبي داود، الجنائز، باب في فضل العیادة علی وضوء، حدیث: 3098. ابو داود کی روایت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے جبکہ ترمذی نے اسے حسن غریب کہا ہے۔ [4] سنن أبي داود، الجنائز، باب في العیادة، حدیث: 3094. البانی رحمہ اللہ نے صحیح ابو داود میں اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے۔ انھوں نے صرف «

* بیماروں کی بیمار پرسی کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی شفقت اتنی وسیع تھی کہ آپ غیر مسلموں کی عیادت کو بھی تشریف لے جایا کرتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا بیمار ہو گیا۔ نبیِ کریم ﷺ اس کی مزاج پرسی کو گئے۔ اس کے سر کے پاس بیٹھ گئے اور فرمایا: ''اسلام لے آؤ۔'' اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا وہ بھی سرہانے بیٹھا تھا۔ اس کے والد نے اس سے کہا: ''ابو القاسم کی بات مان لو۔'' وہ لڑکا مسلمان ہو گیا۔ نبیِ کریم ﷺ اٹھے، آپ کہہ رہے تھے: ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اسے آگ سے بچا لیا۔''[1]

جانوروں پر شفقت

نبیِ رحمت ﷺ کی شفقت جانوروں، پرندوں غرض ہر ذی روح تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے بارے میں بھی آپ ﷺ کے ارشاداتِ عالیہ ملاحظہ ہوں:

* ''جو مسلمان کوئی درخت یا فصل کاشت کرے، پھر اس سے کوئی انسان یا جانور کھائے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہو گا۔''[2]

* رسول اکرم ﷺ نے بیان فرمایا: ''ایک دفعہ ایک آدمی راستے پر جا رہا تھا کہ اسے سخت پیاس لگی۔ اسے ایک کنواں نظر آیا۔ وہ کنویں میں اترا اور پانی پیا، پھر باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور گیلی مٹی چاٹ رہا ہے۔ وہ آدمی بولا: ''اس کتے کو بھی اتنی ہی پیاس لگی ہو گی جتنی مجھے لگی تھی۔'' وہ دوبارہ کنویں میں اترا، اپنا موزہ پانی سے بھرا اور منہ میں موزہ تھام کر اوپر چڑھا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے خوش ہو کر اسے معاف فرما

»» قیس کی بات کو صحیح کہا ہے۔ [1] صحيح البخاري، الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات......، حديث: 1356، وسنن أبي داود، الجنائز، باب عيادة الذمي، حديث: 3095. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث: 6012.

دیا۔'' صحابہ نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا جانوروں میں ہمارے لیے اجر ہے؟'' فرمایا:
«فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ» ''ہاں! ہر ذی روح میں اجر ہے۔''[1]

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دفعہ ایک کتا کنویں کے اردگرد پیاس سے ہلکان گھومتا پھر رہا تھا۔ وہ جاں بلب تھا کہ ایک بدکار عورت نے اسے دیکھ لیا۔ اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس میں پانی بھر کر کتے کو پلایا۔ اس نیکی کی بدولت اسے معاف کر دیا گیا۔''[2]

* حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے مبتلائے عذاب ہونا پڑا۔ اس نے بلی کو باندھے رکھا، نہ کچھ کھلایا پلایا، نہ اسے چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں میں سے (اپنی خوراک تلاش کر کے) کھا لیتی۔''[3]

* عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لیے ایک طرف گئے۔ ہم نے ایک چنڈول (چڑیا) دیکھی اس کے ساتھ دو بچے بھی تھے۔ ہم نے اس کے بچے اٹھا لیے۔ وہ چنڈول آ کر بچوں کے قریب اپنے پر پھڑ پھڑانے لگی۔ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا: ''کس نے اس کے بچے اٹھا کر اسے مضطرب کیا ہے؟ اس کے بچے اس کے پاس واپس رکھ

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث:6009. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب:(54)، حديث:3467، وصحيح مسلم، السّلام، باب فضل سقي البهائم......، حديث:2245. [3] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب:(54)، حديث:3482.
واقدی رحمہ اللہ نے اپنی مغازی میں نقل کیا ہے کہ فتح مکہ کے سفر کے دوران میں وادیِ عرج کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتیا کو دیکھا وہ اپنے بچوں کو دودھ پلا رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جُعَیل بن سُراقہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا کہ اس کے قریب کھڑے رہیں اور کسی لشکر کو اس کے یا اس کے بچوں کے قریب نہ آنے دیں، دیکھیے: (المغازي للواقدي: 804/2)

کر آؤ۔" پھر آپ ﷺ نے چیونٹیوں کا ایک بل دیکھا جسے ہم نے آگ لگا دی تھی۔ آپ نے فرمایا: "اسے کس نے آگ لگائی؟" ہم نے کہا: "ہم نے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ»

"یہ درست نہیں کہ آگ کے ذریعے سے آگ کے رب کے سوا کوئی اور عذاب دے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ چوپایوں یا پرندوں کو باندھ کر ان پر نشانہ بازی کی مشق کی جائے۔

* انس رضی اللہ عنہ حکم بن ایوب کے گھر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ کچھ بچے یا نوجوان ایک مرغی کو باندھ کر تیروں کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر نشانہ بنانے سے منع کیا ہے۔"[2]
* اسی طرح آپ نے جانوروں کی باہم لڑائی کرانے سے بھی منع کیا ہے۔[3]
* رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو بھوکا رکھنے اور ان سے اس قدر کام لینے سے منع فرمایا کہ وہ تھک کر درماندہ ہو جائیں۔ آپ کا یہ حکم حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن قضائے حاجت کے لیے ایک انصاری صحابی کے باغ میں داخل ہوئے۔ وہاں ایک اونٹ بندھا ہوا تھا۔ جب اونٹ نے نبیِ کریم ﷺ کو دیکھا تو وہ رونے لگا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ نبیِ رحمت ﷺ

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في قتل الذر، حديث: 5268، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 64/1، حديث: 25. البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب مايكره من المثلة والمصبورة والمجثمة، حديث: 5513، وصحيح مسلم، الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، حديث: 1959. [3] سنن أبي داود، الجهاد، باب في التحريش بين البهائم، حديث: 2562. مختصر سنن أبی داود کے محققین احمد شاکر اور الفقی نے کہا: "ترمذی نے اسے مرفوعاً روایت کیا ہے اور انھوں نے بیان کیا کہ مرسل روایت زیادہ صحیح ہے۔"

اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سر کی پچھلی جانب ہاتھ سے پیار کرنے لگے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ’’اس اونٹ کا مالک کون ہے؟ یہ کس کا اونٹ ہے؟‘‘ ایک انصاری نوجوان حاضر ہوا اور بولا: ’’اللہ کے رسول! یہ میرا اونٹ ہے۔‘‘ آپ نے فرمایا: ’’تم اس جانور کے بارے میں جس کا اللہ نے تمھیں مالک بنایا ہے، اللہ سے نہیں ڈرتے؟ یہ مجھ سے شکایت کر رہا ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے مسلسل کام لیتے ہو۔‘‘ [1]

* رسول اللہ ﷺ نے جانوروں سے منبر کا کام لینے سے منع فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ’’اپنے جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جانور تمھارے ماتحت اس لیے کیے ہیں کہ یہ تمھیں سہولت سے ان علاقوں تک پہنچائیں جہاں تم مشقت کے بغیر نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے زمین بنائی ہے، اپنی دیگر ضروریات اس پر پوری کرو۔‘‘ [2]

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چہرے پر مارنے اور داغ لگانے سے منع کیا ہے۔ [3]

ایک دوسری روایت میں انھی سے منقول ہے کہ نبیِ کریم ﷺ ایک گدھے کے پاس سے گزرے۔ اس کے چہرے پر داغ لگا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اللہ اس پر لعنت کرے جس نے اسے یہاں داغ لگایا ہے۔‘‘ [4]

البتہ چہرے کے سوا دیگر مقامات پر جانور کو داغ لگانا بلا شک و شبہ جائز ہے۔ [5]

---

[1] سنن أبي داود، الجهاد، باب مايؤمر به من القيام على الدواب والبهائم، حديث: 2549. جامع الأصول کے محقق نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الوقوف على الدابة، حديث: 2567. [3] صحيح مسلم، اللّباس والزينة، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه، حديث: 2116. [4] صحيح مسلم، اللّباس والزينة، باب النهي عن ضرب الحيوان......، حديث: 2117. [5] صحيح مسلم، اللّباس والزينة، باب جواز وسم الحيوان غيرِ الآدمي في غير الوجه......، حديث: 2119.

رسول اللہ ﷺ کی خوش مزاجی

* حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل بادیہ میں سے ایک شخص جس کا نام زاہر تھا۔ نبی کریم ﷺ کے لیے دیہی بادیہ (عرب کے صحرائی و غیر صحرائی علاقے) سے تحائف لایا کرتا تھا۔ جب وہ واپس بادیہ روانہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے زادِ راہ مہیا کرتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے: ''زاہر ہمارا بدوی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔''

نبی کریم ﷺ اس سے محبت کرتے تھے۔ زاہر شکل وصورت کے لحاظ سے کم رُو تھا۔ ایک دفعہ وہ بازار میں اپنا سامان بیچ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے چپکے سے پیچھے سے جا کر اسے اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔ اس حالت میں زاہر پیچھے نہیں دیکھ سکتا تھا، اس لیے وہ چیخا اور کہنے لگا: ''ارے تم کون ہو؟ چھوڑو مجھے!'' آپ ﷺ نے گرفت ڈھیلی کی تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا، پتہ چلا کہ یہ تو نبی کریم ﷺ ہیں۔ جونہی اس نے آپ ﷺ کو پہچانا تو اپنی کمر پوری قوت سے آپ ﷺ کے سینۂ مبارک سے لگانے لگا۔ نبی کریم ﷺ فرمانے لگے: ''مجھ سے یہ غلام کون خریدے گا؟'' زاہر نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میری تو آپ کو بہت ہی کم قیمت ملے گی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ» أَوْقَالَ «أَنْتَ عِنْدَ اللّٰهِ غَالٍ»

''لیکن تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کم قیمت نہیں ہو۔'' یا فرمایا: ''اللہ کے نزدیک تمھاری بہت قیمت ہے۔''[1]

* انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سواری کا جانور مانگنے

[1] المصنف لعبدالرزاق: 19688. شمائل النبي ﷺ کے محقق شیخ ماہر فحل نے عبدالرزاق کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (الشمائل المحمدية للترمذي، حديث: 239، ومسند أحمد: 161/3)

آیا۔ نبیِ رحمت ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔'' اس نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے مسکرا کر فرمایا: ''اونٹ بھی تو اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے۔'' [1]

* مجاہد سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئے۔ ان کے پاس ایک بڑھیا بیٹھی تھی۔ آپ نے دریافت فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ یہ میرے ننھیال سے ایک خاتون ہے۔ آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا: ''بوڑھی عورتیں تو جنت میں نہیں جائیں گی۔'' اس عورت کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوا۔ آپ ﷺ یہ فرما کر اندر چلے گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يُنْشِئُهُنَّ خَلْقًا غَيْرَ خَلْقِهِنَّ»

''اللہ تعالیٰ انھیں نئے سرے سے پیدا کرے گا۔'' [2]

* مبارک بن فضالہ حسن سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے کہا: ایک بڑھیا نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: ''اے اللہ کے رسول! دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل کرے۔'' آپ مسکرائے اور فرمایا: ''ام فلاں! کوئی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی۔'' وہ بیچاری روتی ہوئی واپس چل پڑی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے بتا دو کہ جب یہ جنت میں داخل ہوگی تو بوڑھی نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّآ أَنشَأْنَٰهُنَّ إِنشَآءً ۝ فَجَعَلْنَٰهُنَّ أَبْكَارًا ۝ عُرُبًا أَتْرَابًا ۝ ﴾

[1] جامع الترمذي، البر والصلة، باب ماجاء في المزاح، حديث: 1992,1991، وأخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ: 184. محقق نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ والأدب المفرد: 335/1، حديث: 268، ومسند أبي يعلى: 412/6، حديث: 3776، وشرح السنة للبغوي: 182/13، حديث: 3605. [2] أخلاق النبي ﷺ لأبي الشيخ: 186. یہ حدیث مرسل ہے۔

’’بے شک ہم نے ان عورتوں کو نئے سرے سے پیدا کیا، سو ہم نے انھیں کنواریاں بنایا، دلربا ہم عمر۔‘‘ [1]

* امام زبیر بن بکار اپنی کتاب ’’الفاکہ‘‘ میں حضرت زید بن اسلم سے مرسل روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک خاتون ام ایمن نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی: ’’میرا خاوند آپ سے تشریف آوری کی درخواست کرتا ہے۔‘‘ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ’’تمھارا خاوند کون ہے، وہی جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے؟‘‘ وہ پریشان ہو گئی، بولی: ’’اے اللہ کے رسول! آپ کس کی بات کرتے ہیں؟ اللہ کی قسم! میرے خاوند کی آنکھوں میں تو کوئی سفیدی نہیں۔‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’اس کی آنکھوں میں سفیدی ہے۔‘‘ وہ بولی: ’’اللہ کی قسم! نہیں۔‘‘ آپ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ’’ہر شخص کی آنکھوں میں سفیدی ہوتی ہے۔‘‘ [2]

* قاسم بن ثابت نے اپنی کتاب ’’دلائل‘‘ میں صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی: ’’میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ قبا گیا۔ وہاں لوگوں کے سامنے کچھ خشک کھجوریں اور کچھ ڈوکے پڑے تھے۔ میری ایک آنکھ میں تکلیف تھی۔ میں کھجور اٹھا کر کھانے لگا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ’’تم کھجور کھا رہے ہو جبکہ تمھاری آنکھ دُکھتی ہے؟‘‘ میں نے مزاحاً کہا: ’’میں تندرست آنکھ والی جانب سے کھا رہا ہوں۔‘‘ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر ہنس پڑے

[1] الواقعة 56:35-37. شمائل الترمذي، (تحقيق ماهر فحل)، حديث: 240. محقق نے کہا: ’’اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ یہ مرسل روایت ہے۔ مبارک بن فضالہ تدلیس عام اور تدلیس التسویۃ کا مرتکب ہے۔ اس نے یہ روایت عن سے بیان کی۔‘‘ [2] سبل الهدٰی والرشاد: 182/7. اس واقعے کے آخر میں ایک عورت کا واقعہ بھی ہے جس نے سواری طلب کی تھی، آپ نے فرمایا تھا: ’’اسے کسی اونٹ پر سوار کردو۔‘‘ یہ مضمون انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مانند ہے۔ جس میں ایک آدمی نے سواری طلب کی تھی۔

اور مجھے آپ ﷺ کی ابتدائی ڈاڑھیں نظر آئیں۔"[1]

امام شامی نے اپنی کتاب "السُّبُل" میں رسول اللہ ﷺ کی خوش مزاجی کے اور بھی کئی واقعات بیان کیے ہیں۔

سیرت وصورت کے لحاظ سے جامع کمالات

اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے وہ روایت بیان کرتے ہیں جسے امام ترمذی رحمہ اللہ نے "شمائل" میں بیان کیا ہے۔

* حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ (84) سے رسول اللہ ﷺ کے ناک نقشے اور شکل وصورت کے بارے میں پوچھا۔ وہ حلیہ بیان کرنے میں بڑے ماہر تھے۔ میں چاہتا تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے خدو خال کے متعلق کچھ بتائیں تاکہ میں اسے یاد رکھوں۔ انھوں نے بتایا: "رسول اللہ ﷺ قوی ہیکل اور تنومند تھے۔ چہرہ یوں دمکتا جیسے چودھویں کا چاند ضوفشاں ہو۔ درمیانے قد سے کچھ نکلتے ہوئے مگر بہت لمبے نہ تھے۔ سر بڑا، بال لہردار، درمیان سے مانگ نکالتے۔ مانگ نہ نکالتے اور بال سیدھے چھوڑتے تو کانوں کی لو سے نیچے نہ جاتے۔ رنگ روشن اور سفید تھا۔ ماتھے کے پہلو کھلے، ابرو گھنے اور کمان دار، درمیان میں ملتے نہیں تھے۔ ابروؤں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصے کے وقت نمایاں ہو جاتی۔ ناک اونچی لمبی اور

(84) هند بن أبي هالة: یہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی اولاد کے بھائی تھے۔ یوں وہ حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے ماموں ہوئے۔

[1] سبل الھدٰی والرشاد: 194/7. اس میں انقطاع (Disconnection) ہے۔ وجہ یہ ہے کہ قاسم بن ثابت بن حزم عوفی 302ھ میں فوت ہوئے جبکہ صہیب نے 38ھ یا 39ھ میں وفات پائی۔ یوں ان دونوں کی ملاقات محال ہے۔

سبک، جس پر نور جھلکتا تھا۔ جو غور سے نہ دیکھتا وہ آپ ﷺ کو بڑی ناک والا خیال کرتا۔ ڈاڑھی گھنی، رخسار نرم اور پست تھے۔ کشادہ دہن، دانت باریک اور پتلے، الگ الگ دکھائی دیتے تھے۔ سینے پر ناف تک بال گنتی کے اور باریک تھے۔ گردن گڑیا کی گردن کی طرح لمبی اور صاف تھی جیسے چاندی سے بنی ہو۔ اعضاء متناسب تھے۔ جسم مضبوط اور بھرا ہوا، پیٹ سینے کے برابر تھا۔ سینہ کشادہ اور دونوں کندھوں کے درمیان دوری تھی، کندھے، کہنی اور گھٹنے کے جوڑ کھلے تھے، جسم پر بال بہت کم، جلد شفاف اور سفید تھی۔ گردن سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر چلی گئی تھی۔ اس کے علاوہ پستان اور پیٹ بالوں سے خالی تھے۔ بازوؤں، کندھوں اور سینے کے بالائی حصے پر بال تھے۔ کلائیاں لمبی، ہتھیلیاں کھلی، ہڈیاں لمبی اور سیدھی، ہاتھ پاؤں فربہ تھے۔ ہاتھ، پاؤں لمبے تھے، تلوے خالی، پاؤں اوپر سے ملائم اور ہموار تھے جن پر پانی نہیں ٹھہرتا تھا۔ جب چلتے تو قوت سے چلتے۔ پاؤں اٹھا اٹھا کر رکھتے۔ عاجزانہ مگر باوقار اور قدرے تیز چال چلتے، یوں لگتا جیسے ڈھلان سے اتر رہے ہیں۔ کسی طرف توجہ کرتے تو پورے وجود کے ساتھ متوجہ ہوتے۔ نظر نیچی رکھتے۔ نگاہ آسمان کی بنسبت زمین کی طرف زیادہ دیر تک رہتی۔ جب دیکھتے تو کسی کے چہرے پر نظریں نہ گاڑتے۔ چلتے ہوئے اپنے ساتھیوں کو آگے رکھتے۔ جسے ملتے سلام کہنے میں پہل کرتے......"

* حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، میں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ کا اندازِ کلام بیان فرمائیے۔" وہ گویا ہوئے: "رسول اللہ ﷺ مسلسل غموں سے دوچار تھے۔ سوچ بچار کرتے۔ آپ کو راحت نہیں تھی۔ دیر تک خاموش رہتے، بلا ضرورت نہ بولتے۔ کلام کا آغاز اور اختتام اللہ تعالیٰ کے نام سے کرتے، (85) جامع اور دوٹوک بات کہتے، جس میں نہ کوئی فالتو پن

(85) مردانگی کی علامت: طبرانی کی روایت میں ہے: "بات پورے منہ سے کرتے" یعنی صرف منہ کے کنارے سے نہ بولتے اور یہ مردانگی کی علامت ہے۔

ہوتا اور نہ کوئی تشنگی۔ جفا جو نہیں تھے، نہ کسی کی تحقیر کرتے۔ نعمت معمولی بھی ہوتی تو اس کی بے حد قدر کرتے۔ کسی نعمت کو برا نہ کہتے۔ کھانے کی نہ برائی کرتے نہ تعریف۔''

''دنیا اور اس کی کسی شے کی خاطر ناراض نہ ہوتے۔ جب حق سے تجاوز کیا جاتا تو آپ ﷺ کے غصے کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکتی یہاں تک کہ اس کا انتقام لے لیتے۔ اپنے نفس کے لیے نہ غضبناک ہوتے نہ انتقام لیتے۔ جب اشارہ کرتے تو پوری ہتھیلی سے اشارہ کرتے۔ اظہارِ تعجب کرتے تو ہتھیلی کو اُلٹا کر لیتے اور جب گفتگو کرتے تو داہنی ہتھیلی بائیں انگوٹھے کے پیٹ پر مارتے۔ جب غصے میں آتے تو منہ موڑ لیتے، خوش ہوتے تو آنکھیں جھکا لیتے۔ آپ ﷺ کی ہنسی عموماً مسکراہٹ ہی کی حد تک محدود رہتی تھی۔ ہنستے وقت آپ ﷺ کے دندانِ مبارک اولوں کی طرح چمکتے تھے۔''

* حسن رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''میں نے یہ روایت عرصے تک (چھوٹے بھائی) حسین رضی اللہ عنہ سے چھپائے رکھی اور جب میں نے اس سے بیان کی تو پتہ چلا کہ اس کے پاس یہ روایت پہلے سے موجود ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ انھوں نے یہ ساری باتیں والد مکرم علی رضی اللہ عنہ سے پوچھی ہیں۔ انھوں نے حضرت علی سے آپ ﷺ کے داخل ہونے، نکلنے اور دوسرے طور طریقوں کے بارے میں بھی دریافت کیا اور کوئی چیز تشنہ وضاحت نہ رہنے دی۔ انھوں نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آپ کے کاشانۂ مبارک میں داخل ہونے کی اجازت تھی۔ جب آپ اپنے گھر داخل ہوتے تو اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم کر لیتے۔ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے وقف ہوتا۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے لیے اور اپنے لیے تھا۔ تیسرا حصہ لوگوں کے لیے تھا۔ گھریلو اوقات کے اس حصے میں آپ ﷺ کے قریبی ساتھی ہی (جن میں خلفائے اربعہ سرفہرست ہیں) آپ سے ملاقات کرتے جو آپ کا کوئی پیغام عام لوگوں تک پہنچا دیتے تھے۔ آپ ان سے کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھتے تھے۔''

''وقت کا جو حصہ لوگوں کے لیے ہوتا اس میں طریقۂ کار یہ تھا کہ آپ ﷺ اجازت

دیتے وقت اہلِ علم و فضل کو ترجیح دیتے۔ اس سلسلے میں لوگوں کی دینی خدمات پیش نظر رکھی جاتی تھیں۔ اس وقت ملاقات کرنے والوں میں حاجت مند لوگ بھی شامل ہوتے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ مصروف رہتے اور بعض ایسے کاموں کی انجام دہی ان کے سپرد کرتے جو ان کے اور امت کے لیے مفید ہوتے اور انھیں یہ بھی بتاتے کہ کون سا کام ان کے لیے بہتر اور فائدے مند ہے۔'' اور فرماتے: ''حاضر لوگ اسے بات پہنچائیں جو حاضر نہیں اور جو لوگ اپنے مسائل خود مجھ تک پیش نہیں کر سکتے ان کے مسائل سے تم مجھے آگاہ کرو۔ جو شخص اس قسم کے لوگوں کے مسائل حاکم تک پہنچائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے ثابت قدم رکھے گا۔''[1]

''رسول اللہ ﷺ کے پاس انھیں باتوں کا تذکرہ ہوتا، اس کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ لوگ مسائل کے حل کے لیے آپ ﷺ کی خدمت میں آتے اور خیر و برکت کے اثاثے حاصل کر کے واپس جاتے اور کاشانۂ مبارک سے باہر نکلتے ہی لوگوں کے لیے نیکی کے پیامبر بن جاتے۔''

* حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے والد صاحب سے پوچھا: ''گھر سے باہر تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کی مصروفیات کیا ہوتی تھیں؟'' انھوں نے بتایا: ''اللہ کے رسول ﷺ اپنی زبان کو لایعنی اور غیر متعلقہ باتوں کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے۔ آپ اپنی باتوں سے لوگوں میں اُلفت پیدا کرتے انھیں متنفر نہ کرتے۔ ہر قوم کے سرداروں اور معززین کی عزت و تکریم کرتے اور انھی کو ان کی قوم کا نگران مقرر کرتے۔ لوگوں (کے شر) سے محتاط رہتے اور ان سے بچاؤ اختیار کرتے لیکن کسی سے اپنی خوش خلقی اور خندہ جبینی ختم نہ کرتے۔''

[1] البانی رحمہ اللہ نے لکھا: ''اور جو لوگ اپنے مسائل خود مجھ تک.....'' سے آخر تک کے الفاظ کی سند مختلف ہے۔ اس کے راوی بھی علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ سند سخت ضعیف ہے۔ میں نے اس کا ذکر سلسلة الأحاديث الضعيفة، حديث : 1594 میں بھی کیا ہے۔'' دیکھیے: (مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: 22)

''نبیِ کریم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات سے باخبر رہتے۔ لوگوں کی ضروریات و مسائل کا پورا خیال رکھتے۔ لوگوں سے معاشرے میں رُونما ہونے والے واقعات کے بارے میں پوچھتے رہتے۔ اچھی بات کی تعریف اور تائید کرتے اور بری چیز کی مذمت اور تردید کرتے۔ معاملات میں اعتدال کا جوہر نمایاں ہوتا۔ افراط و تفریط سے بچتے۔ لوگوں کے معاملات سے کبھی غافل نہ ہوتے مبادا لوگ بھی غافل یا ملول خاطر ہو جائیں۔ آپ ﷺ ہر قسم کے حالات کے مقابلے کے لیے تیار رہتے۔ حق سے سرِ مُو انحراف نہ کرتے۔ اچھے لوگ آپ کے اردگرد ہوتے۔ آپ ﷺ کے ہاں وہی لوگ بلند مراتب والے گردانے جاتے جو سب لوگوں کے خیر خواہ، انتہائی غمخوار اور مددگار ہوتے تھے۔''

* حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے والد صاحب سے آپ ﷺ کی مجلس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا: رسول اللہ ﷺ مجلس میں اٹھتے بیٹھتے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔ جب کسی مجلس میں پہنچتے تو آگے آنے کے بجائے جہاں جگہ ملتی، بیٹھ جاتے۔ آپ ﷺ اس بات کا حکم بھی دیتے تھے۔ مجلس کے ہر حاضر باش کو اس کا حق دیتے۔ آپ کا کوئی ہم نشین یہ نہیں سمجھتا تھا [illegible] آپ ﷺ کسی دوسرے کی طرف اس سے زیادہ توجہ فرما رہے ہیں۔ جو شخص ا[illegible] کام کے لیے آپ کے پاس آ کر بیٹھتا یا آپ سے کوئی بات چیت کرتا تو آپ [illegible] طرف متوجہ رہتے حتی کہ وہ خود ہی اٹھ جاتا۔ کوئی شخص آپ ﷺ کے سامنے اپ[illegible] پیش کرتا تو آپ اس کی حاجت پوری کرتے یا مناسب الفاظ میں معذرت کر د[illegible] آپ ﷺ کی خوش خلقی اور خوش روئی سب کے لیے یکساں تھی، اس لیے آپ بجا [illegible] ان سب کے لیے ایک مشفق والد کی طرح تھے جس کے سامنے سب بیٹے یکساں [illegible]ق کے حامل ہوتے ہیں۔''

* ''رسول اللہ ﷺ کی مجلس علم و حکمت، حیا و وقار، امانت و دیانت، تہذیب و شائستگی اور صبر و تحمل کا نادر مرقع ہوتی تھی۔ نہ اس میں آوازیں بلند ہوتیں نہ کسی کی بے حرمتی ہوتی اور

نہ کسی کے عیوب اچھالے جاتے، نہ کسی کی لغزشوں کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا۔ سب حاضرین ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھتے اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ و دو میں لگے رہتے۔ سب ایک دوسرے کے سامنے بچھے چلے جاتے۔ بڑوں کی تعظیم کرتے، چھوٹوں سے شفقت سے پیش آتے۔ حاجت مند کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے اور اجنبی کا خیال رکھتے۔"

* سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے والد گرامی قدر سے ہم نشینوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے بتایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہنس مکھ رہتے۔ سہل خو اور نرم پہلو۔ جفاجو اور تند خو نہیں تھے، نہ شور مچاتے، نہ گالی گلوچ کرتے، نہ کسی کی عیب جوئی کرتے، نہ بخل کرتے۔ جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے تغافل برتتے، کسی اُمید رکھنے والے کا دل نہ توڑتے، نہ کسی کو نامراد واپس لوٹاتے تھے۔"[1]

"تین چیزوں سے دُور رہتے: جھگڑا، کسی چیز کی کثرت سے اور لایعنی بات یا کام سے اور تین باتوں سے لوگوں کو محفوظ رکھا: کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کو عار نہیں دلاتے تھے، کسی کی عیب جوئی نہیں کرتے تھے۔ صرف وہی بات کرتے جس میں ثواب کی اُمید ہوتی۔"

"جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے تو آپ کے ہم نشین یوں سر جھکائے ہوتے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تب وہ کلام کرتے۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپس میں باتیں نہیں کرتے تھے۔ آپ کے پاس جو کوئی بولتا سب اس کے لیے خاموش رہتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات پوری کر لیتا۔ سب کی بات

[1] یہ روایت بھی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ہے جو وہ اپنے بھائی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے اور وہ اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

وہی ہوتی جو ان کا پہلا شخص کرتا تھا۔ اگر لوگ کسی بات پر ہنستے تو آپ بھی ہنستے۔ جب لوگ کسی بات پر تعجب کا اظہار کرتے تو آپ ﷺ بھی ان کا ساتھ دیتے۔ اجنبی آدمی کی سخت کلامی اور بدتہذیبی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آرزومند رہتے کہ کوئی اجنبی ملاقاتی آئے، رسول اللہ ﷺ سے بے تکلفی سے سوالات کرے، آپ ﷺ اسے جواب دیں اور یوں خود انھیں بھی رسالت مآب ﷺ کے ارشادات سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کا موقع ملے۔''

* رسول اللہ ﷺ خود فرمایا کرتے: ''جب تم کسی حاجت مند کو دیکھو کہ وہ سوال کر رہا ہے تو اس کی مدد کر دیا کرو۔''

''آپ ﷺ مبالغہ آرائی کرنے والے کسی فرد کو اپنی تعریف نہ کرنے دیتے، کسی کی بات نہ کاٹتے، ہاں اگر وہ حق سے تجاوز کرتا تو اسے منع کر دیتے یا اٹھ جاتے۔''[1]

[1] شمائل الترمذي (تحقیق ماهر فحل)، ص: 39,38. محقق کا کہنا ہے: ''اس حدیث کی سند سخت ضعیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں سفیان بن وکیع ہے جسے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں اس میں دو راوی مجہول ہیں۔'' البانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے، دیکھیے: (مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: 18-26، حدیث: 6) البانی رحمہ اللہ نے مختصر الشمائل کی تحقیق میں لکھا: ''جان لیجیے کہ یہ حدیث دراصل ایک ہی سند کے ساتھ چند ابواب میں بکھری ہوئی تھی۔ میں نے یہاں ان بکھرے شذرات (ٹکڑوں) کو ایک مسلسل عبارت کی شکل میں جمع کر دیا ہے جو میری ذاتی کاوش ہے، پھر میں نے دیکھا کہ میری یہ کارگزاری حافظ یعقوب بن سفیان فسوی کی روایت کے موافق ہے۔ انھوں نے بھی یہ ساری حدیث مسلسل عبارت کی صورت میں بیان کی ہے۔ ان سے ابن کثیر نے البداية میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا: ''اس لمبی حدیث کو ترمذی نے الشمائل میں سفیان بن وکیل سے روایت کیا ہے۔'' ابن کثیر نے یہ نہیں بتایا کہ ترمذی نے اسے ٹکڑوں میں بیان کیا ہے، پھر میں نے یہی روایت ابونعیم کے ہاں بھی عبارت کے تسلسل سے دیکھی۔ بیہقی نے ایک باب خاص کیا ہے جس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و عادات (شمائل) کے متعلق چند روایات بالاختصار بیان کی ہیں، دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 1/308-332) بیہقی کی بیان کردہ روایات ہند بن ابی ہالہ کی روایت »

رسول اکرم ﷺ کے اوصاف عالیہ کے بارے میں ایک جامع بیان ام معبد خزاعیہ سے منقول ہے جس کی طرف ہجرتِ مدینہ کے عنوان کے تحت اشارہ کیا جا چکا ہے۔ جب ان کے خاوند ابو معبد گھر آئے، ام معبد سے کہنے لگے کہ ان صاحب کا حلیہ بیان کرو جو یہاں فروکش ہوئے تھے۔ ام معبد نے بتایا: ''میں نے ایسے صاحب وقار کو دیکھا جس کا رنگ چمکتا اور چہرہ تابناک تھا۔ نہ اس میں موٹاپے کا عیب تھا نہ دُبلے پن کا نقص۔ جمالِ جہاں تاب کے ساتھ ڈھلا ہوا پیکر، نہایت خوبرو، سرگیں آنکھیں، باریک اور باہم ملے ہوئے ابرو، بھاری آواز، لمبی گردن، گھنی ڈاڑھی۔ خاموش ہو تو باوقار، گفتگو کرے تو پرکشش۔ دور سے دیکھنے میں سب سے تابناک اور پر جمال، قریب سے سب سے شیریں اور خوبصورت، گفتگو میں چاشنی، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول اور انداز ایسا گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہیں۔''

''درمیانہ قد، نہ ناٹا کہ نگاہ میں نہ جچے، نہ لمبا کہ ناگوار لگے۔ دو شاخوں کے درمیان ایسی شاخ جو سب سے زیادہ تازہ و خوش منظر ہے۔ رفقاء اس کے گرد حلقہ بنائے رہتے ہیں۔ کچھ کہے تو توجہ سے سنتے ہیں۔ کوئی حکم دے تو لپک کر بجا لاتے ہیں۔ مخدوم اور قابلِ احترام، نہ ترش رو اور نہ لغوگو۔''[1]

◄◄ کی تائید کرتی ہیں۔'' میں (مصنفِ کتاب) کہتا ہوں: ''ان روایات کا بڑا حصہ بخاری و مسلم کی روایات سے ماخوذ ہے۔'' [1] شرح السنة للبغوي: 13/261-269، حديث: 3704، والأنوارفي شمائل النبي المختار (تحقيق إبراهيم اليعقوبي) : 1/340، حديث: 456، والطبقات الكبرىٰ: 1/230، والمستدرك للحاكم: 3/9-11. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ روایت کا کچھ حصہ ابن ہشام نے بھی بسند حسن روایت کیا ہے۔ اس کے دیگر شواہد بھی ملتے ہیں، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام: 2/146-148) واقعہ بے حد معروف ہے۔ ابن کثیر نے لکھا: ''ام معبد کی روایت معروف ہے۔ کئی ایک سندوں سے مروی ہے۔ یہ سندیں ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 3/188) اس باب کے شروع میں ◄◄

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی ﷺ کی صورت اور سیرت کے بارے میں کوئی بات تشنہ نہیں چھوڑی۔ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی ہر بات بے کم و کاست ہم تک پہنچا دی۔ دقتِ نظری کی انتہا ہے کہ انھوں نے آپ ﷺ کی ریش مبارک اور سر کے سفید بال بھی گن رکھے تھے۔

* حضرت انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے سر میں اور آپ کی ڈاڑھی میں چودہ سفید بال شمار کیے۔''[1]

* سماک بن حرب سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے سفید بالوں کی نسبت پوچھا گیا تو میں نے انھیں یہ کہتے سنا: ''آپ ﷺ جب سر کو تیل لگا لیتے تو کوئی سفید بال نظر نہ آتا اور جب تیل نہ لگاتے تو چند سفید بال نظر آنے لگتے۔''[2]

* اسی سند کے ساتھ روایت آتی ہے کہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ''کیا اللہ کے رسول ﷺ کے سر کے بال سفید ہوئے تھے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''رسول اللہ ﷺ کے سر کی مانگ میں چند بال سفید تھے۔ جب آپ تیل لگا لیتے تو تیل انھیں چھپا لیتا۔''[3]

◄◄ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جو پہلی حدیث گزری ہے اس میں ہے کہ نبی ﷺ کے ابرو جدا جدا تھے مگر اس روایت میں ابرو کے باہم ملے ہونے کا تذکرہ ہے۔ یہ حدیث معروف ہے۔ لیکن پہلی حدیث کے بارے میں علامہ البانی نے کہا: ''اس کی سند سخت ضعیف ہے۔'' دیکھیے: (مختصر شمائل المحمدية (تحقيق ناصر الدين الألباني): حديث: 6) [1] مسند أحمد: 165/3، ومسند عبد بن حميد، حديث: 1243، و صحيح ابن حبان (ابن بلبان)، حديث: 6293، وشرح السنة للبغوي: 407/6، والمصنف لعبدالرزاق: 155/11، حديث: 20185، وشمائل الترمذي (تحقيق ماهر فحل) محقق ماہر فحل نے کہا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔'' [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب شيبه ﷺ، حديث: 2344، وسنن النسائي، الزينة، باب الدهن، حديث: 5117، وشمائل الترمذي (تحقيق ماهر فحل)، ص: 55، حديث: 44. [3] صحيح مسلم، الفضائل، باب شيبه ﷺ، حديث: 2344، وسنن النسائي، الزينة، باب الدهن، حديث: 5117، و مسند أحمد: 86/5و90و95، وشمائل ◄◄

* جریر بن عثمان سے روایت ہے، انھوں نے عبداللہ بن بُسر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''آپ نے رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح دیکھا ہے، کیا آپ ﷺ بوڑھے لگتے تھے؟'' انھوں نے جواب میں کہا: ''رسول اللہ ﷺ کے نچلے ہونٹ کے نیچے چند بال سفید تھے۔''[1]

* عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''رسول اللہ ﷺ کے سر اور ڈاڑھی میں تقریباً بیس بال سفید ہوں گے۔''[2]

مختصر یہ کہ نبیِ کریم ﷺ صورت وسیرت کے لحاظ سے صفاتِ نادرہ کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ کیوں نہ ہوتے جبکہ آپ کی تربیت رب کریم نے فرمائی۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝﴾ ''بلاشبہ تو خلقِ عظیم کا حامل ہے۔''[3]

* حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''آپ ﷺ کا اخلاق قرآن تھا۔''[4]

[1] الأنوار للبغوي: 151/1، حديث: 173. ◄الترمذي (تحقيق ماهر فحل)، ص: 55، والأنوار للبغوي: 152,151/1، حديث: 174، بسند صحيح. محقق نے ان محدثین کرام کا ذکر کیا ہے جنھوں نے یہ حدیث روایت کی ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3546,3545، وصحيح مسلم، الفضائل، باب شيبه ﷺ، حديث: 2342، ومسند أحمد: 188,187/4 و190، والمستدرك للحاكم: 607/2) حاکم نے حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کے اس فیصلے کو برقرار رکھا۔ وسنن ابن ماجه، اللباس، باب من ترك الخضاب، حديث: 3628. مزید دیکھیے: (مسند الطيالسي: 2418، وشرح السنة: 229/13، حديث: 3655، والطبقات الكبرىٰ: 434/1) سند اور الفاظ یکساں ہیں۔ [2] الأنوار للبغوي: 152/1، حديث: 175. محقق نے ان محدثین کرام کا ذکر کیا ہے جنھوں نے یہ حدیث روایت کی، دیکھیے: (صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبي ﷺ، حديث: 3548,3547، وكتاب اللّباس، باب الجعد، حديث: 5900، والتاريخ الصغير للبخاري: 31/1. یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے، اس کے آخری الفاظ یہ ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے سر اور داڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔'' دیکھیے: (سنن ابن ماجه، اللّباس، باب من ترك الخضاب، حديث: 3630، وجامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في مبعث النبي ﷺ، حديث: 3623، وشرح السنة للبغوي: 230,229/13، حديث: 3656، والطبقات الكبرىٰ: 432/1) سند اور الفاظ یکساں ہیں۔ [3] القلم 4:68. [4] اس حدیث کی تخریج سابقہ بحث (آپ کے اخلاق) میں بیان کی جا چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے یہ اوصاف حمیدہ جو ہم نے بیان کیے ہیں، یہ آپ ﷺ کے محاسن وکمالات کے بحرِ بیکراں میں سے ایک قطرہ ہیں۔ جو بھی صفت حمیدہ قرآنِ کریم، احادیثِ نبویہ، آثارِ (اقوال) صحابہ یا اخبارِ امم ماضیہ (پہلی امتوں کی روایات) میں مذکور ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ میں بدرجۂ اتم پائی جاتی تھی۔ آپ ان خصائل محمودہ پر سب سے پہلے عمل کرنے والے تھے۔ پیش نظر مختصر کتاب میں تو ظاہر ہے ان میں سے چند ہی بیان کیے جا سکتے ہیں۔ ترمذی،[1] بیہقی،[2] ابو الشیخ،[3] ابن مقری،[4] فیروز آبادی،[5] مستغفری،[6] جعفر بن حیان اصبہانی[7] اور بغوی[8] وغیرہ نے اس مبارک موضوع پر خصوصی کتابیں لکھی ہیں جن میں نبوی اخلاق و عادات کا ایک بڑا حصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے پوری کوشش کی ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کے صفات و احوال کے بارے میں ضروری باتیں جمع کر دی جائیں۔ وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب رہے ہیں۔ انھوں نے شمائل نبوی کثیر مقدار میں جمع کیے ہیں۔[9] ان کے دو سو سال بعد امام محمد بن یوسف صالحی شامی (متوفی

---

[1] اس سلسلے میں ترمذی کی کتاب ''الشمائل'' ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ علمائے کرام نے اس پر اضافے بھی تحریر کیے ہیں۔ ان میں اہم اور طویل ترین اضافہ قاضی عیاض کا ہے۔ قاضی کی کتاب کا نام الشفا في حقوق المصطفٰی ہے۔ شہاب الدین خفاجی نے اس کی شرح بنام نسیم الریاض لکھی۔ بعض علماء نے اس کتاب کی احادیث و روایات کی تحقیق کی ہے۔ [2] بیہقی کی کتاب کا نام الأدب ہے۔ سعید مَندوۃ نے اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ یہ کتاب 350 صفحات پر مشتمل ہے۔ [3] ابو الشیخ کی کتاب أخلاق النبي ﷺ و آدبه ہے۔ [4] ابن مقری کی کتاب النور الساطع ہے۔ ان کی وفات 552ھ میں ہوئی۔ [5] فیروز آبادی کی کتاب سفر السعادة ہے۔ ان کی وفات 812ھ میں ہوئی۔ [6] مستغفری کی کتاب شمائل النبي ﷺ ہے۔ انھوں نے 432ھ میں وفات پائی۔ [7] جعفر بن حیان اصبہانی کی کتاب أخلاق النبي ﷺ ہے۔ وہ 369ھ میں فوت ہوئے۔ [8] بغوی کی کتاب کا نام الأنوار في شمائل النبي المختار ﷺ ہے۔ ان کی وفات 516ھ میں ہوئی۔ [9] ابن القیم کی مشہورِ زمانہ تصنیف زادالمعاد في هدي خير العباد ہے۔ اسے الزاد اور الهَدْي کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔

942ھ) کا دور آیا۔ انھوں نے اپنی کتاب کی چودہ جلدوں میں سے ساتویں، آٹھویں اور نویں، یعنی تین جلدیں شمائل کے لیے مخصوص کی ہیں جن کے مجموعی صفحات کی تعداد دو ہزار صفحات تک پہنچتی ہے۔ تحقیقات اور تشریحات اس کے سوا ہیں۔

ابھی کچھ عرصہ پہلے شمائل کے موضوع پر ایک انسائیکلو پیڈیا بعنوان نضرة النعيم في مكارم وأخلاق الرسول الكريم ﷺ شائع ہوئی ہے۔ یہ انتہائی قیمتی دستاویز ہے۔ اس میں ان تمام اوامر ونواہی کا مفصل تذکرہ موجود ہے جو اخلاق اسلامیہ کی تربیت کے لیے ضروری ہیں۔ یہ انسائیکلو پیڈیا فاضلین کی ایک جماعت نے حرم مکی کے امام وخطیب صالح بن عبدالله الحُمَيد اور دارالوسيلة للنشر والتوزيع کے بانی عبدالرحمٰن بن حمید بن عبدالرحمٰن بن ملوح کی نگرانی میں مرتب کی ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن 1418ھ /1998ء میں شائع ہوا۔ اس انسائیکلو پیڈیا میں واردشدہ احادیث کی مفید علمی تحقیق بھی کی گئی ہے۔ جزاهم الله أحسن الجزاء.

انسائیکلو پیڈیا کی بارہ جلدیں ہیں۔ آخری جلد میں پوری کتاب کی فنی فہرست دی گئی ہے اور پہلی جلد کا اکثر حصہ سیرتِ نبویہ کے واقعات بشمول غزوات وسرایا پر مشتمل ہے۔

باب

10

معجزات رسول ودلائل نبوت

- معجزاتِ رسول ﷺ
- پانی کے معجزات
- اشیائے طعام کے معجزات
- نباتات کے معجزات
- حیوانات کے معجزات
- بعض دیگر اشیاء کے معجزاتی اثرات
- بے جان اشیاء کے معجزاتی اثرات
- غیبی امور کے متعلقہ معجزات
- رسول اللہ ﷺ کی دعا اور بددعا
- جدید طبی تحقیقات سے متعلقہ معجزات

***

﴿ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ ﴾

''کہہ دے: واقعی اگر تمام انسان اور جن اس امر پر مل جائیں کہ اس قرآن جیسی کتاب لائیں گے تو وہ ایسی کتاب نہیں لائیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے پشتیبان بن جائیں۔'' [بني إسرآء يل 88:17]

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ○ ﴾

''قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ بڑا مضبوط جادو ہے اورانھوں نے (آنکھوں دیکھی چیز کی) تکذیب کی اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگے اور ہر کام ٹھہرا ہوا ہے (اس کا وقت مقرر ہے۔)''

[القمر 54:1-3]

معجزاتِ رسول ﷺ

محققین کی تعریف کے مطابق معجزہ وہ خلافِ عادت واقعہ ہے جسے بطورِ چیلنج ظہور میں لایا گیا ہو اور وہ نبی کی صداقت پر دلالت کرتا ہو، چیلنج کے دعوے کے عین مطابق ہو اور اس کے مقابلے کا خطرہ نہ ہو۔

چیلنج کی قید سے وہ خلافِ عادت واقعات خارج ہیں جو چیلنج کے بغیر رُونما ہوتے ہیں۔ اسے ولی کی کرامت سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ نبوت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پیش آنے والے خلافِ عادت غیر معمولی واقعات، مثلاً: بادل کا آپ ﷺ پر سایہ کرنا اور شق صدر وغیرہ، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا گود میں بات کرنا یا نبوت سے پہلے دوسرے انبیائے کرام کو پیش آنے والے اس قسم کے واقعات معجزات نہیں کہلائیں گے بلکہ انھیں کرامات کہا جائے گا۔ اس قسم کے واقعات کا اولیاء کے ساتھ پیش آنا عین ممکن ہے۔ یہ واقعات دراصل نبوت کی تمہید کے طور پر رونما ہوئے۔ انھیں ''اِرہاصات'' کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیٔ کریم حضرت محمد ﷺ کی زبان مبارک اور دستِ مبارک سے بہت سے معجزات صادر فرمائے۔ بیہقی رحمہ اللہ کے مطابق ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہے۔[1] امام نووی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق معجزے بارہ سو سے متجاوز ہیں۔[2]

[1] دلائل النبوة للبيهقي:60/1. [2] مقدمة شرح صحيح مسلم:2/1.

یہاں ہم اس کتاب کے حجم کے پیش نظر انتہائی اختصار کے ساتھ ان میں سے چند اہم اور مشہور معجزات بیان کرتے ہیں۔

قرآن کریم ایک عظیم الشان ابدی معجزہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰٓ أَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○

’’کہہ دے: واقعی اگر تمام انسان اور جن اس امر پر مل جائیں کہ اس قرآن جیسی کتاب لائیں گے تو وہ ایسی کتاب نہیں لائیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے پشتیبان بن جائیں۔‘‘[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلْيَأْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ إِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ○ أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ○ ﴾

’’پھر وہ اس جیسی کوئی بات لے آئیں اگر سچے ہیں۔ کیا وہ کسی شے (خالق) کے بغیر پیدا ہو گئے ہیں یا وہی پیدا کرنے والے ہیں؟‘‘[2]

نیز فرمایا:

﴿ أَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ ﴾

’’یا وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے (قرآن کو) گھڑا ہے؟ کہہ دے: پھر تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور جسے بھی اللہ کے سوا پکار سکتے ہو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو!‘‘[3]

[1] بني إسرآءيل 17:88. [2] الطّور 52:34,35. [3] هود 11:13.

اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے اسے (قرآن کو) خود بنایا ہے؟ کہہ دے: پھر تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور جسے بھی اللہ کے سوا بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو۔''[1]

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ○﴾

''اور اگر تم اس کے بارے میں کسی شک میں پڑے ہو جو ہم نے اپنے بندے پر اتارا تو اس جیسی کوئی سورت لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو پکارو اگر تم سچے ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا اور کبھی تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر اس آگ سے بچ جاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''[2]

یوں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس چیلنج کو بتدریج بار بار دہرایا ہے۔ پہلے پوری کتاب، پھر کچھ حصہ، یعنی دس آیات، پھر کم از کم، یعنی صرف ایک ہی سورت بنا لانے کا چیلنج دیا مگر اہل عرب کچھ بھی نہ کر سکے جبکہ وہ شعر و نثر پر زبردست قدرت اور فصاحت و بلاغت کا دعویٰ رکھتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کے تمام معجزے اسی طرح بے مثال ہوتے ہیں کہ کسی بھی قوم کا کوئی ماہر سے ماہر فرد بھی ان کے مقابلے سے عاجز رہا، حالانکہ وہ معجزہ ایسے کام کا ہوتا جس میں وہ لوگ مشہور و معروف ہوتے تھے، مثلاً: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو لاٹھی سے سانپ بنانے اور ید بیضا، یعنی ہاتھ گریبان میں ڈال کر روشن اور چمکدار بنانے کا معجزہ عطا فرمایا

[1] یونس 10:38. [2] البقرۃ 2:23،24.

گیا۔ ان کی قوم میں جادو عروج پر تھا اور وہ رسیوں کے سانپ بنایا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے حقیقی سانپ نے ان کے جعلی سانپوں کو چشمِ زدن میں نگل لیا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں طِب نے بہت ترقی کر لی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی نوعیت کے معجزے عطا فرمائے، مثلاً: مادر زاد اندھے کو بینا کر دینا، گونگے کی زبان چلا دینا، پھلبہری کے نشانات مٹا دینا، مردے کو زندہ کر دینا۔ یہ آخری معجزہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں بھی صادر کرایا تھا۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ سابقہ انبیاء کے معجزے تو ان کی زندگی کے ساتھ ہی ختم ہو گئے اور دیکھنے والے ان کے بعد ان کا کوئی معجزہ نہ دیکھ پائے۔ مگر قرآن کریم ایک ایسا دائمی معجزہ ہے جو قیامت تک تازہ رہے گا۔ قرآن ہر قسم کی غیبی باتوں اور اعجاز و نبوت کے دلائل پر مشتمل ہے۔ اس میں پہلی امتوں کی سچی باتیں بھی ہیں اور آئندہ کی پیش گوئیاں بھی۔ اس میں ہر قسم کے علمی، ادبی، بلاغتی اور غیبی اعجازات جلوہ گر ہیں۔ اہلِ علم جب تک اس میں غور وفکر کرتے رہیں گے، اس کے نت نئے عجائبات رونما ہوتے رہیں گے۔ کبھی ختم نہ ہوں گے۔

چاند کے دو ٹکڑے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ ﴾

"قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ بڑا مضبوط جادو ہے۔"[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: "مکہ مکرمہ کے بعض سردار جن میں ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن

[1] القمر 54:1،2.

ہشام، عاص بن وائل، اسود بن عبدالمطلب، نضر بن حارث شامل تھے، رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کرنے لگے کہ ہمیں کوئی معجزہ دکھاؤ۔ اگر تم سچے ہو تو ہمیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھاؤ۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر ہو تو دوسرا جبل قعیقعان پر۔'' نبیِ کریم ﷺ نے پوچھا: ''اگر میں تمھارا یہ مطالبہ پورا کردوں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟'' وہ بولے: ''بالکل!'' یہ چودھویں کی رات تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے رب کریم سے دعا کی کہ وہ ان کا مطالبہ پورا فرما دے۔ آپ ﷺ کی دعا سے فی الواقع چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ابوقبیس پہاڑ پر نظر آ رہا تھا اور دوسرا قُعَیقعان پہاڑ پر۔ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا: ''گواہ رہو۔ گواہ رہو۔''

کفار نے دیکھا تو آنکھیں ملنے لگے کہ شاید ہماری نگاہوں کو دھوکا ہوا ہے، پھر دوبارہ دیکھا، تب بھی چاند اسی طرح دونیم نظر آیا۔ وہ دوبارہ آنکھیں ملنے لگے اور پھر دیکھا تب بھی دو ٹکڑے صاف نظر آ رہے تھے۔ آخر کار کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے۔'' پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے: ''محمد نے ہم پر جادو کر دیا ہے مگر وہ سب لوگوں پر تو جادو نہیں کر سکتا۔ اردگرد سے آنے والے لوگوں کا انتظار کرو۔ اگر وہ بتائیں کہ انھوں نے بھی چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں تو پھر محمد سچا ہے۔'' پھر وہ آنے والے قافلوں سے تحقیق کرنے لگے۔ سب نے یہی بتایا کہ ہم نے بھی چاند کے دو ٹکڑے دیکھے ہیں۔ لیکن یہ بدنصیب اُنھیں بھی جھوٹا کہنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ وَكَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَكُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ۝

''قیامت قریب آ گئی اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ موڑ لیتے اور کہتے ہیں کہ یہ بڑا مضبوط جادو ہے اور انھوں نے (آنکھوں دیکھی چیز کی) تکذیب کی اور اپنی خواہشات کے پیچھے لگے اور ہر کام ٹھہرا ہوا ہے (اس کا

وقت مقرر ہے۔)''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول بعض روایات میں مَرَّتَیْن کا لفظ آیا ہے۔ علمائے حدیث نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد بھی ''دو ٹکڑے ہی ہیں نہ کہ دو دفعہ''۔ صحیح مسلم کی صریح احادیث سے یہ امر واضح ہوتا ہے۔

سورج کی واپسی

شامی نے سُبُل الهدٰی والرّشاد میں لکھا ہے کہ طبرانی نے باسند حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے (اس سند کو ہیثمی نے مجمع الزوائد میں، ابن حجر نے فتح الباري میں اور ابو زرعہ عراقی نے اپنے والد محترم کی کتاب ''تقریب'' کی شرح میں حسن قرار دیا ہے) کہ نبیِ کریم ﷺ نے سورج کو حکم دیا کہ وہ کچھ دیر کے لیے رُک جائے۔[2]

اس کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں (اور دونوں شدید ضعیف ہیں):

پہلی روایت یہ ہے کہ نبیِ کریم ﷺ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ اس وقت آپ کا سر مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ عصر کی نماز نہ پڑھ سکے، ادھر سورج غروب ہو گیا۔ وحی ختم ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے علی سے پوچھا: ''علی! کیا تم نے نماز پڑھ لی؟'' عرض کی: ''نہیں!'' آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے: ''اے اللہ! یہ تیری اور تیرے رسول کی اطاعت میں مصروف تھا۔ سورج کو واپس

---

[1] القمر 54:1-3. صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب انشقاق القمر، حديث: 3868، وكتاب المناقب، باب سوال المشركين أن يريهم النبي ﷺ آية، فأراهم انشقاق القمر، حديث: 3636،3637، وصحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب انشقاق القمر، حديث: 2802.

[2] سبل الهدٰى والرّشاد: 604/9. شامی نے ان روایات پر بڑا قیمتی تبصرہ کیا ہے جن میں یہ بیان ہوا ہے کہ نبی ﷺ کی دعا کی برکت سے غروب ہو جانے کے بعد سورج کو واپس کر دیا گیا۔

کر دے۔'' [1]

سورج غروب ہونے کے بعد دوبارہ نکل آیا۔ پہاڑوں پر اس کی دھوپ خوب چمک رہی تھی۔ یہ غزوۂ خیبر کے دوران میں مقام ''صَهْبَاء'' کی بات ہے۔

دوسری روایت یونس بن بکیر کی ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کو پیر کی رات ''اسراء'' کرایا گیا۔ آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ آ کر اپنی قوم کو چند لوگوں کے نام بتائے جنھیں آپ ﷺ نے شام کے راستے میں مکہ مکرمہ آنے والے تجارتی قافلے میں دیکھا تھا۔ مکہ والے کہنے لگے: ''قافلہ کب پہنچے گا؟'' آپ نے فرمایا: ''بدھ کے دن۔'' چنانچہ اس دن سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا مگر قافلہ نہ آسکا۔ قریش انتظار کر رہے تھے آپ ﷺ نے دعا فرمائی: ''یا اللہ! قافلہ آنے تک سورج کو روک دے۔'' سورج تھم گیا۔ قافلہ پہنچا تو پھر غروب ہوا۔ [2]

قحط میں بارش

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''آپ ﷺ منبر پر بارش کی دعا کرتے اور میں آپ کے چہرۂ انور کو دیکھ رہا ہوتا۔ اس وقت مجھے شاعر کا یہ شعر یاد آ جاتا:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

''وہ ایسے سفید رُو ہیں کہ ان کے چہرے سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیم

[1] مشكل الآثار للطحاوي: 9/2. [2] حدائق الأنوار، ص: 140. حدائق الأنوار کے محقق نے لکھا: ''زبیدی نے اس کا ذکر 'اتحاف'' میں کیا ہے۔ انھوں نے اسے ابن بکیر کے ابن اسحاق کے مغازی پر اضافے کے حوالے سے نقل کیا ہے۔''

ملحوظہ: علامہ البانی رحمہ اللہ نے واقعات کی اسناد کی مکمل جانچ پرکھ کی ہے۔ اور اس میں ضعیف کے تمام اسباب ذکر کرنے کے بعد شدید ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (السلسلة الضعيفة، حديث: 972)

بچوں کی پناہ گاہ اور بیواؤں کا آسرا ہیں۔''[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے زمانۂ مبارک میں قحط پڑ گیا۔ رسول اللہ ﷺ جمعۃ المبارک کے دن منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور درخواست گزار ہوا: ''اے اللہ کے رسول! جانور مر گئے، اہل و عیال بھوکے ہیں، دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بارش برسا دے۔'' رسول اللہ ﷺ نے معاً اپنے مبارک ہاتھ اٹھا دیے۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان بھی نہیں تھا۔ لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ابھی آپ ﷺ نے ہاتھ بھی نہیں گرائے تھے کہ پہاڑوں جیسے بادل اُمڈ آئے اور ابھی آپ منبر سے بھی نہیں اترے تھے کہ موسلا دھار بارش برسنے لگی اور پانی چھت سے ٹپک ٹپک کر آپ ﷺ کی ریش مبارک پر گرنے لگا، پھر تو ایسی بارش برسی کہ اللہ کی پناہ۔ اس دن، اس سے اگلے دن، پھر اس سے اگلے دن حتی کہ اگلے جمعہ تک مسلسل جھڑی لگی رہی۔ اگلے جمعہ کے خطبے میں وہی اعرابی پھر اٹھا اور بولا: ''اے اللہ کے رسول! عمارتیں گر گئیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پھر اپنے مبارک ہاتھ اٹھا دیے اور بارگاہ ربانی میں دُعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»

''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا، ہم پر نہ برسا۔''

آپ اپنے دست مبارک سے جس طرف اشارہ کرتے وہیں سے بادل چھٹ جاتا حتی کہ مدینے کا مطلع بالکل صاف ہو گیا، جبکہ اردگرد بدستور بادل اُمڈے ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ کے بادلوں نے حوض کی صورت بنا رکھی تھی اور مدینہ منورہ کی وادیِ قناۃ میں ایک ماہ تک سیلابی پانی بہتا رہا۔ جس طرف سے بھی کوئی شخص آتا بے پناہ بارش کا ذکر کرتا۔''[2]

[1] صحيح البخاري، الاستسقاء، باب سؤال الناس الإمام الاستسقاء إذا قحطوا، حديث: 1009، ومسند أحمد: 93/2. [2] صحيح البخاري، الجمعة، باب الاستسقاء في الخطبة يوم»

شامی نے سُبُل الھدٰی والرّشاد میں اس قسم کے دس واقعات بیان کیے ہیں۔ بعض طویل ہیں اور بعض مختصر۔ طویل واقعات میں سے ایک واقعہ بنوفزارہ کا ہے کہ ان میں قحط آپڑا۔ بارش کی دعا کرانے کے لیے ان کا ایک وفد مدینہ منورہ حاضر ہوا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ان پر رحم و کرم کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے خوب بارش برسائی۔ [1]

ہم ایک ایسا ہی واقعہ غزوۂ تبوک کے واقعات میں بیان کر چکے ہیں۔ شامی نے یہ واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے: ''اس کے بارے میں بہت زیادہ احادیث مروی ہیں۔ ہم نے اسی پر اکتفا کیا ہے۔''

پانی کے معجزات
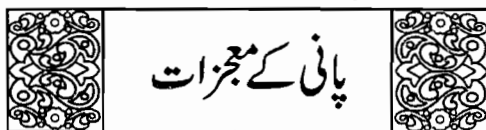
رسول اللہ ﷺ کی انگلیوں سے پاکیزہ پانی جاری ہوا

رسول اللہ ﷺ کی مبارک انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑنے کے واقعات کئی ایک مقامات و مواقع پر پیش آئے۔ یہ واقعات اتنی کثیر سندوں سے مروی ہیں کہ ان کے تواتر سے یقینِ کامل اور علمِ قطعی حاصل ہوتا ہے جیسا کہ ابو العباس قرطبی نے وضاحت کی ہے۔ شامی نے سبل الھدٰی میں اس سلسلے کی تیرہ روایات نقل کی ہیں:

* حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی کے قریب مقامِ زوراء میں تشریف فرما تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا۔ لوگوں نے وضو کے لیے پانی تلاش کیا مگر

◄◄ الجمعة، حديث: 933، وصحيح مسلم، صلاة الاستسقاء، باب الدعاء في الاستسقاء، حديث: 897. [1] شامی نے لکھا: ''اسے ابو الشیخ اور بیہقی نے بسند حسن ابولبابہ سے روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (سبل الھدٰی والرشاد: 615/9) فاضل محقق نے لکھا: ''اسے ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔'' ''اس روایت کی سند حسن ہے۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 92,91/6)

کہیں سے پانی نہ ملا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس برتن کے پیندے میں اپنا مبارک ہاتھ رکھا اور لوگوں کو وضو کرنے کا حکم دیا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمے کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ سب لوگوں نے وضو کر لیا۔ وضو کرنے والے افراد تقریباً تین سو تھے۔ [1]

* حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ایک دفعہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے۔ ہمارے پاس پانی نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا: ''پتہ کرو کسی کے پاس کچھ بچا کھچا پانی ہو۔'' تھوڑا سا پانی تلاش کر کے لایا گیا۔ آپ نے اسے برتن میں ڈالا اور اپنا مبارک ہاتھ اس میں رکھ دیا۔ پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پھوٹنے لگا۔'' [2]

* حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس لگی۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے ایک برتن میں کچھ پانی تھا۔ آپ نے اس سے وضو کیا۔ لوگ آپ ﷺ کی طرف بھاگتے ہوئے آئے اور کہا: ''اس برتن کے سوا ہمارے پاس مطلق پانی نہیں ہے۔'' آپ ﷺ نے اپنا مبارک ہاتھ اس برتن میں رکھ دیا تو پانی آپ کی انگلیوں کے درمیان سے یوں پھوٹنے لگا جیسے کئی چشمے اُبل پڑے ہوں۔ ہم سب نے وضو کر لیا۔ اس وقت ہم پندرہ سو افراد تھے۔ اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تو وہ پانی ہمیں کافی ہوتا۔'' [3]

محمد بن عمر بحرق حضرمی شافعی حدائق الأنوار في سيرة النبي المختار ﷺ میں

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3573,3572، وصحيح مسلم، الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حديث: 2279. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3579. [3] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3576، وصحيح مسلم، الإمارة، باب استحباب مبايعة الإمام الجيش عند إرادة القتال......، حديث: 1856، مختصرًا.

لکھتے ہیں: ''اہلِ علم کا کہنا ہے: آپ ﷺ نے بچا کھچا پانی اس لیے منگوایا تھا تاکہ تھوڑے پانی کو زیادہ کیا جائے اور عدم سے وجود میں لانے کی صورت نہ بنے ورنہ کوئی شخص اس غلط فہمی میں مبتلا ہوسکتا تھا کہ شاید آپ ﷺ پانی کو وجود میں لانے والے ہیں۔''[1]

ابن عبدالبر، ابو ابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی مصری سے نقل کرتے ہیں کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی پھوٹنا اس معجزے سے بہت بلند مرتبہ ہے جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پتھر پر عصا مارتے تھے تو پتھر سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے تھے۔ پتھروں سے پانی کا چشمہ اُبل پڑنا عام سی بات ہے۔ گوشت پوست سے پانی نکلنا بالکل مختلف اور خلافِ عادت واقعہ ہے۔[2]

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس کے بارے میں احادیث و اقوال بہت ہیں۔ کچھ تو صحیحین جیسی اعلیٰ درجے کی کتب میں ہیں کچھ سنن و مسانید جیسی معتبر کتب میں اور بعض احادیث واقوال ''دلائل نبوت'' اور ''خصائص'' کی کتاب میں بھی بیان کیے گئے ہیں۔

لوٹے یا پیالے کے پانی میں بے انتہا اضافہ

* انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''تمھارے پاس تھوڑا بہت پانی ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں! لوٹے میں کچھ پانی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ لوٹا اٹھا لاؤ۔'' میں لوٹا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے صحابہ سے فرمایا: ''آؤ، یہاں سے پانی لو اور وضو کرو۔'' آپ ان کے برتنوں میں پانی ڈالنے لگے۔ سب لوگوں نے وضو کر لیا اور لوٹے میں کچھ پانی پھر بھی بچ گیا۔ آپ نے فرمایا: ''ابوقتادہ! اسے سنبھال کر رکھو۔ یہ عجیب شان

[1] حدائق الأنوار في سيرة النبي المختار ﷺ، ص: 141. [2] سُبُل الهدىٰ والرّشاد: 15,14/10، وشرح الزرقاني على المواهب اللدنية: 152/5، ودلائل النبوة لأبي نُعيم: 144/2، وتنوير الحوالك شرح موطأ مالك للسيوطي: 54/1، و فتح الباري: 677/6.

دکھلائے گا۔'' پھر انھوں نے مزید واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ ایک وقت ایسا آیا کہ صحابۂ کرام نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ہم پیاس سے مرنے لگے ہیں اور سواریاں بھی چلنے سے عاجز آچکی ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''فکر نہ کرو، کچھ نہیں ہوگا۔'' پھر فرمایا: ''ابو قتادہ! وہ لوٹا لاؤ۔'' میں وہی لوٹا اٹھا کر پھر آپ ﷺ کے پاس لے گیا۔ آپ نے فرمایا: ''میرے پیالے پر سے کپڑا کھول دو۔'' میں کپڑا اتار کر پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں لایا۔ آپ لوٹے سے اس پیالے میں پانی ڈالنے لگے اور لوگ پینے لگے۔ جب بہت زیادہ ہجوم ہو گیا اور دھکم پیل ہونے لگی تو اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ''لوگو! اطمینان سے اپنے اپنے برتن بھرو۔ ہر شخص سیر ہو کر جائے گا۔'' لوگوں نے خود بھی پیا، اپنے گھوڑوں، گدھوں اور اونٹوں کو بھی پلایا حتی کہ ان کے پاس جو لوٹا، مشکیزہ یا کوئی بھی برتن تھا اسے پانی سے لبالب بھر لیا۔ اب صرف میں اور اللہ کے رسول ﷺ رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ابو قتادہ! پیو۔'' میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! پہلے آپ نوش فرمائیں۔'' فرمایا: «سَاقِي الْقَوْمِ آخِرُهُمْ شُرْبًا» ''پلانے والا آخر میں پیا کرتا ہے۔'' میں نے پیا، پھر میرے بعد آپ ﷺ نے پیا۔ لوٹے میں پہلے جتنا پانی باقی رہ گیا۔ اس وقت حاضرین تین سو تھے۔[1]

* سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انھوں نے کہا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بنو ہوازن سے جنگ کرنے گئے۔ ہمیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آپ ﷺ کے پاس ایک کوزے میں تھوڑا سا پانی لایا گیا۔ آپ کے حکم سے وہ پانی پیالے میں ڈال دیا گیا۔ ہم وضو کرنے لگے حتی کہ سب نے وضو کر لیا۔''

[1] اس حدیث کو کئی ایک اہلِ سنن و دلائل و مسانید نے روایت کیا ہے جن کا ذکر سبل الهدیٰ والرشاد کے محقق نے کیا ہے۔ اسے روایت کرنے والے ائمہ میں سر فہرست امام مسلم ہیں، دیکھیے: (صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة......، حديث: 681)

ایک روایت میں یوں ہے: ''آپ ﷺ نے کوزے کا پانی پیالے میں انڈیل دیا۔ ہم سب نے وضو کیا اور دل کھول کر پانی بہایا۔ اس وقت ہم چودہ سو تھے۔''[1]

پانی میں بے بہا اضافہ

تبوک کے چشمے میں پانی کے اضافے کی تفصیل گزشتہ صفحات میں غزوۂ تبوک کے واقعات میں بتا دی گئی ہے۔

یمن کے ایک کنویں کے پانی میں اضافہ

* زید بن حارث صُدائی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے، میں نے رسالت مآب ﷺ سے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہمارے کنویں کی حالت یہ ہے کہ سردیوں میں تو اس کا پانی ہمارے لیے کافی ہوتا ہے اور ہم موسمِ سرما میں اکٹھے رہتے ہیں۔ گرمیوں میں اس کا پانی بہت کم رہ جاتا ہے تو ہمیں اردگرد کے دوسرے کنوؤں پر منتشر ہو کر رہنا پڑتا ہے۔ اب ہم مسلمان ہو چکے ہیں۔ اردگرد کے سب لوگ ہمارے دشمن بن گئے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ ہمارے کنویں کا پانی ہمیں ہر موسم میں کفایت کرے تاکہ ہم اکٹھے رہ سکیں اور ہمیں اِدھر اُدھر نہ جانا پڑے۔ آپ ﷺ نے سات کنکریاں منگوائیں۔ انھیں اپنے مبارک ہاتھ میں ہلایا اور ان پر کچھ پڑھا، پھر فرمایا: ''ان کنکریوں کو لے جاؤ۔ جب کنویں پر آؤ تو اللہ کا نام لے کر ایک ایک کر کے ڈالتے جاؤ۔'' وہ کہتے ہیں: ''ہم نے اسی طرح کیا۔ اس کے بعد ہمیں کبھی اس کنویں کا فرش نظر نہیں آیا۔''[2]

---

[1] بیہقی نے لکھا: ''اسے مسلم نے اپنی صحیح میں احمد بن یوسف کی سند سے روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (دلائل النبوة للبيهقي: 4/119) نیز دیکھیے: (البداية والنهاية: 6/97، و الشفا في حقوق المصطفیٰ: 1/189) [2] دلائل النبوة للبيهقي: 4/127، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 2/147، وشمائل الرسول ﷺ لابن كثير، ص: 190. ابن کثیر نے کہا: ''اس حدیث کی اصل مسند احمد، سنن ابی داود، »

* حدیبیہ کے کنویں کے پانی میں اضافے کی تفصیل گزشتہ اوراق میں حدیبیہ کے واقعات میں صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سے بیان ہو چکی ہے۔

مشکیزوں کے پانی میں بے بہا اضافہ

* حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ہم ایک سفر میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے۔ لوگوں نے آپ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے پڑاؤ ڈالا، پھر علی اور ایک دوسرے شخص، ایک روایت کے مطابق وہ عمران بن حصین ہی تھے، کو بلایا اور فرمایا: ''جاؤ پانی تلاش کرو، تمھیں فلاں جگہ ایک شتر سوار عورت ملے گی۔ اس کے پاس پانی کے دو مشکیزے ہوں گے۔ اسے یہاں لے آؤ۔'' ہم چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے مقام پر ہمیں شتر سوار عورت مل گئی۔ اس کے پاس پانی کے بھرے ہوئے دو مشکیزے تھے۔ انھوں نے اس سے پوچھا: ''پانی کہاں ہے؟'' وہ بولی: ''کل اس وقت میں کنویں پر تھی۔ ہمارے گھر کے مرد کہیں گئے ہوئے ہیں۔'' انھوں نے اس عورت سے کہا: ''تم ہمارے ساتھ چلو۔'' اس نے پوچھا: ''کدھر؟'' انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں۔'' وہ کہنے لگی: ''وہ جسے صابی کہا جاتا ہے؟'' انھوں نے کہا: ''وہی مراد ہیں۔ اب تم چلو۔'' خیر! وہ اسے لے کر نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں آگئے اور آپ سے پورا واقعہ بیان کیا۔

مسلمانوں نے اسے اونٹ سے اتارا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور مشکیزوں سے تھوڑا سا پانی اس میں ڈالا، پھر آپ ﷺ نے کلی کی اور کلی کا پانی برتن میں ڈال دیا، پھر دوبارہ وہ پانی مشکیزوں میں ملا دیا، پھر مشکیزوں کے اوپر والے منہ باندھے نچلے منہ کھول

» جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ پوری حدیث بیہقی کی دلائل اور سنن کبریٰ، مسند احمد اور تاریخ دمشق میں ہے۔ ابن عساکر نے لکھا: ''یہ حدیث حسن ہے۔ مجھے اس کی عالی سند ملی ہے۔'' دیکھیے: (تاریخ دمشق لابن عساکر: 302/40، وحاشیۃ سبل الھدیٰ والرشاد: 35/10)

دیے اور لوگوں میں اعلان کر دیا گیا: ''خود بھی پیو اور جانوروں کو بھی پلاؤ۔''

سب نے خود بھی پیا اور جانوروں کو بھی پلایا۔ ہم سب نے اپنے اپنے تمام برتن اور مشکیزے بھی پانی سے بھر لیے۔ وہ عورت ایک طرف کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی کہ اس کے پانی سے کیا سلوک ہو رہا ہے۔ اللہ کی قسم! جب مشکیزے سے پانی لینا بند کیا گیا تو ہمیں یوں محسوس ہوا کہ یہ پہلے سے بھی زیادہ لبالب بھرا ہوا ہے۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اس خاتون کے لیے کھانے پینے کی چیزیں جمع کرو۔'' لوگوں نے مختلف چیزیں جمع کر دیں۔ عجوہ کھجوریں، آٹا، ستو وغیرہ یہ سب کچھ ایک کپڑے میں باندھ کر عورت کو اونٹ پر بٹھا دیا گیا اور یہ گٹھڑی اس کے آگے رکھ دی گئی، پھر آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہم نے تمھارے پانی میں کوئی کمی نہیں کی۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے پانی پلایا ہے۔'' وہ عورت اپنے اہلِ خانہ کے پاس پہنچی اور بولی: ''میں نے بڑا عجیب منظر دیکھا ہے۔ دو آدمی ملے اور مجھے اس شخص کے پاس لے گئے جسے لوگ صابی کہتے ہیں۔ اس نے ایسے ایسے کیا۔ اللہ کی قسم! یا تو وہ سب سے بڑا جادوگر ہے یا واقعی اللہ تعالیٰ کا سچا رسول ہے۔'' کچھ عرصے بعد وہ عورت اور اس کا پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔[1]
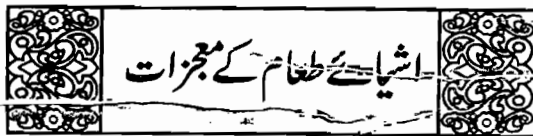
پیالے میں دودھ بڑھ گیا

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''ایک دفعہ مجھے سخت بھوک لگی۔

[1] صحیح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث: 3571، وصحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة واستحباب تعجیل قضائها، حدیث: 682.

نبیِ اکرم ﷺ مسجد سے نکلے۔ میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ آپ ﷺ کو اپنے گھر میں دودھ کا ایک پیالہ ملا جو کہیں سے تحفے میں آیا تھا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ سب اصحابِ صفہ کو بلا لاؤ۔ وہ ستر افراد تھے۔ میں انھیں بلا لایا۔ آپ نے مجھے حکم دیا کہ انھیں یہ دودھ پلاؤ۔ میں ایک ایک آدمی کو پیالہ دیتا جاتا، وہ خوب سیر ہو کر پیتا۔ اس طرح تمام اصحابِ صفہ خوب سیر ہو گئے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''اب تم اور میں باقی رہ گئے ہیں، اس لیے تم پیو۔'' میں نے سیر ہو کر پیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اور پیو۔'' میں نے اور پیا۔ آپ ﷺ بار بار کہتے رہے: ''اور پیو۔'' حتی کہ میں نے عرض کی: ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے! اب تو دودھ کے گزرنے کا کوئی راستہ نہیں رہا۔'' آپ نے پیالہ لیا، اس معجزے پر اللہ کا شکر ادا کیا اور اللہ کا نام لے کر نوشِ جان فرمایا۔''[1]

* بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہونے یا بڑھ جانے کے بارے میں ہم ہجرت کے واقعات میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

خالی تھیلیاں گھی سے لبریز ہو گئیں

* حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''ہمارے پاس ایک بکری تھی۔ میری والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے اس کا گھی چمڑے کی ایک تھیلی میں رکھنا شروع کر دیا۔ تھیلی بھر گئی تو انھوں نے وہ تھیلی ایک لونڈی کے حوالے کی اور فرمایا: ''بیٹی! یہ تھیلی رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ تاکہ آپ ﷺ اسے بطورِ سالن استعمال کر لیا کریں۔'' وہ لونڈی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچی اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! یہ گھی کی تھیلی ام سُلَیم نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔'' آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا: ''یہ تھیلی خالی کر دو۔'' تھیلی خالی کر

[1] صحیح البخاري، الرقاق، باب کیف کان عیش النبي ﷺ وأصحابه......، حدیث: 6452، ومسند أحمد: 515/2، و السنن الکبرٰی للبیهقي: 446/2، 240/8، ودلائل النّبوة للبیهقي: ◂◂

کے واپس کر دی گئی۔ لونڈی تھیلی لے کر آئی تو ام سُلَیم گھر پر نہیں تھیں۔ لونڈی نے خالی تھیلی کھونٹی پر لٹکا دی۔ ام سلیم گھر واپس آئیں تو دیکھا کہ تھیلی اسی طرح بھری ہوئی ہے اور اس میں سے گھی کے قطرے گر رہے ہیں۔ انھوں نے پوچھا: ''بیٹی! میں نے تجھے کہا تھا کہ یہ تھیلی رسول اللہ ﷺ کو دے آؤ۔'' وہ بولی: ''میں دے آئی تھی۔ آپ کو یقین نہیں تو خود جا کر رسول اللہ ﷺ سے پوچھ لیجیے۔'' ام سُلَیم لڑکی کو ساتھ لے کر رسول اللہ ﷺ کے ہاں پہنچیں اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اس لڑکی کے ہاتھ آپ کے پاس گھی کی ایک تھیلی بھیجی تھی۔'' فرمایا: ''ٹھیک ہے۔ یہ بچی تھیلی لائی تھی۔'' ام سُلَیم نے کہا: ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچی ہدایت دے کر بھیجا ہے! وہ تھیلی تو بدستور گھی سے بھری ہوئی ٹپک رہی ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام سُلَیم! کیا تمھیں اس بات پر تعجب ہے کہ جس طرح تم نے اللہ کے نبی کو کھانے کی چیز بھیجی اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمھیں بھی بھیج دی۔ کھاؤ اور کھلاؤ۔'' حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''میں گھر واپس آئی تو اس سے کئی پیالے بھر بھر کر لوگوں میں تقسیم کیے، پھر بھی تھیلی میں اتنا گھی بچ رہا کہ ہم ایک یا دو ماہ اسی کو بطور سالن استعمال کرتے رہے۔''[1]

* ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ام شریک غزیلہ بنت دودان رضی اللہ عنہا کے بارے میں ام سلیم کے واقعے سے ملتا جلتا واقعہ بیان کیا ہے۔[2]

[1] مسند أبي يعلى: 218,217/7. اس روایت کی سند نہایت ضعیف ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس میں ابن زیاد یشکری نامی راوی ہے جس پر جھوٹ کی تہمت ہے۔ ہم نے یہ واقعہ مشہور ہونے کی وجہ سے بیان کر دیا ہے، اس لیے بھی کہ اس جیسا ایک اور واقعہ جو ام شریک سے مروی ہے اس سے قوی ہے، تاہم اسے اتنی شہرت نہیں ملی۔ تھیلی کے واقعے کے مضمون کا ایک شاہد ام مالک بہزیہ کا واقعہ بھی ہے۔ ◄◄ 102,101/6، والخصائص للسيوطي: 48/2، و دلائل النّبوة لأبي نعيم: 315/2.

[2] دلائل النبوة للبيهقي: 124,123/6، والبداية والنهاية: 104/6.

رسول اللہ ﷺ کو گھی بھیجا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ ان کے بیٹوں نے ان سے سالن مانگا۔

* جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ام مالک بہزیہ رضی اللہ عنہا ایک تھیلی میں گھر میں کوئی سالن نہ تھا۔ وہ اسی تھیلی کی طرف گئیں تو دیکھا اس میں گھی موجود ہے۔ انھوں نے کئی دفعہ اس تھیلی سے اپنے بچوں کو گھی نکال کر دیا۔ بالآخر انھوں نے تھیلی کو اچھی طرح نچوڑ لیا، پھر نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس حاضر ہو کر سارا قصہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اسے نچوڑ لیا؟'' وہ کہنے لگیں: ''جی ہاں!'' فرمایا: ''اگر تم تھیلی کو اسی طرح رہنے دیتیں تو اس سے یونہی گھی برآمد ہوتا رہتا۔''[1]

* ابن ابی شیبہ میں حضرت ام مالک انصاریہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ چمڑے کی ایک تھیلی میں گھی لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے بلال رضی اللہ عنہ کو تھیلی خالی کرنے کا حکم دیا۔ بلال نے تھیلی خالی کر کے انھیں واپس کر دی۔ وہ واپس گئی تو دیکھا کہ تھیلی بدستور بھری ہوئی ہے۔ وہ واپس آئی اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! میرے بارے میں کوئی خاص حکم نازل ہوا ہے؟'' آپ نے دریافت فرمایا: ''ام مالک! کیا ہوا؟'' وہ بولی: ''آپ نے میرا تحفہ واپس کر دیا ہے۔'' آپ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بلایا اور پوچھا۔ وہ کہنے لگے: ''قسم اس ذات کی جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر بھیجا ہے! میں نے تو تھیلی کو اتنا نچوڑا کہ مجھے شرم آنے لگی تھی۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ام مالک! تمھیں مبارک ہو۔ یہ تو برکت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمھارے تحفے کا ثواب دنیا میں بھی دے دیا ہے۔''[2]

جو میں اضافہ

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کھانے کی کوئی

[1] صحیح مسلم، الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حديث: 2280. [2] المصنف لابن ◄◄

چیز مانگی۔ آپ نے اسے نصف وسق (تقریباً ایک من تیئیس کلو) جو دیے۔ عرصۂ دراز تک وہ، اس کی بیوی اور ان کے مہمان سب وہی جو کھاتے رہے۔ وہ ختم ہونے میں نہ آتے تھے۔ آخر کار وہ انھیں یہ جانچنے کے لیے ماپنے لگے کہ یہ کتنے ہیں جو ختم ہی نہیں ہوتے۔ نبی کریم ﷺ کو پتہ چلا تو آپ نے فرمایا:

«لَوْ لَمْ تَكِلْهُ لَأَكَلْتُمْ مِّنْهُ، وَلَقَامَ لَكُمْ»

''اگر تم انھیں نہ ماپتے اور ساری زندگی کھاتے رہتے تو بھی وہ ختم نہ ہوتے۔''[1]

* عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، کہتی ہیں: ''جب رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہوئے تو میرے گھر کے طاق میں صرف تھوڑے سے جو تھے۔ میں عرصۂ دراز تک انھیں کھاتی رہی، وہ ختم ہی نہ ہوتے تھے۔ میں نے حیران ہو کر انھیں ماپا تو وہ ختم ہو گئے۔''[2]

کھجوروں میں اضافہ

* جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے۔ ان کی چھ بیٹیاں بن بیاہی بیٹھی تھیں۔ ان کے ذمے کچھ قرضہ بھی تھا۔ کھجوریں اتارنے کا وقت آیا تو میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ کو علم ہے کہ میرے والد اُحد کی جنگ میں شہید ہو گئے۔ ان کے ذمے بہت قرضہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کھجور کی فصل سے قرض کی ادائیگی کے وقت آپ تشریف لائیں تاکہ قرض خواہ آپ کو دیکھ کر کچھ رعایت برتیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ اور ہر قسم کی کھجور کے الگ الگ ڈھیر بنا دو۔'' میں گیا، ڈھیر بنائے، پھر آپ کو اطلاع کی تو آپ تشریف لائے۔ قرض خواہوں نے

« أبي شيبة: 31/7، حديث: 122، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 204/3. [1] صحيح مسلم، الفضائل، باب في معجزات النبي ﷺ، حديث: 2281. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب فضل الفقر، حديث: 6451، وصحيح مسلم، الزهد، باب: الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، حديث: 2973، و مسند أحمد: 108/6.

آپ ﷺ کو دیکھا تو انھیں اس وقت مجھ پر بہت غصہ آیا۔ آپ ﷺ نے ان کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھے تو بڑے ڈھیر کے گرد تین چکر لگائے، پھر اس پر بیٹھ گئے اور فرمایا:

«اُدْعُ أَصْحَابَكَ» ''اپنے قرض خواہوں کو بلاؤ۔''

آپ ﷺ اُنھیں ناپ ناپ کر قرض ادا کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے میرے والد محترم کا سارا قرضہ اتار دیا۔ اللہ کی قسم! میں اس بات پر راضی تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے باپ کا قرضہ اتار دے، چاہے میں اپنی بہنوں کے لیے ایک کھجور بھی نہ لے جا سکوں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے تمام ڈھیر بچا لیے حتی کہ جس ڈھیر پر رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی۔ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! بڑی عجیب بات ہے میں نے اپنے قرض خواہ کو اس کی کھجوریں ناپ کر پوری پوری ادا کر دی ہیں، پھر بھی بہت زیادہ کھجوریں بچ رہی ہیں۔'' آپ نے دریافت فرمایا: ''عمر بن خطاب کدھر ہیں؟'' وہ بھاگے ہوئے آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جابر بن عبداللہ سے اس کے قرض خواہوں کا قصہ پوچھو۔'' وہ کہنے لگے: ''پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟ اللہ کی قسم! جب آپ باغ میں تشریف لے گئے، مجھے تو اسی وقت یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مکمل قرض کی ادائیگی کرا دے گا۔'' آپ ﷺ نے ان سے تین مرتبہ یہی فرمایا: ''جابر سے پوچھو۔'' اور وہ ہر دفعہ یہی کہتے تھے: ''پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟'' تیسری دفعہ کے بعد چونکہ انکار کی گنجائش نہ تھی، اس لیے وہ مجھ سے پوچھنے لگے: ''جابر! تمھارے قرض خواہوں اور کھجوروں کا کیا بنا؟'' میں نے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے قرض بھی پورا اتار دیا اور اتنی ساری کھجوریں بچ بھی گئیں۔''[1]

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے ایک روایت میں ہے کہ میرے والد محترم فوت ہوئے۔ ان

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب الكيل على البائع والمعطي، حديث: 2127، ودلائل النبوة للبيهقي: 150/6، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 327,326/2، ومسند أحمد: 313/3.

کے ذمے ایک یہودی کی تیس وسق (تقریباً 100 من) کھجوریں تھیں۔ میں نے یہودی سے مہلت طلب کی، اس نے انکار کر دیا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے اس یہودی سے کہا کہ اپنے قرض کے عوض میں اس کے باغ کا مکمل پھل لے لو۔ وہ نہ مانا۔ رسول اللہ ﷺ باغ میں تشریف لائے۔ درختوں کا چکر لگایا: پھر فرمایا: ''جابر! کھجوریں کاٹو اور اس کا قرض ادا کرنا شروع کرو۔''

رسول اکرم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں نے کھجوریں اتاریں اور اس کے تیس وسق ادا کیے، پھر بھی سترہ وسق بچ گئے۔ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تفصیل بتائی تو وہ کہنے لگے: ''مجھے تو اسی وقت یقین ہو گیا تھا جب رسول اللہ ﷺ باغ میں تشریف لے گئے تھے کہ اب ضرور برکت ہو گی۔''[1]

شامی نے السُّبُل میں اس قسم کے نو واقعات نقل کیے ہیں۔[2] ہم نے یہاں صرف وہی واقعہ بیان کیا ہے جو صحیحین میں درج ہے۔

گوشت میں اضافہ

* ابو عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبیِ کریم ﷺ کے لیے بکری کا گوشت پکایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے بازو پکڑاؤ۔'' میں نے آپ کو بازو پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''مجھے بازو کا گوشت پکڑاؤ۔'' میں نے دوسرا بازو بھی پیش کر دیا۔ کچھ دیر بعد آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ''مجھے بازو کا گوشت پکڑاؤ۔'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے نبی! بکری کے اور کتنے بازو ہوتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم خاموش رہتے تو جب تک میں طلب کرتا رہتا تم مجھے بازو

[1] صحيح البخاري، الاستقراض، باب: إذا قاصّ أوجازفه في الدَّين تمرًا بتمرٍ أوغيره، حديث: 2396. [2] سبل الهدٰى والرشاد للشامي:10/64-72.

پکڑاتے رہتے۔"[1]

مذکورہ قصہ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

* علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالمطلب کے سارے خاندان کو دعوت پر اکٹھا کیا۔ ان میں ایسے ایسے لوگ بھی تھے جو تنِ تنہا پوری بکری کھا جاتے اور پورا مٹکا پی جاتے۔ آپ نے صرف ایک مد (نصف کلو) غلے سے ضیافت کا کھانا تیار کیا۔ یہ کھانا ان سب نے کھایا اور خوب سَیر ہو کر کھایا۔ لیکن کھانا اسی طرح باقی پڑا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ کسی نے اسے چھوا تک نہیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک پیالہ نبیذ منگوائی۔ ان سب نے خوب سَیر ہو کر پی لیکن پیالے میں نبیذ بدستور باقی تھی گویا کسی نے اسے منہ بھی نہیں لگایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے بنو عبدالمطلب! مجھے خصوصاً تمھاری طرف اور عموماً سب لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ یہ کھانے پینے کا معجزہ تم ابھی دیکھ چکے ہو۔ تم میں سے کون میری بیعت کرے گا کہ وہ اس کام میں میرا بھائی اور ساتھی بنے؟" کوئی نہ اٹھا۔ آخر میں اٹھ کھڑا ہوا۔ میں ان سب سے چھوٹا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بیٹھ جاؤ۔" آپ نے تین دفعہ یہی سوال دہرایا۔ ہر دفعہ صرف میں ہی کھڑا ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: "بیٹھ جاؤ۔" تیسری دفعہ آپ نے اپنا دست مبارک میرے ہاتھ پر رکھ دیا اور مجھ سے بیعت لے لی۔"[3]

---

[1] سنن الدارمي، المقدمة، باب ما أكرم به النبي ﷺ في بركة طعامه، حديث: 45. [2] مسند أحمد: 392/6. الموسوعة الحديثية کے محققین نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔ انھوں نے اس روایت کے شواہد بھی بیان کیے ہیں، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 172/45، حديث: 27195) ہیثمی نے طبرانی کا حوالہ دیا ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 311/8) سیوطی کی تهذيب الخصائص کے محقق شیخ تلیدی نے لکھا: "اسے احمد اور طبرانی نے چند سندوں سے روایت کیا جن میں سے بعض ضعیف ہیں۔"

[3] مسند أحمد: 159/1 محدث احمد شاکر نے لکھا ہے: "اس حدیث کی سند صحیح ہے۔" دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 352/2، حديث: 1371) البانی رحمہ اللہ نے صحيح السيرة النبوية ◄◄

* سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ثرید کا ایک پیالہ لایا گیا۔ آپ کے حکم سے اسے عام لوگوں کے لیے رکھ دیا گیا۔ صبح سے ظہر تک باری باری گروہ آتے رہے اور ثرید کھاتے رہے۔ ایک گروہ اٹھتا دوسرا آ جاتا مگر وہ پیالہ ختم نہ ہوا۔ کسی نے حضرت سمرہ سے از راہِ تعجب پوچھا: ''اس میں اتنا اضافہ کیسے ہوا؟'' حضرت سمرہ نے فرمایا: ''تعجب کیسا؟ اس میں اضافہ وہاں سے ہوتا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ [1]

* جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا، میں نے اپنی بیوی سے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج دوپہر ہمارے ہاں تشریف لائیں گے۔'' آپ تشریف لائے۔ میں نے آپ کے لیے بستر بچھا دیا۔ آپ سو گئے۔ میں نے آپ کے لیے ایک بکری ذبح کی۔ جب آپ بیدار ہوئے تو میں نے سالن آپ کے سامنے رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر کو بھی بلا لاؤ۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لوگوں کو بلایا جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے باوجود بہت سا گوشت بچ گیا۔ [2]

* عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سفر کے دوران ایک اعرابی سے ایک بکری خریدی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کلیجی بھوننے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ایک سو تیس صحابہ نے وہ کلیجی سیر ہو کر کھائی مگر پھر بھی بچ رہی۔ [3]

»» میں لکھا: ''اس حدیث کی سند جید ہے۔'' دکتور ترکی نے اپنی تحقیق میں اس سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (البداية والنهاية: 103/4) الموسوعة الحديثية کے محققین نے اس سند کو ضعیف گردانا ہے۔ ان کا کہنا ہے: '' اس میں ایک راوی ربیعہ بن ناجذ کے حالات نامعلوم ہیں۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية (مسند أحمد) : 465/2) [1] جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في آيات نبوة النبي ﷺ......، حديث: 3625، و سنن الدارمي، المقدمة، باب ما أكرم النبي ﷺ بنزول الطعام......، حديث: 57. [2] المستدرك للحاكم : 111/4. حاکم نے کہا: ''یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ بخاری و مسلم نے اسے درج نہیں کیا۔'' مزید دیکھیے: (الخصائص للسيوطي: 53/2) [3] صحيح البخاري، ««

ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے کھانے میں برکت

* انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میرے سامنے کی بات ہے کہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے (میری والدہ جو ان کی بیوی تھیں) حضرت ام سُلَیم رضی اللہ عنہا سے کہا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ کی آواز بڑی کمزور معلوم ہوئی ہے، میں نے ان پر بھوک کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا تمھارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟'' وہ بولیں: ''ہمارے ہاں تو مشکل سے آدھ کلو جو کا آٹا ہو گا۔'' انھوں نے کہا: ''چلو! اسے ہی گوندھ کر پکاؤ۔ ممکن ہے رسول اللہ ﷺ ہماری درخواست پر ہمارے ہاں تشریف لا کر کچھ تناول فرمائیں۔'' حضرت ام سلیم نے آٹا گوندھ کر روٹی پکائی۔ ایک روٹی بن گئی۔ ابو طلحہ نے مجھ سے کہا: ''جاؤ رسول اللہ ﷺ کو بلا لاؤ۔'' میں گیا، رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ لوگ آپ ﷺ کے پاس خاصی تعداد میں بیٹھے تھے۔ میں جا کر کھڑا ہو گیا اور درخواست کی: ''اے اللہ کے رسول! ابو طلحہ آپ کو بلا رہے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھیں ابو طلحہ نے بھیجا ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' آپ نے اپنے ساتھیوں سے کہا: ''اٹھو۔'' آپ ﷺ چل پڑے۔ میں بھی ان کے آگے آگے بھاگا اور جا کر ابو طلحہ کو خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت تشریف لا رہے ہیں۔ وہ بولے: ''رسوا کر دیا۔'' میں نے کہا: ''بھلا میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کیسے نہ مانتا۔'' خیر! ابو طلحہ استقبال کو اٹھے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں کی بہتات دیکھ کر گھبرا گئے۔ آپ کے برابر چلتے ہوئے انھوں نے آہستہ سے کہا: ''اللہ کے رسول! روٹی تو صرف ایک ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ اس میں برکت کرے گا۔'' رسول اللہ ﷺ دروازے کے پاس پہنچے تو صحابہ سے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' رسول اللہ ﷺ

» الأطعمة، باب من أكل حتى شبع، حديث: 5382، و صحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، حديث: 2056.

اکیلے داخل ہوئے۔ ابوطلحہ نے کہا: ''ام سلیم! رسول اللہ ﷺ تو سب ساتھیوں کو لے کر آگئے ہیں۔ اِدھر ہمارے پاس اتنا کھانا نہیں جو سب کو کھلا سکیں۔'' وہ گویا ہوئیں: ''اللہ جانے اور اس کا رسول ﷺ۔'' رسول اللہ ﷺ نے کھانا لانے کو کہا تو وہ وہی روٹی لے کر آگئیں۔ آپ ﷺ نے ایک پیالہ منگوایا اور روٹی اس میں رکھ دی، پھر فرمایا: ''تھوڑا سا گھی ہوگا؟'' ابوطلحہ نے جواب دیا: ''تھیلی میں تھوڑا بہت گھی تھا۔'' پھر وہ تھیلی اٹھا لائے۔ رسول اللہ ﷺ اور ابوطلحہ نے مل کر تھیلی کو نچوڑا تو تھوڑا سا گھی نکل آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے گھی اپنی انگلی کو لگا کر روٹی پر ملا تو روٹی پھولنے لگی۔ آپ نے فرمایا: ''بسم اللہ'' روٹی مزید پھول پڑی۔ آپ بار بار ایسا ہی کرتے رہے۔ مجھے پیالے میں روٹی کی حرکت نظر آ رہی تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''دس صحابہ کو بلاؤ۔'' میں دس افراد کو بلا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دست مبارک روٹی کے درمیان رکھا اور فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کناروں سے روٹی کھاتے رہے حتی کہ وہ سیر ہو گئے، اس طرح آپ دس دس افراد کو بلاتے جاتے اور وہ کھاتے جاتے۔ اسی (80) سے زائد صحابہ نے سیر ہو کر کھانا کھایا لیکن روٹی درمیان سے باقی رہی جہاں رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک رکھا ہوا تھا، پھر رسول اللہ ﷺ، ابوطلحہ، ام سلیم اور میں نے بھی میر ہو کر روٹی کھائی، پھر بھی خاصی روٹی بچ رہی جو ہم نے اپنے پڑوسیوں کے کئی گھروں میں بھیجی۔ [1]

حیس (کھجور کا گھی ملا حلوہ) میں اضافہ

* انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو میری والدہ نے مجھ سے کہا: ''انس بیٹا! رسول اللہ ﷺ نے نئی نئی شادی کی

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3578، وصحيح مسلم، الأشربة، باب جواز استتباعه غيره إلى دار من يثق برضاه بذلك......، حديث: 2040.

ہے۔ پتہ نہیں آج ان کے گھر میں کوئی ناشتہ وغیرہ بھی موجود ہے یا نہیں؟ ذرا وہ تھیلی لاؤ۔'' میں ان کے پاس گھی کی تھیلی اور کھجوریں لے آیا۔ انھوں نے حیس تیار کیا، پھر بولیں: ''بیٹا! یہ نبیِ کریم ﷺ اور ان کی دلہن کے لیے لے جاؤ۔'' میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پتھر کے ایک برتن میں حیس لے کر گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ایک کونے میں رکھ دو اور ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کو بلا لاؤ۔'' آپ نے کچھ اور صحابہ کے نام بھی لیے، پھر فرمایا: ''مسجد والوں کو بھی اور راستے میں جو بھی ملے سب کو بلاؤ۔'' مجھے بڑا تعجب ہوا کہ تھوڑا سا تو کھانا ہے اور رسول اللہ ﷺ اتنے افراد کو بلا رہے ہیں! پھر بھی مجھے اچھا نہ لگا کہ آپ کا کہا ٹالوں۔ کمرہ بلکہ پورا گھر مہمانوں سے بھر گیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''انس! کوئی رہ تو نہیں گیا؟'' میں نے کہا: ''نہیں، اے اللہ کے نبی!'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ برتن اٹھا لاؤ۔'' میں نے برتن لا کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے اپنی تین انگلیاں برتن میں ڈال دیں۔ حیس پھولنے لگا اور پھولتے پھولتے اوپر آ گیا۔ لوگوں نے کھانا شروع کر دیا۔ سب نے خوب جی بھر کے کھایا اور فارغ ہو کر چلے گئے۔ برتن میں پہلے جتنا حیس باقی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے زینب کے آگے رکھ دو۔'' انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد ثابت نے ان سے پوچھا: ''کتنے لوگوں نے وہ کھانا کھایا ہوگا؟'' انھوں نے جواب دیا: ''میرے خیال میں وہ اکہتر (71) یا بہتر (72) آدمی تھے۔''[1]

زادِ راہ میں اضافہ

* ابو ہریرہ، ابو خنیس غفاری، ابو عمرہ انصاری، عمر بن خطاب اور ابو الحسن عبدی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک تھے۔ لوگوں کو سخت بھوک نے آلیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سواری کے چند جانور ذبح کرنے کی اجازت

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب زواج زينب بنت جحش رضی اللہ عنہا، حديث: 1428.

چاہی۔ انھوں نے سوچا اللہ ہمیں مدینہ پہنچا دے گا۔" آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: "اے اللہ کے نبی! آپ نے یہ کیا کیا؟ سواری کے جانور ذبح کرنے کی اجازت دے دی۔ وہ اتنا لمبا سفر کیسے طے کریں گے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ابن خطاب! آپ کی رائے کیا ہے؟" وہ بولے: "میری تجویز یہ ہے کہ آپ انھیں حکم دیں کہ سب اپنا اپنا بچا کھچا زادِ راہ لائیں، پھر یہ سب ایک کپڑے میں ڈال لیا جائے اور آپ اس میں برکت کی دعا فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی دعا سے مدینہ پہنچا دے گا۔" نبیِ کریم ﷺ نے لوگوں کو اپنے زادِ راہ لانے کا حکم دیا۔ لوگ زادِ راہ لانے لگے۔ کوئی دونوں ہاتھوں میں بھر کر لاتا کوئی اس سے زیادہ۔ زیادہ سے زیادہ جو کوئی لایا وہ ایک صاع (دو کلو گرام) کھجوریں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب کچھ ایک کپڑے میں ڈالا، پھر آپ نے برکت کی دعا فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے اعلان کیا: "اپنے تمام خالی برتن لے آؤ۔" ہر آدمی نے اپنا برتن بھر لیا۔ لشکر میں جو بھی خالی برتن ملا وہ انھوں نے بھر لیا۔ لوگوں نے اپنی قمیصوں کو ایک طرف سے گرہ دے کر انھیں بھی زادِ راہ سے بھر لیا، پھر بھی بہت کچھ باقی پڑا تھا۔ اس صورتحال پر رسول اللہ ﷺ خوشی سے ہنسے حتی کہ آپ کی ابتدائی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، لَا يَلْقَى اللّٰهَ عَبْدٌ مُّؤْمِنٌ بِهِمَا إِلَّا حُجِبَتْ عَنْهُ النَّارُ»

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں (محمد) اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص بھی اس کلمہ کی گواہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے ملے گا اللہ تعالیٰ اس سے آگ دور رکھے گا۔" [1]

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من مات على التوحيد دخل الجنة قطعًا، ..

■ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عمرے کے سفر میں مر الظھران پہنچے (یہ مقام مکہ مکرمہ سے سولہ میل کے فاصلے پر ہے) تو صحابۂ کرام کو پتہ چلا کہ قریش قحط سالی میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے کہا: ''کیا اچھا ہو کہ ہم اپنی سواری کے جانور ذبح کر کے ان کا گوشت سیر ہو کر کھائیں اور شوربا پییں، پھر اگلے دن قریش سے آنکھیں چار کریں؟'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! بلکہ تم اپنے اپنے زادِ راہ میرے پاس جمع کرو۔'' انھوں نے اسی طرح کیا۔ چمڑے کی چٹائیوں پر اپنے اپنے زاد راہ جمع کر لیے اور مل کر کھایا۔ ایسی برکت ہوئی کہ سیر ہو کر کھانے کے باوجود بہت کچھ بچ رہا اور سب نے اپنے اپنے تھیلے بھی بھر لیے۔ [1]

کھانے پینے کی مختلف چیزوں میں برکت

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمام اصحابِ صفہ کو بلانے کا حکم دیا۔ میں بلا لایا، پھر ہمارے سامنے ایک پلیٹ رکھی گئی، میرا خیال ہے اس میں ایک مد (تقریباً نصف کلو) جو ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دستِ مبارک اس میں ڈالا اور حکم دیا: «كُلُوا بِاسْمِ اللّٰهِ» ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔''

ہم نے جی بھر کے کھایا۔ ہم ستر اسی آدمی تھے، پھر ہم نے اپنے ہاتھ کھینچ لیے۔ جب پلیٹ رکھی گئی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آج شام آل محمد کے ہاں کھانے کی کوئی چیز نہیں۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: ''جب آپ کھا کر فارغ ہو چکے تو پلیٹ میں کتنا کھانا موجود تھا؟'' انھوں نے جواب دیا:

حديث: 28,27، والمستدرك للحاكم: 2/ 619,618. حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔ مزید دیکھیے: (مسند أبي يعلى: 1/199، حديث: 230، ودلائل النبوة للبيهقي: 5/229-231، ومسند أحمد: 3/418,417) واللفظ له. [1] مسند أحمد: 1/305. احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

''جتنا رکھا گیا اتنا ہی بچا تھا، البتہ اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔''[1]

* حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ اہل صُفّہ نے مجھے نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں بھوک کی شکایت کے لیے بھیجا۔ آپ ﷺ نے گھر میں ادھر ادھر دیکھا اور پوچھا: ''کوئی چیز ہے؟'' گھر سے روٹی کے ایک دو ٹکڑے اور تھوڑا سا دودھ بھیجا گیا۔ آپ نے روٹی کے ٹکڑوں کو توڑ کر باریک کیا، پھر اس پر دودھ ڈال دیا اور اسے اپنے ہاتھ سے ملا کر ثرید کی طرح بنا دیا، پھر آپ نے فرمایا: ''واثلہ! اپنے دس ساتھی بلا لاؤ۔'' میں بلا لایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُوا بِاسْمِ اللّٰهِ مِنْ حَوَالَيْهَا، وَأَبْقُوا رَأْسَهَا، فَإِنَّ الْبَرَكَةَ تَأْتِيهَا مِنْ فَوْقِهَا، وَإِنَّهَا تَمُدُّ»

''اللہ کا نام لے کر کناروں سے کھاؤ۔ چوٹی باقی رہنے دو۔ برکت اوپر کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔''

وہ کھانے لگے اور میں نے دیکھا وہ کھا کر اکتا گئے، پھر اٹھ کر چلے گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دس اور لے آؤ۔'' انھیں بھی آپ نے یہی ہدایت فرمائی۔ وہ بھی کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر کھا چکے، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: ''کوئی اور رہتا ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں! دس افراد۔'' فرمایا: ''انھیں بھی لے آؤ۔'' آپ نے انھیں بھی وہی ہدایت فرمائی۔ انھوں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا اور چلے گئے۔ برتن میں کھانا بچا ہوا تھا۔ اس بات پر تعجب کرتے ہوئے میں بھی چلا گیا۔[2]

---

[1] الخصائص الكبرى للسيوطي: 49/2. ہیثمی نے لکھا: ''اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے، اس کے راوی ثقہ ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 308/8، والمصنف لابن أبي شيبة: 470/11)

[2] المعجم الكبير للطبراني: 86/22، حديث: 208، ومجمع الزوائد: 305/8، والمستدرك للحاكم: 116/4، 117. حاکم نے اسے ایک اور سند سے صحیح کہا ہے۔ ذہبی نے ان سے اتفاق نہیں ◄◄

* حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''میری والدہ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا اور کہا: ''رسول اللہ ﷺ کو بلا لاؤ۔'' میں آیا، میں نے آہستہ سے رسول اللہ ﷺ کے کان میں بتایا۔ اس پر آپ نے اپنے سب ساتھیوں سے فرمایا: ''اٹھو۔'' وہ پچاس آدمی تھے۔ فرمایا: ''دس، دس داخل ہوتے جاؤ۔'' سب نے سیر ہو کر کھانا کھایا اور کھانا پہلے جتنا بچ رہا۔[1]

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان کا کہنا ہے: ''ایک رات رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلایا اور فرمایا گھر جاؤ اور کہو گھر میں جو کھانے کی چیز ہے دے دیں۔'' گھر والوں نے مجھے ایک پلیٹ دی جس میں کھجور کا حلوہ تھا۔ میں وہ آپ کے پاس لے آیا۔ آپ نے فرمایا: ''جاؤ مسجد والے اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔'' میں نے دل میں کہا: ''جاتا ہوں تو بھی خرابی کہ کھانا کم ہے اور نہیں جاتا تو اس سے بھی بڑی خرابی کہ یہ نافرمانی ہے۔'' میں انھیں بلا لایا۔ وہ سب اکٹھے ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے پلیٹ کے اطراف میں اپنی مبارک انگلیاں رکھ دیں اور فرمایا: ''اللہ کا نام لے کر کھاؤ۔'' وہ کھانے لگے اور سب سیر ہو گئے۔ میں نے بھی خوب سیر ہو کر کھایا، پھر میں نے پلیٹ اٹھائی تو وہ ویسی تھی جیسی پہلے بھری رکھی تھی، البتہ اب اس میں انگلیوں کے نشانات تھے۔[2]

* حضرت سلمہ بن نفیل سکونی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے کہ ایک پوچھنے والے نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ نے آسمانی یا جنتی کھانا کھایا ہے؟'' فرمایا: ''ہاں!'' اس نے پوچھا: ''وہ کس چیز میں تھا؟''

« کیا۔ ساری سندیں جمع کی جائیں تو یہ روایت صحیح قرار پاتی ہے۔ [1] سبل الھدٰی والرشاد: 95/10. شامی نے لکھا ہے: ''طبرانی نے یہ واقعہ بسند حسن روایت کیا ہے۔'' [2] سبل الھدٰی والرشاد: 97/10. شامی نے لکھا: ''طبرانی نے یہ واقعہ بسند حسن روایت کیا ہے۔'' ومجمع الزوائد، حدیث: 101 و 296 و 308. ہیثمی نے کہا: ''طبرانی نے اسے اوسط میں روایت کیا ہے اور اس کے رجال ثقہ ہیں۔''

فرمایا: ’’ہنڈیا میں۔‘‘ اس نے پوچھا: ’’کچھ کھانا بچا بھی تھا؟‘‘ آپ ﷺ نے فرمایا: ’’ہاں!‘‘ وہ پوچھنے لگا ’’وہ کہاں گیا؟‘‘ آپ نے فرمایا: ’’آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا۔‘‘[1]

کھانے کی تسبیح

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ’’ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھاتے تو ہمیں اس کھانے کی تسبیح سنائی دیتی۔‘‘[2]

نباتات کے معجزات
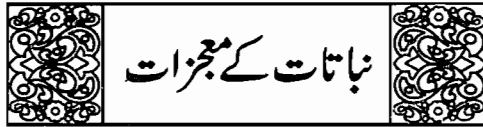
درخت بھی مطیع ہو گئے

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ’’رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے لیے تشریف لے گئے مگر وہاں پردے کے لیے کوئی چیز نظر نہ آئی۔ آپ نے اِدھر اُدھر دیکھا تو وادی کے کنارے پر دو درخت نظر آئے جو ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر تھے۔ آپ نے ایک درخت کی ایک ٹہنی کو پکڑا تو وہ درخت آپ کے پیچھے یوں چل پڑا جیسے نکیل والا اونٹ چلتا ہے۔ نصف فاصلہ طے ہو گیا تو آپ نے دوسرے درخت کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا۔ وہ دونوں درخت اللہ کے حکم سے آپس میں مل گئے۔ ان کے پردے میں آپ ﷺ قضائے حاجت سے فارغ ہوئے تو وہ دونوں علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ پر لوٹ گئے۔‘‘[3]

[1] سبل الھدٰی والرّشاد: 106/10. شامی نے لکھا: ’’اسے احمد، نسائی، دارمی اور حاکم نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے کہا: ’’یہ صحیح غریب روایات میں سے ہے۔‘‘ [2] صحیح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3579، وجامع الترمذي، المناقب، باب في ذكر تسبيح الطعام ونبع الماء للوضوء، حديث: 3633. [3] صحيح مسلم، الزهد، باب حديث جابر الطويل، حديث: 3012.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا: ''مجھے کیسے پتہ چلے گا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر میں اس خوشہ دار شاخ کو اپنے پاس بلالوں تو مان لو گے؟'' وہ بولا: ''ہاں!'' آپ ﷺ نے اس خوشے کو بلایا تو وہ درخت سے اترنے لگا اور نیچے آ گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑا۔ کبھی وہ سجدے میں گر پڑتا، کبھی سیدھا ہو جاتا۔ آخر وہ آپ کے پاس پہنچ گیا۔ آپ نے اسے حکم دیا: ''واپس چلے جاؤ۔'' وہ اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اعرابی نے کہا: ''اللہ کی قسم! آج کے بعد میں کسی بات میں کبھی آپ کی تکذیب نہیں کروں گا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔'' اور وہ ایمان لے آیا۔ [1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''بنو عامر میں سے ایک شخص نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ لوگوں کا علاج کرتا تھا۔ وہ آپ سے کہنے لگا: ''اے محمد! آپ کچھ عجیب وغریب باتیں کرتے ہیں۔ میں آپ کا علاج نہ کر دوں؟'' راوی کے بقول پھر اسے رسول اللہ ﷺ نے بلا کر فرمایا: ''کیا میں آپ کا علاج نہ کر دوں؟'' اس شخص نے کہا: ''جی ہاں۔'' وہاں کچھ عام درخت تھے اور کچھ کھجور کے درخت تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک درخت پر لگے خوشے کو بلایا تو وہ سجدہ کرتا ہوا آپ تک پہنچا......'' پھر پورا واقعہ مذکورہ بالا واقعے ہی کی طرح بیان کیا۔ [2]

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب في قول علي في استقبال......، حديث: 3628. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن، غریب، صحیح ہے۔'' والتاريخ الكبير: 3/3، وموارد الظمآن: 12/7، حديث: 2110، ودلائل النبوة للبيهقي: 15/6، والمستدرك للحاكم: 620/2. حاکم نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح کہا اور ذہبی نے ان سے موافقت کی ہے۔ [2] مسند أبي يَعْلىٰ: 237,236/4، حديث: 2350، ومسند أحمد: 223/1، وموارد الظمآن: 14/7، حديث: 2111، ودلائل النبوة للبيهقي: 15/6، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 297، ومجمع الزوائد: 566/8. اس حدیث کے راوی ابراہیم بن حجاج کے سوا سب صحیح کے راوی ہیں۔ ابراہیم بھی ثقہ ہے۔ یہ الفاظ مجمع الزوائد کے ہیں جبکہ دیگر مآخذ »

* حضرت عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''میں نے مسروق سے پوچھا: ''جنوں والی رات رسول اللہ ﷺ کو جنوں کے بارے میں کس نے خبر دی تھی؟'' انھوں نے فرمایا: ''مجھے آپ کے والد محترم (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) نے بتایا تھا کہ ایک درخت نے آپ ﷺ کو ان کی اطلاع دی تھی۔''[1]

* حضرت یعلی بن مُرَّہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ ہم ایک منزل پر فروکش ہوئے تو رسول اللہ ﷺ سو گئے۔ ایک درخت دُور سے زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا۔ بعدازاں وہ درخت واپس اپنی جگہ چلا گیا۔ آپ ﷺ بیدار ہوئے اور میں نے یہ بات آپ کو بتائی تو آپ نے بتایا:

«هِيَ شَجَرَةٌ اسْتَأْذَنَتْ رَبَّهَا عَزَّوَجَلَّ أَنْ تُسَلِّمَ عَلَيَّ، فَأَذِنَ لَهَا»

''اس درخت نے اپنے رب کریم سے اجازت طلب کی تھی کہ مجھے سلام کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اجازت دے دی۔''[2]

* حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ ایک اعرابی آپ ﷺ کے قریب آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اعرابی! کدھر جا رہے ہو؟'' وہ بولا: ''اپنے گھر۔'' آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کوئی خیر حاصل کرنے کا بھی شوق ہے؟'' کہنے لگا: ''وہ کیا؟'' آپ نے فرمایا: ''گواہی دو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد اللہ کا بندہ اور

»» میں ہے: ''کیا میں تجھے کوئی نشانی نہ دکھلاؤں؟'' دیکھیے: (سنن الدارمي، المقدمة، حديث: 24)

[1] صحيح البخاري، مناقب الأنصار، باب ذكر الجن، حديث: 3859. [2] ومسند أحمد: 173/4، وشرح السنة للبغوي: 13/ 296,295، حديث: 3718، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 138/2، ودلائل النبوة للبيهقي: 23/6.

رسول ہے۔'' اس نے پوچھا: ''آپ کی اس بات کی تائید کون کرتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کیکر کا درخت!'' وہ درخت وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ زمین چیرتا ہوا آیا اور آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے اسے شہادتین کی ادائیگی کا حکم دیا۔ اس نے «أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَاشَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ» پڑھا، پھر آپ ﷺ نے اسے واپسی کا حکم دیا تو وہ اپنی جگہ چلا گیا۔''[1]

* گذشتہ صفحات میں ہم اس درخت کا ذکر کر چکے ہیں جس کے بارے میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے کہا تھا: ''اس درخت کو اپنے پاس بلائیں۔'' آپ ﷺ نے اسے بلایا تو وہ آپ کے قریب آ گیا۔ اس واقعے کی سند صحیح ہے۔[2]

* رسول اللہ ﷺ نے رُکانہ کو پچھاڑ دیا تھا۔ یہ واقعہ معروف ہے۔ رکانہ کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تعجب خیز چیز دکھاتا ہوں بشرطیکہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے میرا دین قبول کر لو۔'' رکانہ نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں اس درخت کو بلاتا ہوں جو تمھیں نظر آ رہا ہے۔ وہ میرے پاس فوراً آ جائے گا۔'' انھوں نے کہا: ''بلائیے!'' آپ نے بلایا تو وہ چل پڑا اور آپ کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واپس چلے جاؤ'' تو وہ اپنی جگہ واپس پہنچ گیا۔[3]

* حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے کے واقعے میں بیان کرتے ہیں: ''اللہ کے رسول ﷺ نے مجھے فرمایا: ''سلمان! اپنے مالک سے آزادی کا معاہدہ کر لو۔'' میں نے اپنے مالک سے بات کی تو طے پایا کہ گڑھے کھود کر تین سو کھجور کے درخت لگاتا ہوں گے۔

[1] سنن الدارمي، المقدمة: 13/1، حديث: 16، والمستدرك للحاكم: 610/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا۔ ومجمع الزوائد: 292/8. [2] سبل الهدٰى والرشاد: 126/10. [3] السيرة النبوية لابن هشام: 35/2. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جس کی سند منقطع ہے، تاہم یہ روایت اپنی متعدد سندوں کی بنا پر قوی ہے۔ محققین کے نزدیک یہ حسن ہے۔

وہ پھل دینے لگیں تو میں آزاد ہوں۔ اس کے سوا چالیس اوقیہ نقد بھی دینے ہوں گے۔“
رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ”اپنے بھائی کی مدد کرو۔“ بس پھر کیا تھا، کوئی کھجور کے تیس پودے اٹھائے آرہا ہے، کوئی بیس، کوئی پندرہ، کوئی دس۔ ہر شخص اپنی اپنی بساط کے مطابق مدد کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تین سو پودے مہیا ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سلمان! جاؤ اور گڑھے کھودو۔ فارغ ہو جاؤ تو مجھے بتانا میں خود پودے لگاؤں گا۔“ میں نے گڑھے کھودے۔ صحابۂ کرام نے بھی میری مدد کی اور گڑھے مکمل ہو گئے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بتایا تو رسول اللہ ﷺ میرے ساتھ باغ والی جگہ تشریف لے گئے۔ ہم کئی ساتھی مل کر پودے آپ ﷺ کے قریب کرتے جاتے اور آپ ﷺ اپنے دستِ مبارک سے پودے لگاتے جاتے۔ آپ ﷺ نے تمام پودے لگا دیے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! ان پودوں میں سے ایک بھی پودا ضائع نہیں ہوا۔“[1]

بیہقی کی روایت میں ہے: ”سب پودے رسول اللہ ﷺ نے لگائے۔ اور ایک پودا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے لگایا۔ اس ایک پودے کے سوا سب درخت اُسی سال پھل دینے لگے۔ نبیِ کریم ﷺ نے دریافت فرمایا: ”یہ پودا کس نے لگایا تھا؟“ لوگوں نے کہا: ”عمر بن خطاب نے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اسے بھی اپنے دست مبارک سے لگایا تو اس پر بھی اسی سال پھل آگیا۔“[2]

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 281/1. یہ ابن اسحاق کی طویل روایت کا ایک حصہ ہے۔ اس روایت کی سند حسن ہے۔ نبی ﷺ کا یہ کہنا کہ سلمان! مکاتبت (آزادی کا معاہدہ) کر لو، بخاری کی معلق روایت ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، البيوع، باب شراء المملوك من الحربي وهبته وعتقه، قبل الحديث: 2217) حافظ ابن حجر نے ابن اسحاق کی متصل سند کا اشارہ دیا ہے۔ انھوں نے ابن حبان اور حاکم کی ایک اور سند کا ذکر بھی کیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 280/9) [2] دلائل النبوة للبيهقي 82/2، 97/6، و مجمع الزوائد: 336,335/9. ہیثمی نے احمد اور بزار کا حوالہ دیا اور کہا: ”اس حدیث کی سند کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔“

حیوانات کے معجزات

حیوانوں میں رسول اللہ ﷺ کے معجزاتی اثرات

حیوانوں کی اطاعت: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''انصار کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! باغ میں ہمارا ایک اونٹ بے قابو ہو گیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور اونٹ سے فرمایا: ''ادھر آؤ۔'' وہ اونٹ فوراً سر جھکا کر آپ ﷺ کے پاس آ گیا۔ آپ نے اسے نکیل ڈالی اور مالکوں کے سپرد کر دیا۔ یہ منظر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے بے ساختہ کہا: ''اے اللہ کے رسول! یوں لگتا ہے کہ اسے آپ کے نبی ہونے کا علم تھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ منورہ کے دو پتھریلے میدانوں کے درمیان ہر چیز جانتی ہے کہ میں نبی ہوں۔ صرف کافر انسان اور جن نہیں جانتے۔''[1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے مالکوں سے کہا: ''اس اونٹ نے مجھ سے کام کی زیادتی اور چارے کی کمی کی شکایت کی ہے اور بتایا ہے کہ ان لوگوں نے بچپن سے مجھ سے سخت محنت مشقت کرائی ہے اور اب مجھے ذبح

[1] المعجم الكبير للطبراني: 155/12، حديث: 12744۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں احمد اور طبرانی کی ایک سند کو حسن قرار دیا ہے۔ یہ بات ساعاتی نے لکھی ہے۔ مزید لکھتے ہیں: ''یہ سندیں جو یہاں وارد ہوئی ہیں، ان میں بعض صحیح اور بعض حسن ہیں۔ یہ ایک دوسری کو تقویت دیتی ہیں۔''

کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' وہ بولے: ''جی ہاں! اے اللہ کے رسول!''[1]

ایک روایت میں ہے کہ وہ اونٹ رسول اللہ ﷺ کی طرف بھاگا آیا اور آپ کے سامنے سجدے میں گر پڑا۔ صحابہ نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ جانور جو شعور نہیں رکھتے آپ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ ہمارا تو زیادہ حق بنتا ہے کہ ہم آپ کو سجدہ کیا کریں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر انسان کے لیے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے کہ خاوند کا حق عورت پر بہت زیادہ ہے۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر خاوند کے سر سے پاؤں تک پھوڑے ہی پھوڑے ہوں جن سے پیپ اور خون بہہ رہا ہو اور بیوی انھیں چاٹ چاٹ کر صاف کر دے تب بھی وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کر سکتی۔''[2]

اس واقعے کی کئی اسانید ہیں جن کے الفاظ مختلف ہیں۔ اس کی تفصیل الفتح الرباني اور سبل الهدیٰ میں دیکھی جا سکتی ہے جن کی طرف حاشیے میں اشارہ کیا گیا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ ایک باغ میں گئے۔ وہاں ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ ﷺ کو سجدہ کیا۔''[3]

شامی نے اس قسم کے چودہ واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں سے کچھ قوی ہیں، کچھ

[1] مسند أحمد: 173/4. یہ روایت یعلیٰ بن مرہ کی ہے۔ مسند احمد میں ''چارے کی کمی'' تک کے الفاظ ہیں۔ [2] مسند أحمد: 159,158/3. ابن کثیر نے لکھا: ''یہ سند جید ہے۔ نسائی نے اس کا ایک حصہ روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (البداية والنهاية: 142/6) شامی نے لکھا: ''اسے احمد اور نسائی نے بسند جید روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (سبل الهدیٰ والرشاد: 153/10) شامی نے احمد، ابونعیم اور طبرانی کی بیان کردہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے متعلق لکھا: ''یہ سند جید ہے۔'' البانی نے اونٹ والی روایت کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (إرواء الغليل: 55,54/7) [3] مسند البزار: 179/2، 150/3، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 283,282/2، ومجمع الزوائد: 7/9، وسبل الهدى والرشاد: 155/10.

ضعیف۔ مفہوم ان سب کا ایک ہے اور یہ صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہیں۔ ہم اس سے پہلے حیوانات پر رسول اللہ ﷺ کی شفقت کے بیان میں ایک انصاری جوان کے اونٹ کا ذکر کر چکے ہیں جس نے کام کی کثرت، سختی اور بھوک کی شکایت کی تھی۔ اس واقعے کی سند حسن ہے۔

رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ اس پر پانی لادا جا رہا تھا۔ جب نبیٔ اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو وہ بلبلایا اور اپنی گردن جھکا دی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ کام کی زیادتی اور چارے کی کمی کی شکایت کر رہا ہے۔''[1]

* **حیوانات میں آپ ﷺ کی برکت کا ظہور:** غزوۂ ذاتِ رقاع کے واقعات میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا واقعہ اختصار سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں ہم اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کی معیت میں محوِ سفر تھا۔ رسول اللہ ﷺ مجھ سے آملے۔ میں پانی ڈھونے والے اونٹ پر سوار تھا۔ وہ بالکل تھک چکا تھا اور چلنے کا نام نہیں لیتا تھا حتی کہ سب لوگ چلے گئے۔ میں اسے داغنے لگا مگر اس کی حالت نے مجھے تشویش میں ڈال دیا۔ ادھر سے رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ سب لوگوں سے پیچھے تھے۔ مجھ سے دریافت فرمایا: ''تمھارے اونٹ کو کیا ہوا؟'' میں نے عرض کی: ''بیمار ہے، سست ہے، تھک چکا ہے۔'' آپ نے اس کے سینے پر کچھ پانی ڈالا، پھر اسے ہلکی سی ضرب لگائی اور دعا فرمائی۔ وہ اونٹ اچھل کر کھڑا ہو گیا، پھر فرمایا: ''اب اللہ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ۔'' میں نے عرض کی: ''میں تو اس بات پر بھی راضی ہوں کہ وہ

[1] المستدرك للحاكم: 618,617/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ومصابیح السنة للبغوي، حدیث: 4238. بغوی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ ومسند أحمد: 173-170/4. احمد کی سند ضعیف ہے۔ ودلائل النبوة لأبي نعیم: 150/6، حدیث: 2272.

قافلے کے ساتھ ساتھ خالی چلتا رہے اور میں پیدل چلتا رہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سوار ہو جاؤ۔'' میں سوار ہو گیا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اسے بڑی مشکل سے رسول اللہ ﷺ سے آگے بڑھنے سے روک رہا تھا۔ میں اس سے پہلے اور بعد میں کبھی اس سے بہتر، سبک رفتار اور مطیع جانور پر سوار نہیں ہوا۔ وہ تمام اونٹوں سے سبقت لے گیا اور آگے آگے چل رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اب تیرا اونٹ کیسا ہے؟'' میں نے کہا: ''بہت اچھا ہے، اسے آپ کی برکت حاصل ہو گئی ہے۔''[1]

* غزوۂ تبوک میں بھی مسلمانوں کی سواریوں میں رسول اللہ ﷺ کی برکت عجب شان سے ظاہر ہوئی تھی۔ ہم اس کی تفصیل غزوۂ تبوک کے واقعات میں احمد اور طبرانی کے حوالے سے حسن سند کے ساتھ بیان کر چکے ہیں۔

* حضرت جُعَیل اشجعی رضی اللہ عنہ کی سواری پر رسول اللہ ﷺ کی برکت کا واقعہ خود ان کی زبان سے سنیے، وہ کہتے ہیں: ''میں ایک جنگی سفر میں انتہائی کمزور گھوڑی پر سوار تھا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ میں سب لوگوں سے پیچھے تھا۔ رسول اللہ ﷺ مجھ سے آن ملے۔ آپ نے چابک اٹھایا، گھوڑی کو ہلکی سی ضرب لگائی اور فرمایا: ''اے اللہ! اس میں برکت دے۔'' پھر کیا تھا۔ وہ اس قدر تیز ہو گئی کہ میں سب لوگوں سے آگے جا رہا تھا۔ سچ بتاؤں میں نے اس کی نسل سے بارہ ہزار دینار کے گھوڑے بیچے۔''[2]

[1] صحيح البخاري، البيوع، باب شراء الدواب والحمير، حديث: 2097، وكتاب الجهاد والسير، باب استئذان الرجل الإمام، حديث: 2967، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح البكر، حديث: (57)-1466، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 157,156/2، والخصائص الكبرٰى للسيوطي: 58/2، ودلائل النبوة للبيهقي: 152/6. [2] المعجم الكبير للطبراني: 315/2، حديث: 2172، و مجمع الزوائد: 262/5. ہیثمی نے لکھا: ''اس حدیث کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔'' ودلائل النبوة للبيهقي: 153/6، والسنن الكبرٰى للنسائي، حديث: 8818، والخصائص ◄◄

* ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت کا ظہور: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''ایک دفعہ اہلِ مدینہ کسی افواہ سے گھبرا گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ابوطلحہ کے گھوڑے پر سوار ہوئے۔ یہ گھوڑا بڑا سست تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے تو فرمایا: ''بھئی! ہم نے تو اسے سمندر پایا۔'' اس کے بعد کبھی کوئی گھوڑا دوڑ میں اس سے آگے نہیں بڑھا۔''[1]

حیوانوں کی گواہی

بھیڑیے کی گواہی: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''ایک بھیڑیے نے ایک بکری پر حملہ کیا اور اسے پکڑ لیا۔ چرواہا بھاگا اور بکری چھڑا لی۔ بھیڑیا اپنی دم کے بل بیٹھ گیا اور بولا: ''تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم نے مجھ سے اللہ کا بھیجا ہوا رزق چھینا ہے۔'' چرواہا حیرت سے بولا: ''تعجب ہے بھیڑیا دم کے بل بیٹھ کر مجھ سے انسانوں کی طرح باتیں کرتا ہے۔'' بھیڑیا بولا: ''میں تمھیں اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات نہ بتاؤں۔ یثرب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو گئے زمانے کی باتیں بتاتے ہیں۔'' چرواہا اپنی بکریاں ہانکتا ہوا مدینہ منورہ پہنچا۔ اس نے اپنی بکریاں ایک گوشے میں محفوظ کیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ پورا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اعلان کیا گیا: ''سب لوگ جمع ہوں۔'' پھر آپ نے چرواہے سے فرمایا: ''وہی واقعہ ان کے سامنے بیان کرو۔'' اس نے پورا واقعہ سنایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس نے بالکل سچ کہا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے! قیامت سے قبل ایسا ضرور ہوگا کہ درندے انسانوں سے باتیں کریں گے۔

» الکبریٰ للسیوطي: 2/63، 64. [1] صحیح البخاري، الجهاد و السیر، باب الفرس القطوف، حدیث: 2867، وصحیح مسلم، الفضائل، باب شجاعته ﷺ، حدیث: 2307، ومسند أحمد: 3/147.

انسان کے اپنے کوڑے کا پھندنا اور جوتے کا تسمہ اس سے باتیں کریں گے اور اس کی ران اسے بتائے گی کہ اس کے گھر والے اس کی عدم موجودگی میں کیا کچھ کرتے رہے۔'' [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب بھیڑیے نے بکریوں کے چرواہے سے باتیں کرنی شروع کیں تو چرواہا بولا: ''اللہ کی قسم! آج سے پہلے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ بھیڑیا باتیں کرتا ہو۔'' بھیڑیا کہنے لگا: ''اس سے زیادہ تعجب خیز یہ بات ہے کہ پتھریلے میدانوں کے درمیان نخلستان (مدینہ) میں ایک آدمی تمھیں اگلی پچھلی باتیں بتاتا ہے۔'' چرواہا یہودی تھا۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور سارا واقعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی تو وہ مسلمان ہو گیا۔ [2]

ہرنی کی گواہی: حضرت ابوسعید خدری، انس اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے (یہ الفاظ انس رضی اللہ عنہ کے ہیں) ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ منورہ کی کسی گلی میں جا رہے تھے۔ ہم ایک خیمے کے پاس سے گزرے۔ خیمے کے ساتھ ایک ہرنی بندھی ہوئی تھی۔ جب اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو بولی: ''اے اللہ کے رسول! مجھے یہ لوگ پکڑ لائے ہیں۔ جنگل میں میرے دو بچے ہیں۔ میرے تھنوں میں دودھ جم چکا ہے۔ اب یہ مجھے ذبح بھی نہیں کرتے کہ میری سوزش قلب ختم ہو، نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ واپس جنگل میں اپنے

---

[1] مسند أحمد: 84/3و88، والمستدرك للحاكم: 468,467/4. حاکم نے اسے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ودلائل النبوة للبيهقي: 42,41/6. بیہقی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ والبداية والنهاية: 150/6. ابن کثیر نے اسے صحیح کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ وابن حبان: (الإحسان): 41/14، حديث: 6494. سند مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے۔ والخصائص الكبرٰى للسيوطي: 103/2. سیوطی نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' [2] مسند أحمد: 306/2. ابن کثیر نے لکھا: ''اسے صرف احمد نے روایت کیا ہے۔ یہ روایت اہل سنن کی شرائط پر پورا اترتی ہے، تاہم انھوں نے اسے روایت نہیں کیا، دیکھیے: (البداية والنهاية: 150/6) والخصائص الكبرٰى للسيوطي: 103/2. سیوطی نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔''

بچوں کے پاس چلی جاؤں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس سے دریافت فرمایا: ''اگر میں تمھیں چھوڑ دوں تو کیا تم دودھ پلا کر واپس آجاؤ گی؟'' اس نے یقین دلایا: ''جی ہاں! ورنہ اللہ تعالیٰ مجھے دردناک عذاب میں مبتلا کرے۔'' [1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ اس نے کہا: ''آپ مجھے ان سے اجازت دلا دیں میں بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا واقعی تو ایسا کرے گی؟'' وہ کہنے لگی: ''اگر میں وعدہ پورا نہ کروں تو اللہ مجھے وہ عذاب دے جو بھتا وصول کرنے والوں کے لیے مخصوص ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اس ہرنی کا مالک کون ہے؟'' وہ بولے: ''اے اللہ کے رسول! ہم ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''اس ہرنی کو چھوڑ دو۔ یہ اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجائے گی۔'' وہ بولے: ''اے اللہ کے رسول! کس کی ضمانت پر؟'' فرمایا: ''میری!'' انھوں نے اسے کھول دیا۔ وہ گئی اور حسبِ وعدہ دودھ پلا کر واپس آگئی۔ انھوں نے اسے پھر باندھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ دوبارہ وہاں سے گزرے تو دریافت فرمایا: ''اس ہرنی کے مالک کہاں ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! ہم حاضر ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ ہرنی میرے ہاتھ بیچتے ہو؟'' وہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے لیے ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے کھول دو۔'' انھوں نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ آپ کی اجازت سے چل دی۔ وہ اپنا پاؤں زمین پر مارتی اور کہتی جاتی تھی: ''میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور آپ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔''

[1] دلائل النبوة للبیهقي: 35,34/6، ودلائل النبوة لأبي نعیم: 320/1. ابن کثیر نے البدایة میں اور سیوطی نے الخصائص میں انس اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس حدیث کی چند دیگر سندیں بیان کی ہیں۔ والمعجم الکبیر للطبراني، حدیث: 763. حافظ ابن حجر نے مختصر المنتهیٰ کی تخریج حدیث میں اس روایت کی سند کو کمزور قرار دیا ہے۔ الغرض اس روایت کی تمام سندیں ضعیف ہیں، تاہم سیرت کے قدیم مآخذ میں یہ واقعہ نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے متعلق کم از کم یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس واقعے کی کوئی نہ کوئی حقیقت ضرور ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''اللہ کی قسم! میں نے اسے جنگل میں چلتے پھرتے دیکھا۔ وہ بار بار کہہ رہی تھی: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ»

شامی لکھتے ہیں: ''قطب الدین خَیضَری نے اپنی کتاب ''خصائص'' میں لکھا: ''اس حدیث کو بعض حفاظ محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ مگر اس کی کئی سندیں ایک دوسری کو قوت دیتی ہیں۔''

شامی نے لکھا: ''شیخ نے کہا: ''اس حدیث کی کئی سندیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس واقعے کی کچھ حقیقت ضرور ہے۔''

امام حاوی ''مختصر ابن حاجب'' پر اپنے حواشی میں حضرت ابو سعید سے یہ روایت بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''حدیث غریب ہے۔ راوی علی بن قادم، اس کا استاد اور استاد کا استاد سب کوفی شیعہ ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ ضعیف عطیۃ ہے۔ اگر اس میں کچھ بھی جان ہوتی تو میں اس روایت کو حسن کہہ دیتا۔[1]

اونٹنیاں ذبح ہونے کے لیے قریب آ گئیں: حضرت عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''عید کے دن پانچ یا چھ اونٹنیاں نحر کے لیے پیش کی گئیں۔ آپ ﷺ نحر کرنے کے لیے آگے بڑھے تو ہر اونٹنی آپ کی طرف گردن بڑھانے لگی تاکہ آپ ﷺ پہلے اسے ذبح کریں۔''[2] بقول شاعر:

سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی!

گھریلو جانور کا آپ سے ڈرنا اور احترام کرنا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کے ہاں ایک پالتو جانور تھا۔ رسول اللہ ﷺ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو وہ خوب کھیلتا، بھاگتا، دوڑتا اور ادھر ادھر پھرتا رہتا مگر جب اسے اندازہ ہوتا کہ آپ تشریف لے آئے ہیں تو اس ڈر سے کہ آپ کو

[1] سبل الهدٰى والرّشاد للشامي: 10/176,177. [2] شامی رقم طراز ہیں: ''اس حدیث کو ابو داود، ◄◄

تکلیف پہنچے گی، آرام سے بیٹھ جاتا اور جب تک رسول اللہ ﷺ گھر میں رہتے بالکل حرکت نہ کرتا۔"[1]

شیر کا آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا: رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: "میں ایک دفعہ بحری جہاز پر سوار ہوا۔ جہاز ٹوٹ گیا۔ میں اس کے ایک تختے پر چڑھ گیا۔ وہ تختہ درختوں کے ایک جھنڈ تک پہنچ گیا۔ وہاں ایک شیر بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر شیر میری طرف بڑھا۔ میں نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا تو بلند آواز سے کہا: "ابو الحارث (شیر کی کنیت)! میں رسول اللہ ﷺ کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں۔ وہ محبت و احترام سے دم ہلاتا ہوا میرے پہلو سے آلگا۔ جب بھی وہ کوئی آواز سنتا تو اس طرف جا کر دیکھ بھال کرتا، پھر وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر چلا اور جنگل سے نکال کر ایک راستے پر لا کھڑا کیا، پھر کچھ دیر وہ آواز نکالتا رہا گویا مجھے الوداع کہہ رہا ہے۔"[2]

شیر کا یہ طرزِ عمل بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے محمد ﷺ کی رسالت پر ایمان لانے کا الہام کر دیا تھا۔

چنڈول (چڑیا) کی شکایت: ہم یہ واقعہ اس سے قبل "حیوانات پر رسول اللہ ﷺ کی

»» نسائی اور ابو مسلم کجی نے روایت کیا ہے۔" دیکھیے: (سنن أبي داود، المناسك، باب: (19)، حديث: 1765) والخصائص الکبرٰی للسیوطي: 39/2. سیوطی نے اسے طبرانی، ابونعیم اور حاکم کی روایت سے بیان کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاكم: 221/4. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ ومسند أحمد: 350/4. [1] شامی لکھتے ہیں: "اسے احمد، مسدد، ابویعلیٰ، بزار اور طبرانی نے عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے روایت کیا ہے۔" دیکھیے: (مسند أحمد: 113/6، ومسند أبي يعلٰى: 121/8، حديث: 4660) اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ ابن کثیر نے الشمائل میں احمد کے دونوں طریق بیان کرنے کے بعد لکھا: "یہ سند صحیح کی شرط پر ہے، تاہم انھوں نے اسے نہیں نکالا، یہ ایک مشہور حدیث ہے۔" [2] دلائل النبوة للبيهقي: 6/45و46، ««

شفقت'' کے عنوان کے تحت بیان کر چکے ہیں۔ علامہ البانی نے اس روایت کا ذکر سلسلہ صحیحہ میں کیا ہے۔ دیگر اہلِ علم نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

ایک پرندے کو الہام: حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ اپنے (چرمی) موزے منگوائے۔ ابھی ایک موزہ پہنا تھا کہ ایک کوا آیا اور دوسرا موزہ اٹھا کر لے گیا۔ کچھ دور جا کر اس نے موزہ پھینک دیا۔ موزے سے ایک سانپ نکل کر بھاگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يَلْبَسْ خُفَّيْهِ حَتّٰى يَنْفُضَهُمَا»

''جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ موزے نہ پہنے جب تک انھیں اچھی طرح جھاڑ نہ لے۔''[1]

علاوہ ازیں اور بھی چند شہادتیں ہیں کہ دیگر کئی حیوانات نے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی۔ میں نے ان کے شدید ضعف کی وجہ سے انھیں درج نہیں کیا، مثلاً: ضب (سانڈہ) کا آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دینا[2] اور آپ کی رسالت کی گواہی دینے کے لیے بکری کا جنگل سے آنا وغیرہ۔

◄◄ ودلائل النبوة لأبي نعيم: 51/2، والخصائص الكبرٰى: 65/2، والمستدرك للحاكم: 619/2، 606/3. حاکم نے اسے صحیحین کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ والمعجم الكبير: 94/7، حديث: 6432.

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 62/1، والخصائص الكبرٰى: 65/2، والمعجم الصغير للطبراني: 180/2. طبرانی نے روایت کے کمزور ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ ومجمع الزوائد: 140/5. یہ طبرانی کی روایت ہے۔ اس کے متعلق سبل الهدٰى والرشاد کے محقق نے رقم کیا: ''اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں اور یہ ان شاء اللہ صحیح ہے۔'' [2] سبل الهدٰى والرشاد: 178/10. أبو عمار عبدالله بن ضيف الله عامري نے اپنے رسالے میں اس حدیث کی تفصیلی تحقیق کی اور اس کے تمام طرق (سندیں) جمع کر کے ان پر فرداً فرداً تبصرہ کیا ہے۔ یہ رسالہ دارالریان بیروت نے ذیل کے عنوان سے شائع کیا ہے: حديث الضّبّ الذي [illegible]م بين يدي رسول الله ﷺ، رواية أبي القاسم سلمان بن أحمد الطبراني.

گزشتہ صفحات میں ایسے واقعات گزر چکے ہیں جن میں حیوانات میں رسول اللہ ﷺ کی برکت کے ظہور کا تذکرہ اور مختلف کھانوں میں معجزانہ اضافے بتائے گئے۔ یہ معجزے بھی ہیں اور برکت بھی۔ اب ہم چند مزید واقعات بیان کرتے ہیں جن میں آپ کی برکت معجزانہ طور پر دیگر چیزوں اور لوگوں میں ظاہر ہوئی۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کا اکرام تھا۔

طلائی عطیے میں برکت

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعے میں مزید تفصیل یہ ہے: ''پودے تو لگ گئے مگر مال کی ادائیگی باقی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کہیں سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آگیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''فارسی کا کیا بنا جس نے آزادی کا معاہدہ کیا تھا؟'' مجھے بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا: ''یہ سونا لے لو اور اس کے ذریعے سے اپنی قیمت ادا کرو۔'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ تو اس رقم کے مقابلے میں بہت کم ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''لے لو۔ اللہ اس کے ذریعے سے تمھاری طرف سے ادا کر دے گا۔'' میں نے وہ سونا لے لیا۔ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے! میں نے اسی سونے سے چالیس اوقیہ تول کر اپنے مالکوں کو ان کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔''[1]

آپ کی تشریف آوری پر خوشی سے پہاڑ کی حرکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ احد (یا حراء) پہاڑ پر چڑھے۔ آپ

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 2/82 و 6/97، و مجمع الزوائد: 9/335 و 336.

کے ساتھ حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ ہلنے لگا۔ نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنا پاؤں زور سے پہاڑ پر مارا اور فرمایا:

«اُثْبُتْ أُحُدُ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ، وَّصِدِّيقٌ، وَّشَهِيدَانِ»

''احد! پرسکون ہو جا، اس وقت تجھ پر ایک نبی، صدیق اور دو شہید ہیں۔'' [1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی ہی روایت آتی ہے۔ اس میں یہ الفاظ زائد ہیں کہ آپ کے ساتھ حضرت علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پرسکون ہو جا، تجھ پر اس وقت یا نبی ہے یا صدیق یا شہید ہے۔'' [2]

* حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر فرماتے سنا: ''قیامت کے دن رب جبار اپنے آسمانوں اور اپنی زمینوں کو اپنے ہاتھ میں لے گا، پھر فرمائے گا:

«أَنَا الْجَبَّارُ، أَيْنَ الْجَبَّارُونَ؟ أَيْنَ الْمُتَكَبِّرُونَ؟»

''میں ہوں الجبار، کہاں ہیں وہ جو اپنے آپ کو جبار کہتے اور تکبر کا اظہار کرتے تھے؟''

یہ فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ دائیں بائیں اس قدر جھکے تھے کہ منبر نیچے سے حرکت کرنے لگا حتی کہ میں نے اپنے دل میں کہا: ''کیا یہ رسول اللہ ﷺ کو گرا دے گا؟'' [3]

---

[1] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب قول النبي ﷺ: لوكنت متخذا خليلًا، حديث: 3675، وجامع الترمذي، المناقب، باب في عد عثمان تسميته شهيدًا......، حديث: 3699، ومسند أحمد: 59/1. [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل طلحة والزبير رضی اللہ عنہما، حديث: 2417. اس حدیث میں پہاڑ کا نام اُحد کے بجائے حراء ہے۔ اضافی بات اس میں یہ بھی ہے کہ پہاڑ پر موجود سات افراد کے ساتھ آٹھویں سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ [3] صحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث: 2788، ومسند أحمد: 88/2، والمعجم الكبير للطبراني: 389/12، حديث: 13437، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر البعث، حديث: 4275.

عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○﴾

''ان لوگوں نے اللہ کی صحیح قدر نہیں کی۔ قیامت کے دن زمین اس کی گرفت میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوں گے۔ وہ اس سے پاک اور بہت بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔''[1]

نبی کریم ﷺ نے بتایا:

«يَقُولُ : أَنَا الْجَبَّارُ، وُيَمَجِّدُ الرَّبُّ نَفْسَهُ»

''اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''میں ہوں الجبار'' اور اللہ تعالیٰ اپنی بزرگی خود بیان کرے گا۔''

اس وقت رسول اللہ ﷺ کا منبر اس قدر تیز حرکت کرنے لگا کہ ہمیں خدشہ ہوا کہ آپ ﷺ گر جائیں گے۔[2]

ہم فتح مکہ کے واقعات میں بتا چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بتوں کی طرف محض اشارہ کرتے اور بت اوندھے منہ گر جاتے تھے۔ یہ معجزہ تھا۔ اسی طرح غزوۂ خندق کے واقعات میں بتایا جا چکا ہے کہ آپ ﷺ نے چٹان پر ضرب لگائی تو وہ ریزہ ریزہ ہوگئی۔ یہ بھی معجزہ تھا۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ مکہ مکرمہ میں پتھر رسول اللہ ﷺ کو سلام کہا کرتے تھے۔ یہ تمام روایات بخاری و مسلم کی ہیں۔

نام کی برکت

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام سفینہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تمھارا نام سفینہ کیوں

[1] الزمر 39:67. [2] المستدرك للحاكم: 2/252و436. حاکم نے اسے بخاری و مسلم کی شرائط »

رکھا گیا؟ وہ بولے: ''میرا یہ نام رسول اللہ ﷺ نے رکھا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ ایک دفعہ آپ ﷺ اور آپ کے صحابہ سفر پر نکلے۔ جس صحابی کو جو سامان بوجھل معلوم ہوتا وہ مجھ پر لاد دیتا۔ یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اٹھاؤ، اٹھاؤ، تم تو سفینہ (جہاز) ہو۔'' آپ کے اس ارشاد کی برکت ہے کہ اس دن سے اگر مجھ پر ایک، دو، تین بلکہ سات اونٹوں کا بوجھ بھی لاد دیا جائے تو وہ مجھے بوجھل معلوم نہیں ہوتا۔''[1]

بال اگ آئے

عبداللہ بن ہلال انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میرے والد محترم مجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے اور درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں تاکہ اس کے بال اگ آئیں۔ نبی ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور برکت کی دعا کی۔ راوی کہتا ہے: ''میں نے عبداللہ بن ہلال رضی اللہ عنہما کو اس وقت دیکھا جب ان کا سر اور ڈاڑھی سفید ہو چکے تھے۔ بال بہت زیادہ تھے۔ وہ بڑھاپے کی وجہ سے مانگ نہیں نکال سکتے تھے۔ وہ روزانہ روزہ رکھتے اور رات کو قیام کیا کرتے تھے۔''[2]

حسن لازوال

شامی رحمہ اللہ نے سبل الھدیٰ[3] میں اس کے متعلق کئی واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں سے چند تو وہ ہیں جو امام بخاری رحمہ اللہ نے تاریخ کبیر میں اور دلائل اور سنن کے

» کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ [1] مسند أحمد: 221/5، والخصائص الکبریٰ: 73/2، ودلائل النبوة للبیهقي: 47/6، والمستدرك للحاکم: 606/3. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ [2] مجمع الزوائد: 399/9. ہیثمی نے طبرانی کی اس روایت کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔ شامی نے لکھا: ''طبرانی نے اسے بسند حسن روایت کیا ہے۔'' دیکھیے: (سبل الھدیٰ والرشاد: 254/10) [3] سبل الھدیٰ والرشاد: 10/255-258.

مصنفین نے اپنی کتب میں درج کیے ہیں، مثلاً: حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا: ''اے اللہ! اسے خوبصورت بنا دے۔'' یہ بزرگ سو سال سے زائد عمر کے ہوئے لیکن ان کی ڈاڑھی میں ایک بال بھی سفید نہ آیا۔ نہایت خوش رو تھے۔ وفات تک ان کے چہرے پر جھریاں نہیں پڑیں۔ [1]

دست مبارک اور لعابِ دہن کی برکت

گزشتہ صفحات میں بتایا جا چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خیبر میں علی رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں بوجہ آشوب لعابِ دہن لگایا تھا جس کی برکت سے انھیں دوبارہ آنکھ کی تکلیف نہیں ہوئی۔

غزوۂ احد کے دوران آپ نے حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی باہر نکلی ہوئی آنکھ دوبارہ پپوٹے میں رکھ دی اور اس آنکھ کی نظر دوسری آنکھ سے زیادہ اچھی ہو گئی تھی۔ سلام بن ابی الحقیق کے قتل کے واقعے میں عبداللہ بن عتیک انصاری رضی اللہ عنہ کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ آپ نے اپنا دست مبارک پھیر کر ٹانگ درست کر دی تھی۔

غزوۂ تبوک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی سواریوں کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو اس کی برکت سے سواریاں تیز ہو گئی تھیں۔

غزوۂ ذاتِ رقاع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے جابر رضی اللہ عنہ کا عاجز اونٹ انتہائی تیز رفتار ہو گیا تھا۔ ان واقعات کے علاوہ مزید چند واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

ذیال رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''میں نے اپنے دادا حنظلہ بن حِذیم بن حنیفہ تمیمی (یا اسدی) رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ان کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس کے چہرے پر ورم ہوتا یا ایسا جانور لایا

[1] مسند أحمد: 77/5. ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ ودلائل النبوة للبيهقي: 211/6. سبل الهدیٰ کے محقق نے اس روایت کی سند کے بارے میں لکھا: ''یہ سند صحیح اور متصل ہے۔'' والمستدرك للحاكم: 606/2. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ یہ روایت مسلم کی شرائط پر پورا اترتی ہے۔

جاتا جس کے تھن متورم ہوتے تو وہ اپنے ہاتھوں پر پھونکتے اور کہتے: ''بسم اللہ'' اور پھر اپنے ہاتھ اپنے سر پر رکھ کر کہتے: ''اللہ کے رسول کے ہاتھ رکھنے کی جگہ یہ ہاتھ رکھ رہا ہوں۔'' پھر وہ اپنے ہاتھ مریض کے جسم پر پھیر دیتے۔'' ذیال کہتے ہیں: ''اس طرح ورم دور ہو جاتا۔'' [1]

حضرت عتبہ بن فرقد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ پر کچھ پڑھ کر پھونکا، پھر اسے میری پشت اور پیٹ پر پھیر دیا۔ اس وقت میرے جسم کے بالائی حصے پر کپڑا نہیں تھا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک کے لمس سے میرے بدن میں ایسی دلنواز مہک پیدا ہوگئی جس کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ یہ بے مثل خوشبو زندگی بھر میرے ساتھ رہی۔ [2]

حضرت محمد بن حاطب اپنی والدہ ام جمیل بنت مُجلّل رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں: '' ایک دفعہ ابلتی ہوئی ہنڈیا ان کے بیٹے محمد (راوی) کے بازو پر الٹ گئی۔ میں اسے لے کر نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ اپنا لعاب مبارک بچے کے ہاتھ پر لگاتے اور یہ پڑھتے جاتے:

«أَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ! اشْفِ أَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاؤُكَ، شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا»

''لوگوں کے رب! یہ تکلیف دور کر دے۔ تو ہی شفا دینے والا ہے۔ تیرے سوا کہیں سے شفا نہیں مل سکتی۔ ایسی شفا عطا فرما کہ کوئی کسر باقی نہ رہے۔''

---

[1] مسند أحمد: 68/5. تهذیب الخصائص کے محقق نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ ودلائل النبوة للبیهقي: 215,214/6. شامی نے سبل الهدٰی والرشاد میں لکھا: '' اسے امام احمد نے ثقہ راویوں کے ذریعے سے روایت کیا ہے۔ ابویعلیٰ نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے۔''

[2] المعجم الکبیر للطبراني: 133/17، حدیث: 329، و الخصائص الکبرٰی للسیوطي: 84/2، ودلائل النبوة للبیهقي: 216/6. شامی نے طبرانی کی سند کو جید قرار دیا ہے، دیکھیے: (سبل الهدٰی والرشاد: 261/10)

وہ اپنے بیٹے محمد سے فرمایا کرتی تھیں: ''بیٹا! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے بیٹھے ہی تیرا بازو بالکل ٹھیک ہو گیا۔''[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ میری بیمار پرسی کے لیے ہمارے قبیلے بنوسلمہ میں تشریف لائے، میں اس وقت بے ہوشی کی حالت میں تھا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوایا، وضو فرمایا، پھر وضو والا کچھ پانی مجھ پر چھڑکا تو مجھے ہوش آ گیا۔''

شامی نے اس مقام پر کچھ اور واقعات بھی بیان کیے ہیں کہ آپ کی برکت سے جنون اور بے ہوشی کا خاتمہ ہو گیا اور بھی بہت سی بیماریاں دور ہو گئیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کی خاطر سورج لوٹایا گیا، اسراء و معراج کے موقع پر قریش کا قافلہ پہنچنے تک سورج روکا گیا، تاہم محققین نے سورج لوٹائے جانے کے واقعات کا انکار کیا ہے۔

بے جان اشیاء کے معجزاتی اثرات

اس سے قبل چند بے جان اشیاء میں رسول اللہ ﷺ کے معجزاتی اثرات کا ذکر ہو چکا ہے، مثلاً: سوکھے ہوئے تنے، بے جان پتھروں، سونے، پہاڑوں، بتوں، چٹانوں اور لاٹھی کے واقعات جو مختلف مقامات پر بیان ہوئے ہیں۔

یہاں ہم اس قسم کے چند مزید واقعات درج کرتے ہیں:

* حضرت ابو قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے بتایا: ''میں ایک اندھیری رات میں گھر سے نکلا۔ خیال تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ

[1] اس حدیث کو محدثین و اہل دلائل نبوت کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، ان میں سرفہرست بخاری رحمہ اللہ ہیں، انھوں نے اسے تاریخ کبیر میں درج کیا ہے۔ الفاظ تاریخ کبیر کے ہیں، روایت میں مذکور دعا صحیح حدیث میں وارد ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، الطب، باب رقية النبي ﷺ، حديث: 5743، وصحيح مسلم، السلام، باب استحباب رقية المريض، حديث: 2191)

کے ساتھ نماز باجماعت ادا کروں اور آپ ﷺ کی کچھ خدمت کروں۔'' ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''میرا خیال تھا کہ میں عشاء کی نماز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ پڑھنے کی سعادت حاصل کروں۔ میں مسجد نبوی میں داخل ہوا تو بجلی چمکی ۔ رسول اللہ ﷺ نے روشنی میں مجھے دیکھا تو فرمایا: ''ابوقتادہ ! ایسے موسم میں کیسے آئے ؟'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میرے ماں باپ آپ پر فدا! میں چاہتا تھا کہ کچھ لمحات آپ کی خدمت میں بسر کروں۔'' خیر! نماز سے فراغت کے بعد جب آپ ﷺ اپنے گھر کو روانہ ہوئے تو، آپ کے پاس ایک شاخ تھی۔ آپ نے فرمایا: ''یہ شاخ تھام لو۔ اس کے ذریعے سے اپنی حفاظت کرنا۔ جب تم یہ لے کر جاؤ گے تو اس سے تمھارے آگے دس ہاتھ اور پیچھے دس ہاتھ تک روشنی پھیل جائے گی۔''

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''تمھارے گھر سے آنے کے بعد اس میں شیطان آ گیا ہے۔ یہ شاخ لے جاؤ۔ اسے مضبوطی سے پکڑے رکھنا۔ گھر پہنچ کر گھر کے پیچھے کھڑے ہو جانا، جب گھر میں پردوں کے اندر کھردرے پتھر جیسی کوئی چیز داخل ہو تو وہ شیطان ہو گا۔'' میں گھر چل دیا۔ شاخ شمع کی طرح جگمگانے لگی۔ سارا گھر روشن ہو گیا۔ گھر کے سب افراد سو چکے تھے۔ میں نے گھر کے ایک کونے میں دیکھا مجھے خارپشت (جنگلی چوہا جس کی پشت پر کانٹے ہوتے ہیں) نظر آیا۔ میں اسے اسی شاخ سے مارنے لگا حتی کہ وہ گھر سے نکل گیا۔''

ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: ''پھر میں اس کھردرے پتھر جیسی چیز کو مارنے لگا حتی کہ وہ میرے گھر سے نکل بھاگی۔''[1]

---

[1] سبل الهدٰی والرشاد: 277/10. شامی نے لکھا: ''طبرانی، احمد اور بزار نے اسے روایت کیا ہے۔ احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' ابوالقاسم نے ابوقتادہ سے صحیح سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد: 65/3، والمعجم الکبیر: 14,13/19، 6,5/19) ہیثمی نے طبرانی کے رجال کی توثیق کی «

* حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ عباد بن بشر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ایک سخت اندھیری رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ جب وہ واپس گھر جانے لگے تو ان کی لاٹھیوں میں نور پیدا ہو گیا اور وہ ان کی روشنی میں اپنے گھروں تک پہنچ گئے۔ [1]

* حضرت حمزہ بن عمر اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ان کا بیان ہے: ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ اندھیری رات میں ہم ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ میری انگلیاں چمکنے لگیں اور ان کی روشنی میں لوگوں نے اپنی سواری کے جانور اور گرا پڑا سامان اکٹھا کیا۔'' [2]

* حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر کھیل رہے تھے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ انھیں ان کی عزت مآب والدہ کے پاس پہنچا دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی اجازت چاہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں۔'' اتنے میں ایک روشنی چمکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنی والدہ کے پاس چلے جاؤ۔'' وہ دونوں اس روشنی میں چلتے چلتے اپنے گھر داخل ہو گئے۔ [3]

غیبی امور کے متعلقہ معجزات
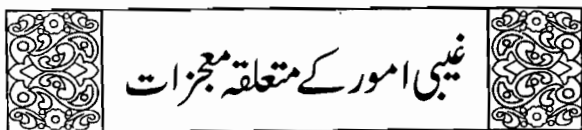
غزوات و سرایا کے واقعات بیان کرتے ہوئے ہم اس قسم کے چند ایک معجزات بیان

»» ہے جبکہ عمر بن قتادہ مقبول درجے کا راوی ہے۔ [1] صحيح البخاري، المناقب، باب: (28)، حديث: 3639. [2] التاريخ الكبير للبخاري: 46/12، ودلائل النبوة للبيهقي: 79/6، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 206/3، والمعجم الكبير: 175/3، حديث: 3990. مجمع الزوائد میں ہیثمی نے اس کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔ والخصائص للسيوطي: 18/2. خصائص کی سند کو شامی نے جید قرار دیا ہے، دیکھیے: (سبل الهدى والرشاد: 280/10) [3] المستدرك للحاكم: 167/3. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ودلائل النبوة للبيهقي: 76/6، ودلائل النبوة لأبي نعيم: 207/3، ««

کر چکے ہیں، مثلاً: غزوۂ خیبر میں زہر آلود گوشت پیش کیا گیا تو ذراع (بازو) کے گوشت نے رسول اللہ ﷺ کو زہر کے بارے میں بتایا تھا۔ اسی طرح جب بعض لوگوں نے آپ ﷺ کو دھوکے سے اچانک قتل کرنے کی کوشش کی تو آپ ﷺ نے ان کا راز فاش کر دیا۔ نجاشی کی وفات کی خبر رسول اللہ ﷺ نے وفات والے دن ہی دے دی تھی۔ غزوۂ موتہ کے کمانڈروں کی شہادت کی خبر بھی آپ نے شہادت ہی کے دن دے دی۔ آپ نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ حضرت عمار ایک باغی جماعت کے ہاتھوں شہید ہوں گے۔

یہاں ہم اس قسم کے مزید معجزات بیان کریں گے جن کا کسی غزوے یا سریے سے تعلق نہیں، مثلاً: ایک بکری مالکوں کی اجازت کے بغیر آپ کے لیے ذبح کر دی گئی تھی تو آپ ﷺ نے یہ بات صاف صاف بتا دی۔

* حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے چند صحابہ کی دعوت کی اور ان کے لیے بکری ذبح کی۔ رسول اللہ ﷺ نے کھانے کی ابتدا فرمائی۔ ابھی پہلا لقمہ بھی نہیں نگلا تھا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بکری اپنے مالکوں کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے۔'' اس عورت نے تسلیم کیا کہ یہ بکری میرے پڑوسی کی تھی۔ میں نے پکڑ کر ذبح کر دی کہ ان سے قیمت طے کر لوں گی، اس لیے اجازت کی ضرورت نہیں سمجھی۔ [1]

رسول اللہ ﷺ نے یہ گوشت قیدیوں میں تقسیم کرنے کا حکم فرمایا۔ [2]

* مختلف سندوں اور صحابہ کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ لبید بن اعصم یہودی نے

«والخصائص الكبرٰى للسيوطي: 280/2، والمعجم الكبير: 45/3، حديث: 2660,2659.

[1] مسند أحمد: 351/3، والمستدرك للحاكم: 235/4. حاکم نے اسے مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ شامی کا کہنا ہے: ''احمد کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' [2] سنن أبي داود، البيوع، باب في اجتناب الشبهات، حديث: 3332، ومسند أحمد: 94/5، وإرواء الغليل: 196/3.

نبی کریم ﷺ پر جادو کر دیا۔ جبرئیل اور میکائیل علیہما السلام نے آپ ﷺ کو اس کی اس کارستانی سے خبردار کر دیا بلکہ پوری تفصیل بھی بتائی کہ جادو کنگھی، کنگھی کے گرے ہوئے بالوں اور نر کھجور کے مغز میں ہے اور یہ چیزیں ذروان کنویں میں چھپائی گئی ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: ''ٹھیک یہی کنواں مجھے خواب میں دکھلایا گیا تھا۔ اس کے درخت تو شیطانوں کے سروں کی طرح ہیں اور پانی ایسا جیسے مہندی والا پانی ہوتا ہے۔'' پھر آپ ﷺ کے حکم پر جادو والی سب چیزیں نکالی گئیں۔[1]

* حضرت عروہ بن ابی الجعد اسدی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ ''عیینہ بن حصن نے رسولِ اکرم ﷺ سے اجازت طلب کی کہ میں طائف والوں کے پاس جا کر انھیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ شاید انھیں ہدایت نصیب ہو جائے۔ آپ ﷺ نے اجازت عطا فرمائی۔ وہ ان کے پاس جا کر انھیں قلعہ بند رہنے کا مشورہ دینے لگا اور کہنے لگا کہ تم ہرگز صلح نہ کرنا ورنہ تم محمد کے غلام بن جاؤ گے۔ جب وہ واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا کر آئے ہو؟'' وہ کہنے لگا: ''میں نے انھیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی مگر وہ نہیں مانے۔'' نبیٔ اکرم ﷺ نے اس کی تردید فرمائی اور جتایا کہ تم انھیں الٹ مشورہ دے کر آئے ہو۔[2]

فتح مصر کی پیش گوئی

حضرت کعب بن مالک، عمرو بن عاص، ابو ذر اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، حديث: 3268، وصحيح مسلم، السلام، باب السحر، حديث: 2189، وسنن ابن ماجه، الطب، باب السحر، حديث: 3545.

[2] سبل الھدٰی والرشاد کے محقق عبدالعزیز جزار کا کہنا ہے: ''اسے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔'' خصائص الکبریٰ کے مطابق اسے حاکم اور ابن سعد نے بھی روایت کیا ہے، نیز ابونعیم نے بھی دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے، دیکھیے: (سبل الھدٰی والرشاد: 336/10، ودلائل ◄◄

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب مصر فتح ہو تو قبطیوں سے اچھا سلوک کرنا، انھیں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے اور تمھارے ساتھ ان کی رشتہ داری ہے۔'' آپ کے بیٹے ابراہیم کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا انھی میں سے ہیں۔ ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں:

«إِنَّ اللّٰهَ سَيَفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِّصْرَ، فَاسْتَوْصُوا بِقِبْطِهَا خَيْرًا، فَإِنَّ لَكُمْ مِّنْهُمْ صِهْرًا وَّذِمَّةً»

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے مصر فتح فرمائے گا۔ قبطیوں سے اچھا سلوک کرنا کیونکہ تمھاری ان سے رشتہ داری بھی ہے اور وہ تمھارے ذمی بھی ہیں۔''[1]

ایک اور روایت میں ہے: ''یقیناً تم مصر فتح کرو گے۔ اس زمین میں قراط کا سکہ عام چلتا ہے۔ مصر والوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔ وہ تمھارے ذمی بھی ہوں گے اور رشتہ دار بھی۔''[2]

اویس قرنی کی خبر

یہ بات اس سے قبل شمائل النبی ﷺ کے تحت گزر چکی ہے۔

ام ورقہ کی شہادت کی خبر

حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا خود بیان فرماتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے لیے روانہ ہونے لگے تو میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! مجھے بھی اپنے ساتھ جانے

◄◄ النبوة للبيهقي: 306/6، و دلائل النبوة لأبي نعيم: 531/2) [1] المعجم الكبير: 61/19، حديث: 111-113. اس حدیث کی دو سندیں ہیں۔ ایک کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ یہ بات ہیثمی نے لکھی ہے۔ شامی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (سبل الهدیٰ والرشاد: 360/10) [2] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب وصية النبي ﷺ، حديث: 2543، ومسند أحمد: 174/5.

کی اجازت دیجیے۔ میں بیماروں اور زخمیوں کی تیمارداری کروں گی۔ شاید اللہ تعالیٰ مجھے بھی شہادت نصیب فرمائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''گھر ہی میں رہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں شہادت نصیب کرے گا۔'' اس لیے انھیں زندگی ہی میں شہیدہ کہا جاتا تھا، پھر ہوا یوں کہ انھوں نے اپنے ایک غلام اور لونڈی کے بارے میں اعلان کر دیا کہ میری موت کے بعد یہ آزاد ہوں گے۔ ان دونوں نے فوری آزادی کی خواہش میں رات کے وقت ان کے منہ میں انھی کی چادر ٹھونس کر انھیں شہید کر دیا اور فرار ہو گئے۔ صبح پتہ چلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا: ''جس شخص کو غلام اور لونڈی کے بارے میں کوئی علم ہو یا جس نے انھیں دیکھا ہو وہ انھیں لا کر پیش کرے۔'' آخر انھیں پکڑ لیا گیا اور سولی پر لٹکا دیا گیا۔ مدینہ منورہ میں سولی دینے کا یہ پہلا واقعہ تھا۔[1]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان یقیناً سچ ہے۔ آؤ ہم شہیدہ کی زیارت کر آئیں۔'' ام ورقہ رضی اللہ عنہا نے قرآن مجید حفظ کیا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں یہ اجازت بھی دے رکھی تھی کہ اپنے گھر میں اذان اور عورتوں کی جماعت کا اہتمام کیا کریں۔

ام المومنین زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سب سے پہلے وہ بیوی فوت ہو گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔'' چنانچہ ازواج مطہرات اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں کہ کس کے ہاتھ لمبے ہیں۔ سودہ کے ہاتھ لمبے تھے مگر پہلے حضرت زینب رضی اللہ عنہا فوت ہو گئیں، پھر سمجھ میں آیا کہ حضرت زینب ہی کے ہاتھ لمبے تھے کیونکہ وہ اپنے ہاتھوں

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب إمامة النساء، حديث: 591. البانی نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ ومسند أحمد: 405/6.

سے محنت کر کے صدقہ بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔[1] اس لیے سب سے پہلے وہی آپ ﷺ سے جاملیں۔

شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی پیش گوئی

حضرت علی رضی اللہ عنہ شط العراق میں تھے کہ انھوں نے بتایا: ''میں ایک دن نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ میں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا کسی نے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے؟ کیا وجہ ہے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں؟'' فرمایا:

«بَلْ قَامَ مِنْ عِنْدِي جِبْرِيلُ فَحَدَّثَنِي أَنَّ الْحُسَيْنَ يُقْتَلُ بِشَطِّ الْفُرَاتِ»

''ایسی کوئی بات نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام ابھی میرے پاس سے اٹھ کر گئے ہیں۔ انھوں نے مجھے بتلایا ہے کہ حسین فرات کے کنارے شہید ہوگا۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«هَلْ لَّكَ إِلٰى أَنْ أُشِمَّكَ مِنْ تُرْبَتِهِ؟»

''کیا میں تمھیں اس مٹی سے حسین کی بو نہ سنگھاؤں؟''

میں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی بھری اور مجھے دے دی، (جب میں نے اس میں سے حسین کی بو محسوس کی) تو میں اپنے اوپر قابو نہ رکھ سکا اور میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔''[2]

---

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل زينب، أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2452، وشرح النووي على صحيح مسلم: 8/16. [2] مسند أحمد: 85/1. احمد شاکر نے کہا: ''اس روایت کی سند صحیح ہے۔'' دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 61,60/2، حديث: 648)

حسن رضی اللہ عنہ دو مسلمان گروہوں میں صلح کرائیں گے

ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَّلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُّصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ»

''میرا یہ بیٹا سردار ہے۔ امید ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے مابین صلح کرائے گا۔''[1]

مساجد کی تزئین و آرائش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی کہ مساجد میں ضرورت سے زیادہ تزئین و آرائش ہوگی اور اس پر فخر کیا جائے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس قوم میں بھی بدعملی پھیلی وہ اپنی مسجدوں کو مزین و منقش کرنا شروع کردے گی۔''[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کہنا ہے: ''تم اپنی مساجد کی تزئین و آرائش کرو گے جیسے یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو مزین کیا۔''[3] آج ہمارے زمانے میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔

[1] صحيح البخاري، الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي ؓ: إن ابني هذا سيد......، حديث: 2704. [2] سنن ابن ماجه، المساجد والجماعات، باب تشييد المساجد، حديث: 741، و الجامع الصغير: 146/2. ابن ماجہ نے اس حدیث کے صحیح ہونے کا اشارہ دیا ہے۔ والورع لأحمد بن حنبل، ص: 107، وحلية الأولياء لأبي نعيم: 152/4. [3] صحيح ابن حبان: 493/4، حديث: 1615. محقق شعیب ارناؤوط نے کہا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔''

گھروں کو منقش کرنے کی پیش گوئی

جیسا کہ آج ہمارے زمانے میں عموماً ہو رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمھارے پاس فالتو چادریں ہوں گی۔ [1] تم صبح ایک جوڑا پہنو گے، شام کو دوسرا پہنو گے، اپنے گھروں میں پردے لٹکاؤ گے جس طرح کعبہ کو غلاف پہنائے جاتے ہیں۔ تم اس دن کے مقابلے میں آج بہتر ہو۔'' [2]

محمد بن مسلمہ کو کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچائے گا

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''ہر شخص کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہونے کا خدشہ ہے سوائے محمد بن مسلمہ کے کیونکہ ان کے متعلق میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: ''تمھیں کوئی فتنہ نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔'' حضرت ثعلبہ بن ضبیعہ نے کہا: ''ہم مدینہ منورہ آئے۔ وہاں ایک خیمہ لگا ہوا تھا۔ اس میں محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان سے خیمہ لگانے کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: ''جب تک مسلمانوں کی جماعت فتنے سے پاک نہیں ہو جاتی اس وقت تک میں مسلمانوں کے کسی شہر میں قیام نہیں کروں گا۔'' [3]

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3631، وصحيح مسلم، اللباس والزينة، باب جواز اتخاذ الأنماط، حديث: 2083. [2] جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث علي في ذكر مصعب بن عمير......، حديث: 2476. ترمذی نے لکھا: ''یہ حدیث حسن ہے۔'' [3] سنن أبي داود، السنة، باب ما يدل على ترك الكلام، حديث: 4663-4665، والمستدرك للحاكم: 434/3. حاکم نے اسے کئی سندوں سے روایت کیا ہے اور اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ تهذيب الخصائص کے محقق نے ان دونوں کی موافقت کی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی جنگ کی پیش گوئی

ابوحرب بن ابی اسود دؤلی کا بیان ہے: جب زبیر رضی اللہ عنہ علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کے لیے روانہ ہوئے تو میرے سامنے علی نے ان سے فرمایا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے نہیں سنا تھا: زبیر! تم علی سے لڑائی لڑو گے تو اس وقت زیادتی تمھاری ہو گی؟'' زبیر نے جواب دیا: ''مجھے یاد نہیں۔'' تاہم اس کے باوجود زبیر رضی اللہ عنہ میدان سے واپس چلے گئے۔ [1]

علی کی شہادت کی پیش گوئی

عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ ذات عشیرہ میں انھیں اور علی کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بتاؤں کہ انسانوں میں سب سے زیادہ بدبخت دو شخص کون ہیں؟'' ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے۔'' فرمایا: ''ایک تو ثمود کا وہ سرخ آدمی جس نے ناقۃ اللہ کو زخمی کیا تھا اور اے علی! دوسرا وہ شخص جو تمھارے سر پر تلوار کی ضرب لگائے گا اور تمھاری ڈاڑھی خون سے رنگین ہو جائے گی۔'' [2]

عائشہ رضی اللہ عنہا پر کتوں کے بھونکنے کی پیش گوئی

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''عائشہ رضی اللہ عنہا بنو عامر کے علاقے میں گئیں تو وہاں کے کتے بھونکنے لگے۔ پوچھا: ''یہ کونسا چشمہ ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''حَوْأَب!'' انھوں نے فرمایا: ''میرا خیال ہے مجھے واپس چلنا چاہیے۔'' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بولے: ''نہیں!

[1] المستدرك للحاكم: 366/3. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

[2] مسند أحمد: 263/4. الموسوعة الحديثية کے محققین نے اس حدیث کو حسن لغیرہ کہا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية، حديث: 18321)

بلکہ آپ کو چلتے رہنا چاہیے۔ ممکن ہے لوگ آپ کو دیکھ کر صلح کی طرف مائل ہو جائیں۔"
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "نہیں، میں سمجھتی ہوں مجھے واپس جانا چاہیے کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: "تم میں سے اس بیوی کا کیا حال ہوگا جس پر حَوْأَب کے کتے بھونکیں گے؟" [1]

سہیل بن عمرو کے کردار کی پیش گوئی

سہیل بن عمرو کو جنگ بدر میں مسلمانوں نے قید کر لیا۔ ان کا نچلا ہونٹ پھٹا ہوا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: "اے اللہ کے رسول! اس کے سامنے والے نچلے دو دانت نکلوا دیجیے تاکہ جب یہ کلام کرے تو ہوا کے زور سے اس کی زبان باہر نکل آئے۔ اس طرح یہ کبھی آپ کے خلاف تقریر نہیں کر سکے گا۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں مثلہ نہیں کروں گا ورنہ اللہ تعالیٰ میرا مثلہ بھی کر سکتا ہے اگرچہ میں نبی ہوں۔" [2]
مؤرخ ابن اسحاق لکھتے ہیں: "مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا: "بہت ممکن ہے کہ یہ کسی موقع پر ایسی تقریر کرے جسے آپ ہرگز برا نہیں کہیں گے۔"
امام حاکم نے بھی اس جیسی روایت بیان کی ہے مگر اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

---

[1] مسند أحمد: 52/6 و97. تهذيب الخصائص کے محقق نے لکھا: "اس حدیث کی دو سندیں ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔" [2] المغازي لابن أبي شيبة، ص: 217، حديث: 206. سند متصل مرسل اور عطا بن سائب تابعی پر موقوف ہے۔ اس میں ایک راوی عبدالرحیم بن سلیمان ثقہ حافظ ہیں۔ دوسرے راوی محمد بن عمرو بن علقمہ صدوق ہیں لیکن کبھی غلطی کر جاتے ہیں۔ عطاء صدوق ہیں۔ آخر عمر میں ان کا حافظہ جواب دے گیا تھا۔ والسيرة النبوية لابن هشام: 355/2. یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ ابن کثیر نے اس حدیث کی سند کے متعلق لکھا: "حدیث مرسل بلکہ معضل ہے۔" دیکھیے: (البداية والنهاية: 341/3)

«دَعْهُ، فَلَعَلَّهُ أَنْ يَسُرَّكَ يَوْمًا»

''رہنے دیجیے۔ شاید کسی دن یہ (تقریر کر کے) آپ کو خوش کر دے۔''[1]

سفیان کا کہنا ہے: ''جب نبی کریم ﷺ وفات پا گئے اور مکہ والوں میں ارتداد کے کچھ اثرات محسوس ہوئے تو یہی سہیل بن عمرو کعبہ کے پاس آ کھڑے ہوئے اور گویا ہوئے: ''لوگو! سن لو! جس شخص کے معبود محمد ﷺ تھے تو وہ یقیناً فوت ہو گئے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے زندہ ہے، کبھی فوت نہیں ہوگا۔''

یہ حدیث ابن سعد نے اپنی سند سے روایت کی ہے جو عدی بن حمراء خزاعی تک پہنچتی ہے۔ عدی بن حمراء نے کہا: رسول اللہ ﷺ کی وفات کی خبر مکہ مکرمہ پہنچی تو میں نے دیکھا کہ سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ہمیں مکہ میں وہی خطبہ دیا جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں دیا تھا، گویا انھوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خطبہ سن رکھا تھا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ کو اس خطبے کی خبر پہنچی تو انھوں نے کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور وہ جو کچھ لے کر آئے وہ حق ہے۔ یہی وہ تقریر ہے جس کی طرف آپ ﷺ نے ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا:

«لَعَلَّهُ يَقُومُ مَقَامًا لَّا تَكْرَهُهُ» ''امید ہے یہ ایسے مقام کو پہنچے گا کہ تم اسے کبھی ناپسند نہیں کرو گے۔''[2]

ان واقعات کے علاوہ چند دیگر دلائل بیان ہو چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غیبی امور

---

[1] المستدرك للحاكم: 92/3. یہ سفیان بن عیینہ کی سند ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ [2] الخصائص الکبرٰی: 218/2. طبقات ابن سعد میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ الخصائص کی تہذیب کرنے والے محقق نے بھی اس کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت ان کے نزدیک ضعیف ہے۔ یہ روایت ضعیف ہی ہے اور کسی صحیح سند سے روایت نہیں کی گئی، تاہم یہ ائمۂ مغازی واہلِ سیرت کے ہاں معروف ہے۔ یوں اسے نقل کر دینا فائدے سے خالی نہیں۔

کی خبریں دی تھیں، مثلاً: عرینہ قبیلے کے لوگوں کے غدر کی خبر بھی آپ ﷺ نے دی تھی جن کے پیچھے آپ نے کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا اور بددعا

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے بارے میں فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ»

''یا اللہ! جب سعد تجھ سے دعا کرے، اس کی دعا قبول فرمانا۔''[1]

راوی کہتا ہے کہ واقعی سعد رضی اللہ عنہ جب کوئی دعا کرتے تو قبول ہوتی تھی۔

جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''اہلِ کوفہ کے کچھ لوگوں نے عمر رضی اللہ عنہ کے پاس سعد کی شکایت بھیجی (سعد کوفہ کے گورنر تھے۔) عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ تحقیقاتی کمیشن کوفہ بھیج دیا۔ کمیشن کوفہ کی تمام مساجد میں گیا۔ ہر مسجد میں ان کی تعریف ہی کی گئی۔ جب کمیشن بنوعبس کی مسجد میں پہنچا تو ابوسعدہ نامی ایک شخص کہنے لگا: ''تم نے ہم سے اللہ کے نام پر پوچھا ہے تو سن لو! سعد تقسیم میں انصاف نہیں کرتا، لشکر کے ساتھ خود نہیں جاتا اور فیصلے میں انصاف نہیں کرتا۔'' سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر لمبی کر دے، اس کے فقر میں اضافہ کر اور اسے فتنوں کا نشانہ بنا۔'' راوی ابن عمیر کہتے ہیں: ''میں نے اسے بعد میں دیکھا وہ اس قدر بوڑھا ہو گیا تھا کہ اس کے ابرو کے بال اس کی آنکھوں پر آ پڑے تھے۔ وہ بہت فقیر ہو

[1] جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب سعد بن أبي وقاص، حديث:3751.

گیا۔ راستوں میں نوجوان لڑکیوں کے سامنے آتا اور انھیں چھیڑتا۔" وہ خود کہا کرتا تھا:" بڑا بوڑھا ہوں، فتنے میں پڑا ہوں، مجھے سعد کی بددعا لگی ہے۔"[1]

انس رضی اللہ عنہ کے لیے مال و اولاد کی کثرت کی دعا

انس رضی اللہ عنہ نے کہا:" میری والدہ نے کہا:" اے اللہ کے رسول! انس آپ کا خادم ہے۔ اس کے لیے اللہ سے دعا کریں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" اے اللہ! اس کی اولاد اور اس کا مال بڑھا اور جو کچھ تو اسے عطا کرے، اس میں برکت دے۔"[2]

انس رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے:" اللہ کی قسم! میرا مال بہت زیادہ ہے۔ کسی کو اتنی خوشحالی نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ آج میری اولاد اور اولاد کی اولاد سو سے زیادہ ہے جبکہ میں آج تک اپنی سو اولادیں دفنا چکا ہوں جن میں کوئی ناقص بچہ نہ تھا۔ اس تعداد میں میری اولاد کی اولاد شامل نہیں۔"[3]

اس سے قبل ہم اس قسم کی چند دیگر احادیث بیان کر چکے ہیں، مثلاً: اس نوجوان کے لیے دعا جس نے آپ سے زنا کی اجازت مانگی تھی۔ محلّم بن جثامہ کے بارے میں آپ کی دعا قبول ہوئی۔ اس کا تذکرہ" سریۂ ابی قتادہ، بطن اِضَم کی طرف" میں ہو چکا ہے۔

اس آدمی پر بددعا جس نے دائیں ہاتھ سے کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا تذکرہ شمائل میں" تکبر سے روکنا" کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ بارش کی دعا اور کسریٰ کی حکومت ریزہ ریزہ ہونے کی بددعا۔ شامی نے اس ضمن میں چند دیگر روایات نقل کی ہیں۔ ان کی

[1] صحيح البخاري، الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم......، حديث: 755.

[2] صحيح البخاري، الدعوات، باب قول الله تعالى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾ ......، حديث: 6334.

[3] صحيح البخاري، الصوم، باب من زار قومًا فلم يفطر عندهم، حديث: 1982، وصحيح مسلم، فضائل الصّحابة، باب من فضائل أنس بن مالك رضي الله عنه، حديث: 2481.

سند کمزور ہونے کی بنا پر ہم ان کا تذکرہ نہیں کر رہے۔[1]

مرتد کا انجام

ایک شخص مر گیا جس پر رسول اللہ ﷺ ناراض تھے۔ زمین نے اس کی لاش قبول نہ کی۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر وحی لکھا کرتا تھا۔ آپ ﷺ اسے ﴿عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ لکھاتے تو وہ کہتا: ''میں ﴿سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ لکھوں گا۔'' آپ ﷺ کہتے: ''جیسے چاہو لکھو۔'' آپ ﷺ اسے ﴿سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ لکھاتے تو وہ ﴿عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ لکھ دیتا۔ بعد ازاں وہ مرتد ہو گیا اور مشرکین سے جا ملا۔ اس نے کہا: ''میں محمد کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ میں اپنی مرضی سے لکھا کرتا تھا۔'' پھر وہ مر گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زمین اس کی لاش قبول نہیں کرے گی۔'' جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اس کی لاش اگل دی۔''[2] یہ آدمی دراصل عیسائی تھا۔ اس کی قوم کے لوگ جب بھی اسے دفن کرتے لاش قبر سے باہر پڑی ہوتی تھی۔ پہلے تو انھوں نے کہا: ''یہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھیوں کا کام ہے۔ انھوں نے ہمارے آدمی کی لاش قبر سے نکال پھینکی کیونکہ اس نے ان کا دین چھوڑ دیا تھا۔ آخر کار انھوں نے حسبِ قدرت خوب گہری قبر کھودی لیکن لاش پھر باہر آپڑی۔ جب بار بار ایسا ہی ہوا تو وہ سمجھ گئے کہ یہ کسی انسان کا کام نہیں، چنانچہ انھوں نے اس کی لاش دفن کیے بغیر پھینک دی۔''[3]

قریش کے خلاف بد دعا

صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ''جب قریشِ مکہ نے

[1] سُبُل الهدٰى والرشاد: 10/760-776. [2] شرح السنة للبغوي: 13/306. [3] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوّة في الإسلام، حديث: 3617، وصحيح مسلم، كتاب وباب صفات المنافقين وأحكامهم، حديث: 2781، ومسند أحمد: 3/222. احمد کی روایت میں ہے ◄◄

رسول اکرم ﷺ کے ساتھ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کے خلاف ایسے قحط کی بددعا کی جیسا یوسف علیہ السلام کے دور میں ہوا تھا۔ ان پر ایسا قحط پڑا اور اس قدر بھوک کا غلبہ ہوا کہ انھیں مردار، ہڈیاں اور چمڑے کھانے پڑے۔ آدمی آسمان کی طرف دیکھتا تو نقاہت کے سبب اسے دھواں دھواں نظر آتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۙ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾

''انتظار کر اس دن کا جب آسمان ایک واضح دھواں لے کر آئے گا۔ وہ لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ دردناک عذاب ہے۔''[1]

ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور درخواست کی: ''اے اللہ کے رسول! مضر کے لیے بارش کی دعا کریں۔ وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''مضر کے لیے؟ تم بڑے تیز ہو۔'' پھر آپ نے بارش کی دعا کر دی، چنانچہ خوب بارش ہوئی، پھر یہ آیت اتری:

﴿ اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝﴾ ''تم پھر وہی کچھ (شرک) کرنے والے ہو۔''[2]

واقعی جب وہ خوشحال ہوئے تو دوبارہ جاہلیت پر کمر بستہ ہو گئے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

﴿ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝﴾

''جس دن ہم سخت گرفت کریں گے۔ بلاشبہ ہم بدلہ لینے والے ہیں۔''[3]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: ''اس سے بدر کا دن مراد ہے۔'' بدر کے دن جو کچھ ہوا وہ آپ بخوبی جان چکے ہیں۔''

»» کہ انھوں نے اسے تین بار دفنایا تھا۔ [1] الدخان 44:10،11. صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿ يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝﴾، حدیث: 4821 - 4824. [2] الدخان 44: 15.
[3] الدخان 44: 16.

قتل کے خفیہ حملوں سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت

اس قسم کے معجزات بہت ہیں جن کی تعداد تقریباً تیس تک پہنچتی ہے۔ بیشتر معجزات کا ذکر غزوات و سرایا کی تفصیلات اور مکی زندگی کے حالات میں ہو چکا ہے، مثلاً:

* اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مذاق کرنے والوں سے محفوظ رکھا جنھوں نے مکہ میں آپ کو اذیتیں دیں۔
* ابو جہل نے پتھر سے آپ ﷺ کا سر کچلنے کا ارادہ کیا جبکہ آپ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔
* ابولہب کی بیوی ام جمیل، عوراء بنت حرب بن امیہ، نے دو پتھروں سے جو اس کے ہاتھ میں تھے، آپ ﷺ کو شدید زخمی کرنے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کے شر سے بچائے رکھا۔
* بنو مخزوم کے کچھ لوگوں نے آپ ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچالیا۔
* اللہ تعالیٰ نے دعثور بن حارث غطفانی کے حملے سے آپ ﷺ کو بچایا۔
* اللہ تعالیٰ نے غورث بن حارث محاربی کے حملے سے آپ ﷺ کو بچایا۔
* اللہ تعالیٰ نے نضر بن حارث کی سازشِ قتل سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا۔
* ہجرت کے سفر میں آپ ﷺ سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کے حملے سے محفوظ رہے۔
* اللہ تعالیٰ نے بنونضیر کے یہودیوں کی سازش سے آپ کو بچایا جب آپ ﷺ کلابیوں کی دیت کے متعلق ان کے پاس تشریف لے گئے تھے۔
* بنونضیر کے یہودیوں نے قتل کرنے کے لیے آپ ﷺ کو اغوا کرنے کا منصوبہ بنایا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔

* اِربد بن قیس بن جزء اور عامر بن طفیل نے آپ ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کی سازش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بچایا۔
* شیبہ بن عثمان نے غزوۂ حنین میں آپ کو دھوکے سے قتل کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچا لیا۔ تب شیبہ مسلمان نہیں تھے۔
* غزوۂ تبوک سے واپسی کے سفر میں منافقین نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔
* ہجرت کے وقت مشرکین نے دارالندوہ میں آپ ﷺ کو قتل کرنے کی تمام تفصیلات طے کر لی تھیں اور گھیرا بھی ڈال لیا تھا مگر آپ بفضل ربانی ان کے نرغے سے صاف نکل گئے۔
* جب آپ ﷺ اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر پر گئے تو روم کے عیسائی قتل کرنے کی نیت سے آپ ﷺ کو تلاش کرتے پھر رہے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچائے رکھا۔
* عقبہ بن ابی معیط نے قتل کی نیت سے آپ ﷺ کا گلا گھونٹ دیا تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کی زندگی محفوظ رکھی۔
* کفارِ قریش کی ایک جماعت نے آپ ﷺ کے قتل کا باہمی معاہدہ بھی کر لیا تھا۔ وہ آپ کا بال بھی بیکا نہ کر سکے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ان کی اس سازش کی اطلاع کر دی تھی۔
* صفوان بن امیہ نے نبی ﷺ کو دھوکے سے قتل کرنے کے لیے عمیر بن وہب کو بھیجا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو محفوظ رکھا۔
* خیبر کی فتح کے موقع پر زینب بنت حارث یہودیہ نے آپ ﷺ کے کھانے میں زہر ملا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا۔
* ابوسفیان نے (قبول اسلام سے پہلے) ایک ماہر اجرتی قاتل اعرابی کو آپ ﷺ کے قتل

کی مہم پر بھیجا مگر آپ ﷺ محفوظ رہے۔

* احد کے دن مشرکین کے لشکر نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ ابی بن خلف نے تو براہ راست حملہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو بچائے رکھا۔

مکی زندگی کے وہ واقعات جن کا ذکر ہم نے غزوات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے نہیں کیا، یہ ہیں:

* ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کی ''سیرت'' پر اپنے اضافات میں تعلیقاً بیان کیا ہے کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ کے پاس سے فضالہ بن عمیر لیثی کا گزر ہوا۔ اس نے آپ کو قتل کرنے کا پکا ارادہ کر رکھا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تم دل میں کیا منصوبے بنا رہے تھے؟'' وہ کہنے لگا: ''کچھ بھی نہیں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا تھا۔'' رسولِ اکرم ﷺ ہنس پڑے اور فرمایا: ''میں اللہ سے تمھارے لیے مغفرت طلب کرتا ہوں۔'' پھر آپ نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ فضالہ کہا کرتے تھے: ''اللہ کی قسم! ابھی آپ نے میرے سینے سے اپنا دست مبارک ہٹایا بھی نہیں تھا کہ آپ مجھے روئے زمین پر سب سے زیادہ محبوب لگنے لگے۔''[1]

* سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا کہ ایک آدمی اپنی ایک حاملہ گھوڑی لیے ہوئے آیا۔ گھوڑی کے پیچھے پیچھے اس کا ایک بچھیرا بھی تھا۔ اس نے کہا: ''تم کون ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''میں نبی ہوں۔'' اس نے پوچھا: ''نبی کیا ہوتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا قاصد۔'' اس نے پوچھا: ''قیامت کب آئے گی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ غیب ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' وہ بولا: ''بارش کب ہوگی؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ بھی غیب ہے اور غیب کو

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام: 86,85/4. بعض دیگر مؤرخین نے بھی یہ روایت ابن ہشام سے نقل کی ہے، جیسے ابن عبدالبر نے الدّرر میں اور ابن حجر نے الإصابة میں۔

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' اس نے سوال کیا: ''میری گھوڑی کے پیٹ میں کیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ غیب ہے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب پر مطلع نہیں۔'' وہ بولا: ''مجھے اپنی تلوار دکھاؤ۔'' آپ نے اسے تلوار پکڑا دی۔ اس نے تلوار میان سے نکال کر لہرائی، پھر آپ ﷺ کو واپس کر دی، رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا: ''تم اس کام کی طاقت نہیں رکھتے جسے کرنے کا تم نے ارادہ کیا ہے۔'' اس نے کہا: ''ایسا ہی ہے۔''[1]

* کفار قریش نے کرائے کے ایک قاتل سے آپ ﷺ کو قتل کرانے کی کوشش کی مگر اللہ نے آپ کو اپنی حفاظت میں رکھا۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ایک شخص کو چند اوقیے (روپے) دے کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کرانے کی سازش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مطلع فرما دیا۔ آپ ﷺ کے حکم پر اس شخص کو سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اسلام میں سولی دینے کا سب سے پہلا واقعہ یہی تھا۔''[2]

ایک روایت کے مطابق یہ آدمی بنولیث سے تعلق رکھتا تھا۔[3]

شامی نے یہ واقعہ السبل میں طبری کی روایت سے تفصیل سے بیان کیا ہے۔[4]

---

[1] المستدرك للحاكم: 7/1. حاکم نے اسے بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔ سبل الهدٰی والرشاد کے محقق نے لکھا: ''وہ دونوں (بخاری و مسلم) ایاس بن سلمہ عن ابیہ کی روایت کو قابلِ حجت تسلیم کرنے پر متفق ہیں۔ مسلم نے بالکل اسی سند کو قابل حجت سمجھا ہے، چنانچہ انھوں نے احمد بن یوسف کے حوالے سے دیگر احادیث بھی روایت کی ہیں۔'' دیکھیے: (سبل الهدٰی والرشاد: 295/10) والمعجم الكبير: 20/7، حديث: 6245. ہیثمی نے کہا: ''اس حدیث کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 227/8، و الخصائص الكبرٰی: 100/2) [2] الأوائل لابن أبي شيبة: 330/8. یہ حسن بصری کی مرسل روایت ہے۔ ان کی مرسل روایات قوی ہیں۔ محدثین نے انھیں صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مقدمة المراسيل لأبي داود للشيخ عبدالعزيز السيروان) مقدمے کا عنوان ہے: ''تابعین میں سے بعض ائمہ کی مرسل روایات جنھیں محدثین کرام نے صحیح قرار دیا ہے۔''

[3] الأوائل لابن أبي شيبة: 330/8. [4] سبل الهدٰی والرشاد: 893/10. محقق کا کہنا ہے کہ ◄◄

اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ بات سچ کر دکھائی جو قرآن میں اتاری:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغْ مَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُۥ ۚ وَٱللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ۝ ﴾

''اے رسول! پہنچا دے وہ جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا۔ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے اس کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا۔ بلاشبہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو صرف بد باطن انسانوں ہی سے نہیں، جنوں اور شیطانوں سے بھی محفوظ رکھا۔

* امام احمد اور امام مسلم نے ابو تیاح سے روایت کی، انھوں نے کہا: ''میں نے عبدالرحمٰن بن خنبش رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''جس رات شیاطین نے پہاڑوں اور وادیوں کے درمیان آپ کو آگ سے جھلسا دینے کا منصوبہ بنایا تھا، آپ ﷺ نے کیا کیا تھا؟'' انھوں نے کہا: ''جبریل آئے اور بولے: ''اے محمد! کہیے۔'' آپ نے پوچھا: ''کیا کہوں؟'' جبریل علیہ السلام نے فرمایا: ''کہیے: ''میں اللہ تعالیٰ کے مکمل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی، پھیلائی اور بڑھائی اور ہر اس چیز کے شر سے جو آسمان سے اترتی ہے یا آسمان کی طرف چڑھتی ہے اور اس چیز کے شر سے جو زمین میں پیدا فرمائی یا زمین سے نکلتی ہے۔ رات اور دن کے فتنوں سے اور رات کو آنے والی ہر چیز کے شر سے مگر جو خیر و برکت کے ساتھ آئے، اے رحمٰن!''

راوی نے کہا: ''بالآخر ان کی آگ بجھ گئی اور اللہ نے انھیں شکست دی۔''[2]

›› انھیں اس واقعے کی عبارت طبری کی تاریخ یا تفسیر میں نہیں ملی۔ [1] المآئدة 67:5. [2] مسند أحمد: 419/3. الموسوعة الحديثية کے محققین کا کہنا ہے: ''اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 24/200-203، حديث: 15460، 15461) وصحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب في التعوذ من سوء القضاء ودرك الشقاء وغيره، حديث: 2708. مسلم کی روایت میں صرف ››

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ”رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے تو ابلیس آپ ﷺ کے پاس کوئی مکر کرنے آیا۔ جبریل علیہ السلام اس پر ٹوٹ پڑے اور اس کو اپنے کندھے سے دھکے دے دے کر وادیِ اردن میں جا پھینکا۔“

انس رضی اللہ عنہ ہی کی ایک روایت میں ہے: ”مکہ میں نبی کریم ﷺ سجدہ کر رہے تھے کہ ابلیس آ گیا، اس نے چاہا کہ آپ کی گردن پر چڑھ جائے۔ جبریل علیہ السلام نے اسے ایسی پھونک ماری کہ وہ لڑھکتا ہوا وادیِ اردن میں جا گرا۔“ [1]

* اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو قریش کے ایک بڑے پہلوان رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب کے داؤ سے بھی بچائے رکھا۔ اس نے خود آپ سے کشتی کی خواہش ظاہر کی تھی کہ اگر آپ ﷺ مجھ پر غالب آ جائیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی نبوت کی نشانی ہو گی اور میں آپ ﷺ پر ایمان لے آؤں گا۔ نبیِ کریم ﷺ نے رکانہ کو پچھاڑ دیا۔ یہ ابن اسحاق کی روایت ہے۔ [2]

خطیب ابو بکر بغدادی شافعی کی روایت کے مطابق جب رسول اللہ ﷺ نے اسے پچھاڑ دیا تو وہ آپ پر ایمان لے آیا۔ [3]

» استعاذے کا بیان ہے۔ شیطان کا قصہ اس میں روایت نہیں ہوا۔ وسنن ابن ماجه، الطب، باب رُقية الحيّة والعقرب، حديث: 3518. [1] دلائل النبوة لأبي نعيم (تحقيق دكتور محمد رواس قلعجي وعبد البرعباس) : 190/1، حديث: 136. دونوں محققین نے کہا: ”طبرانی نے اسے الأوسط میں بیان کیا ہے۔ اس میں عثمان بن مطر ضعیف راوی ہے۔“ [2] ابن اسحاق نے یہ واقعہ منقطع سند سے روایت کیا ہے، دیکھیے: (السيرة النبوية لابن هشام : 35/2) یہ روایت کئی سندوں کی بنا پر قوی ہو جاتی ہے۔ ان میں سے ایک سند کو ابن القیم نے بیان کیا اور جید قرار دیا ہے، دیکھیے: (الفروسية، ص : 33,32) سیرت ابن ہشام کے محققین نے اس روایت کی تخریج کی ہے۔

[3] البداية والنهاية (تحقيق دكتور عبدالله التركي) : 256/4. ابن کثیر نے اس روایت کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

جدید طبی تحقیقات سے متعلقہ معجزات

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ پر علوم حدیث ، بالخصوص طبی احادیث کی روشنی میں غور و فکر کرتا ہے وہ وقتاً فوقتاً شریعتِ اسلامیہ کے اعجازی نکات و اسرار سے آگاہ ہوتا رہتا ہے اور آئے دن نئے نئے انکشافات اسے محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا یقین دلاتے رہتے ہیں اور اس کے اطمینانِ قلب میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اگر ہم یہ کیفیت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کریں تو اس کے لیے سیکڑوں صفحات چاہئیں، چنانچہ ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے چند مثالوں پر اکتفا کریں گے۔ ہم نے سیرت طیبہ کے دیگر موضوعات میں بھی یہی طریقِ کار اختیار کیا ہے۔ جو شخص مزید معلومات حاصل کرنا چاہے اسے ہم ان اصل کتابوں کی طرف متوجہ کریں گے جن میں اس قسم کا ہر مسئلہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ ہمارے منتخب کردہ دلائل قارئین کی نذر ہیں:

کھجور

* رسول اللہ ﷺ کھجور کھایا کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْتٌ لَّا تَمْرَ فِيهِ جِيَاعٌ أَهْلُهُ»

”جس گھر میں کھجور نہیں اس کے رہنے والے بھوکے ہیں۔“ [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اسے کھجور سے افطار کرنا چاہیے۔ اگر کھجور نہ ملے تو پانی سے کیونکہ پانی بھی خوب صفائی کرتا ہے۔“ [2]

[1] صحيح مسلم، الأشربة، باب في إدخال التمر و نحوه من الأقوات للعيال، حديث: 2046.
[2] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 4126. البانی نے کہا: ”صحیح ہے۔“

* نبی ﷺ نے فرمایا: ''عجوہ جنت سے ہے۔ اس میں زہر سے شفا ہے۔ کھمبی ''من'' سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔'' [1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے صبح کے وقت مدینہ منورہ کے دو پتھریلے میدانوں کے درمیان سے سات کھجوریں کھائیں، اس دن شام تک اسے زہر نقصان نہیں پہنچائے گا۔'' [2]

* مزید فرمایا: ''تمھاری بہترین کھجور برنی ہے۔ یہ بیماری کو دور کرتی ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں۔'' [3]

جدید میڈیکل سائنس نے کھجور کے بہت سے غذائی اور ادویاتی خصائص بیان کیے ہیں۔ چند خصائص یہ ہیں: ''یہ طبیعت کے لیے ملین (نرم کرنے والی) ہے۔ جگر کو قوت دیتی ہے۔ قوتِ باہ میں اضافہ کرتی ہے، بالخصوص جب اسے ''حب صنوبر'' (چلغوزہ) کے ساتھ ملا کر استعمال کیا جائے تو بے حد مفید ہے۔ معدہ اس کے میٹھے اجزاء کو براہ راست ایک گھنٹے سے بھی کم وقت میں چوس لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انگور اور دوسرے پھلوں کی مٹھاس جو کھجور میں پائی جاتی ہے، وہ سادہ مالیکیولوں پر مشتمل ہے۔ کھجور کی یہ خصوصیت خاص طور سے روزہ دار کے معدے کے لیے بہت مناسب ہے جو ایک طویل وقت آرام کے مرحلے سے گزرتا ہے۔ اس وقت اگر دیر سے ہضم ہونے والے غذائی مادے معدے میں جائیں تو اس پر بہت بوجھ پڑے گا اور بدہضمی یا دیر ہضمی کا عارضہ لاحق ہو جائے گا۔ لیکن اگر روزہ کھولتے وقت کھجور سے ابتدا کی جائے اور پھر آدھ گھنٹہ بعد باقی کھانا کھایا جائے تو یہ عوارض لاحق نہیں ہوتے۔

وہ زہر جس کا ذکر احادیث میں آیا ہے اس سے مراد شاید خون کے زہریلے مادے

[1] صحيح الجامع الصغير وزياداته، حديث: 4126. البانی نے کہا: ''صحیح ہے۔'' [2] صحيح مسلم، الأشربة، باب فضل تمر المدينة، حديث: 2047. [3] صحيح الجامع الصغير وزياداته للألباني: 3303. البانی نے کہا: ''حسن ہے۔''

ہیں۔ مثال کے طور پر یوریا کے ذریعے سے زہر پھیلتا ہے۔ کھجور کی شیرینی پیشاب آور ہوتی ہے۔ نتیجتاً اس سے جگر کی صفائی ہوتی ہے اور خون زہریلے مواد سے پاک ہو جاتا ہے۔ یہیں سے یہ راز سمجھ میں آتا ہے کہ آپریشن کرنے والے ڈاکٹر ایسے مریض کو شوگر کی گولیاں دیتے ہیں جو آپریشن کرانے کے لیے آئے۔ یہ گولیاں مریض کی غذائی ضروریات پوری کرتی ہیں۔ شوگر ہی وہ واحد دوا ہے جو یوریمیا کے مرض میں استعمال کرائی جاتی ہے۔ اس مرض میں یوریا کی وجہ سے خون کے اندر زہریلا مادہ سرایت کر جاتا ہے۔

جو شخص مستقل طور پر کھجور استعمال کرتا ہے وہ اپنے خون اور پٹھوں کے نظام کی حفاظت اس شخص کے مقابلے میں زیادہ اچھی طرح کر سکتا ہے جو گوشت کثرت سے کھاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گوشت ایسے مواد اور فضلات چھوڑ جاتا ہے جو آہستہ آہستہ جمع ہو کر خون کو زہر آلود کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

سائنس دانوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان ''(برنی) کھجور بیماری کو دور کرتی ہے اور اس میں کوئی بیماری نہیں۔'' پر غور کیا تو پتہ چلا کہ کھجور بیماری کے جراثیم آگے منتقل نہیں کرتی۔ اگر کھجور بڑی حد تک جراثیم سے لتھڑی ہو تب بھی عام حالات میں تین دن تک ہیضے کے جراثیم سے خالی رہتی ہے۔

برف

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے اللہ! مجھ سے میرے گناہ پانی، برف اور اولوں سے دھو (کر پاک کر) دے۔''[1]

برف معدے کو تکلیف دیتی ہے اور اس کی اندرونی جھلی کو نقصان پہنچاتی ہے، بالخصوص کمزور جسم والے انسان کو مگر یہ منفی 10 درجۂ حرارت میں بڑی حد تک نقصان دہ جراثیم کی

[1] صحیح مسلم، المساجد و مواضع الصلاۃ، باب مایقال ......، حدیث: 598.

افزائش کا عمل روک دیتی ہے۔ بہت سے جراثیم ایسے ہیں جو منفی 17 درجۂ حرارت پر مرجاتے ہیں اور جمی ہوئی برف میں عموماً کسی قسم کے بھی جراثیم نہیں ہوتے۔ اس حدیث میں ایک عجیب طبی نکتہ ہے کہ بیماری کا علاج ضد سے کیا جاتا ہے۔ گناہ حرارت اور خشکی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ برف اور ٹھنڈا پانی اس حرارت و یبوست کا دافع ہیں۔ [1]

حبۂ سوداء (کلونجی)

اس کے کئی نام ہیں۔ ایرانیوں میں یہ سونیز، شینیز اور شہنیز کے ناموں سے معروف ہے۔ شام و مصر میں اسے ''حبۂ سوداء''، سودان میں ''کمون اسود''، یمن میں ''قحطہ'' اور جنوبی شام میں ''قرحۂ'' کہا جاتا ہے۔ اسے ''کمون ہندی''، ''کمون اکمل''، کراویۂ سوداء''، شمیث، بشمہ یا کرزنا، شبیرط اور شمشر بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا سائنسی نام (Nigella Sativa) ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ نے اس کی تاثیر کے بارے میں فرمایا: '' کلونجی میں سوائے موت کے ہر بیماری سے شفا ہے۔'' اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کلونجی ہر قابل علاج مرض کی دوا ہے۔ اس کی مثال فرمان باری تعالیٰ سے یوں دی جاسکتی ہے:

﴿تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا﴾ ''وہ اپنے رب کے حکم سے ہر شے کو تہس نہس کرتی ہے۔'' [3]

حدیث میں '' ہر بیماری'' کے الفاظ اس کی ادویاتی اہمیت واضح کرنے کے لیے ہیں ورنہ یہ مطلب نہیں کہ یہ ہر مرض کے علاج میں استعمال کی جاسکتی ہے۔ یہ ایک اندازِ کلام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ '' پھر تمام پھلوں سے کھا۔'' [4]

[1] إعجاز الطب النبوي، ص: 76. [2] الطب النبوي للدكتور الشطي، ص: 138، ونبات الحبة السوداء بين السّنة والعلم الحديث للدكتور نظمي خليل موسىٰ، ص: 29. یہ بحرین کے ایک ماہنامے بنام الهداية شمارہ نمبر 180، سال: 15، صفر 1413ھ/ اگست 1993 کا ایک مضمون ہے۔
[3] الأحقاف 25:46. [4] النحل 69:16.

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''اور اسے (ملکہ کو) ہر شے دی گئی ہے۔''[1]

جدید میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ وہ اہم امراض جن میں کلونجی مفید ہے، یہ ہیں:

* سانس کی بیماریاں، مثلاً: نزلہ، کھانسی اور دمہ۔
* نظامِ ہضم کی بیماریاں، مثلاً: دیر ہضمی جو دیگر کئی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ ان میں اہم بیماریاں یہ ہیں: نظام انہضام کی خرابی، پرانا قبض، کھانے کو اچھی طرح چبا کر نہ کھانا، بدہضمی، قہوہ، چائے اور شراب کا زیادہ استعمال، منہ اور دانتوں کے چھالے اور گلے کی سوزش (ٹانسلز)، پریشانی اور دیگر نفسیاتی عوارض کی بنا پر معدے کی خرابی، جگر، دل اور گردے کی بیماریاں۔ معدے اور آنتوں کی گیس۔ بھوک نہ لگنا جو بہت سے نفسیاتی اور اندرونی امراض کا نتیجہ ہے۔ پیٹ کے مختلف کیڑے۔
* پیشاب کی بیماریاں اور جنسی امراض، مثلاً: پیشاب کی تنگی، نامردی اور حیض کی خرابیاں۔
* جلدی امراض، مثلاً: خارش، داد چنبل اور کیل مہاسے۔[2]

ڈاکٹر بدری محمد ہادی نے چند دیگر امراض بیان کیے ہیں جن کے علاج میں کلونجی مؤثر ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: بالوں کا گرنا، سردرد، سر چکرانا، کان کی تکالیف، گنجا پن، پھوڑے پھنسیاں، پھلبہری، ورم، چوٹ، جوڑوں کا درد، ہڈی ٹوٹنا، بلند فشارِ خون (ہائی بلڈ پریشر)، خون میں کولیسٹرول کی زیادتی، خسرے کا بخار، پتے کا سکڑ جانا، تلی کی بیماریاں، استسقاء،(83) دست، آنکھوں کی بیماریاں، بانجھ پن اور سستی۔[3]

(83) استسقاء: ایک مرض ہے جس میں پیاس بہت لگتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے اور تمام بدن ڈھیلا اور سست ہو کر پھول جاتا ہے۔

[1] النمل 27: 23. [2] الطب النبوي للدكتور الشطي، ص: 138-150، مختصرًا.

[3] مجلة منار الإسلام، ص: 114-119. ابوظبی شمارہ نمبر 8، سال: 18 شعبان 1413ھ / فروری 1993.

ڈاکٹر جمیلی نے ان میں اضافہ کیا ہے: ''زخمیوں کے لیے شفا ہے۔ دودھ آور ہے۔ باؤلے کتے کے کاٹے کے علاج میں مفید ہے۔ حشرات الارض کے کاٹنے کے علاج کے لیے بھی مفید ہے۔''[1]

کلونجی کے مزید فوائد یہ بتائے گئے ہیں: ''چہرے کی چمک دمک اور خوبصورتی میں اضافہ، ذہن کی چستی اور حافظے میں اضافہ۔''

پروفیسر عبدالعلیم عبدالسمیع غزی نے کلونجی کے فوائد کے متعلق 1960ء سے 1994ء تک شائع ہونے والی طبی تحقیقات کا ذکر کیا ہے۔ جو تحقیقی نتائج ڈاکٹر شطی نے پیش کیے ان میں استاذ عبدالعلیم غزی کی پیش کردہ تحقیقات کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، مثلاً:

* انسان کے دفاعی نظام کے متعلق تحقیقات: ''ان سے ثابت ہوتا ہے کہ کلونجی انسان کے فطری دفاعی نظام کو مضبوط کرتی اور قوت دیتی ہے۔''
* وہ تحقیقات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ شوگر کے مریضوں پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بعض دیگر جڑی بوٹیوں کے ساتھ کلونجی استعمال کی جائے تو خون میں شوگر کی مقدار کم ہو جاتی ہے۔
* وہ تحقیقات جن سے پتہ چلتا ہے کہ کلونجی ہائی بلڈ پریشر کے اسباب کے خاتمے میں بھی مؤثر ہے۔
* وہ تحقیقات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جوڑوں کی سوزش اور گنٹھیا کے علاج میں بھی مفید ہے۔

پروفیسر مرزوق نے بھی کلونجی کے ادویاتی اثرات کے متعلق کی گئی بعض جدید سائنسی تحقیقات کا ذکر کیا ہے، پھر انھوں نے اس سے تیار شدہ ادویات اور طریقۂ علاج کے بارے میں معلومات بھی مہیا کی ہیں۔

[1] إعجاز الطب النبوي للدكتور الجميلي، ص80.

مہندی

ازواجِ مطہرات کی خادمہ سلمیٰ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ کو کوئی پھوڑا نکل آتا یا کوئی چوٹ آجاتی یا زخم لگ جاتا تو آپ ﷺ مجھے اس پر مہندی لگانے کا حکم دیتے تھے۔''[1] نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ سر درد میں بھی ان شاء اللہ مفید ہے۔''[2] یعنی سر کا درد ہو تو سر پر مہندی کا لیپ کیا جائے۔

امام احمد رحمہ اللہ کی سلمیٰ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص رسول اللہ ﷺ سے سر درد کی شکایت کرتا تو آپ ﷺ فرماتے: ''سنگی لگواؤ۔'' اور اگر پاؤں میں کسی تکلیف کا ذکر کرتا تو آپ ﷺ فرماتے: ''ان پر مہندی لگاؤ۔''[3]

جدید میڈیکل سائنس بھی یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ مہندی زخموں اور پھوڑوں پھنسیوں کی صفائی کرتی ہے اور اس میں ایسے اجزاء پائے جاتے ہیں جو سر درد کے علاج میں استعمال ہوتے ہیں۔ تحقیقات کے مطابق مہندی کے پتوں میں دو فعال مادے ہوتے ہیں۔ ایک دل کی دھڑکن کو درست رکھتا ہے اور دوسرا پٹھوں کا کھچاؤ دور کرتا ہے۔ اس سے خون کی رگیں کھل جاتی ہیں۔ اور بلڈ پریشر نارمل ہو جاتا ہے۔ اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ سر کے درد سے شریانوں کے کھچاؤ میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

میڈیکل سائنس نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ رنگ چڑھانے والی چیزوں میں مہندی بہترین ہے۔ اس کے خاص فوائد ہیں، مثلاً: سر کو جوؤں، لیکھوں اور زائد چکنائی سے پاک

---

[1] جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في التداوي بالحناء، حديث: 2054. جامع ترمذی کے محقق ارناؤوط نے لکھا: ''یہ حدیث اپنے شواہد کی بنا پر حسن ہے۔'' وسنن ابن ماجه، الطب، باب الحناء، حديث: 3502. [2] مسند أحمد: 462/6. محققین کا کہنا ہے کہ یہ سند مضطرب ہونے کی بنا پر ضعیف ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 45/590-592، حديث: 27617، 27618) [3] مسند أحمد: 462/6.

کرنا۔ سر کی جلد کا علاج۔ پسینے کی زیادتی کا خاتمہ۔ اس کے استعمال سے الرجی نہیں ہوتی جبکہ بعض دیگر رنگ استعمال کرنے سے الرجی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میک اپ کا سامان تیار کرنے والی کمپنیاں بالوں کے رنگوں اور شیمپو میں اسے لازمی عنصر کے طور پر شامل کرتی ہیں۔

زیتون کا تیل

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''زیتون کا تیل سالن کے طور پر کھاؤ اور اس کی مالش بھی کرو۔ یہ مبارک درخت سے نکلتا ہے۔''[1]

سائنسدان اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ زیتون کا تیل بچوں کے لیے بہترین غذا ہے۔ عورت کے دودھ میں 8.3 فیصد فیٹی ایسڈ (چکنائی) پایا جاتا ہے جو زیتون کے تیل میں بہتر تناسب کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ یہ ان تین ضروری فیٹی ایسڈز (چکنائیوں) میں سے ایک ہے جن پر انسانی جسم کی بنیاد ہے۔ گائے کے دودھ میں اس کی مقدار 1.6 فیصد ہوتی ہے۔ ماہرین امراضِ بچگان کا کہنا ہے کہ بچوں کو گائے کے دودھ میں زیتون کا تیل ملا کر دیا جائے تو ان کی نشو ونما میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے۔

زیتون کا تیل ہضم و جذب میں بھی آسان ہے۔ اس سے شیر خوار بچے کی چکنائی کی ضروریات بخوبی پوری ہوتی ہیں جو ہڈیوں اور دماغ کی نشو ونما کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ وٹامن k سے بھی بھرپور ہوتا ہے جو نشو ونما کے لیے ضروری ہے۔

حاملہ اور دودھ پلانے والی خواتین کی غذا میں چکنائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے

[1] سنن ابن ماجه، الأطعمة، باب الزّيت، حديث 3319، والمستدرك للحاكم: 122/4. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ وصحيح الجامع الصغير وزياداته، حديث: 18. البانی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔

زیتون کا تیل بنیادی شے ہے کیونکہ اس میں بہت سے وٹامن، خصوصاً وٹامن k اور c بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ عام بالغ افراد کے لیے بھی مفید ہے۔

تحقیق سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ زیتون کا تیل شریانوں کے سکڑنے، معدے کے السر اور تیزابیت کے علاج میں بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ پتے کی پتھری اور خون میں شکر کی مقدار کم کرنے کے لیے بھی مؤثر ہے۔ زیتون کا تیل جگر کی بیماریوں، مختلف قسم کے ورم اور وزن کی کمی کا بھی بہترین علاج ہے۔ جو لوگ بڑھاپے کی سرحد میں قدم رکھ چکے ہیں ان کے لیے زیتون کا تیل بہترین غذائی ٹانک ہے کیونکہ یہ آسانی سے جذب ہو جاتا ہے اور قوت باہ بڑھاتا ہے۔ اس سے خون میں کولیسٹرول کی مقدار زیادہ نہیں ہوتی۔ اس میں ایسٹروجن ہارمون وسیع مقدار میں پائے جاتے ہیں، اس لیے یہ بڑی عمر کی عورتوں کی صحت کا ضامن ہے۔

روغن زیتون کی مالش کے بہت سے طبی فوائد ہیں، مثلاً:

* یہ بالوں کی نشوونما بڑھاتا اور انھیں گرنے سے روکتا ہے۔
* دھوپ کی تمازت سے بچاتا ہے۔
* چہرے اور گردن کی جھریوں کو ختم کرنے میں مدد دیتا ہے۔
* پھوڑے پھنسی، خارش، چنبل اور ہاتھ پاؤں پھٹنے کی صورت میں مرہم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

سنا مکی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”سنا مکی اور سنوت (شہد) استعمال کرو۔ اگر کوئی چیز موت سے شفا دیتی تو وہ سنا مکی ہوتی۔“[1]

[1] جامع الترمذي، الطب، باب ماجاء في السنا، حديث: 2081. ترمذی کی سند منقطع ہے۔

جدید طبی تحقیقات سے ثابت ہو گیا ہے کہ سنا مکّی میں جراثیم کش اور ایسے کیمیائی مواد بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں جو پھوڑے پھنسی سے نجات کے لیے استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے کی اہم تحقیق یہ ہے کہ بخاروں کے علاج میں سنا مکی کے اثرات بعض حالات میں 100 فیصد رہے ہیں۔

جلاب آور کے طور پر بھی سنا مکی کی تاثیر مسلمہ ہے۔ اس قسم کی دوسری ادویات سے یہ اس لحاظ سے ممتاز ہے کہ جب اس کا استعمال بند کر دیا جائے تو قبض نہیں ہوتا۔

پیلو کی مسواک

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں اپنی امت پر مشقت ڈال دوں گا تو میں انھیں ہر وضو،[1] اور ایک روایت کے مطابق ہر نماز کے ساتھ مسواک کرنے کا حکم دیتا۔''[2]

احادیث و روایات میں نماز اور وضو کے علاوہ دیگر مواقع پر بھی مسواک کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آپ کا فرمان گرامی ہے:

«عَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ، فَإِنَّهُ مَطْيَبَةٌ لِّلْفَمِ، مَرْضَاةٌ لِّلرَّبِّ»

''مسواک کیا کرو، یہ منہ کی صفائی اور رب کی رضا مندی ہے۔''[3]

تحقیق کے مطابق پیلو کی مسواک میں بہت سے ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو منہ کو

« وسنن ابن ماجه، الطب، باب السّنا والسنوت، حديث: 3457. ابن ماجہ کی سند متصل ہے جسے البانی نے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 4/ 407، حديث: 1798) والمستدرك للحاكم: 4/ 201. [1] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 5317. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' [2] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 5315. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' [3] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 4068. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

پاک صاف رکھتے، مسوڑھوں سے نکلنے والے خون کو روکتے اور جراثیم کا خاتمہ کرتے ہیں۔

قسط بحری

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ عود ہندی استعمال کیا کرو۔ اس میں سات شفائیں ہیں۔ حلق کی تکلیف میں اسے ناک میں ڈالا جائے اور ذات الجنب (87) (Pleurisy) کی تکلیف میں منہ میں ڈالا جائے۔'' [1]

مزید فرمایا: ''بہترین علاج سنگی لگوانا اور قسط بحری ہیں۔'' اور یہ بھی فرمایا: ''حلق کی تکلیف میں اپنے بچوں کو انگلیوں سے دبا دبا کر تکلیف نہ دو بلکہ انھیں قُسط بحری استعمال کراؤ۔'' [2]

جدید میڈیکل سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ گلا آنے کا علاج دبا کر نہیں کرنا چاہیے بلکہ بیماری پیدا کرنے والے جراثیم کو ختم کرنے کے لیے جراثیم کش ادویات دی جائیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس کے لیے قسط بحری کو منتخب فرمایا تو اس کا اعجاز یہ ہے کہ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق اس میں ایک طاقتور تطہیری عنصر ہیلینین اور بنزوین پایا جاتا ہے جو جراثیم ختم اور بلغم خارج کرتا ہے اور یہ کھانسی کے شربتوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

کھمبی

یہ ایک طُفیلی صحرائی پودا ہے۔ اس کا تنا ہوتا ہے نہ پتے اور نہ پھول۔ زمین کے اندر ہی پرورش پاتا ہے۔ عموماً موسم خزاں میں ہوتا ہے۔

(87) ذات الجنب: ذات الجنب دو قسم کی ہوتی ہے: پہلی قسم میں پھیپھڑوں کے بیرونی پردے میں ورم حارّ پیدا ہوتا ہے اور دوسری قسم میں پسلیوں کے درمیان ریح ٹھہر جاتی ہے۔'' دیکھیے: (فتح الباري: 283/16)

[1] صحیح البخاري، الطّب، باب السّعوط، حدیث: 5692. [2] صحیح البخاري، الطّب، باب الحجامة من الدّاء، حدیث: 5696.

رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا: ''کھمبی مَنّ سے ہے۔ اس کا پانی آنکھ کے لیے شفا ہے۔'' [1]

جدید میڈیکل سائنس نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ کھمبی میں وٹامن B وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔ یہ وٹامن چکنائی والی جلد کی سوزش اور زبان کے چھالوں کے لیے مفید ہے۔ حدیث کے مطابق کھمبی آنکھ کے لیے شفا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کا پانی آنکھ میں جالا بننے کے عمل کو روکتا ہے جو بعد ازاں آنکھ کی سوزش کا باعث بنتا ہے۔ کھمبی کا پانی جالے کا باعث بننے والے خلیات کی پیدائش اور نشو ونما میں رکاوٹ بنتا ہے۔ آنکھوں میں سوزش کی زیادہ تر پیچیدگیاں جالے کی تکالیف سے پیدا ہوتی ہیں، چنانچہ کھمبی کا پانی آنکھوں کی سوزش کے باعث پیدا ہونے والی ان پیچیدگیوں کو روکنے میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

شہد

رسول اللہ ﷺ نے شہد کے بارے میں فرمایا: ''اگر تمھاری کسی دوائی میں کوئی فائدہ ہے تو یہ سنگی لگوانے، شہد پینے یا آگ کا داغ لگانے میں ہے، بشرطیکہ وہ بیماری کے موافق ہو۔ ویسے میں آگ کا داغ لگوانا پسند نہیں کرتا۔'' [2]

نیز فرمایا: ''سنا مکی اور شہد استعمال کیا کرو۔ اس میں موت کے سوا ہر بیماری سے شفا ہے۔'' [3]

جدید میڈیکل سائنس نے ثابت کیا ہے کہ شہد میں ایسے وٹامن بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں جو انسانی جسم کے لیے ضروری ہیں۔ ان میں سے اہم وٹامن B 1، B 2، B 3، B 4، B 5، B 6، وٹامن E اور وٹامن A ہیں۔ اس میں بعض معدنی اجزا بھی پائے جاتے ہیں۔ بالخصوص وہ جو ہیموگلوبن کے افعال میں معاون ثابت ہوتے ہیں، مثلاً: فولاد،

[1] صحيح البخاري، الطب، باب المن شفاءٌ للعين، حديث: 5708. [2] صحيح البخاري، الطبّ، باب الدواء بالعسل......، حديث: 5683. [3] المستدرك للحاكم: 201/4، وسلسلة الأحاديث الصحيحة: 1798.

پیتل اور مینگا نیز۔

شہد میں وہ معدنیات بھی پائی جاتی ہیں جو خلیوں کے کرومیٹن کی ترکیب میں دخل رکھتی ہیں، مثلاً: لوہا اور فاسفورس۔ اس میں میگنیشم بھی پایا جاتا ہے جو ہڈیوں، پٹھوں اور خون کی بافتوں کی بناوٹ میں اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں سوڈیم بھی موجود ہوتا ہے جو خون اور جسم کے دیگر مائعات میں پایا جاتا ہے۔ اس میں کیلشیم بھی ہوتا ہے جو ہڈیوں، دانتوں اور خون کی بناوٹ میں ایک اہم عنصر ہے اور گندھک بھی جو جلد، بالوں اور ناخنوں کی ساخت میں شامل ہے۔ اس میں آیوڈین بھی پایا جاتا ہے جو کھال کے ہارمونز کے لیے ضروری ہے۔ پھر پوٹاشیم اور چند ایسڈز بھی پائے جاتے ہیں جن میں فارمک ایسڈ، سٹرک ایسڈ، ایسٹک ایسڈ، لیکٹک ایسڈ، بیوٹرک ایسڈ، ٹینک ایسڈ، آگزیلک ایسڈ اور ٹارٹرک ایسڈ شامل ہیں۔

شہد کی ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ جراثیم کا صفایا کر دیتا ہے۔ کولوریڈو یونیورسٹی کے سائنسدان ڈاکٹر ڈی۔ ایف گیسٹک نے جو جرثوموں پر تحقیقی کام کرتے ہیں، اس سلسلے میں تجربہ کیا تو بڑے حیران کن نتائج سامنے آئے۔ شہد نے صرف چند گھنٹوں میں تمام جراثیم کا خاتمہ کر دیا۔

انسانی جسم کے مختلف نظاموں کی خرابیوں کے علاج میں یہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے، مثلاً: نظامِ تنفس، نظامِ انہضام، اعصاب اور نظامِ اخراج۔ اس کے علاوہ زخموں کے علاج اور منہ، جلد اور آنکھ کی بیماریوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ حرارتِ بدن کو کم کرتا ہے۔

ڈاکٹر شطی نے ان سائنسدانوں کے نام بھی لکھے ہیں جنھوں نے شہد کے سلسلے میں تحقیقات کی ہیں اور مذکورہ امراض کے علاج کے لیے شہد تجویز کیا ہے۔[1]

جدید میڈیکل سائنس بھی یہ حقیقت تسلیم کرتی ہے کہ شہد خالص غذا ہے جس میں فاضل مواد نہیں ہوتا۔ یہ بہت جلدی جذب اور ہضم ہو جاتا ہے۔ یہ بڑوں اور کمزور لوگوں

[1] الطبّ النبوي للشطي، ص:204.

کے لیے بہترین غذا ہے۔ یہ جگر اور گردوں کو راحت بخشتا ہے۔ عرصۂ دراز گزرنے کے باوجود محفوظ رہتا ہے اور اس میں تعفن پیدا نہیں ہوتا۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہنے لگا: ''میرے بھائی کا پیٹ خراب ہے۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا: ''میرے بھائی کو دست آرہے ہیں۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ۔'' وہ گیا، پھر واپس آکر کہنے لگا: ''میں نے اسے شہد پلایا ہے لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ۔'' وہ پھر گیا اور شہد پلایا، پھر واپس آکر پہلی بات دہرائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا: ''اسے شہد پلاؤ۔'' تیسری یا چوتھی دفعہ فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا اور تمھارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا۔'' اس نے مزید شہد پلایا تو وہ تندرست ہو گیا۔[1]

مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: ''میرے بھائی کو بدہضمی ہو گئی ہے......''[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے:

﴿يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝﴾

''ان مکھیوں کے پیٹوں سے ایک مشروب نکلتا ہے جس کے رنگ مختلف ہیں۔ اس میں لوگوں کے لیے بڑی شفا ہے۔ یقیناً اس میں اس قوم کے لیے بڑی نشانی ہے جو سوچ بچار کرتے ہیں۔''[3]

سائنسدانوں نے جب یہ حدیث سنی تو انھوں نے تحقیق کی کہ آخر اسہال (دست) کے

[1] صحيح البخاري، الطبّ، باب الدّواء بالعسل......، حديث: 5684، و صحيح مسلم، السّلام، باب التداوي بسقي العسل، حديث: 2217. [2] صحيح مسلم، السلام، باب التداوي بسقي العسل، حديث: 2217. [3] النحل 69:16 .

مریض کو ایسی ملین دوا دینے میں کیا حکمت ہے؟ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اسہال کی کئی صورتیں ایسی ہیں جن میں ملین دوا دینی پڑتی ہے۔ اس طریقۂ علاج کو "علاج بالمثل" کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اس امر کو ترجیح دی ہے کہ جس صحابی کے لیے آپ ﷺ نے اسہال میں شہد تجویز فرمایا تھا اس کے اسہال کا سبب بدہضمی یا تعفن تھا جس کی بنا پر اس کی آنتوں میں بکثرت جراثیم جمع ہو گئے تھے۔ ان دونوں حالتوں میں جدید میڈیکل سائنس بھی ایسے مریض کے لیے ملین دوا ہی تجویز کرتی ہے۔ دیگر ملینات کے بجائے شہد تجویز کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جراثیم کی وجہ سے پیدا ہونے والی بدہضمی اور معدے کے تعفن کے علاج کی خاصیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔

بیماری کا متعدی ہونا

* صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیماری متعدی نہیں ہوتی۔ بدشگونی کی کوئی حقیقت نہیں۔ الو منحوس نہیں۔ صفر بیماری کا کوئی وجود نہیں۔ کوڑھی سے یوں دور بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔"[1]

ایک موقع پر آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ ثقیف کے وفد میں ایک کوڑھی بھی شامل ہے جو بیعت کرنا چاہتا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے پیغام بھیجا کہ واپس چلے جاؤ ہم نے تم سے بیعت لے لی۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا یہ عمل جدید میڈیکل سائنس کے اس نظریے کے مطابق ہے کہ جلد کے زخموں کے ذریعے سے جذام کے جراثیم جسم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

جدید میڈیکل سائنس اس بات کی قائل ہے کہ بیماریاں طبعی طور پر منتقل نہیں ہوتیں

[1] صحيح البخاري، الطبّ، باب الجذام، حديث: 5707، وصحيح مسلم، السلام، باب لاعدوٰى ولا طيرة ولا هامة ولا صفر ولانوء ولا غول ولا يورد ممرض على مصحّ، حديث: 2220.

[2] صحيح مسلم، السّلام، باب اجتناب المجذوم وغيره، حديث: 2231.

جیسا کہ اس دور کے لوگوں کا اعتقاد تھا۔ یہ ضروری نہیں کہ متعدّی ہونے کی وجہ سے کوئی بیماری لازماً لاحق ہو جائے، البتہ مریض کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے سے بیماری لگنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ فرمان نبوی سے یہی رہنمائی ملتی ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارا کوئی استنجا کرے تو دائیں ہاتھ سے نہ کرے بلکہ بائیں سے کرے۔''[1]

نیز فرمایا: ''جب تمھارا کوئی اپنی شرمگاہ کو ہاتھ لگائے تو وضو کرے۔''[2]

یہ دونوں فرامین نبوی زبردست اہمیت کے حامل ہیں۔ بائیں ہاتھ کو ان حاجات کے لیے مخصوص کیا جائے جن میں گندگی لگتی ہے یا وہ قبیح سمجھی جاتی ہیں۔ شرمگاہ کو ہاتھ لگانے کے بعد ہاتھ کو اچھی طرح صاف کیا جائے۔ ان کا مقصد بھی ''ذاتی تعدی'' کو ختم کرنا ہے جس کی جدید میڈیکل سائنس بھی قائل ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ان فرامین کی خلاف ورزی سے بیماریاں پھیلتی ہیں۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''لعنت کے دو کاموں سے بچو۔'' لوگوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! لعنت کے دو کام کون سے ہیں؟'' فرمایا: ''وہ شخص جو لوگوں کے راستے یا درختوں کے سائے میں بول و براز کرتا ہے۔''[3]

* ایک اور روایت میں ہے: ''تین لعنت کے کاموں سے بچو، یعنی پانی کے گھاٹ، راستے کے درمیان یا سائے میں بول و براز کرنے سے۔''[4]

دونوں حدیثوں میں بیان کردہ یہ تین کام اہم طبی وجہ کی بنا پر ممنوع قرار دیے گئے ہیں

[1] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 322. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' [2] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 361. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب النهي عن التخلي في الطرق والظلال، حديث: 269. [4] صحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 112. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

کیونکہ ان تین جگہوں میں بول و براز کرنے سے بیماریاں آگے منتقل ہوتی ہیں۔ یہ تینوں مقامات متعدی جراثیم کا مرکز بن جاتے ہیں۔ جس سے تندرست انسانوں میں بھی بیماریاں پھیلتی ہیں۔ جدید میڈیکل سائنس بھی اس امر کی تائید کرتی ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارا کوئی مسجد میں کھنکھار پھینک بیٹھے تو اسے چاہیے کہ اسے دفن کر دے تاکہ کسی مومن کے جسم یا کپڑے پر لگ کر تکلیف کا سبب نہ بنے۔''[1]

مریض کا کھنکھار خصوصاً اگر مریض کو نظام تنفس کی کوئی بیماری لاحق ہو تو بیماری کے جراثیم سے بھرپور ہوتا ہے، اس لیے اسے دفن کرنا ضروری ہے۔ دفن کا طریقہ صرف مٹی میں دبانا ہی نہیں بلکہ آج کل جبکہ مساجد میں پختہ فرش بنے ہوتے ہیں، اس کا بہترین طریقہ کپڑے کے رومال سے صاف کرنا ہے۔ آج کل اس مقصد کے لیے ٹشو پیپر بھی استعمال کیے جاتے ہیں۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تمھارا کوئی پانی پیے تو برتن میں سانس نہ لے، پھر اگر اس کا ارادہ ہو کہ دوبارہ پیے تو برتن (منہ سے ایک طرف) ہٹا لے، پھر اگر چاہے تو دوبارہ پیے۔''[2]

جب کوئی مریض پانی پینے کے دوران میں سانس لیتا ہے تو اس کے منہ اور ناک سے نکلنے والے چھوٹے چھوٹے ذرات سے سانس کی بیماریاں پانی میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ گرم مشروب کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پھونکیں ماری جائیں تو بھی مشروب میں جراثیم منتقل ہو جاتے ہیں اور وہ مرتے بھی نہیں کیونکہ بعض جراثیم 120 درجۂ حرارت میں بھی نہیں مرتے۔ اس طرح نقصان کا خطرہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر عدنان بار نے ایک تحقیقی رپورٹ جاری کی ہے جسے بعض محققین نے سوڈان میں

[1] صحیح الجامع الصغیر و زیاداته: 439. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔'' [2] صحیح الجامع الصغیر وزیاداته، حدیث: 624. البانی نے کہا: ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

تجربے سے ثابت کیا ہے کہ وہاں کے لوگوں میں آنتوں کی تپ دق بہت زیادہ ہے۔ تحقیق کے بعد سبب یہ معلوم ہوا کہ یہاں کے لوگ گرم مشروب کو پھونکوں سے ٹھنڈا کر کے استعمال کرنے کے عادی ہیں۔ پھونکوں سے تپ دق کا جرثومہ مشروب میں منتقل ہو جاتا ہے جو اس کی گرمی برداشت کر لیتا ہے اور مرتا نہیں نتیجتاً اس سے آنتوں کی تپ دق پھیلتی ہے۔[1]

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم سنو کہ کسی علاقے میں طاعون پھوٹ پڑا ہے تو وہاں مت جاؤ۔ اگر تمھارے علاقے میں طاعون پھیلے تو وہاں سے نہ نکلو۔''[2]

اس حدیث کا دوسرا نصف اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے جسے جدید میڈیکل سائنس میں ''احتیاطی پابندی'' کہا جاتا ہے۔ جدید میڈیکل سائنس کہتی ہے: وبا کے علاقے میں بہت سے ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جن پر بظاہر وبا کا حملہ نہیں ہوتا مگر ان میں اس بیماری کے بنیادی اثرات موجود ہوتے ہیں، بظاہر ان میں بیماری کی کوئی علامت نہیں پائی جاتی اور وہ طبعی زندگی گزار رہے ہوتے ہیں لیکن اس بات کا پورا خطرہ ہوتا ہے کہ وہ یہ بیماری دوسرے لوگوں تک منتقل ہونے کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔

اس کی بہترین مثال وہ سوڈانی جوان ہے جو تیرہ سال سے ایڈز کے جراثیم اپنے جسم میں لیے پھرتا ہے لیکن بظاہر وہ زندگی گزار رہا ہے۔ اسے دیکھنے والا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اس کے وجود میں اس مہلک بیماری کے جراثیم موجود ہیں۔[3]

حکمت اور عقل کا تقاضا اور حکومت وقت کا فرض ہے کہ وہ عوام الناس پر یہ پابندی لگا دے کہ وبا کے علاقے سے کوئی شخص باہر نہ نکلے۔ ہو سکتا ہے کوئی شخص جس میں اس بیماری کی جڑ موجود ہو، اس بیماری کو دوسرے علاقوں میں پھیلانے کا سبب بن جائے۔ جب وبائی جراثیم کا اثر ختم ہو جائے اور وبا پھیلنے کا امکان نہ رہے تو پابندی اٹھالی جائے۔

[1] الطّبّ النّبويّ للشطي، ص: 279. [2] صحيح البخاري، الطّبّ، باب مايذكر في الطّاعون، حديث: 5728. [3] الطّبّ النّبويّ للشطي، ص: 280.

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی شخص کھڑے پانی میں پیشاب نہ کرے۔''[1]

مزید فرمایا: ''کوئی شخص غسل خانے میں پیشاب نہ کرے۔''[2]

اس فرمان گرامی کی اہمیت اس وقت واضح ہوتی ہے جب جدید سائنس یہ تحقیق پیش کرتی ہے کہ بہت سی بیماریوں، مثلاً: بلہارسیا کے عوامل کھڑے پانی میں پیشاب کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص اس پانی میں نہاتا، تیرتا یا کپڑے دھوتا ہے یا وہ پانی پیتا ہے تو اس کی جلد پھٹ جاتی ہے اور بیماری شروع ہو جاتی ہے۔ یہ بڑا خطرناک اور مہلک مرض ہے۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم کسی مریض اونٹوں والے کو تندرست اونٹوں والے کے پاس مت آنے دو۔''[3]

یہ بخاری کے الفاظ ہیں۔ مسلم میں یہ ہے: ''کوئی بیمار اونٹوں والا اپنے اونٹ تندرست اونٹوں میں مت لائے۔''[4]

جدید میڈیکل سائنس میں اسے ''عزل'' کہا جاتا ہے کہ مریض کو صحت مند افراد سے الگ رکھا جائے تاکہ بیماری آگے منتقل نہ ہو۔

* رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ تین بار دھونے سے قبل پانی کے برتن میں نہ ڈالے، اسے کیا علم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں کہاں لگتا رہا ہے۔''[5]

---

[1] سنن النسائي، الطهارة، باب النهي عن البول في الماء الراكد......، حديث: 222، وصحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 7596. [2] سنن أبي داود، الطهارة، باب في البول في المستحم، حديث: 27، وصحيح الجامع الصّغير وزياداته، حديث: 7597. [3] صحيح البخاري، الطب، باب لاعدوٰى، حديث: 5774. [4] صحيح مسلم، السّلام، باب لا عدوٰى ولا طيرة ولاهامة......، حديث: 2221. [5] صحيح مسلم، الطّهارة، باب كراهة غمس المتوضئ......، حديث: 278.

اس ارشاد نبوی کا سبب یہ خطرہ ہے کہ ممکن ہے سونے والے کا ہاتھ اس کی مقعد کو لگا ہو اور کیڑوں اور جراثیم کے انڈے اس کے ناخنوں سے چمٹ گئے ہوں۔ اگر ایسا ہاتھ پانی وغیرہ میں پڑ گیا تو وہ مشروب اور غذائیں بیماریوں سے آلودہ ہو جائیں گی۔

روزہ

روزہ اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک ہے۔ کئی احادیث نفلی روزے کی ترغیب میں آئی ہیں، مثلاً: ایامِ بیض (ہر قمری مہینے کی 13,14,15) کے روزے۔ حاجی کے علاوہ دوسروں کے لیے عرفہ کا روزہ، پیر اور جمعرات کے روزے۔ نو اور دس محرم کے روزے۔

روزے کے روحانی، نفسیاتی اور اعتقادی فوائد کے علاوہ جدید میڈیکل سائنس نے اس کے جسمانی فوائد بھی بیان کیے ہیں جو انسانی صحت کے لیے مفید ہیں، مثلاً:

* اعضائے انسانی کو مکمل آرام کا موقع مل جاتا ہے جس کی بنا پر ان کے افعال بہتر ہو جاتے ہیں۔ خلیوں اور پٹھوں کو نئی قوت مل جاتی ہے۔
* جو غذائیں آنتوں میں پہنچ جاتی ہیں انھیں جذب ہونے کے لیے وقفہ میسر آتا ہے۔
* نظامِ انہضام کچھ دیر کے لیے فارغ ہو جاتا ہے۔ یوں وہ ہر قسم کے جراثیم اور زہریلے مواد سے پاک ہو جاتا ہے۔
* دیر ہضم اشیاء یا ضرورت سے زائد کھائی ہوئی خوراک آنتوں میں آسانی سے جذب ہوتی ہے۔

اونٹوں کا پیشاب اور دودھ

بخاری، مسلم اور دیگر محدثین نے سریہ کرز بن جابر فہری کے واقعات میں روایت بیان کی ہے کہ عرینہ کے چند لوگ مدینہ آئے۔ انھیں مدینہ منورہ کی آب و ہوا راس نہ آئی اور ان

کے پیٹ خراب ہو گئے، جسم کمزور پڑ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم سب ہمارے چرواہے کے ساتھ صدقے کے اونٹوں میں کیوں نہیں چلے جاتے؟ تم ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔''[1] وہ کہنے لگے: ''ٹھیک ہے۔'' وہ وہاں چلے گئے اور ان کا دودھ اور پیشاب پیتے رہے حتی کہ تندرست ہو گئے...... یہ واقعہ شوال 6 ھ کا ہے۔

جامعہ جزیرہ (سوڈان) کے طبی تحقیقاتی کالج کے سربراہ پروفیسر احمد عبداللہ احمدانی نے جامعہ جزیرہ کی ایک کانفرنس میں انکشاف کیا کہ استسقاء اور جگر کی بیماریوں کے علاج کے لیے اونٹ کا پیشاب استعمال کیا گیا تو علاج میں کامیابی حاصل ہوئی۔ پروفیسر احمدانی نے کانفرنس میں ایک تجربہ بھی بیان کیا کہ خون میں شکر پر اونٹ کے اثرات جاننے کے لیے پورا ایک سال اونٹنی کا دودھ استعمال کرایا گیا جس سے خون میں شکر کی مقدار میں بڑی کمی واقع ہوگئی۔ انھوں نے اپنے مقالے کے آخر میں اونٹنی کے دودھ اور پیشاب کے ادویاتی خواص کی وضاحت بھی کی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ استسقاء کی بیماری زلال یا پوٹاشیم کی کمی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور اونٹ کے پیشاب میں یہ دونوں عناصر وافر مقدار میں پائے جاتے ہیں۔[2]

ایک اور علمی مقالہ، جو جریدہ ''اتحاد''[3] میں شائع ہوا، اس میں مقالہ نگار لکھتے ہیں: ''بعض محققین اور سائنسدانوں نے جو تحقیقات کی ہیں ان کے ابتدائی نتائج کے مطابق اونٹنی کے دودھ میں پائے جانے والے ایسڈز کی ترکیب انسولین کے ہارمونز سے ملتی جلتی ہے جسے شوگر کے مرض میں استعمال کرایا جاتا ہے۔''

[1] صحیح البخاري، الطّبّ، باب الدّواء بأبوال الإبل، حدیث: 5685، وصحیح مسلم، القسامة، باب حکم المحاربین والمرتدین، حدیث: 1671، واللفظ له. [2] دیکھیے: (انٹرنیٹ: www.bqb.com) [3] الاتحاد شمارہ: 9515، تاریخ: 7، اپریل 2001.

فاتح یونیورسٹی لیبیا کے زرعی کالج کے شعبہ علومِ اغذیہ کے پروفیسرز نے یہ ثابت کیا ہے کہ اونٹنی کا دودھ غذائی اجزا سے بھرپور ہونے کی وجہ سے بہترین خوراک ہے۔ نہ صرف یہ کہ اونٹنی کا دودھ جراثیم سے محفوظ ہوتا ہے بلکہ اس میں ایسے اجزا پائے جاتے ہیں جو زہریلے مادوں اور بیکٹیریا کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس میں بیماریوں سے دفاع کے لیے دفاعی قوت بخوبی موجود ہوتی ہے۔ خاص طور پر نو مولود بچوں کے لیے اونٹنی کا دودھ بہت مفید ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اونٹنی کا دودھ دمہ، شوگر، تپ دق، جگر کی وبائی سوزش، معدے کے السر اور کینسر کے علاج کے لیے استعمال کرایا جائے۔[1]

مکھی سے متعلقہ حدیث

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی کے برتن میں مکھی گر جائے تو وہ اسے مکمل طور پر ڈبو دے، پھر نکال کر پھینک دے کیونکہ اس کے ایک پر میں شفا اور دوسرے میں بیماری ہوتی ہے۔''[2]

ڈاکٹر خلیل ابراہیم ملا خاطر کی تحقیق کے مطابق یہ حدیث بیالیس سندوں سے ثابت ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محدثین نے اس حدیث پر بڑی توجہ دی ہے۔ ڈاکٹر خلیل ملا خاطر[3] نے اپنی کتاب کے دوسرے باب میں کچھ جدید سائنسی انکشافات کا حال لکھا ہے۔ یہ انکشافات جو رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق کرتے ہیں اس لحاظ سے انھیں آپ کا معجزہ شمار کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے کچھ سائنسی ماخذ بھی بتائے ہیں جن کا تذکرہ ڈاکٹر محمود کمال اور ڈاکٹر محمد عبدالمنعم حسین نے اپنی اس تحقیق میں کیا ہے جسے مجلّہ ''الازہر'' نے رجب 1378ھ کے شمارہ (جلد 30) میں کلمة الطب في حديث

[1] دیکھیے: انٹرنیٹ: www.alkhaldi.8K.com. [2] صحيح البخاري، الطبّ، باب إذا وقع الذباب في الإناء، حديث: 5782. [3] الإصابة في صحة حديث الذبابة، ص: 28، حاشية: 1.

الذباب کے عنوان سے شائع کیا ہے۔ان ماخذوں کی تفصیل یہ ہے:

* بوئیفیلڈ (جرمن) سائنسدان، ہال یونیورسٹی (مشرقی جرمنی)، ان کی تحقیق جو 1871ء میں شائع ہوئی۔
* سائنس کے عظیم پروفیسر لاتنگیرن کی تحقیق جو 1945ء میں پیش کی گئی۔
* آرن شٹائن اور کاک ۔ برطانیہ میں 1947ء کے دوران ان دونوں کے مقالے شائع ہوئے۔
* رولیکس (سوئٹزر لینڈ) ان کا مقالہ 1950ء میں شائع ہوا۔
* موفتش ،ان کا مقالہ 1948ء میں شائع ہوا۔
* برائن، کورٹیز، ہیمنگ ،جیوفرے اور میک جوان، یہ سب برطانیہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے مقالے 1948ء میں منظر عام پر آئے۔
* کاکس، فارمر (برطانیہ)، جرمان، روتھ، واتلنگر اور بلاتنز (سوئٹزر لینڈ) ان کے مقالے 1949ء میں شائع ہوئے۔

ڈاکٹر خلیل خاطر نے اس رپورٹ سے حسب ذیل علمی حقائق اخذ کیے ہیں:

* مکھی اپنے پاؤں کے کناروں ، ناک کے کنارے ، پروں کے کناروں اور اپنے فضلے میں جراثیم اٹھائے رکھتی ہے۔
* یہ جراثیم بیماری کی بنیاد ہیں، خصوصاً ہیضہ، پیچش اور ٹائیفائیڈ (تپ محرقہ) کے لیے۔ حدیث میں اسی کو بیماری کہا گیا ہے اور یہ جراثیم ہی بیماری کا عام سبب بنتے ہیں۔
* مکھی کے اینٹی بائیوٹک مواد کے متعلق نئے سائنسی انکشافات اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مکھی میں شفا کا مادہ بھی پایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے ۔
* یہ اینٹی بائیوٹک مادے مکھی کے پیٹ میں موجود حلقوں کے جوڑوں اور سوراخوں سے نکلتے ہیں۔

■ یہ اینٹی بائیوٹک مادہ مکھی کے جسم کے خلیوں میں موجود فطری اجزا سے بنتا ہے اور یہ مکھی کے پچھلے حصے میں پروں کے نیچے ہوتا ہے۔

■ یہ فطری اجزا جن میں یہ اینٹی بائیوٹک مادہ ہوتا ہے خلیے پر دباؤ پڑنے سے نکلتے ہیں۔

■ مکھی سے نکلنے والا یہ اینٹی بائیوٹک مادہ انتہائی قوی جراثیم کش باور کیا جاتا ہے اور یہ مثبت اور منفی جراثیم کو ختم کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس میں وہ جراثیم ہوتے ہیں جنھیں اس مکھی ہی نے اٹھایا ہوتا ہے۔

یہ سب کچھ حدیث کے الفاظ کے مطابق ہے جس سے اس حدیث کی اعجازی حیثیت واضح ہوتی ہے۔

ڈاکٹر خلیل خاطر نے اس کے بارے میں چند دیگر تحقیقاتی نتائج بھی بیان کیے ہیں۔ اور بطورِ خاص:

■ وہ نو مقالات جو انھیں لندن یونیورسٹی سے ملے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مکھی سے زہریلے مادے خارج ہوتے ہیں۔ یہ حدیث کے پہلے حصے کے مطابق ہے۔

■ مسٹر درید، مصر کے محکمہ قرنطینا کے سابق ڈائریکٹر نے پچاس سال قبل اپنے مقالے میں ثابت کیا تھا کہ جب مکھی کسی چیز پر بیٹھتی ہے تو اس میں سے کچھ نہ کچھ کھاتی ہے۔ یہ کھانا اس کے پیٹ میں ایک مادے کی صورت اختیار کرتا ہے جسے ''بیکٹیریا فاگ'' کہا جاتا ہے۔ اسے ان جراثیم کو ختم کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو مکھی اپنے پروں کے کناروں پر لگے چھوڑ جاتی ہے۔ محققین کہتے ہیں کہ مکھی یہ مادہ پیدا کرتی ہے اور یہ مادہ وہاں پیدا شدہ امراض کو ختم کرنے کے لیے بطور علاج استعمال ہوتا ہے۔

■ مجدی کیرلس جرجی نے اپنا مقالہ مجلّہ ''الإھرام'' کے شمارے بابت، 2/7/1952 میں الحشرات المظلومة (مظلوم کیڑے مکوڑے) کے نام سے شائع کیا جس کا خلاصہ یہ ہے: جنگ عظیم اول 1914ء کے دوران جو زخمی فوجی ہسپتال منتقل کیے جانے سے قبل

کچھ دیر تک میدان جنگ میں پڑے رہے ان کے زخموں پر ''نیلی مکھی'' کی ایک قسم ''یرقات'' پائی گئی۔ تجربے سے معلوم ہوا کہ یرقات زخم کی پیپ والی بافتیں کھاتی ہے اور پیپ و کچ لہو میں پائے جانے والے بیکٹیریا کا خاتمہ کر دیتی ہے، چنانچہ فوراً ہسپتال منتقل کیے جانے والے زخمیوں کے مقابلے میں مذکورہ زخمیوں کے زخم بہت جلدی ٹھیک ہو گئے۔ پھر اس ''یرقات'' سے ایک مادہ لیتھوسین نکال کر مرہم کی صورت میں تجارتی بنیادوں پر پھوڑوں پھنسیوں، سوجن اور جلنے کے زخموں کے علاج کے لیے بازاروں میں بہت سستا فروخت کیا گیا۔

■ رسالہ ''مائیکرو بیالوجی'' سوئٹزر لینڈ (1951ء) نے بھی تقریباً ویسا ہی مضمون شائع کیا جیسا ڈاکٹر محمود کمال اور ڈاکٹر محمد عبدالمنعم حسین نے لکھا تھا۔

آٹے کا چھان بورا

سلمہ بن دینار نے کہا: ''میں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے پوچھا: ''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چھنے آٹے کی روٹی کھائی؟'' حضرت سہل نے جواب دیا: ''جب سے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اس وقت سے تادم آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھنے آٹے کی روٹی (کھانی تو کجا) دیکھی بھی نہیں۔''

اس حدیث میں معجزہ یہ ہے کہ میڈیکل سائنس نے تھوڑا عرصہ قبل ہی یہ بات تسلیم کی ہے کہ اگر آٹے سے بورا مکمل طور پر نکال دیا جائے یا بہت کم کر دیا جائے اور سبزیوں اور پھلوں سے چھلکے مکمل طور پر اتار دیے جائیں تو نظام انہضام میں کئی ایک خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو بسا اوقات ہلاکت کا سبب بن جاتی ہیں۔ ان میں سے اہم خرابیاں یہ ہیں:

دائمی قبض: جس سے مزید کئی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً:

■ بواسیر: پیٹ کی جھلی پھٹ جاتی ہے۔ پیٹ کی جھلی کے پٹھے قضائے حاجت کے وقت

زیادہ دباؤ پڑنے سے پھٹ جاتے ہیں۔

■ معدے، جگر اور آنتوں کو دل اور پھیپھڑوں سے جدا کرنے والی جھلی پھٹ جاتی ہے۔ اس جھلی سے کھانے کی نالی، خون کی رگیں اور اعصاب بھی گزرتے ہیں۔ اگر پیٹ میں دباؤ زیادہ بڑھ جائے تو پیٹ کی بعض چیزیں، مثلاً: معدہ یا آنتیں سینے کی طرف بڑھنے لگتی ہیں جس سے سانس کی تنگی اور دل کی حرکت میں عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے۔

ردب: اس سے مراد یہ ہے کہ بڑی آنتوں میں بہت سے ابھار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب غذا میں چھان بورا یا سبزیوں کے پتے شامل نہ ہوں تو کھانے کے فضلات کا حجم کم ہو جاتا ہے۔ یہ فضلات بڑی آنتوں میں پہنچتے ہیں تو آنتوں کو نہایت تکلیف دہ انداز میں سکڑنا پڑتا ہے تاکہ فضلات آنتوں کی اندرونی جلد سے مس ہوں۔ اس طرح آنتوں پر دباؤ بڑھ جاتا ہے اور ان کی اندرونی جلد پھیل جاتی ہے نتیجتاً آنتوں کی اندرونی جلد میں ابھار پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس بیماری سے بہت خطرناک اثرات پیدا ہوتے ہیں، مثلاً:

■ ردبی سوزش: یہ ابھار باقی ماندہ کھانا آنتوں میں روک لیتے ہیں اور جراثیم کے عمل کی وجہ سے اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے سخت سوزش ہو جاتی ہے جو وقتاً فوقتاً تازہ ہوتی رہتی اور پیٹ میں دائمی درد کا سبب بنتی ہے۔ اور بدن بخار کا شکار ہو جاتا ہے۔

■ آنتوں کی جھلی میں سوراخ ہو جانا: اس میں موت کا تناسب بہت زیادہ ہے۔

■ آنتوں کی بندش۔

■ آنتوں سے خون بہنے لگتا ہے۔

■ ناسور: یہ اس بیماری کے 5% مریضوں میں پایا جاتا ہے۔ اس میں مریض یہ شکایت کرتا ہے کہ اس کی پیشاب کی نالی سے ہوا یا گندگی خارج ہوتی ہے اور مریض عورت یہ شکایت کرتی ہے کہ اس کے رحم کی نالی سے گندگی یا ہوا خارج ہوتی ہے۔

ﷺ ردب سے بچاؤ یا اس کے علاج کے لیے کھانے میں چھان بورا موجود ہونا ضروری ہے۔

بڑی آنت کا خبیث سرطان (کینسر): ہر سال پچاس ہزار امریکی اس کینسر سے مر جاتے ہیں۔سگریٹ نوشی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے سرطان کے بعد یہ دوسرا بڑا سرطان ہے۔ یہ ہر سال دس ہزار انگریزوں کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ چھان بورے کی اس اہمیت کے پیشِ نظر اب یہ دکانوں اور میڈیکل سٹوروں پر پاؤڈر یا ٹکیوں کی صورت میں فروخت ہونے لگا ہے۔

ایلوا

نبیہ بن وہب سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''ہم ابان بن عثمان کے ساتھ سفر پر نکلے۔ جب ہم مَلَل کے مقام پر پہنچے تو عمر بن عبید اللہ کو آنکھوں کی تکلیف شروع ہو گئی۔ روحاء پہنچے تو تکلیف بڑھ گئی۔ انھوں نے ابان بن عثمان کو پیغام بھیجا اور ان سے پوچھا کہ کیا کیا جائے؟ انھوں نے جواب بھیجا کہ آنکھوں پر ایلوے[88] کا لیپ کر لو۔ میرے والد عثمان رضی اللہ عنہ بتاتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جس کی آنکھوں میں تکلیف ہو جائے اور وہ احرام میں ہو، فرمایا کہ وہ آنکھوں پر ایلوے کا لیپ کرے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے چار سو سال بعد ابن سینا نے اپنی کتاب القانون في الطب میں ایلوے کے طبی فوائد بیان کرتے ہوئے لکھا: ''یہ آنکھوں کے زخم، خارش، ان کے درد اور گوشۂ چشم کی کھجلی میں مفید ہے۔ یہ آنکھ کی رطوبت کو کم کرتا ہے۔ اس میں جلد کو سکیڑنے اور خشک کرنے کی قوت پائی جاتی ہے۔ یہ نیند لاتا ہے۔ ہندوستانی ایلوا زیادہ

(88) ایلوا: اس کا دوسرا نام مصبر ہے۔ یہ کوار گندل کا گودا خشک کر کے بنایا جاتا ہے اسے گھیکوار بھی کہتے ہیں۔

[1] صحيح مسلم، الحجّ، باب جواز مداواة المحرم عينيه، حديث: 1204.

مفید ثابت ہوتا ہے۔ چبھن کے بغیر جلد کو خشک کرتا ہے، البتہ قدرے قابض ہے۔''

ابوبکر رازی اس کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ آنکھ کے لیے مفید ہے اور جسم کو خشک کرتا ہے۔''

داود انطاکی کہتے ہیں: ''اسے بطور سرمہ استعمال کیا جائے تو نظر تیز ہو جاتی ہے۔ آنکھوں کی خارش، جلن اور پپوٹوں کا بھاری پن دور کرتا ہے۔''

امریکہ میں ہونے والی نئی تحقیقات بھی طب نبوی کے اس نسخے کی تائید کرتی ہیں۔ امریکہ کے مشہور رسالے Cutis نے 1986ء میں ایلوے کے بارے میں ایک خصوصی مقالہ شائع کیا جس کے مطابق جدید تحقیقات کے جائزے سے ثابت ہو گیا ہے کہ ایلوا دھوپ کی تمازت سے پیدا ہونے والی جلد کی سوزش و جلن، جسم کی رگڑوں اور زخموں، آنکھ کی پتلی کے زخموں اور پاؤں کے پھوڑوں میں بہت مؤثر ثابت ہوا ہے۔

سائنسدانوں نے ایلوے میں چار قسم کے فعال کیمیائی مادوں کا پتہ لگایا ہے:

ٹھنڈک پہنچانے والا مادہ: یہ مادہ درد، خارش اور بندشِ پیشاب ختم کرتا ہے۔ شریانوں کو سکیڑتا ہے۔ سوزش کی جگہ پیدا ہونے والی سوجن اور سرخی ماند کر دیتا ہے۔ یہاں یہ بھید کھل جاتا ہے کہ ادویات اور جلد کی خوبصورتی کا سامان بنانے والی کمپنیاں سورج کی تپش کے علاج والی اشیاء میں ایلوے کا یہ مادہ کیوں استعمال کرتی ہیں؟

میگنیشم لکٹنٹ: یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ مادہ جلد میں خارش کا سبب بننے والے مادے ''ہسٹامن'' کی تولید روکتا ہے۔ اسی بنا پر ایلوا خارش، سوزش اور سوجن میں کمی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیڑوں مکوڑوں کے کاٹے کے علاج میں ایلوا بہت مؤثر ہے۔

اینٹی پیرا سیٹا لینڈن: یہ مادہ بھی درد، سوزش اور سوجن رفع کرتا ہے۔ اسپرین کی گولیاں بھی یہی کام انجام دیتی ہیں۔ یوں یہ تینوں مادے مل کر تکلیف اور سوزش گھٹاتے ہیں اور کھجلی و جلن دور کر کے سکون بخشتے ہیں۔

انٹریکینن: اس مادے کی وجہ سے ایلوا مسہل کا کام دیتا ہے۔ نئی سائنسی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ ایلوا جلد کو تر رکھتا ہے۔ اس سے جلد نرم و ملائم ہو جاتی ہے۔

ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو دوران عدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے۔ میں نے ایلوے کا لیپ کر رکھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''ام سلمہ! یہ کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! یہ ایلوا ہے۔ اس میں خوشبو نہیں ہے۔'' آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيهِ إِلَّا بِاللَّيْلِ»

''ہاں! یہ چہرے کو خوبصورت اور جوان رکھتا ہے۔ اسے صرف رات کے وقت استعمال کرو۔''[1]

سائنسدانوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ایلوا جلد میں پانی کو روک لیتا ہے جس سے جلد میں رطوبت اور تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔ آج بازاروں میں ملنے والی بہت سی کریموں اور ادویات میں ایلوا پایا جاتا ہے۔

جدید طبی تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ایلوا رومیٹزم، یعنی جوڑوں کی شدید سوجن کے علاج کے لیے بھی مفید ہے۔ یہ انتہائی تکلیف دہ بیماری ہے جس سے بسا اوقات جوڑوں کی شکل ہی بگڑ جاتی ہے اور ان کی حرکت میں شدید رکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ یہ بیماری ہاتھ پاؤں کے چھوٹے جوڑوں میں ایک خاص شکل میں پائی جاتی ہے۔

رسالہ النقابة الطِّبِّيَّة میں پاؤں کی بیماریوں کے بارے میں ایک تحقیق شائع ہوئی ہے جس کے مطابق چوہوں میں سوجے ہوئے جوڑوں کے علاج میں ایلوے کے استعمال کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔ اب انسانوں میں یہ تجربات جاری ہیں۔

---

[1] سنن النسائي، الطلاق، باب الرخصة للحادة أن تمتشط بالسدر، حديث: 3567، والسُّنن الكبرٰى للبيهقي: 424/11، حديث: 15954.

ٹیک لگا کر کھانا مضر ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَا آكُلُ مُتَّكِئًا» ”بے شک میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔“ [1]

سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ غذا کا کھانے کی نالی میں سے گزرنا اور سیدھا معدے میں جانا افعالِ ہضم میں سہولت کا سبب بنتا ہے جبکہ کھانے والا سیدھا بیٹھا ہو۔ اگر اس نے ٹیک لگا رکھی ہے یا وہ کھڑے کھڑے یا چلتے چلتے کھا رہا ہے تو خوراک کے غذائی نالی سے گزرنے اور ہضم ہونے میں مشکل پیش آسکتی ہے۔

مریض کو کھانے پر مجبور کرنا منع ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اپنے مریضوں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا کرو، اللہ تعالیٰ انھیں کھلاتا اور پلاتا ہے۔“ [2]

سائنسی طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کا جسمانی نظام اضطراب اور ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو تو کھانے کی خواہش مر جاتی ہے اور یہ کیفیت اس وقت شدید صورت اختیار کر لیتی ہے جب خاص طور پر نظامِ انہضام متاثر ہو، اس لیے اس صورت میں کھانے سے پرہیز ہی مفید ہے۔

[1] صحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل متكئًا، حديث: 5398. [2] جامع الترمذي، الطّبّ، باب ماجاء لا تكرهوا مرضاكم على الطّعام والشراب، حديث: 2040. ترمذی نے کہا: ”یہ حدیث حسن غریب ہے۔ ہم اسے صرف اسی سند سے جانتے ہیں۔“ وسنن ابن ماجه، الطّبّ، باب لا تكرهوا المريض على الطّعام، حديث: 3444، والمستدرك للحاكم: 4/455، حديث: 8259. حاکم نے کہا: ”یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ اس کے تمام راوی مدنی ہیں۔ بخاری و مسلم نے اسے نہیں نکالا۔“ البانی نے ترمذی کی سند کو صحیح اور ابن ماجہ کی سند کو حسن قرار دیا ہے، مزید دیکھیے، (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 2/354، حديث: 727)

ختنہ

رسول اللہ ﷺ نے مرد کے ختنے کے بارے میں فرمایا: ''پانچ چیزیں انسانی فطرت کا تقاضہ ہیں: ختنہ، زیر ناف بالوں کی صفائی، مونچھوں کا کاٹنا، ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا۔''[1]

سائنس نے ثابت کیا ہے کہ مردوں کا ختنہ نہ کرانا بہت سی خرابیوں کا موجب ہے، مثلاً: آلۂ تناسل سے وقتاً فوقتاً خارج ہونے والا مواد قلفے کے پیچھے جمع ہو جاتا ہے جس سے حشفے میں مستقل سوزش پیدا ہوتی ہے اور کچھ ایسے ریشے بن جاتے ہیں جن سے پیشاب کا سوراخ تنگ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً پیشاب رک رک کر آنے لگتا ہے۔ یہ تکلیف ختنے والے لوگوں میں شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

تحقیقات سے یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ ختنہ نہ کرانے سے پیشاب کی نالی کا کینسر بھی ہو سکتا ہے۔ جراثیم قلفے میں چھپ جاتے ہیں اور میاں بیوی کے ملاپ کے وقت فرصت پا کر رحم کی نالی، رحم اور بیضہ دانی میں پہنچ جاتے ہیں اور وہیں ٹھکانہ بنا لیتے ہیں۔ اس طرح حمل ٹھہرنے میں تاخیر ہو جاتی ہے بلکہ عورت بانجھ بھی ہو سکتی ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے عورت کے ختنے کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''ام عطیہ! تھوڑی سی کھال قطع کرو، زیادہ نہ کاٹو۔ اس سے چہرے پر خوشگوار اثر پڑتا ہے اور خاوند کے لیے زیادہ موجبِ انبساط ہوتا ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کا عورتوں کے ختنے کرنے والی عورت کو یہ ہدایات دینا جدید میڈیکل سائنس کی رو سے ٹھیک اصول کے مطابق ہے کیونکہ یہ عمل عورتوں کی جسمانی اور نفسیاتی

---

[1] صحيح البخاري، الاستئذان، باب الختان بعد الكبر......، حديث: 6297، وصحيح مسلم، الطّهارة، باب خصال الفطرة، حديث: 261. مسلم کی روایت میں یہ اشیاء دس ہیں۔ [2] الإعجاز العلمي في الإسلام لعبد الصمد، ص: 38. [3] المعجم الصّغير للطبراني: 62/2، حديث: 122.

صحت کے لیے بہت مفید ہے۔ جدید میڈیکل سائنس کی رو سے فرعونی ختنہ عورتوں کے لیے مضر ہے جس کا مصر اور سوڈان کے بعض علاقوں میں رواج ہے۔

دورانِ حیض جنسی ملاپ

رسول اللہ ﷺ نے دوران حیض زن وشو کے تعلقات کے بارے میں فرمایا:

«اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ»

''اس دوران جماع کے سوا ہر کام کر سکتے ہو۔''[1]

جدید سائنس بھی یہ بات تسلیم کرتی ہے کہ حیض کے دوران جماع کرنے کے باعث جراثیم اس وقت رحم میں داخل ہو جاتے ہیں جبکہ وہاں کا دفاعی نظام ان کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ اس طرح رحم کی نالی اور رحم میں موجود خون جراثیم کی نشو ونما اور اضافے کا سبب بنتا ہے۔ مزید برآں اس حالت میں جماع کرنے سے یہ گندگی مرد کی طرف بھی منتقل ہو سکتی ہے۔ اس حالت میں جماع کبھی کبھی فم رحم کے کینسر کا موجب بھی بنتا ہے۔

کتے کا جھوٹا برتن

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب کتا کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اس کا پانی گرا دیا جائے، پھر اس برتن کو سات دفعہ دھویا جائے[2] اور ایک دفعہ مٹی بھی لگائی جائے۔''[3]

سائنسی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ کتا انسان میں بہت سی بیماریاں منتقل کرتا ہے۔

[1] صحيح مسلم، الحيض، باب غسل الحائض رأس زوجها......، حديث: 302. [2] صحيح مسلم، الطّهارة، باب حكم ولوغ الكلب، حديث: 280. ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''اور آٹھویں بار برتن کو مٹی لگاؤ۔'' [3] سنن النسائي، المياه، باب تعفير الإناء بالتراب من ولوغ الكلب فيه، حديث: 338.

ان میں خارش اور باؤلا پن بھی شامل ہے۔ باؤلا پن ایک خطرناک بیماری ہے۔ اور کسٹ ایڈ اٹک کی بیماری جو ایک کیڑے، ٹیٹا اکنا کوکس کے انڈوں کے داخل ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ کیڑا عموماً کتے کی آنتوں میں پایا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی بیماریاں ہیں۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ مٹی انڈوں اور جراثیم کو ختم کرنے میں بہت مؤثر ہے کیونکہ مٹی کے ذرات ان میں گھل مل جاتے ہیں۔ اس طرح سب کو ختم کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

دورِ جدید کے سائنسدانوں نے قبروں کی مٹی کا تجزیہ کیا تاکہ جراثیم کا پتہ لگایا جا سکے۔ انھیں توقع تھی کہ اس مٹی میں بہت سے نقصان دہ جراثیم ہوں گے کیونکہ بہت سے لوگ طرح طرح کی بیماریوں سے مرتے ہیں۔ پوری تحقیق کے باوجود مٹی میں ان موذی جراثیم کا کوئی نشان نہیں ملا۔ اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ مٹی میں نقصان دہ جراثیم ختم کرنے کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو ان جراثیم کا خطرہ بہت بڑھ جاتا اور صورتحال کو سنبھالنا مشکل ہو جاتا۔[1]

شکاری پرندوں اور درندوں کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے پرندوں میں سے ہر پنجے والے اور درندوں میں سے ہر کچلی والے جانور سے منع کیا ہے۔[2]

جدید علم الاغذیہ سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ قومیں ان حیوانات کی صفات سے ضرور متاثر ہوتی ہیں جنھیں وہ کھاتی ہیں کیونکہ ان جانوروں میں ایسے زہریلے مادے اور

---

[1] الأربعون العلمية لعبد الحميد محمود طهماز، انٹرنیٹ: www.science 4 islam.com

[2] صحیح مسلم، الصيد والذبائح، باب تحريم أكل كلّ ذي ناب......، حديث: 1932، و سنن النسائي، الصيد، باب إباحة أكل لحوم الدجاج، حديث: 4353، واللفظ له.

اندرونی افرازات (Secretions) پائے جاتے ہیں جو قوموں کے خون میں اثر کرتے ہیں، پھر وہ کھانے والوں کے معدوں میں منتقل ہو جاتے ہیں اور ان کے اخلاق پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

انسانی پیدائش

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(جماع کے وقت خارج ہونے والی) پوری منی سے بچہ نہیں بنتا۔اور جب اللہ تعالیٰ کوئی بچہ پیدا کرنا چاہے تو (عزل جیسا) کوئی حیلہ بچے کی پیدائش کو روک نہیں سکتا۔''[1]

سائنسی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ منی کے ایک بہت ہی چھوٹے ذرے سے اللہ تعالیٰ بچہ پیدا کرتا ہے۔ جب ایک دفعہ منی خارج ہوتی ہے تو اس میں بیس کروڑ سے بھی زائد جرثومے ہوتے ہیں جبکہ عورت کے بیضہ کے ساتھ ملنے والا جرثومہ ان میں سے صرف ایک ہی ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے لحاظ سے چاہتا ہے، اختیار کرتا ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو ایک تناسب سے پیدا فرمایا۔اسی طرح یہ بھی ضروری نہیں کہ بیضہ اور جرثومہ مل کر لازماً بچہ بنیں۔ جدید تحقیقات کے مطابق 78 فیصد بیضے ہر حمل سے ساقط ہو جاتے ہیں اور تقریباً 50 فیصد بیضے ایسے ساقط ہو جاتے ہیں کہ ماں کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ اسے حمل ٹھہر گیا تھا۔

رضاعی بہن بھائیوں کے نکاح کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس طرح نسب کی بنا پر رشتے حرام ہوتے ہیں، اسی طرح رضاعت کی بنا پر بھی رشتے حرام ہیں۔''[2]

[1] صحيح مسلم، النكاح، باب حكم العزل، حديث: (133)-1438. [2] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع......، حديث: 2645، وصحيح مسلم،

جدید سائنسی تحقیقات سے ثابت ہوا ہے کہ دودھ پلانے والی ماں کے دودھ میں ایسے اجسام پائے جاتے ہیں کہ اس کے دودھ پینے سے دودھ پینے والے بچے کے جسم میں، بشرطیکہ وہ تین سے پانچ دفعہ تک الگ الگ دودھ پیے، دفاعی اجسام بنتے ہیں اور یہ صرف انسان میں ہی نہیں بلکہ نومولود حیوانات میں بھی، جن کا دفاعی نظام ابھی مکمل نہیں ہوا ہوتا، یہ دفاعی اجسام بنتے ہیں۔ جب بچہ دودھ پیتا ہے تو اس دودھ سے کچھ موروثی دفاعی خصوصیات بھی بچے میں منتقل ہوتی ہیں جو اس کے دوسرے رضاعی بھائی بہنوں کی موروثی خصوصیات کے ساتھ ملتی جلتی ہیں۔

اگر رضاعی بھائی بہنوں کی آپس میں شادی کر دی جائے تو بہت ممکن ہے کہ یہ دفاعی اجسام اور خصوصیات فریقین میں کئی بیماریوں کا سبب بن جائیں۔

شراب کی حرمت

حضرت طارق بن سوید جعفی رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ انھوں نے نبیِ کریم ﷺ سے شراب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے شراب بنانا سخت ناپسند کیا اور انھیں منع فرمایا۔ انھوں نے کہا: ''میں تو اسے بطور دوا بناتا ہوں۔'' آپ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيْسَ بِدَوَاءٍ وَّلٰكِنَّهُ دَاءٌ» ''یہ دوا نہیں بلکہ یہ بیماری ہے۔''[1]

جدید میڈیکل سائنس نے شراب کے وہ اثرات تفصیل سے بیان کر دیے ہیں جو انسانوں کے جسم اور عقل پر مرتب ہوتے ہیں اور سخت نقصان دہ ہیں، مثلاً:

ڈاکٹر لانسرو کہتے ہیں: ''مستقل شراب نوشی عورت کی بیضہ دانی کو سکیڑ کر تنگ کر دیتی ہے۔''

ڈاکٹر برقولہ نے لکھا: ''میں نے ہمیشہ شراب پینے والوں کے پوسٹ مارٹم کے دوران

◄◄ الرضاع، باب يحرم من الرّضاعة مايحرم من الولادة، حديث: 1444. [1] صحيح مسلم، الأشربة، باب تحريم التداوي بالخمر......، حديث: 1984.

دیکھا کہ ان کے خصیے سکڑ کر سخت ہو گئے اور 86 فیصد میں منی والے جراثیم نہیں ہوتے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مستقل شراب نوشی کرنے والے بانجھ پن اور نامردی کا شکار کیوں ہوتے ہیں؟

تمباکو نوشی

ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ آور اور جسم کو سست کرنے والی چیز سے منع فرمایا ہے۔''[1]

خمر ہر وہ چیز ہے جو عقل کو زائل کر دے، مثلاً: شراب اور دیگر نشہ آور اشیاء، اسی طرح سست کرنے والی چیز تمباکو ہے۔ اور یہ بات دینی اور عقلی لحاظ سے معلوم ہے کہ تمباکو نوشی سے جسم کے تمام اعضا پر مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ عالمی تنظیم صحت نے اس کے تباہ کن اثرات سے اچھی طرح خبردار کیا ہے۔ مختصر الفاظ میں اسے '' خسارے والی موت کا سودا'' کہا جا سکتا ہے۔ یہ ایک کتاب کا عنوان بھی ہے جو'' الدارالسعودية للنشر والتوزيع''(طبع أول، 1414ھ) نے شائع کی ہے۔

ایک بڑے امریکی پروفیسر اور وکیل لارے وائٹ نے ایک کتاب بعنوان Merchants of Death (موت کے سوداگر) شائع کی ہے جو انھیں امریکی وزیر صحت نے پیش کی تھی۔ اس سے مراد سگریٹ فروش حضرات ہیں۔

سگریٹ نوشی کے طبی نقصانات کے متعلق عالمی تنظیم صحت نے 1986ء میں ایک مضمون شائع کیا تھا جس کے مطابق 90 فیصد پھیپھڑوں کا کینسر، 90 فیصد نرخرے کا کینسر اور 75

[1] سنن أبي داود، الأشربة، باب ما جاء في السكر، حديث: 3686، ومسند أحمد: 309/6. الموسوعة الحديثية کے محققین کا کہنا ہے: ''یہ حدیث صحیح لغیرہ ہے سوائے لفظ: وَمُفَتِر ''جسم کو سست کرنے والی'' کے۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 246/44، حديث: 26634)

فیصد کھانے کی نالی کی مستقل سوزش کے کیس تمباکو نوشی کی بنا پر ہوتے ہیں۔ تمباکو نوشی سے پھیپھڑے کی نالیاں پھول جاتی ہیں، نتھنوں میں سوزش پیدا ہو جاتی ہے، ناک کی الرجی، دیگر اقسام کی الرجی اور دمہ کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ منہ، ہونٹ، زبان، حلق، مسوڑھے، کھانے کی نالی، جبڑے، جگر، مثانہ، گردے، رحم اور چھاتی کے کینسر کا موجب عام طور پر سگریٹ نوشی ہی ہے۔

آبِ زمزم

ابو ذر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعے میں ہے کہ جب وہ مکہ مکرمہ آئے تو تیس دن رات یہاں ٹھہرے۔ زمزم کے پانی کے علاوہ ان کے پاس کوئی خوراک نہیں تھی۔ وہ اتنے موٹے ہو گئے کہ ان کے پیٹ پر بل پڑنے لگے۔ انھیں ذرہ بھر بھی بھوک محسوس نہ ہوتی تھی۔ یہ بات انھوں نے نبی کریم ﷺ کو بتائی تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّهَا مُبَارَكَةٌ، إِنَّهَا طَعَامُ طُعْمٍ»

''یہ بابرکت پانی ہے۔ کھانے کا کام بھی دیتا ہے۔''[1]

نیز آپ نے فرمایا:

«مَاءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ»

''زمزم کا پانی ہر اس مقصد کے لیے ہے جس کے پیش نظر اسے پیا جائے۔''[2]

نووی نے لکھا: ''اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی مقصد کی خاطر اسے پیے گا وہ مقصد پورا ہو گا۔ علماء اور نیک لوگوں نے اپنی دنیوی اور اخروی ضروریات کی خاطر یہ تجربہ

[1] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي ذر، حديث:2473. [2] مسند أحمد: 357:3، والموسوعة الحديثية: 140/23، حديث:14849. محققین کا کہنا ہے: ''اس حدیث کو حسن قرار دیا جا سکتا ہے۔''

کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کی ضروریات پوری ہوگئیں۔"[1]

حکیم ترمذی نے لکھا: "جو بھی شخص کسی بھی نیک نیت کے ساتھ آب زمزم پیے گا اللہ تعالیٰ اس کی نیت پوری کرے گا۔"[2] پروفیسر احمد عبداللہ باتلی نے زمزم پیتے وقت کئی ایک اہل علم کی دعاؤں کے نمونے پیش کیے ہیں جو فی الواقع قبول ہوئیں، مثلاً: شافعی، عبداللہ بن مبارک، ابن خزیمہ، خطیب بغدادی، ابن حجر اور سیوطی وغیرہ۔

ابن القیم نے کہا: "میں نے اور دیگر اہل علم نے زمزم کے پانی سے شفا حاصل کرنے کے عجیب وغریب تجربات کیے ہیں۔ میں نے خود کئی بیماریوں کے دوران شفا کی نیت سے اسے پیا تو بحمد اللہ تندرست ہوگیا۔ میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نصف ماہ سے بھی زائد کئی کئی دن صرف زمزم کے پانی پر گزارا کرتے رہے اور انھیں بھوک محسوس نہ ہوئی۔"

شیخ عبدالرشید ابراہیم، ترکی الاصل، روسی شہری تھے۔ ان کا سفر نامہ "عالمِ اسلام" مشہور ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے مثانہ اور آنکھوں کی کئی بیماریوں کے علاج کے لیے زمزم کا تجربہ کیا۔ اللہ کے فضل سے مجھے شفا نصیب ہوئی۔

پروفیسر باتلی لکھتے ہیں: "ایک مغربی خاتون نے ایک کتاب لکھی ہے اس کا عنوان ہے: «فلا تنس الله» (اللہ تعالیٰ کو نہ بھولیے۔) اس کتاب میں اس نے لکھا ہے کہ مجھے کینسر کی بیماری تھی اور ڈاکٹروں نے مجھ سے کہہ دیا تھا کہ کینسر کا کوئی علاج نہیں۔ میں مکہ مکرمہ پہنچی اور مسلسل کئی دن خوب سیر ہو کر آبِ زم زم پیتی رہی۔ بالآخر وہ سرخ دانے جنھوں نے میرے بدن کو بدنما بنا دیا تھا آہستہ آہستہ بالکل ختم ہو گئے۔"[3] اس خاتون لیلیٰ الحلو کا پورا واقعہ رسالہ المسلمون لندن نے 6 جولائی 1985ء کے شمارے میں شائع کیا تھا۔

---

[1] تهذيب الأسماء واللّغات للنووي: 3/193. [2] نوادر الأصول لحكيم ترمذي، ص: 341.

[3] باتلی کا مقالہ بعنوان ماء زمزم لما شرب له جو مجلة الحرس الوطني کے شمارہ: 142 بابت ماہ: ذی الحجہ 1414ھ بمطابق مئی، جون 1994ء شائع ہوا۔

باب

11

محمد ﷺ اور ان کی امت کے خصائص

- محمد ﷺ کے خصائص
- امتِ محمدیہ کے خصائص
- نزول قرآن اور بعثت نبوی کا اصل مقصود
- حرف آخر

﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝﴾

”اور جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ کتاب و حکمت میں سے جو کچھ میں تمھیں دوں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔ (اللہ نے) فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد لیا؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا: تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“

[آل عمرٰن 81:3]

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾

”محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے۔ اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو جانتا ہے۔“ [الأحزاب 40:33]
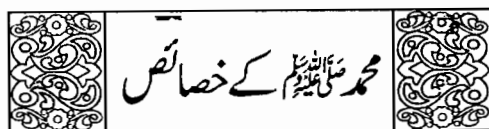
اکمل الانبیاء

نبی کریم ﷺ کے فطری اور اخلاقی فضائل دیکھ کر ہم اسی نتیجے پر پہنچے ہیں (کہ آپ نہ صرف اکمل الاخلاق ہیں بلکہ آپ میں تمام انبیاء کے کمالات جمع کر دیے گئے ہیں۔)

دیگر انبیاء سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے اور مدد کرنے کے عہد کا اللہ تعالیٰ نے یوں تذکرہ فرمایا:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴾

”اور جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا کہ کتاب وحکمت میں سے جو کچھ میں تمھیں دوں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی۔ (اللہ نے) فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری عہد لیا؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا: تو گواہ رہو اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۔“ [1]

[1] آل عمرٰن 81:3.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب لے کر آئے جو انھیں اہل کتاب سے ملی تھی۔ آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا: ''ابن خطاب! کیا تم ہلاکت کے اس گڑھے میں گرتے ہو......؟ قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انھیں بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارۂ کار نہ ہوتا۔'' [1]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اسراء و معراج والی رات تمام انبیاء کا امام بنایا جیسا کہ ہم واقعۂ معراج میں بیان کر چکے ہیں۔ ابن کثیر جیسے محققین نے یہی نکتہ نکالا ہے۔ [2]

عالمگیر رسالت

ہم یہ بات ''آپ کے خطوط و مکاتیب'' کے بیان میں بتا چکے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا﴾

''ہم نے تجھے سب لوگوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا۔'' [3]

خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''پہلے ہر نبی اپنی قوم ہی کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور مجھے سب لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہے۔'' [4]

صحیح مسلم کی روایت میں ہے: ''(مجھ سے پہلے) ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا جبکہ مجھے ہر سرخ و سیاہ (تمام انسانیت) کی طرف بھیجا گیا ہے۔'' [5]

---

[1] مسند أحمد3 / 387، وسنن الدارمي، حديث 444. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (مشكاة المصابيح للألباني 1 / 63) [2] تفسیر ابن کثیر 1: / 386. [3] سبا 34: 28.
[4] صحيح البخاري، التيمم، باب: (1)، حديث: 335. [5] صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 521.

قرآن کریم میں ناسخ اور منسوخ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ﴾

''ہم جو بھی آیت منسوخ کرتے ہیں یا بھلاتے ہیں اس سے بہتر یا (کم از کم) اس جیسی لے آتے ہیں۔''[1]

باقی آسمانی کتابوں میں ایسا نہیں تھا۔یہی وجہ ہے کہ یہودی نسخ کا انکار کرتے تھے۔ اس کی وجہ سیوطی کے مطابق یہ ہے کہ تمام کتابیں اپنے اپنے وقت پر یک مشت مکمل حالت میں اتریں۔ ان میں ناسخ اور منسوخ کا کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ ناسخ کے لیے شرط ہے کہ وہ منسوخ کے بعد اترے۔[2]

سب انبیاء سے زیادہ پیروکار

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا أَكْثَرُ الْأَنْبِيَاءِ تَبَعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»

''قیامت کے دن سب سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے۔''[3]

ایک روایت کے الفاظ ہیں: ''کسی نبی کی اس قدر تصدیق نہیں کی گئی جس قدر میری تصدیق کی گئی۔ بعض نبی ایسے بھی ہوئے جن کی تصدیق ان کی امت میں سے صرف ایک شخص نے کی۔''[4]

[1] البقرة2:106 . [2] تهذيب الخصائص للسيوطي، ص: 354. [3] صحيح مسلم، الإيمان، باب: في قول النبي ﷺ : أنا أول الناس يشفع في الجنة......، حديث:(331)-196. [4] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قول النبي ﷺ: أنا أول الناس يشفع في الجنة......، حديث: (332)-196.

آخری نبی و رسول

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾

''محمد تمھارے مردوں میں سے کسی کا باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کا رسول اور خاتم النبیین ہے۔ اور اللہ ہمیشہ سے ہر چیز کو جانتا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ ایک آدمی نے ایک گھر بنایا اور بہت خوبصورت اور دیدہ زیب بنایا مگر ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ لوگ اردگرد گھوم کر دیکھتے اور تعجب کرتے اور کہتے ہیں: یہاں اینٹ کیوں نہ لگائی گئی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو میں ہوں وہ اینٹ۔ میں خاتم النبیین ہوں۔''[2]

تحفظ قرآن

قرآن کریم کا کسی قسم کی تبدیلی اور تحریف سے محفوظ رہنا ایک معجزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾

''بلاشبہ ہم نے اس ''ذکر'' (قرآن) کو اتارا ہے اور یقیناً ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''[3]

معجزات کی بحث میں ہم قرآن مجید کے معجزات بیان کر چکے ہیں کہ دیگر انبیاء اور رسولوں کے معجزات تو انھی کے ساتھ ختم ہو گئے مگر قران کا معجزہ باقی ہے۔ شیخ عزالدین

---

[1] الأحزاب 40:33. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب خاتم النبيين ﷺ، حديث: 3535، وصحيح مسلم، الفضائل، باب ذكر كونه ﷺ خاتم النبيين، حديث: 2286. [3] الحجر 9:15.

ابن عبدالسلام نے کہا: ”قرآن کے معجزات ایک ہزار تک پہنچتے ہیں۔“ [1]

عذاب اور فتنوں سے بچاؤ کی ضمانت

رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہ کو عذاب اور فتنوں سے مامون رکھا۔ اللہ عزوجل نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝﴾

”جب تک تو ان میں ہے اللہ انھیں ہرگز عذاب نہیں دے گا۔ اور جب تک یہ استغفار کرتے رہیں گے تب تک اللہ انھیں عذاب نہیں دے گا۔“ [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ستارے آسمان کے لیے امن کی علامت ہیں۔ جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو اہلِ آسمان کے پاس ان کا موعود (جس شے کا وعدہ دیا گیا ہے) آجائے گا۔ میں اپنے ساتھیوں کے لیے امن کی ضمانت ہوں۔ جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ کے پاس ان کا موعود آجائے گا۔ میرے صحابہ میری امت کے لیے امن کی علامت ہیں جب وہ ختم ہو جائیں گے تو میری امت کے پاس ان کا موعود آجائے گا۔“ [3]

نیز فرمایا: ”...... رب کریم! کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کر رکھا کہ جب تک میں ان میں زندہ ہوں تو انھیں عذاب میں مبتلا نہ کرے گا؟ کیا تو نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو انھیں عذاب نہیں دے گا جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے۔“ [4]

---

[1] تهذيب الخصائص للسيوطي، ص: 353. اس کتاب میں قرآن کی اس معجزاتی خاصیت کے متعلق دیگر علماء کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔ یہ امر معروف ہے کہ آج بھی علمائے کرام مختلف میدانوں، بالخصوص سائنسی میدان میں قرآنی معجزات پر مطلع ہو رہے ہیں۔ [2] الأنفال 33:8. [3] صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب بيان أن بقاء النبي ﷺ أمان لأصحابه ......، حديث: 2531. [4] سنن أبي داود، صلاة الاستسقاء، باب: من قال يركع ركعتين، حديث: 1194. البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

ایک اور روایت میں ہے:

«رَبِّ! لَمْ تَعِدْنِي هٰذَا وَأَنَا أَسْتَغْفِرُكَ؟ لَمْ تَعِدْنِي هٰذَا وَأَنَا فِيهِمْ؟»

''اے میرے رب! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا، حالانکہ میں تجھ سے بخشش مانگ رہا ہوں؟ کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کر رکھا، حالانکہ میں ان میں موجود ہوں؟''[1]

حیات مبارکہ کی قسم

قسم ہمیشہ کسی عظیم المرتبت شے کی کھائی جاتی ہے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝﴾

''تیری زندگی کی قسم! وہ (قومِ لوط کے لوگ) اپنی مدہوشی میں حیران و سرگرداں تھے۔''[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی زندگی اور عمر عزیز کی قسم کھائی ہے۔[3]

قبر میں میت سے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں سوال

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فتنۂ قبر یہ ہوگا کہ میرے بارے میں تمھاری آزمائش ہوگی اور میرے بارے میں تم سے پوچھا جائے گا۔ میت نیک ہو تو اسے قبر میں بٹھا لیا جاتا ہے، اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی، پھر اس سے پوچھا جاتا ہے: ''تو کس حال میں رہا؟'' وہ کہتا ہے: ''میں اسلام پر کاربند رہا۔'' پھر اس سے سوال کیا جاتا ہے: ''وہ آدمی کون تھا جو تم میں (مبعوث ہوا) تھا؟'' وہ کہتا ہے: ''محمد رسول اللہ۔ آپ ہمارے پاس

[1] سنن النسائي، الكسوف، باب القول في السجود في صلاة الكسوف، حديث: 1497، ومسند أحمد: 159/2. احمد شاکر نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2] الحجر 72:15. [3] الوفا في أحوال المصطفى لابن الجوزي، ص: 364، و تهذيب الخصائص للسيوطي، ص: 357.

اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح آیات لے کر آئے۔'' پھر اس کے لیے جنت کی طرف سے ایک کھڑکی کھول دی جاتی ہے جس سے وہ جنت کی رونق اور زیب و زینت دیکھتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے: ''اس میں تیرا ٹھکانا یہ ہے۔'' نیز کہا جاتا ہے: تو یقین و ایمان پر زندہ رہا، اسی پر مرا اور ان شاء اللہ اسی پر اٹھایا جائے گا۔''[1]

''رسول'' اور ''نبی'' کے معزز وصف کے ذریعے سے خطاب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط ﴾

''اے رسول! تیرے رب کی طرف سے تیری طرف جو کچھ نازل ہوا، وہ پہنچا دے۔''[2]

نیز فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾

''اے نبی! اللہ تجھے اور مومنین میں سے انھیں جو تیری پیروی کریں، کافی ہے۔''[3]

نام سے پکارنے کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ کی عزت و تکریم کے پیش نظر آپ کا نام لے کر آپ کو بلانا منع ہے۔ وفد بنو تمیم کے بیان میں ہم اس کا ذکر کر چکے ہیں۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا ہے:

﴿ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ط ﴾

[1] مسند أحمد:6/140,139. تهذيب الخصائص کے محقق نے کہا: ''اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے۔'' [2] المآئدة5:67 . [3] الأنفال8:64.

''رسول (ﷺ) کو یوں نہ بلاؤ جیسے ایک دوسرے کو بلاتے ہو۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے نام سے مخاطب کیا لیکن ہمارے نبیٔ مکرم کو نام لے کر نہیں پکارا بلکہ فرمایا: ﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ ﴾ ''اے نبی!''[2]

اور کہیں فرمایا:

﴿ يَاَيُّهَا الرَّسُوْلُ ﴾ ''اے رسول!''[3]

اگر کہیں آپ کا نام لینے کی ضرورت پیش آئی تو ساتھ ہی وصف رسالت بھی بیان فرما دیا:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ ﴾

''محمد ایک رسول ہی ہے۔ اس سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔''[4]

﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''محمد اللہ کا رسول ہے۔''[5]

اور فرمایا:

﴿ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ ﴾

''اور وہ ایمان لائے اس کتاب پر جو محمد (ﷺ) پر اتاری گئی۔''[6]

شرح صدر

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ ﴾

''کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھول دیا اور ہم نے تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔ جس نے تیری پیٹھ توڑ دی تھی اور ہم نے تیرے لیے تیرا ذکر بلند کر دیا۔''[7]

[1] النور 24:63. [2] الأحزاب 33:1. [3] المآئدة 5:67. [4] اٰل عمرٰن 3:144. [5] الفتح 48:29. [6] محمد 47:2. [7] الانشراح 94:1-4. الوفا في أحوال المصطفٰی لابن الجوزي، ص:362، وتهذيب الخصائص الكبرٰی للسيوطي، ص:359.

سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں ایک فرشتہ آیا اور کہنے لگا: ''آپ خوش ہو جائیں کہ آپ کو دو نور ایسے دیے گئے ہیں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیے گئے: سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے تورات کی جگہ ابتدائی سات لمبی سورتیں (بقرہ سے توبہ تک) زبور کی جگہ مِئین (جن کی آیات سو سے زائد ہیں) اور انجیل کی جگہ مثانی (جن کی آیات سو سے کم ہیں) دی گئی ہیں اور مفصلات (آخری چھوٹی سورتیں، حجرات سے آخر تک) کے ذریعے سے مجھے فضیلت دی گئی ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے آداب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ۚ ﴾

''اے ایمان والو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنے لگو تو اپنی سرگوشی سے پہلے کچھ صدقہ پیش کرو۔''[3]

تہذیب الخصائص کے محقق کا خیال ہے کہ یہ حکم جاری ہونے کے بعد منسوخ کر دیا گیا جبکہ ابھی علی رضی اللہ عنہ کے سوا کسی نے اس پر عمل نہیں کیا تھا۔[4]

[1] صحیح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل الفاتحة و خواتيم سورة البقرة......، حديث: 806، وشرح النّووي على صحيح مسلم: 91/6. [2] مسند أبي داود الطيالسي، حديث: 1918، ومسند أحمد: 107/4. تهذيب الخصائص کے محقق نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

[3] المجادلة 12:58. [4] تهذيب الخصائص الكبرىٰ للسيوطي، ص: 364.

امتیازی فضائل

ایک روایت میں آیا ہے: ''مجھے دیگر انبیاء سے چھ فضائل کے ساتھ ممتاز کیا گیا ہے ! مجھے جامع کلمات دیے گئے (الفاظ کم، معانی بے بہا) اور ایک ماہ کے فاصلے تک میرا رعب و داب قائم کیا گیا اور میرے لیے مالِ غنیمت حلال قرار دیا گیا اور روئے ارض کو میرے لیے ذریعۂ طہارت اور مسجد بنا دیا گیا۔ اور مجھے سب لوگوں کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا اور مجھ پر نبیوں کا اختتام کر دیا گیا۔''[1] (ان آخری دو خصوصیات کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔)

اطاعت الٰہی کے ساتھ اطاعت رسول

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی اطاعت و معصیت اور فرائض و احکام اور وعدوں کے موقع پر آپ کا نام نامی بطور اکرام و تعظیم اپنے نام کے ساتھ بیان کیا ہے، مثلاً:

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﴾

''اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔''[2]

زمینی خزانوں کی چابیاں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے جامع کلمات کے ساتھ بھیجا گیا، رعب کے ذریعے سے میری مدد کی گئی ہے، اس دوران کہ میں سویا ہوا تھا، زمینی خزانوں کی چابیاں لا کر میرے ہاتھ پر رکھ دی گئیں۔'' راویِ حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''رسول اللہ ﷺ تو چلے گئے اور تم ان خزانوں کو نکال رہے ہو۔''[3]

[1] صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصّلاة، حديث: 523، والإشارة إلى سيرة المصطفٰى ﷺ لمغلطاني، ص: 458,457. [2] التغابن 12:64. الوفا في أحوال المصطفٰى لابن الجوزي، ص: 368، وتهذيب الخصائص للسيوطي، ص: 364. [3] صحيح البخاري، الجهاد ◄

مبارک اعضاء کا قرآن میں ذکر

اللہ تعالیٰ نے آپ کے چہرۂ مبارک کے بارے میں فرمایا:

﴿ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ ﴾

''یقیناً ہم آسمان میں تیرے چہرے کا بار بار اٹھنا دیکھتے ہیں۔'' [1]

آپ کی مبارک آنکھوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ﴾

''اور (اے نبی! ان چیزوں کی طرف) آپ اپنی نگاہیں ہرگز نہ اٹھائیں۔'' [2]

آپ کی مبارک زبان کے بارے میں فرمایا:

﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾

''ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان (عربی) میں آسان کیا ہے۔'' [3]

آپ کے قلب مبارک کے لیے فرمایا:

﴿ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ ﴾ ''اس نے اسے (قرآن مجید کو) تیرے دل پر نازل کیا ہے۔'' [4]

اسراء و معراج

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا ﴾

''پاک ہے وہ جو اپنے بندے کو ایک رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا۔'' [5]

والسير، باب قول النبي ﷺ نصرت بالرعب......، حديث: 2977، وصحيح مسلم، كتاب و باب المساجد و مواضع الصّلاة، حديث: 523. [1] البقرة2:144. [2] طٰه20:131. [3] مريم 19:97. [4] البقرة2:97. [5] بني إسرآءيل 17:1.

اس کی تفصیلات مکی دور کے واقعات میں گزر چکی ہیں۔

آگے پیچھے یکساں نظر آنا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم سمجھتے ہو کہ میری توجہ صرف سامنے ہوتی ہے؟ اللہ کی قسم! تمھارا رکوع اور سجدہ مجھ سے مخفی نہیں ہوتا۔ میں تمھیں اپنی پیٹھ پیچھے سے دیکھتا ہوں۔'' [1]

نماز عشاء

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے ایک دن عشاء کی نماز مؤخر کی، پھر مسجد میں تشریف لائے۔ لوگ نماز کے انتظار میں تھے۔ آپ نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ هٰذِهِ الْأَدْيَانِ أَحَدٌ يَّذْكُرُ اللّٰهَ هٰذِهِ السَّاعَةَ»

''سنو! ان ادیان والوں میں سے کوئی ایسا نہیں جو اس گھڑی اللہ کا ذکر کرتا ہو۔'' [2]

وسیلہ اور فضیلت کے درجات

وسیلہ جنت کا بلند ترین درجہ ہے۔ [3]

اور فضیلت مخلوق میں سب سے افضل درجہ ہے۔ ممکن ہے دونوں ایک ہی ہوں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے۔ [4]

[1] صحيح البخاري، الصلاة، باب عظة الإمام الناس في إتمام الصّلاة وذكر القبلة، حديث: 418، وصحيح مسلم، الصّلاة، باب الأمر بتحسين الصلاة......، حديث: 424. [2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل العشاء، حديث: 566، وصحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب وقت العشاء وتاخيرها، حديث: 638، نیز دیکھیے: (تهذيب الخصائص، ص: 370) [3] تفسير ابن كثير: 55/2. اس کے بارے میں ایک طویل حدیث مروی ہے۔ اسے روایت کرنے والوں میں بخاری، مسلم اور ترمذی شامل ہیں۔ [4] فتح الباري: 113/2.

مقامِ محمود اور شفاعت کبریٰ

اکثر اہل علم کے نزدیک اس سے مراد وہ مقام ہے جو رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے دن سب لوگوں کی شفاعت کے لیے نصیب ہوگا۔ مقصد یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر تخفیف کرے اور حشر کی شدت کم کردے۔ [1] ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک مقام محمود اور شفاعت کبریٰ ایک ہی ہے جو قیامت کے دن انبیاء میں سے صرف رسول اللہ ﷺ کو نصیب ہوگا۔

سب سے پہلے زمین سے نکلنا

قیامت کے دن سب سے پہلے نبی کریم ﷺ ہوش میں آئیں گے۔ [2] محشر میں آپ کو جنتی لباس پہنایا جائے گا اور آپ کا مقام عرش کے دائیں ہاتھ ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں سب سے پہلے زمین سے نکلوں گا، پھر مجھے جنتی لباس پہنایا جائے گا، پھر میں عرش کے دائیں جانب کھڑا ہو جاؤں گا۔ میرے سوا تمام مخلوق میں سے کوئی بھی اس جگہ کھڑا نہ ہوگا۔'' [3]

نیز فرمایا: ''سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا۔'' [4]

سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب انبیاء سے زیادہ پیروکار میرے ہوں گے اور میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھٹکھٹاؤں گا۔'' [5]

---

[1] تفسير الطبري: 15/97، وفتح الباري: 11/435. [2] فتح الباري: 3/398، وتهذيب الخصائص للسيوطي: 386و394. [3] جامع الترمذي، المناقب، باب أنا أول الناس خروجا إذا بعثوا......، حديث : 3611. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔'' [4] فتح الباري: 7/254، وشرح النووي على صحيح مسلم : 15/130، وتهذيب الخصائص للسيوطي، ص : 385. [5] صحيح مسلم، الإيمان، باب في قول النبي ﷺ: أنا أوّل الناس يشفع في الجنة......، ◄◄

قیامت کے دن ہر تعلق داری ٹوٹ جائے گی

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہما سے نکاح کیا تو میں نے انھیں لوگوں سے کہتے سنا: ''تم مجھے مبارکباد کیوں نہیں دیتے؟! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا:

«يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ إِلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي»

''قیامت کے دن ہر تعلق داری اور رشتے داری ٹوٹ جائے گی سوائے میری تعلق داری اور رشتے داری کے۔''[1]

سب سے پہلے پل صراط سے گزریں گے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جہنم کے اوپر ایک پل رکھا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اس سے گزروں گا۔''[2]

اعزازِ کوثر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

» حدیث: 196، والإشارة إلى سيرة المصطفى ﷺ لمغلطائي، ص: 457، وتهذيب الخصائص للسيوطي، ص: 385. [1] مجمع الزوائد: 4/272,271. یہ طبرانی کی روایت ہے جس کے راوی صحیح کے راوی ہیں سوائے حسن بن سہل کے اور وہ ثقہ ہے۔ والمستدرك للحاكم: 3/142. یہ روایت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ مجمع الزوائد میں طبرانی کی روایت سے اس کی چند سندیں اور شواہد ہیں۔ ہیثمی نے کہا: ''اس کے راوی ثقہ ہیں اور اس حدیث کو ایک جماعت نے صحیح قرار دیا ہے۔'' دیکھیے: (حاشية تهذيب الخصائص، ص: 395، حديث: 576) [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب الصراط جسر جهنم، حديث: 6573، وصحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حديث: 182.

﴿ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ ﴾ ''یقیناً ہم نے آپ کو ''کوثر'' عطا کیا۔''[1]

جب یہ سورت آپ پر نازل ہوئی تو آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''کوثر'' جنت میں ایک نہر ہے جس پر خیر کثیر ہے۔'' آپ کی ساری امت اس نہر پر پانی پینے جائے گی۔ اس کے برتن آسمان کے تاروں کی طرح بے شمار ہوں گے۔''[2]

منبر اور گھر کی درمیانی جگہ ریاض الجنہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے گھر اور منبر کی درمیانی جگہ جنت کا باغیچہ ہے۔''[3]

جنت میں بلا حساب داخلہ

نبی کریم ﷺ کی امت میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب جنت میں داخل ہوں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار مزید ہوں گے۔ یہ امتیاز کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔[4]

دعائے مستجاب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر نبی کے لیے ایک دعا ایسی ہوتی ہے جو لازماً قبول ہوتی ہے۔ میں نے اپنی وہ دعا قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے رکھ چھوڑی

[1] الكوثر 1:108. [2] صحيح مسلم، الطهارة، باب استحباب إطالة الغرة……، حديث: 247، ومسند أحمد: 102/3. [3] صحيح البخاري، فضائل المدينة، باب: (12)، حديث: 1888، وصحيح مسلم، الحجّ، باب فضل ما بين قبره ﷺ ومنبره……، حديث: 1390. [4] صحيح البخاري، الرقاق ، باب يدخلون الجنة سبعون ألفًا بغير حساب، حديث: 6541، وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على دخول طوائف من المسلمين……، حديث: 216، وجامع الترمذي، صفة القيامة، باب منه دخول سبعين ألفا بغير حساب……، حديث: 2437، وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد، حديث: 4286، و مسند أحمد: 271/1، 250/5

ہے جبکہ ہر نبی نے اپنی اپنی دعا دنیا ہی میں کر لی۔ ان شاء اللہ میری شفاعت میری امت کے ہر اس شخص کو حاصل ہو گی جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوگا۔'' [1]

آپ کی کنیت دوسرے کے لیے ممنوع ہے

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''رسول اللہ ﷺ نے اس امر سے منع کیا کہ کوئی شخص آپ کے نام اور کنیت کو جمع کرے، یعنی اپنا نام محمد ابو القاسم رکھے۔'' [2]

انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میرے نام پر نام تو رکھ سکتے ہو مگر میری کنیت پر اپنی کنیت نہ رکھو۔'' [3]

اس کے بارے میں بحث آپ ﷺ کے بچپن کے واقعات کے تحت '' نام اور ختنہ '' کے عنوان سے گزر چکی ہے۔

تحفہ قبول کرنے کی حلت

اس کی مثالیں شمائل و معجزات میں بیان ہو چکی ہیں جبکہ دوسرے حکام (حکمران و خلیفہ) کے لیے تحفہ قبول کرنے کی اجازت نہیں۔

[1] صحيح البخاري، الدّعوات ، باب لكل نبي دعوة مستجابة، حديث: 6304، وصحيح مسلم، الإيمان، باب اختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لأمته، حديث: 199 ، واللفظ له. [2] جامع الترمذي، الأدب، باب ماجاء في كراهية الجمع بين اسم النبي ﷺ وكنيته، حديث: 2841. ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، و الأدب المفرد للبخاري، حديث: 844، و تهذيب الخصائص للسيوطي، ص: 366، حديث: 519. [3] صحيح البخاري، الأدب، باب قول النبي ﷺ سموا باسمي ولا تكنوا بكنيتي، حديث: 6187، وصحيح مسلم، الآداب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم......، حديث: 2131.

صدقہ وزکاۃ کی حرمت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ»

''یہ صدقات لوگوں کا میل کچیل ہیں۔ یہ محمد (ﷺ) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں۔''[1]
بلکہ آپ کے آزاد کردہ غلاموں اور آپ کی آل کے آزاد کردہ غلاموں کے لیے بھی زکاۃ وصدقات حلال نہیں۔

''ساتھی جن'' کا مسلمان ہونا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہر شخص کے ساتھ ایک جن ساتھی ہوتا ہے اور ایک فرشتہ۔'' لوگوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی؟'' فرمایا: ''میرے ساتھ بھی لیکن میرے جن کے خلاف اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے اور وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ اب وہ بھی مجھے نیکی ہی کا مشورہ دیتا ہے۔''[2]

تبرک

رسول اللہ ﷺ کے باقی ماندہ کھانے سے تبرک حاصل کرنے کا ذکر گزر چکا ہے جبکہ آپ ہجرت کر کے ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما ہوئے تھے۔

[1] صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي على الصدقة، حديث: 1072، و شرح النووي على صحيح مسلم: 7/179-181. [2] صحيح مسلم، صفات المنافقين و أحكامهم، باب تحريش الشيطان......، حديث: 2814، ومسند أحمد: 1/401، واللفظ له، وسنن الدارمي، حديث: 2737، و تهذيب الخصائص للسيوطي: 357، حديث: 508.

نبیِ کریم ﷺ کے مبارک پسینے سے تبرک حاصل کرنے کا ذکر انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آیا ہے۔ یہ حدیث کئی سندوں سے مروی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ایک دفعہ نبیِ کریم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ آپ سو گئے۔ آپ کو پسینہ آیا۔ میری والدہ محترمہ ایک شیشی لے آئیں اور پسینہ صاف کر کے شیشی میں ڈالنے لگیں۔ نبیِ کریم ﷺ جاگ اٹھے، فرمایا: ''ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟'' وہ کہنے لگیں: ''یہ آپ کا پسینہ ہے۔ اسے ہم اپنی خوشبو میں ڈالیں گے۔ یہ تو اعلیٰ درجے کی خوشبو ہے۔''

اس کی تائید کنندہ ایک روایت میں ہے کہ وہ کہنے لگیں: ''اے اللہ کے رسول! ہم اپنے بچوں کے لیے اس کی برکت کی امید رکھتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو نے اچھا کیا۔''[1]

آپ کی امت خیر الامم ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے دیگر انبیاء پر چھ فضیلتیں عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ میری امت کو خیر الامم (بہترین امت) بنایا گیا ہے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے ایسی بہت سی چیزیں حلال کر دیں جن کے بارے میں دوسری امتوں پر سختی کی گئی تھی اور ہم پر کوئی تنگی نہیں رہنے دی۔''[3]

جمعہ کے دن کی خصوصیت

رسول اللہ ﷺ نے اس دن کے بارے میں فرمایا: ''بہترین دن جس میں سورج

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب طيب عرقه والتبرك به، حديث:2332,2331. [2] مجمع الزّوائد للهيثمي: 269/8. ہیثمی نے کہا: ''اسے بزار نے روایت کیا اور اس کی سندِ جید ہے۔'' وتهذيب الخصائص الكبرىٰ للسيوطي: 336/2. سیوطی نے اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے۔ [3] مسند أحمد: 393/5. ہیثمی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 69,68/10)

طلوع ہوا جمعہ کا دن ہے۔ اس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے، اسی دن جنت سے اتارے گئے، اسی دن ان کی توبہ قبول ہوئی، اسی دن وہ فوت ہوئے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔ اس دن جن وانس کے سوا ہر جاندار کان لگائے ہوتا ہے۔ صبح سے سورج طلوع ہونے تک ڈرتا رہتا ہے مبادا قیامت آجائے۔ اس دن ایک ایسا وقت ہوتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان اس وقت نماز پڑھ رہا ہو تو جو مانگے گا اسے ملے گا۔''[1]

قلب مبارک بیدار رہتا تھا

عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟'' فرمایا:

«تَنَامُ عَيْنِي وَلَا يَنَامُ قَلْبِي» ''میری آنکھیں سوتی ہیں اور میرا دل نہیں سوتا۔''[2]

وصال کی اجازت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پے در پے روزے نہ رکھا کرو۔'' صحابہ نے کہا: ''آپ تو پے در پے روزے رکھتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''میں تم جیسا نہیں۔ مجھے کھلایا پلایا جاتا ہے۔''[3]

ایک اور روایت میں ہے: ''میری تمھاری حالت میں فرق ہے۔ میرا رب کریم مجھے

[1] سنن أبي داود، الصّلاة، باب فضل يوم الجمعة وليلة الجمعة، حديث:1046، وجامع الترمذي، الجمعة، باب ماجاء في الساعة التي ترجٰى في يوم الجمعة، حديث:491. ترمذی نے کہا: ''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔'' وصحيح الجامع الصّغير، حديث:3329. البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [2] صحيح البخاري، المناقب، باب كان النبيﷺ تنام عينه ولاينام قلبه، حديث: 3570,3569، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، باب صلاة النبيﷺ ودعائه بالليل، حديث:(186)-763. [3] صحيح البخاري، الصّوم، باب الوصال، حديث:1961، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، حديث:1102.

کھلاتا پلاتا رہتا ہے۔"[1]

ولی اور گواہوں کے بغیر نکاح

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی حدیث جو امہات المومنین کے عنوان کے تحت بیان ہو چکی ہے، اس میں مذکور ہے کہ زینب رضی اللہ عنہا دیگر ازواج نبی پر فخر کیا کرتی اور کہتی تھیں: "تمھاری شادی تمھارے اولیاء نے کی جبکہ میری شادی اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر کی۔"[2]

چار سے زیادہ بیویوں سے نکاح

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ﴾

"اے نبی! ہم نے تیرے لیے تیری وہ تمام بیویاں حلال کر دی ہیں جن کے مہر تو نے ادا کر دیے یا جو مال غنیمت سے تیری لونڈیاں ہیں۔"[3]

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "رسول اللہ ﷺ کی وفات سے قبل اللہ نے آپ کے لیے حلال قرار دے دیا تھا کہ آپ جتنی عورتوں سے چاہیں شادی کریں۔"[4]

لیٹ کر سونے سے آپ کا وضو نہیں ٹوٹتا تھا

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: "نبی کریم ﷺ سوئے حتی کہ خراٹے بھرنے لگے، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔"[5]

[1] صحيح البخاري، الصوم، باب الوصال، حديث: 1964، وصحيح مسلم، الصيام، باب النهي عن الوصال، خديث: 1105. [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب:(22)، حديث:7420. [3] الأحزاب 50:33. [4] سنن النسائي، النكاح، باب ما افترض الله عزوجل على رسوله عليه السلام......، حديث:3207. [5] صحيح البخاري، الوضوء، باب التخفيف في الوضوء،

بغیر دیکھے گواہی

رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے واقعے سے ثابت ہوتی ہے۔ واقعہ یوں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا۔ بعد میں وہ مکر گیا اور آپ سے سودے کا کوئی گواہ مانگا۔ سوڈے کے موقع پر کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اتنے میں خزیمہ رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ اعرابی سے کہنے لگے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم نے سودا کیا تھا۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر قرار دے دی۔ [1]

بغیر گواہوں کے فیصلہ

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ ہند نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''ابوسفیان کنجوس آدمی ہے۔ اگر میں بال بچوں پر اس کی اجازت کے بغیر اس کے مال سے خرچ کر دوں تو کیا کوئی حرج ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تجھ پر کوئی حرج نہیں۔'' [2]

تقسیم سے پہلے مال غنیمت سے کوئی چیز اپنے لیے پسند کر سکتے تھے

اسے شرعی اصطلاح میں صَفِيّ کہا جاتا تھا۔ سنن ابو داود اور بیہقی میں یہ بات صراحت

◄◄ حدیث: 138، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث: 763. [1] سنن أبي داود، القضاء، باب إذا علم الحاكم صدق شهادة الواحد......، حديث: 3607، والمستدرك للحاكم: 177/2. حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ والخصائص للبيهقي: 66/7. ہیثمی نے اسے مجمع الزوائد میں طبرانی کے حوالے سے نقل کیا ہے، اس حدیث کی سند کے راوی ثقہ ہیں، دیکھیے: (مجمع الزوائد: 320/9) [2] صحيح البخاري، الأحكام، باب من رأى للقاضي أن يحكم بعلمه في أمر الناس إذا لم يَخَف الظنون والتهمة، حديث: 7161. بیہقی نے خصائص میں اس روایت سے دلیل لی ہے۔

سے آئی ہے،[1] دیکھیے حدیث وفد عبدالقیس۔[2]

پسندیدہ چیز کا حصول

اگر نبی کریم ﷺ کو کھانے پینے کی کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو آپ (اس چیز کے) مالک سے لے سکتے تھے اور مالک کے لیے آپ کو وہ چیز دینا ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

''نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے۔''[3]

ازواج مطہرات کو نکاح کی ممانعت

جن ازواج مطہرات کو آپ چھوڑ کر فوت ہوئے وہ کسی بھی شخص کے لیے ہمیشہ حرام ہیں، جن بیویوں کو آپ اپنی زندگی میں چھوڑ چکے تھے ان کے بارے میں بھی زیادہ صحیح یہی ہے کہ وہ بھی دوسروں کے لیے حرام ہیں۔ اس کے بارے میں اہل علم نے اس آیت سے دلیل لی ہے:

﴿اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ۭ﴾

''نبی مومنین پر ان کی اپنی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''[4]

نیز یہ آیت بھی دلیل ہے:

﴿وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ﴾

''تمھارے لیے یہ قطعاً مناسب نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو یا اس کی وفات

[1] سنن أبي داود، الخراج والفيء والإمارة، باب ماجاء في سهم الصفي، حديث: 2991، والسنن الكبرى للبيهقي، كتاب قسم الفيء والغنيمة، باب سهم الصّفي: 303/6. [2] المغني لابن قدامة: 292/9. [3] الأحزاب 6:33. [4] الأحزاب 6:33.

کے بعد اس کی بیویوں سے کبھی نکاح کرو۔‘‘ [1]

رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں

اس کی دلیل گزشتہ آیت سے ثابت ہے۔

رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ باندھنے کی وعید

رسول اللہ ﷺ کا نام لے کر جھوٹ بولنا کسی عام آدمی کے نام پر جھوٹ بولنے کی طرح نہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى أَحَدٍ، فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

’’مجھ پر جھوٹ گھڑنا کسی اور پر جھوٹ گھڑنے کی طرح نہیں۔ جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ گھڑے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنا لے۔‘‘ [2]

آپ ﷺ کو خواب میں دیکھنا بھی حقیقت ہے

جو شخص رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے، اس نے حقیقتاً آپ ہی کو دیکھا۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔‘‘ [3]

اجساد انبیاء و نبی ﷺ کے جسم کی حفاظت

زمین نبیِ کریم ﷺ کے جسم مبارک کا بال بیکا نہیں کرے گی، باقی انبیاء کی نسبت بھی

[1] الأحزاب 53:33. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من النياحة على الميت، حديث: 1291، وصحيح مسلم، المقدمة، باب تغليظ الكذب على رسول الله ﷺ، حديث: 4.
[3] صحيح البخاري، العلم، باب إثم من كذب على النبي ﷺ، حديث: 110، وصحيح مسلم، الرؤيا، باب قول النبي ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني، حديث: 2266.

یہی حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَنْ تَأْكُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ»

''اللہ تعالیٰ نے زمین کے لیے حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسم کھائے۔'' [1]

نبی ﷺ کو گالی دینا اور آپ کی توہین کرنا کفر ہے

جو شخص رسول اللہ ﷺ کی توہین کرے یا آپ کو گالی دے وہ کافر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ ﴾

''یقیناً جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں اللہ نے دنیا اور آخرت میں ان پر لعنت کی اور ان کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' [2]

نیز فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ ﴾

''اور جو لوگ رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' [3]

روایت ہے کہ ایک شخص نے اپنی ام ولد (لونڈی جس سے مالک کا بچہ پیدا ہو چکا ہو) کو قتل کر دیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتی تھی۔ وہ اسے روکا کرتا تھا لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ آخر اس نے اسے برچھا مار کر قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس لونڈی کا خون رائیگاں قرار دے دیا۔ [4]

[1] سنن أبي داود، الصلاة، باب فضل يوم الجمعة، حديث: 1047، وسنن ابن ماجه، الصيام، باب ذكر وفاته ودفنه، حديث: 1636، و مسند أحمد: 8/4. ابن خزیمہ اور حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس کے چند شواہد بھی ہیں۔ [2] الأحزاب 57:33. [3] التوبة 61:9. [4] سنن أبي داود، الحدود، باب الحكم فيمن سب النبي ﷺ، حديث: 4361. البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے اقوال و افعال میں معصوم تھے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ ﴾

''تمھارا صاحب نہ راستہ بھولا نہ بھٹکا۔ اور وہ خواہش سے کوئی بات نہیں کرتا۔''[1]

چنانچہ آپ ﷺ ہر قسم کے گناہ سے معصوم ہیں، صغیرہ ہو یا کبیرہ، عمداً ہو یا بھول کر۔[2]

اسلحہ پہن کر لڑے بغیر اتارنے کی پابندی

اللہ نے آپ پر پابندی لگائی تھی کہ ایک دفعہ اسلحہ پہن کر لڑے بغیر نہ اتاریں یہ بات ہم غزوۂ احد کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔ خود آپ ﷺ نے فرمایا ہے: ''کسی نبی کو جائز نہیں کہ اسلحہ پہن لے تو بغیر لڑے اسے اتار دے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر آنکھوں کی خیانت حرام قرار دی ہے

یعنی کسی مباح کام، مثلاً: قتل یا ضرب وغیرہ کے لیے بھی خفیہ اشارہ آپ کے لیے جائز نہ تھا جبکہ عوام الناس کے لیے صرف حرام چیز کی طرف اشارہ ممنوع ہے۔[4] اس کی مثال عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے واقعے میں گزر چکی ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ نے اس کے بارے میں اعلان فرمایا تھا کہ جہاں ملے قتل کر دیا جائے لیکن اس نے جان کی

[1] النجم 53:2،3. [2] تهذيب الخصائص الكبرى للسيوطي، ص: 434. [3] مسند أحمد: 351/3، وسنن الدارمي، الرؤيا، باب في القمص والبئر……، حديث: 2155. ابن حجر نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (فتح الباري: 353/13) وصحيح البخاري، الاعتصام، باب قول الله تعالى: ﴿ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ﴾ …… ، قبل الحديث: 7369، معلقًا. [4] الخصائص الكبرى للسيوطي: 415/2. یہ رافعی کا قول ہے۔

امان حاصل کر لی تھی۔'' [1]

نبی ﷺ کی وراثت صدقہ ہے

دیگر انبیاء کی طرح آپ کے ترکے میں بھی وراثت جاری نہ ہو سکتی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انبیاء کسی کو درہم و دینار کا وارث نہیں بناتے بلکہ وہ علم کا وارث بناتے ہیں۔'' [2]

نیز فرمایا: ''ہم وارث نہیں بناتے۔ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔'' [3]

کسی مسلمان پر آپ کی بددعا اور ناراضی

رسول اللہ ﷺ جس پر بددعا کر بیٹھتے یا جس سے ناراض ہوتے تو یہ اس کے گناہ کا کفارہ بن جاتا تھا۔ یہ بات ہم شمائل کے تحت ''آپ کی شفقت'' میں بیان کر چکے ہیں۔

دشمنوں کی ہرزہ سرائیوں کا منجاب اللہ جواب

اللہ تعالیٰ نے آپ پر کیے جانے والے اعتراضات کے خود جواب دیے ہیں، مثلاً:

جب مشرکین نے رسول اللہ ﷺ کو شاعر کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ﴾ ''اور ہم نے اسے شعر نہیں سکھائے۔'' [4]

---

[1] سنن أبي داود، الحدود، باب الحكم فيمن ارتد، حديث:4359، و المستدرك للحاكم:45/3. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ والسنن الكبرٰى للبيهقي: 40/7. ابن حجر نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (التلخيص الحبير: 130/3) [2] سنن أبي داود، العلم، باب في فضل العلم، حديث: 3641، وجامع الترمذي، العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة، حديث: 2682، و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء، حديث: 223، ومسند أحمد: 196/5. البانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصغير، حديث: 6173) [3] صحيح البخاري، الفرائض، باب لانورث، ماتركنا صدقة، حديث: 6730، وصحيح مسلم، الجهاد، باب قول النبي ﷺ لانورث، ما تركنا فهو صدقة، حديث: 1758. [4] يٰسٓ 69:36.

جب انھوں نے آپ کو فال گو (کاہن) کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ﴾ ''اور یہ کسی فال گو (کاہن) کی بات نہیں۔''[1]

پھر جب انھوں نے آپ کو ''گمراہ'' ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ﴾ ''تمھارا صاحب گمراہ نہیں، نہ وہ بھٹکا ہے۔''[2]

اور جب انھوں نے آپ کو مجنون کہا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴾ ''تو اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں۔''[3]

یہ بات ہم ''دعوتِ اسلام کی مخالفت'' میں عنوان: جھوٹے الزامات میں بیان کر چکے ہیں۔

اگلے پچھلے گناہوں کی معافی

اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم ﷺ کے گناہوں کی معافی کا اعلان فرمایا مگر کسی گناہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ ﴾

''تاکہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دے۔''[4]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیگر انبیاء کی کسی نہ کسی غلطی کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا، مثلاً: آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ ﴾

''اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، لہٰذا وہ بھٹک گیا، پھر اس کے رب نے اسے چن لیا، اس کی توبہ قبول فرمائی اور اسے راہ راست پر لایا۔''[5]

موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے کہ انھوں نے کہا:

---

[1] الحاقة 69:42. [2] النجم 53:2. [3] القلم 68:2. الوفا بأحوال المصطفى لابن الجوزي، ص: 364. [4] الفتح 48:2. [5] طٰه 20:121،122.

﴿ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا ﴾ ”میں نے ان میں سے ایک جان کو قتل کیا تھا۔“[1]

پھر درخواست کی:

﴿ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْ لِیْ ﴾ ”اے میرے رب! میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، تو مجھے معاف کر دے۔“[2]

داود علیہ السلام کی غلطی کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ﴾ ”تو ہم نے اس کی یہ غلطی معاف فرما دی۔“[3]

سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمٰنَ ﴾ ”یقیناً ہم نے سلیمان کو آزمائش میں ڈالا۔“

آخر میں فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَنَابَ ○ ﴾ ”پھر اس نے رجوع کیا۔“[4]

آپ ﷺ کے لیے بھی خلیل اللہ کا اعزاز

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح آپ کو بھی اپنا خلیل (گہرا اور دلی دوست) بنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا: ”......لیکن تمھارا صاحب اللہ کا خلیل ہے۔“[5]

اعزاز نبوت

رسول اللہ ﷺ آدم علیہ السلام میں روح پھونکے جانے سے قبل بھی نبی تھے۔ میسرۃ الفجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! آپ کب سے نبی ہیں؟“ آپ نے فرمایا:

[1] القصص 33:28. [2] القصص 16:28. [3] صٓ 25:38. [4] صٓ 34:38. الوفا بأحوال المصطفٰی لابن الجوزي، ص:364. [5] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بکر، حدیث:2383، وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب في فضائل أصحاب الرسول ﷺ، حدیث:93، ومسند أحمد:1/377و389.

«وَآدَمُ علیہ السلام بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ» ”جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔“ [1]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: لوگوں نے پوچھا: ”اے اللہ کے رسول! آپ کے لیے نبوت کب ثابت ہوئی؟“ آپ نے فرمایا:

«وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ» ”جبکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔“ [2]

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میں اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبیین تھا جبکہ آدم اپنے گارے میں گرے پڑے تھے۔“ [3]

بحالتِ غصہ فیصلہ وفتویٰ کا مجاز نبوی

رسول اللہ ﷺ غصے کی حالت میں بھی فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کے مجاز تھے کیونکہ آپ ﷺ معصوم تھے۔ اس بات کا تذکرہ امام نووی رحمہ اللہ نے لقطہ والی حدیث کے تحت کیا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ انتہائی غصے کی حالت میں فتویٰ دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔ [4]

رسول اللہ ﷺ پر تہجد کی نماز واجب تھی

اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾

[1] مسند أحمد: 59/5، والمستدرك للحاكم: 609,608/2، والتاريخ الكبير للبخاري: 47/7. اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حاکم و ذہبی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [2] جامع الترمذي، المناقب، باب ما جاء في فضل النبي ﷺ، حديث: 3609. تهذیب الخصائص کے محقق تلیدی نے کہا: ”اس حدیث کی سند ان کے نزدیک مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔“ [3] مسند أحمد: 128,127/4. الموسوعة الحديثية کے محققین نے اسے بربنائے شواہد صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 395/28، حديث: 17163) تهذیب الخصائص کے محقق نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [4] تهذیب الخصائص الكبرىٰ للسيوطي، ص: 417.

”رات کا کچھ حصہ اٹھ کر نماز پڑھ۔ یہ خصوصاً تیرے لیے ہے۔ بہت امید ہے کہ تیرا رب تجھے مقام محمود پر پہنچا دے۔“[1]

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَآأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○﴾

”اے کپڑے میں لپٹنے والے! رات کو قیام کر مگر تھوڑا۔“[2]

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو اتنا قیام کرتے کہ آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے۔[3]

فوت شدہ مسلمان مقروض کا قرض ادا کرنا

رسول اکرم ﷺ کو یہ حکم تھا کہ اگر کوئی تنگ دست مقروض مسلمان فوت ہو جائے تو اس کا قرض ادا کریں۔ اس کی دلیل آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے: ”میں ہر مسلمان پر اس کی جان سے بڑھ کر حق رکھتا ہوں۔ جو شخص مال چھوڑ کر فوت ہو، اس کا مال اس کے وارثوں کے لیے ہے اور جو قرض یا یتیم بچے چھوڑ کر فوت ہو تو وہ قرض میرے ذمہ ہے اور وہ بچے میرے سپرد ہوں گے۔“[4]

ایک روایت میں ہے: ”میں مومنین پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتا ہوں۔ جو مومن قرض چھوڑ کر فوت ہو جائے اس کے قرض کا ذمہ دار میں ہوں اور جو مال چھوڑ کر فوت ہو اس کا مال اس کے ورثاء کے لیے ہے۔“[5]

[1] بني إسرآء يل 79:17 . [2] المزمل 2،1:73. [3] صحيح البخاري، التهجد، باب قيام النبي ﷺ الليل، حديث: 1130. [4] صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، حديث: 867. [5] صحيح البخاري، الكفالة، باب الدَّين، حديث: 2298، وصحيح مسلم، الفرائض، باب من ترك مالاً فلورثته، حديث: 1619.

ناگوار بو والی چیز حرام

نبی کریم ﷺ کے لیے خاص طور پر وہ چیز حرام تھی جس کی بو ناگوار ہو۔ یہ بات بھی صحیح بخاری میں ہے۔ [1]

نبی اُمّی ہونا

رسول اللہ ﷺ کے لیے کتابت کرنا اور شعر پڑھنا یا کہنا ممنوع تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَمَا كُنْتَ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ ﴾

”تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا تھا ورنہ باطل پرست شک کرتے۔“ [2]

نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ط ﴾

”ہم نے اسے شعر نہیں سکھائے اور نہ وہ اس کے لائق ہیں۔“ [3]

زیادہ لینے کی غرض سے احسان کی ممانعت

رسول اللہ ﷺ کے لیے زیادہ لینے کی غرض سے احسان کرنا حرام تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

[1] صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الأحكام التي تعرف بالدلائل......، حديث: 7359، وصحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب نهي من أكل ثومًا أو بصلًا أوكراثاً أونحوها ممّا له رائحة كريهة عن حضور المسجد حتى تذهب ذلك الريح، حديث:564-567.

[2] العنكبوت 48:29. [3] يٰسٓ 69:36.

﴿ وَلَا تَمۡنُنۡ تَسۡتَكۡثِرُ ﴾ ''اور (اس نیت سے) احسان نہ کر کہ زیادہ حاصل کرے۔'' [1]
مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ حکم آپ ﷺ کے لیے خاص تھا۔

نعمتوں کی ناجائز طمع

رسول اللہ ﷺ کے لیے حرام تھا کہ لوگوں کو دی گئی مختلف نعمتوں کی طرف طمع کی نظر سے دیکھیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعۡنَا بِهِۦٓ أَزۡوَٰجًا مِّنۡهُمۡ ﴾

''اور اپنی آنکھیں ان چیزوں کی طرف ہرگز نہ اٹھا جو ہم نے ان کے مختلف قسم کے لوگوں کو دی ہیں۔'' [2]

ناپسند کرنے والی بیوی

نبیِ کریم ﷺ کے لیے ایسی بیوی کو اپنے گھر رکھنا حرام تھا جو آپ کو پسند نہ کرتی ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ کہ بنت جَون سے نکاح کے بعد جب آپ اس کے پاس گئے اور قریب ہوئے تو وہ کہنے لگی: ''میں آپ (ﷺ) سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتی ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے بڑے عظیم کی پناہ طلب کی ہے، لہٰذا اپنے گھر چلی جاؤ۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ کے لیے عصر کے بعد نماز پڑھنا جائز تھا

اس کی دلیل یہ ہے:

عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان دو رکعات کے بارے میں پوچھا گیا جو آپ عصر کے بعد پڑھا کرتے تھے تو انھوں نے بتایا: '' آپ ﷺ یہ دو رکعتیں عصر سے قبل پڑھا کرتے تھے۔

[1] المدثر 6:74. [2] طٰہٰ 131:20. [3] صحيح البخاري، الطّلاق، باب من طلّق، وهل يواجه الرجل امرأته بالطّلاق؟ حديث: 5254.

ایک دن آپ مصروف تھے اور یہ دو رکعت نہ پڑھ سکے تو آپ نے عصر کے بعد پڑھ لیں۔ آپ ﷺ نے انھیں جاری رکھا کیونکہ جب آپ کوئی نفل نماز پڑھتے تو اسے ہمیشہ پڑھا کرتے تھے۔"[1]

عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی روایت ہے، انھوں نے بتایا کہ "دو رکعات آپ ﷺ کبھی نہ چھوڑا کرتے تھے، خواہ علیحدگی میں پڑھتے خواہ دوسروں کے سامنے۔ صبح کی نماز سے قبل دو رکعت اور عصر کے بعد دو رکعت۔"[2]

بلد حرام میں بغیر احرام کے داخل ہونا اور جز وقتی لڑائی کی اجازت

رسول اللہ ﷺ کے لیے مکہ مکرمہ میں لڑائی کرنا جائز تھا اور آپ وہاں قتل کرنے کے مجاز بھی تھے اس کی ایک دلیل تو انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں فتح کے موقع پر داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا۔ جب آپ نے خود اتارا تو ایک شخص نے آکر کہا: "ابن خطل کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے۔" فرمایا: "اسے قتل کر دو۔"[3]

ابو شریح عدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: میں نے فتح مکہ کے دن اللہ کے رسول ﷺ کو سنا کہ آپ کہہ رہے تھے: "مکہ مکرمہ کو اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے، لوگوں

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب معرفة الركعتين اللتين كان يصليهما النبيﷺ بعد العصر، حديث: 835. صحیح بخاری میں اسی مضمون کی ایک تفصیلی روایت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، السهو، باب إذا كُلِّم وهويصلي......، حديث: 1233) [2] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب مايصلي بعد العصر من الفوائت ونحوها، حديث: 592، وصحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب معرفة الركعتين اللتين كان يصليهما النبيﷺ بعد العصر، حديث: 835. [3] صحيح البخاري، المغازي، باب: أين ركز النبيﷺ الرّاية يوم الفتح؟ حديث: 4286، وصحيح مسلم، الحج، باب جواز دخول مكة بغير إحرام، حديث: 1357، واللفظ له.

نے نہیں، لہٰذا کسی ایسے آدمی کے لیے جائز نہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ یہاں خون بہائے یا کوئی درخت کاٹے۔ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی لڑائی کو بہانہ بنا کر یہاں لڑائی کرنا چاہے تو اسے بتادو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو اجازت دی ہے، تمھیں اجازت نہیں دی۔'' [1]

مزید تفصیل فتح مکہ کے واقعات میں گزر چکی ہے۔

مہر کے بغیر لفظ ''ہبہ'' سے نکاح کا جواز

رسول اللہ ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ لفظ ''ہبہ'' سے بھی آپ کے لیے نکاح کرنا جائز تھا، خواہ مہر بالکل مقرر نہ کیا گیا ہو اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَامْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِيُّ اَنْ يَّسْتَنْكِحَهَا ۚ خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ ﴾

''اور مومن عورت بھی، اگر اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ (وقف) کر دے، اگر نبی اس سے نکاح کرنا چاہے تو یہ (اجازت) مومنوں کے سوا خاص تیرے لیے ہے۔'' [2]

اجنبی عورت کو دیکھنے اور علیحدگی اختیار کرنے کا جواز

نبیِ کریم ﷺ کے لیے اجنبی عورت کو دیکھنا اور اس کے ساتھ علیحدگی اختیار کرنا جائز تھا۔ اس کی دلیل رُبَیِّع بنت مُعَوِّذ بن عَفْراء رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے کہ جس رات میرے خاوند نے مجھے گھر بسایا اس کی صبح نبیِ کریم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح تو (خالد بن ذکوان) بیٹھا ہے۔ [3]

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب: (52)، حديث: 4295، وصحيح مسلم، الحج، باب تحريم مكة وتحريم صيدها، وخلاها وشجرها، حديث: 1354، واللفظ له. [2] الأحزاب 50:33. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب ضرب الدّف في النكاح والوليمة، حديث: 5147.

ہم شمائل کی بحث میں ذکر کر چکے ہیں کہ ایک لونڈی بھی آپ کا ہاتھ پکڑ کر اپنی ضرورت کے لیے آپ کو مدینہ کی جس گلی میں چاہتی لے جاتی۔ اسی طرح ام حرام بنت ملحان کے گھر بھی آپ ﷺ گئے۔ [1] وہاں سوئے اور انھوں نے آپ ﷺ کے سر سے جوئیں نکالیں، حالانکہ آپ اس کے محرم نہیں تھے۔

فیصلۂ رسول پر تسلیم و رضا

رسول اللہ ﷺ کو اجازت تھی کہ جس مومن عورت کا جس مومن مرد کے ساتھ چاہیں ان کی رضامندی کے بغیر بھی نکاح کر دیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ ﴾

''کسی مومن یا مومنہ کے لیے جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو اپنے معاملے میں ان کے لیے اختیار ہو۔'' [2]

آپ نے خود بھی فرمایا: ''جو بھی مومن ہے میں دنیا اور آخرت میں اس پر اس کے نفس سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔'' [3]

ایک دفعہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے آپ کو آپ ﷺ پر پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے عورتوں کی کوئی ضرورت نہیں۔'' ایک آدمی کہنے لگا: ''مجھ سے اس کا نکاح کر دیجیے۔'' فرمایا: ''جتنا قرآن مجید تمھیں یاد ہے وہ اسے پڑھانے کی شرط پر میں تم سے اس کا نکاح کرتا ہوں۔'' [4]

[1] صحيح البخاري، الجهاد والسير، باب غزو المرأة في البحر، حديث:2878. [2] الأحزاب 36:33. [3] صحيح البخاري، الاستقراض، باب الصلاة على من ترك دينًا، حديث:2399.
[4] صحيح البخاري، النكاح، باب التزويج على القرآن وبغير صداق، حديث:5149 و حديث: 5141، وصحيح مسلم، النكاح، باب الصداق وجواز كونه تعليم قرآن......، حديث:1425.

ازواج مطہرات کا احترام

رسول اللہ ﷺ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ آپ کی بیویوں کے اجسام پردے میں بھی دیکھنا کسی کے لیے جائز نہ تھا، نہ ان سے بالمشافہہ اور آمنے سامنے سوال کیا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ﴾

''اور جب تم ازواج مطہرات سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔''[1]

البتہ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے انھیں قضائے حاجت کے لیے باہر جانے کی اجازت دی تھی۔[2]

ازواج مطہرات کو نصیحت

یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے لیے اپنے گھروں میں بیٹھ رہنا ضروری تھا، البتہ وہ کسی ضروری کام یا شرعی مجبوری کی بنا پر گھر سے نکل سکتی تھیں، مثلاً: مسجد میں جانا، بیمار کی بیمار پرسی کرنا یا کسی رشتہ دار سے ملنے جانا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ ''اور تم اپنے گھروں میں ٹھہری رہو۔''[3]

نیز آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ان سے فرمایا تھا: ''اس کے بعد اب گھروں ہی میں رہنا ہے۔''[4]

[1] الأحزاب 53:33 . [2] صحيح البخاري، التفسير، سورة الأحزاب، باب: (8)، حديث:4795.
[3] الأحزاب 33:33 . [4] مسند أحمد: 219/5. الموسوعة الحديثية کے محققین نے کہا: ''اس حدیث کی سند حسن لغیرہ ہے۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية:240/36، حديث:21910) وسنن أبي داود، المناسك، باب فرض الحج، حديث: 1722. تلیدی نے کہا کہ یہ حدیث شواہد کی بنا پر حسن ہے۔

نفلی نماز میں آپ ﷺ کی خصوصیت

رسول اللہ ﷺ کے لیے نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا کھڑے ہو کر پڑھنے کے برابر تھا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے: آدمی کی بیٹھ کر نفل نماز نصف ثواب رکھتی ہے اور آپ بیٹھ کر پڑھتے ہیں؟'' فرمایا: ''ہاں! لیکن میں تم جیسا نہیں۔''[1]

آپ ﷺ کے نیک اعمال آپ کے لیے نافلہ تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کے پے بہ پے بغیر افطار کے روزے رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے کہا: ''تم ان جیسے کام کر سکتے ہو؟ ان کے تو اگلے پچھلے گناہ معاف تھے اور ان کے اعمال ان کے لیے نافلہ تھے۔''[2]

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے نفل نماز کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''نماز نفل تو نبی ﷺ کے لیے تھی۔ تمھارے لیے یہ باعث فضیلت ہے۔''[3]

آپ کا نمازی کو مخاطب کرنا اور اس کا دورانِ نماز جواب دینا

نبی ﷺ اگر کسی کو نماز کے دوران بلاتے تو ضروری تھا کہ وہ نماز ہی میں آپ ﷺ کو جواب دیتا۔ حضرت ابوسعید بن معلٰی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیِ کریم ﷺ نے مجھے آواز

[1] صحيح مسلم، صلاة المسافرين و قصرها، باب جواز النافلة قائمًا وقاعدًا، حديث: 735.

[2] مسند أحمد: 250/6. حدیث کی سند کو تلیدی نے صحیح قرار دیا ہے۔ و تهذيب الخصائص الكبرٰى للسيوطي، ص: 428، حديث: 637. الموسوعة الحديثية کے محققین نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 224/43، حديث: 26125)

[3] مسند أحمد: 259/5. اس حدیث کی سند کو تلیدی نے حسن قرار دیا ہے۔ الموسوعة الحديثية کے محققین نے اسے ضعیف کہا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 563/36، حديث: 22230)

دی۔ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ میں نماز مکمل کر کے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا: ''جب میں نے بلایا تھا تب تم نے جواب کیوں نہیں دیا؟'' میں نے کہا: ''میں نماز پڑھ رہا تھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اللہ نے نہیں فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ﴾

''اے ایمان والو! جب اللہ اور رسول اس (امر) کی طرف بلائیں جو تمھیں زندگی بخشتا ہے تو فوراً لبیک کہو۔''[1]

پھر فرمایا: ''کیا میں تمھیں قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت نہ بتلاؤں؟'' پھر شاید آپ بھول گئے۔ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت بتلانے کا فرمایا تھا۔'' آپ نے فرمایا: ''یہ سورت ﴿ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۝ ﴾ ہے۔ یہ وہ سات آیات ہیں جو بار بار پڑھی جاتی ہیں اور یہ قرآن کی روح ہیں۔''[2]

مجلس رسول سے بغیر اجازت اٹھنے کی ممانعت

رسولِ اکرم ﷺ کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ کوئی شخص آپ ﷺ کی اجازت کے بغیر آپ کی مجلس سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ﴾

''مومن صرف اور صرف وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب وہ آپ کے پاس کسی مشترکہ کام کے سلسلے میں جمع ہوتے ہیں تو آپ سے اجازت لیے بغیر نہیں اٹھتے۔''[3]

[1] الأنفال 24:8. [2] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب فضل فاتحة الكتاب، حديث: 5006، والسنن الكبرٰى للبيهقي: 64/7، واللفظ له. [3] النور 62:24.

رسول اللہ ﷺ، اہل بیت اور صحابہ سے محبت کا وجوب

رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ آپ سے، آپ کے اہل بیت اور آپ کے صحابہ سے محبت کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾

”کہہ دیجیے: اگر تمھارے باپ، تمھارے بیٹے، تمھارے بھائی بند، تمھاری بیویاں، تمھارا قوم قبیلہ اور تمھارے اموال جنھیں تم نے محنت سے کمایا ہے اور تمھاری تجارت جس کی کساد بازاری (مندے) سے تم ڈرتے ہو اور گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو اگر یہ سب کچھ تمھیں اللہ، اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو انتظار کرو حتی کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔ اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔“[1]

حدیث میں اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ”اللہ کے رسول! آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ پیارے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! حَتّٰى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْكَ مِنْ نَّفْسِكَ»

”نہیں! قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (تم اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے) جب تک میں تمھیں تمھاری جان سے زیادہ پیارا نہ ہوجاؤں۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: ”اللہ کی قسم! اب تو آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے

[1] التوبة 9:24.

ہیں۔'' آپ نے فرمایا: «اَلْآنَ يَا عُمَرُ!» ''عمر! اب (تیرے ایمان کی تکمیل ہوئی ہے۔)''[1]

نبیِ کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيمَانُ حَتّٰى يُحِبَّكُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ»

''قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! (اے اہل بیت!) اس وقت تک کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوسکتا جب تک وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔''[2]

اس کے بارے میں آیات واحادیث بہت زیادہ ہیں۔

فاطمہ رضی اللہ عنہا اور دشمن اسلام کی بیٹی کو ایک نکاح میں رکھنے کی ممانعت

نبیِ کریم ﷺ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ کی بیٹی اور اللہ کے کسی دشمن کی بیٹی بیک وقت ایک آدمی کے نکاح میں نہیں آسکتی تھیں۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''مجھ سے بنو ہشام بن مغیرہ (ابوجہل کے خاندان) نے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی سے کردیں۔ میں اس کی اجازت نہیں دیتا، میں اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ہاں اگر علی میری بیٹی کو طلاق دے کر اس سے نکاح کرتا ہے تو اس کی مرضی۔ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے جو چیز اسے پریشان کرتی ہے وہ مجھے بھی پریشان کرتی ہے اور جو چیز

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ؟ حديث: 6632.

[2] جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي الفضل عم النبي ﷺ وهو العباس بن عبدالمطلب رضي الله عنه، حديث: 3758. ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ والمستدرك للحاكم: 333/3، حديث: 5432. تلیدی نے کہا کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ ومسند أحمد: 207/1. الموسوعة الحديثية کے محققین نے اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 295/3و298 حديث: 1772، 1773و1777)

اسے تکلیف دیتی ہے وہ مجھے بھی تکلیف دیتی ہے۔“ [1]

رسول ﷺ کا خواب وحی ہے

رسول اللہ ﷺ کا خواب وحی ہے اور آپ نے خواب میں جو کچھ دیکھا وہ بھی حق ہے۔ ہم اسے نبوت سے قبل نبوت کی پیش گوئیوں کے عنوان کے تحت اور وحی کی اقسام میں بیان کر چکے ہیں۔

شرفِ درود

رسول اللہ ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کو درود کے ذریعے سے شرف بخشا گیا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے:

﴿ إِنَّ اللَّهَ وَمَلَٰٓئِكَتَهُۥ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾

”یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی نبیِ کریم پر درود و سلام بھیجا کرو۔“ [2]

نیز رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا»

”جو شخص مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل کرتا ہے۔“ [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”میرے پاس جبریل علیہ السلام آئے اور کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ راضی ہیں کہ آپ کا رب کریم فرماتا ہے: آپ کی امت میں سے جو بھی آپ پر

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب ذبّ الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، حديث:5230، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة ﷺ، حديث:2449. [2] الأحزاب 56:33. [3] صحيح مسلم، الصلاة، باب الصلاة على النبي ﷺ بعد التشهد، حديث:408.

درود پڑھے گا میں اس پر دس رحمتیں نازل کروں گا اور جو شخص آپ پر ایک دفعہ سلام پڑھے گا میں اس پر دس دفعہ سلامتی نازل کروں گا۔ میں نے کہا: کیوں نہیں! اے رب کریم!''[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بخیل وہ ہے جس کے پاس میرا ذکر کیا گیا اور اس نے مجھ پر درود نہیں پڑھا۔''[2]

آپ کے تمام صحابہ عادل ہیں

رسول کریم ﷺ کی خصوصیت ہے کہ آپ کے تمام صحابہ عدول ہیں اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ اس کے دلائل کتاب وسنت میں بہت زیادہ ہیں۔ بہت سے مصنفین نے اس کے بارے میں خصوصی کتابیں اور مقالات لکھے ہیں۔

منفرد جنازہ اور قبر

یہ بھی آپ ﷺ کا خاصہ تھا کہ جب آپ فوت ہوئے تو آپ کا جنازہ معروف انداز میں نہیں پڑھا گیا۔ اس موقع پر کوئی امام نہ تھا اور نہ جنازے کی معروف دعائیں پڑھی گئیں۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے باب میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

یہ بھی آپ ﷺ کا خاصہ ہے کہ آپ کو گھر میں اسی جگہ دفن کیا گیا جہاں آپ نے

[1] مسند أحمد: 30/4. الموسوعة الحديثية کے محققین نے کہا: ''یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 281,280/26، حديث: 16361) والسنن الكبرٰى للنسائي: 384/1، 21/6، حديث: 9888,1218، وصحيح ابن حبان (ابن بلبان): 196/3، حديث: 915، والمستدرك للحاكم: 420/2، حديث: 3575. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔

[2] جامع الترمذي، التفسير، باب من سورة الممتحنة، حديث: 3308. ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ والسنن الكبرٰى للنسائي، حديث: 8100، ومسند أحمد: 201/1. الموسوعة الحديثية کے محققین نے کہا: ''اس حدیث کی سند قوی ہے۔'' دیکھیے: (الموسوعة الحديثية: 258,257/3، حديث: 1736)، والمستدرك للحاكم: 549/1، حديث: 2015. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ وابن حبان (موارد الظمآن)، حديث: 2388.

وفات پائی۔ اس کی دلیل بھی ''وفات'' کے باب میں بیان ہو چکی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ بھی اعزاز ہے کہ آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور اپنی امت کے لیے استغفار کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو نبیِ کریم ﷺ تک آپ کے امتیوں کی جانب سے ہدیۂ سلام پہنچاتے ہیں۔[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ کے چند فرشتے زمین میں چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ ان کا کام میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچانا ہے۔''[2]

نبیِ کریم ﷺ کے لیے مسواک کا وجوب

نبیِ کریم ﷺ کے لیے مسواک کرنا فرض تھا۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے:

«لَقَدْ أُمِرْتُ بِالسِّوَاكِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيَنْزِلُ عَلَيَّ بِهِ قُرْآنٌ أَوْ وَحْيٌ»

''مجھے مسواک کا اس قدر حکم دیا گیا، مجھے خیال ہوا کہ اس کے بارے میں شاید قرآن مجید ہی میں حکم نازل کر دیا جائے۔''[3]

نیز فرمایا: ''میں اس قدر مسواک کرتا ہوں، کبھی کبھی خدشہ ہوتا ہے کہ میرے دانت اکھڑ جائیں گے۔''[4]

---

[1] اس سلسلے میں درست ترین موقف یہ ہے کہ انبیاء عالم برزخ میں زندہ ہیں۔ ان کی یہ زندگی ہماری اس دنیاوی زندگی سے قطعی مختلف ہے جس کی حقیقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ زندگی محمد ﷺ کا خاصہ نہیں ہے۔ [2] مسند أحمد: 387/1. الموسوعة الحديثية کے محققین نے کہا: ''یہ روایت مسلم کی شرط پر پوری اترتی ہے اور صحیح ہے۔'' ومسند البزار مع كشف الأستار: 397/1، حدیث: 845. اس روایت کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ دیگر نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ [3] مسند أحمد: 237/1 و 285. احمد شاکر نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (مسند أحمد (تحقيق أحمد شاكر): 3/4) الموسوعة الحديثية کے محققین نے کہا کہ یہ حدیث حسن لغیرہ ہے۔ والمستدرك للحاكم: 155/1. حاکم نے اسے صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ [4] السنن الكبرٰى للبيهقي: ◄◄

مزید فرمایا: ''جبریل مجھے مسواک کی اس قدر تاکید فرماتے رہے کہ مجھے خدشہ ہوا کہیں میری داڑھیں ضائع نہ ہو جائیں۔''[1]

تیس جوانوں کی طاقت

رسول ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے تیس آدمیوں کی قوت عطا فرمائی تھی۔ اس کی دلیل انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات یا دن میں بیک وقت اپنی تمام بیویوں کے قریب جاتے تھے، وہ نو عورتیں تھیں۔ راویِ حدیث قتادہ نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا رسول اللہ ﷺ اتنی طاقت رکھتے تھے؟'' انھوں نے بتایا: ''ہم باتیں کیا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کو تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے۔''[2]

انس رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے کہ آپ ﷺ ایک غسل کے ساتھ سب بیویوں کے پاس جاتے تھے۔[3]

جماہی سے بچاؤ

رسولِ اکرم ﷺ کو جماہی نہیں آتی تھی کیونکہ جماہی شیطان کی طرف سے ہے۔ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: ''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا اور جماہی کو ناپسند کرتا ہے۔ جب کسی کو چھینک آئے تو ہر سننے والے مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ اسے دعا دے بشرطیکہ اس نے اللہ کی تعریف کی ہو (چھینک مارنے کے بعد الحمد للہ کہا ہو) جماہی شیطان کی جانب سے ہے، لہٰذا اسے حتی المقدور روکنے کی کوشش کرے۔ جب کوئی منہ

◄◄ 49/7. ہیثمی نے لکھا: ''اسے طبرانی نے اوسط میں روایت کیا۔ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔'' دیکھیے: (مجمع الزوائد: 99/2) [1] السنن الکبرٰی للبیھقي: 49/7. [2] صحیح البخاري، الغسل، باب إذا جامع، ثم عاد......، حدیث: 268. [3] صحیح مسلم، الحیض، باب جواز نوم الجنب......، حدیث: 309.

کھول کر ''ہا'' کرتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔'' [1]

مالِ غنیمت اور فے کے خمس کا خمس

فَے اور مال غنیمت کے خمس کا خمس رسول اللہ ﷺ کے لیے مختص تھا، اسی طرح آپ مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے بھی کوئی چیز اپنے لیے مخصوص کر سکتے تھے۔

قمیص سمیت غسل

وفات کے بعد آپ کو قمیص سمیت غسل دیا گیا یہ بھی آپ کا خاصہ تھا، عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''جب صحابۂ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو غسل دینے کا ارادہ کیا تو کہا: '' ہم نہیں جانتے کہ آپ کے کپڑے اسی طرح اتاریں جس طرح عام میت کے اتارے جاتے ہیں یا کپڑوں سمیت غسل دیں۔'' اس امر میں ان کا اختلاف ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر دی، پھر گھر کے ایک کونے سے کسی نے آواز دی: ''نبیِ کریم ﷺ کو کپڑوں سمیت ہی غسل دو۔'' صحابۂ کرام اٹھے اور آپ کو قمیص سمیت ہی غسل دیا۔ وہ آپ کی قمیص پر پانی گراتے تھے اور آپ کے جسم کو ہاتھ لگائے بغیر ملتے تھے۔'' [2]

بعد از وفات پاکیزگی

یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت تھی کہ غسل کے وقت آپ کے بطن مبارک سے کوئی آلودگی نہ پائی گئی۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''جب میں نے نبیِ کریم ﷺ کو غسل دیا تو میں عام

[1] صحيح البخاري، الأدب، باب مايستحب من العطاس......، حديث: 6223. [2] سنن أبي داود، الجنائز، باب في ستر الميت عند غسله، حديث: 3141، ومسند أحمد: 267/6. احمد نے یہ روایت ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کی ہے جس کی سند حسن لذاتہ ہے اور وہ روایت اس سے طویل ہے، چنانچہ دیکھیے: (السنن الكبرٰى للبيهقي: 387/3، وصحيح ابن حبان، حديث: 2156، والمستدرك للحاكم: 60,59/3، حديث: 4398، والسيرة النبوية لابن هشام: 416/4)

میت کی طرح آلودگی وغیرہ تلاش کرنے لگا مگر کچھ نہ ملا۔ میں نے کہا: میرے والد آپ پر فدا ہو جائیں! آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ رہے۔''[1]

بعض علماء نے '' خصائص نبی ﷺ '' کے تحت ایسی ضعیف احادیث بھی بیان کر دی ہیں جن کے ضعف کا کوئی حل نہیں یا وہ موضوع (من گھڑت) ہیں۔ بعض محققین نے ان کی خرابیوں اور عدم قبولیت کے اسباب کی وضاحت بھی کی ہے، مثلاً: شیخ عبداللہ تلیدی۔ انھوں نے سیوطی رحمہ اللہ کی '' خصائص نبویہ کبریٰ'' کی تحقیق وتہذیب کی ہے اور بات یوں ختم کی ہے: ''یہ کتاب الخصائص کی بہت سی موضوع روایات میں سے چند ہیں......۔'' شیخ تلیدی نے خصائص سیوطی کو انتہائی کمزور، بے بنیاد اور موضوع روایات سے پاک کیا ہے جو بہت اہم کام ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے ۔ یہ تہذیب و تحقیق شدہ کتاب ایک صاف شفاف ماخذ بن چکی ہے جو خصائص اور معجزات نبی کے تحقیقی طالب علم کے لیے نہایت اہم ہے۔

امتِ محمدیہ کے خصائص

امت محمدیہ کو نفس کے وسوسے اور بھول چوک معاف ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَالَمْ يَتَكَلَّمُوا أَوْ يَعْمَلُوا بِهِ»

[1] سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ماجاء في غسل النبي ﷺ، حديث: 1467. بوصیری نے الزوائد میں لکھا کہ اس روایت کی سند صحیح ہے۔ والمستدرك للحاكم: 60/3. حاکم نے روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو نفس کے وسوسے معاف کر دیے ہیں بشرطیکہ وہ انھیں اپنی زبان پر نہ لائیں اور ان پر عمل نہ کریں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ ، وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے میری امت کی بھول چوک معاف کر دی ہے اور جو کام کسی سے جبراً کروایا جائے۔'' [2]

امت محمدیہ کی عام تباہی سے حفاظت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اپنے رب کریم سے گزارش کی کہ میری امت کو عام قحط سے ہلاک نہ کرے اور ان کے اس دشمن کو جو ان سے نہ ہو، ان پر اس طرح مسلط نہ کرے کہ وہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے۔ رب کریم نے مجھ سے فرمایا: اے محمد! میں جب کوئی فیصلہ کر لیتا ہوں تو وہ ردّ نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے تیری امت کے لیے تیری یہ دعا قبول کر لی ہے کہ میں انھیں عام قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور ان کے اس دشمن کو جو ان سے نہ ہو، ان پر اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کی جڑ ہی کاٹ دے، خواہ روئے زمین کے تمام دشمن ان کے خلاف اکٹھے ہو جائیں حتی کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب إذا حنث ناسيا في الأيمان، حديث:6664، وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس، حديث: 127، واللفظ له. [2] سنن ابن ماجه، الطّلاق، باب طلاق المكره والناسي، حديث:2043، والمستدرك للحاكم:198/2. حاکم نے اس حدیث کو صحیحین کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصغير، حديث : 1727)

کریں اور قیدی بنائیں۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب کریم سے گذارش کی تھی کہ میری امت کو غرق ہونے کے عذاب سے ہلاک نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی۔ [2]

امت محمد یہ گمراہی پر متفق نہ ہوگی

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَدْ أَجَارَ أُمَّتِي أَنْ تَجْتَمِعَ عَلٰى ضَلَالَةٍ»

''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس امر سے محفوظ رکھا ہے کہ وہ کسی گمراہی پر متفق ہو۔'' [3]

قیامت تک ہر دور میں ایک گروہ حق پر قائم رہے گا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ»

''میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، ان کی مدد سے ہاتھ کھینچنے والا انھیں نقصان نہ پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا فیصلہ آجائے گا اور وہ اسی طرح (حق پر قائم) رہیں گے۔'' [4]

[1] صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، حديث: 2889. [2] صحيح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، حديث: 2890. [3] السنة لابن أبي عاصم، حديث: 79. البانی رحمہ اللہ نے اسانید کے مجموعے کے اعتبار سے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (سلسلة الأحاديث الصحيحة: 3/319، حديث: 1331، وصحيح الجامع الصغير، حديث: 1786)
[4] صحيح البخاري، المناقب، باب: (28)، حديث: 3641، وصحيح مسلم، الإمارة، باب ◄◄

امت محمدیہ زمین پر اللہ کی گواہ ہے

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لوگ ایک جنازہ لیے نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرے۔ صحابۂ کرام نے اس میت کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''واجب ہو گئی۔'' پھر لوگ ایک اور جنازہ لیے گزرے۔ صحابۂ کرام نے اسے برا کہا تو آپ نے فرمایا: ''واجب ہو گئی۔'' صحابۂ کرام نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے پہلے بھی فرمایا کہ واجب ہو گئی، دوبارہ بھی یہی فرمایا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''فرشتے آسمان پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہیں۔ تم زمین پر اللہ تعالیٰ کے گواہ ہو (تمھاری گواہی سے جنت یا جہنم واجب ہو گئی۔)''[1]

امت محمدیہ کی صفیں فرشتوں جیسی ہیں

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیں باقی لوگوں (پہلی امتوں) پر تین فضیلتیں عطا کی گئی ہیں (جن میں سے ایک یہ ہے کہ) ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں جیسی بنائی گئی ہیں۔''[2]

قیامت کے دن امت محمدیہ کی امتیازی علامت

رسول اللہ ﷺ نے حوض کوثر کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ''...... میں (اپنی امت کے سوا) دوسرے لوگوں کو اس (حوض) سے ہٹا دوں گا جس طرح آدمی اجنبی اونٹوں کو اپنے حوض پر آنے سے روکتا اور انھیں ہٹاتا ہے۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول!

<<قوله ﷺ: لا تزال طائفة من أمتي ظاهرين، حديث: 1920، واللفظ له. [1] سنن النسائي، الجنائز، باب الثناء، حديث: 1935. اس حدیث کی اصل صحیحین میں ہے، دیکھیے: (صحيح البخاري، الجنائز، باب ثناء الناس على الميت، حديث: 1367، وصحيح مسلم، الجنائز، باب فمن يثنى عليه خيرأو شرمن الموتى، حديث: 949) البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصغير، حديث: 6604) [2] صحيح مسلم، كتاب و باب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 522.

آپ ہمیں اس دن پہچان لیں گے؟'' فرمایا: ''ہاں! تمھاری ایک علامت ہوگی جو کسی اور امت کو نصیب نہ ہوگی۔ تم میرے پاس اس حالت میں آؤ گے کہ تمھارے چہرے اور ہاتھ پاؤں وضو کے نشانات سے چمک رہے ہوں گے۔''[1]

گواہی دینے والی بہترین امت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾

''اور اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔ اور رسول تم پر گواہ ہو۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا۔ وہ کہیں گے: ''رب کریم! حاضر ہوں۔'' اللہ تعالیٰ کہے گا: ''کیا تو نے میرا پیغام پہنچایا تھا؟'' وہ کہیں گے: ''جی ہاں!'' ان کی امت سے کہا جائے گا: ''کیا نوح نے تم کو پیغام دیا تھا؟'' وہ کہیں گے: ''ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔'' اللہ تعالیٰ کہے گا ''نوح! تیرے حق میں کون گواہی دے گا؟'' وہ کہیں گے: ''محمد اور ان کی امت۔'' امت محمدیہ گواہی دے گی کہ واقعتاً انھوں نے پیغام دیا تھا۔'' پھر رسول (کریم ﷺ) تمھاری صداقت کی گواہی دیں گے۔ یہ مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ ''اور اسی طرح ہم نے تمھیں افضل امت بنایا۔''[3]

ایک روایت میں ہے: ''نبی آئے گا، اس کے ساتھ دو آدمی ہوں گے اور نبی آئے گا،

---

[1] صحيح مسلم، الطهارة، باب استحباب إطالة الغرّة والتحجيل في الوضوء، حديث: 247.

[2] البقرة 2:143. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾، حديث: 4487.

اس کے ساتھ تین آدمی ہوں گے۔ کسی کے ساتھ اس سے زیادہ، کسی کے ساتھ کم۔ ہر نبی سے کہا جائے گا: ''کیا تو نے اپنی قوم کو پیغام دیا تھا؟''[1] باقی حدیث سابقہ روایت کی طرح ہے۔

سب سے پہلے پل صراط پار کرنے والی امت

ایک طویل حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''...... جہنم کے اوپر پل رکھا جائے گا۔ سب سے پہلے میں اور پھر میری امت اسے پار کرے گی۔''[2]

جنت میں امت محمدیہ کی کثرت

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمان کفار کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے سیاہ بیل کے جسم پر سفید بال یا سفید بیل کے جسم پر سیاہ بال،[3] یعنی قیامت کے دن۔''

نیز فرمایا: ''جنتیوں کی ایک سو بیس صفیں ہوں گی۔ اسی (80) امت محمدیہ کی اور چالیس دوسری تمام امتوں کی۔''[4]

[1] سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث: 4284، ومسند أحمد: 58/3. البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصّغير، حديث: 7889) [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب الصراط جسر جهنم، حديث: 6573، وصحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرّؤية، حديث: 182، واللفظ له. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب الحشر، حديث: 6528، وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون هذه الأمة نصف أهل الجنة، حديث: 221، واللفظ له. [4] جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ماجاء في كم صف أهل الجنة؟ حديث: 2546. ترمذی نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة أمة محمد ﷺ، حديث: 4289، والمستدرك للحاكم: 82/1، حديث: 273. حاکم نے اسے مسلم کی شرط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے ان سے اتفاق کیا ہے۔ البانی نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھیے: (صحيح الجامع الصّغير، حديث: 2523)

امت محمدیہ کا سب سے پہلے حساب کتاب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہم آخری ہیں۔ قیامت کے دن سب سے آگے ہوں گے۔“ [1]

ایک دوسری روایت کے مطابق:

«نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ»

”ہم دنیا والوں میں سے آخری ہیں اور قیامت کے دن سب سے پہلے ہیں کہ سب مخلوقات سے پہلے ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔“ [2]

امت محمدیہ پر تخفیف

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ﴾

”اس (اللہ) نے تمھیں چنا اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رہنے دی۔“ [3]

نیز فرمایا: ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ز﴾

”اللہ تم پر آسانی کا ارادہ رکھتا ہے اور وہ تمھیں مشکل میں ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔“ [4]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے وہ بہت سی چیزیں حلال کر دیں جن میں دوسری امتوں پر سختی کی گئی تھی اور ہم پر کوئی تنگی نہیں رہنے دی۔“ [5]

[1] صحيح البخاري، الجمعة، باب فرض الجمعة، حديث: 876، وصحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: 855. [2] صحيح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: 856. [3] الحج 22:78 . [4] البقرة 2:185. [5] مسند أحمد 5/393. ہیثمی نے اس حدیث کی سند کو حسن قرار دیا ہے، دیکھیے: (مجمع الزوائد 10/68،69)

امت محمدیہ کے لیے ندامت ''توبہ'' ہے

دلیل عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلنَّدْمُ تَوْبَةٌ» ''ندامت توبہ ہی ہے۔''[1]

نزول قرآن اور بعثت نبوی کا اصل مقصود
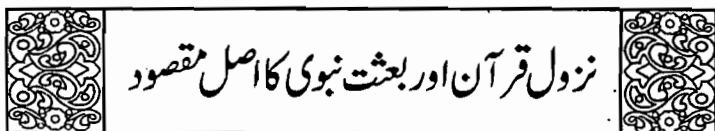
رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے اس مختصر سے جائزے کے بعد ہم یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ اور قرآن مجید کو صرف تبرک کے لیے نہیں بھیجا، نہ ان کا مقصد صرف اس قدر محدود ہے کہ قرآن وسنت کو جان لیا جائے اور سیکھ لیا جائے یا انھیں محض اپنی معلوماتِ عامہ (جنرل نالج) میں ایک اضافہ قرار دے لیا جائے بلکہ اصل مقصد قرآن وسنت کی تعلیمات کو اپنی زندگی کے ہر خاص و عام شعبے میں عملاً اجاگر کرنا ہے، چاہے وہ سیاسی ہو یا اقتصادی، اجتماعی ہو یا انفرادی، علمی ہو یا تربیتی، غرضیکہ قرآن و سنت کی تعلیمات تمام شعبوں میں نافذ ہونی چاہئیں۔ زندگی کے نشیب و فراز، خوشی غمی، لین دین اور تمام معاملات میں اسلامی تعلیمات پیش رہنی چاہیں۔ اس کے پیش نظر ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے عذر پیش کرنے کے لیے، ہر مسلمان کو وہ آیات و احکام یاد دلا رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

[1] مسند أحمد: 376/1 و 423 و 433. اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ حدیث پر یہ حکم الموسوعة الحدیثیة کے محققین نے لگایا ہے، دیکھیے: (الموسوعة الحدیثیة: 193/7، حدیث: 4124) وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر التوبة، حدیث: 4252. تهذیب الخصائص کے محقق نے کہا: ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ اس کی چند سندیں اور بھی ہیں، دیکھیے: (تهذیب الخصائص، ص: 372، حدیث: 532)

﴿ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

”پھر ہم نے تجھے دین کے ایک طریقے پر کر دیا، لہٰذا اس کی پیروی کر اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر جو علم نہیں رکھتے۔“ [1]

* اللہ تعالیٰ نے کتاب کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط ﴾

”بلاشبہ ہم نے تیری طرف کتاب نازل کی حق کے ساتھ تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ نے تجھے دکھایا۔“ [2]

* اللہ تعالیٰ نے فیصلۂ رسول نہ ماننے والوں کے ایمان کی نفی فرمائی:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾

”پس نہیں! تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہوں گے حتی کہ تجھے ان جھگڑوں میں جو ان کے درمیان پیدا ہوں، فیصل بنالیں، پھر اپنے نفسوں میں اس فیصلے سے جو تو نے کیا، کوئی تنگی نہ پائیں اور اسے پوری طرح تسلیم کر لیں۔“ [3]

* اللہ جل جلالہ نے منافقین کی عادت کو اس انداز میں واضح کیا:

﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ۝ ﴾

”کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو تیری طرف نازل کیا گیا اور جو تجھ سے قبل نازل کیا گیا۔ وہ چاہتے ہیں کہ آپس

[1] الجاثیۃ 18:45 . [2] النسآء 125:4 . [3] النسآء 65:4 .

کے قضیے طاغوت کی طرف لے جائیں، حالانکہ انھیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ اس کا انکار کریں۔ اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ اور جب ان سے کہا جائے گا کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف، تب تو دیکھے گا منافقین کو کہ وہ تجھ سے واضح طور پر منہ ہی موڑ لیتے ہیں۔''[1]

* اللہ تعالیٰ نے مومنین کی بات یوں بیان فرمائی:

﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''مومنین کی بات، جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، اس کے سوا نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور اطاعت کی اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[2]

* جو لوگ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے ان کے بارے میں اللہ کے احکامات:

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾

''اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا تو یہی لوگ کافر ہیں۔''[3]

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾

''اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا تو یہی لوگ ظالم ہیں۔''[4]

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ ﴾

''اور جو فیصلہ نہ کرے اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا تو یہی لوگ فاسق ہیں۔''[5]

* جاہلانہ فیصلے طلب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا:

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ ﴾

[1] النسآء 4:60، 61. [2] النور 24:51. [3] المآئدة 5:44. [4] المآئدة 5:45. [5] المآئدة 5:46.

''پھر کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہے، ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں۔'' [1]

* مزید فرمایا:

﴿قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ۝﴾

''کہہ دے: بالیقین میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے۔ میرے پاس وہ نہیں ہے جس کے لیے تم جلدی مچا رہے ہو۔ حکم تو صرف اللہ کا (چلتا) ہے، وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔'' [2]

* دوسری جگہ فرمایا:

﴿اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝﴾

''سن لو! اسی کے لیے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا۔ بہت بابرکت ہے اللہ جہانوں کا رب۔'' [3]

* سیدھے دین کی یوں وضاحت فرمائی:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''حکم تو صرف اللہ کا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' [4]

* سیدھے دین کو قبول نہ کرنے والوں کی عادت یہ ہے:

﴿وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ

[1] المآئدة 5:50 . [2] الأنعام 6:57 . [3] الأعراف 7:54 . [4] يوسف 12:40 .

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○﴾

''اور وہ (منافقین) کہتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اطاعت کی، پھر ان میں سے ایک فریق اس کے بعد (اپنی بات سے) پھر جاتا ہے اور یہ لوگ مومن نہیں ہیں۔ اور جب انھیں اللہ اوراس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تب ہی ان کا ایک فریق منہ پھیر لیتا ہے۔''[1]

* اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کا محتاج نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ز وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○﴾

''اول و آخر اسی کے لیے حمد ہے اوراسی کا حکم (چلتا) ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''[2]

* اطاعت رسول کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ﴾

''کسی مومن یا مومنہ کے لیے درست نہیں کہ جب اللہ اوراس کا رسول (ﷺ) کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو ان کا ان کے معاملے میں اختیار ہو۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، وہ واقعی صاف بھٹک گیا۔''[3]

* نبی ﷺ بھی وحی کے مطابق فیصلہ کرنے کے پابند ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ﴾

''اور ہم نے تیری طرف (نبی) برحق کتاب اتاری اس حالت میں کہ ان کتابوں

[1] النور 24:47،48. [2] القصص 28:70. [3] الأحزاب 33:36.

کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے ہیں اور ان پر نگران ہے۔ سو فیصلہ کرتا رہ ان کے مابین اس کے مطابق جو اللہ نے نازل کیا اور اس حق کو چھوڑ کر جو تیرے پاس آیا، ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چل۔''[1]

مزید وضاحت کے لیے فرمایا:

﴿وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ﴾

''اور یہ کہ ان کے مابین اس کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ نے نازل کیا اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ چل اور ان سے بچ کر رہ کہ وہ تجھے کسی ایسی بات سے بہکا دیں جو اللہ نے تیری طرف نازل کی۔''[2]

[1] المآئدة 5:48. [2] المآئدة 5:49 .

حرف آخر

قرآن کریم کی یہ تعلیمات اور رسول اللہ ﷺ کی جامع سیرت کی روشنی چودہ صدیوں سے دنیا کے سامنے جلوہ گر ہے۔ اس کی رہنمائی میں ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام مسائل بخیر وخوبی حل کر سکتے ہیں۔ حق وصداقت کی روشنی پالینے کے باوجود ہم جرأتِ اقدام سے بے گانہ رہیں، اپنے اعمال و افعال کی اصلاح اور نگرانی نہ کریں اور بحیثیت امت مسلمہ ہمیں جو عظیم مقاصد سونپے گئے ہیں ان کے حصول کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو نہ نبھائیں تو اس میں قصور کس کا ہے؟

وقت اپنے پر پھڑ پھڑا کر اڑتا چلا جا رہا ہے۔ فرشتۂ اجل کے قدموں کی آہٹ قریب آتی جا رہی ہے۔ اب غفلت کب تک؟ اور انتظار کس بات کا؟ آئیے عہد کیجیے کہ ہم آج اور ابھی سے اسوۂ حسنہ کی روشنی میں اعمال صالحہ کی زندگی بسر کریں گے۔ علامہ اقبال بجا کہتے ہیں ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

«والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات»

ضمیمہ

- اہم اصطلاحات، فنی تراکیب اور مشکل الفاظ کا تلفظ اور مفہوم (حروف تہجی کی ترتیب سے)
- سیرت نبوی ماہ و سال کے آئینے میں (ہجری و عیسوی تاریخ)
- مصادر و مراجع

اہم اصطلاحات کا تلفظ اور مفہوم
سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر یہ کتاب قرآن و حدیث اور بنیادی مآخذ سے مرتب کی گئی ہے۔ اس میں تحقیق و توثیق کا معیار نہایت اعلیٰ ہے۔ اس کتاب کی ترتیب و تزئین کے مرحلے میں یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کے متن میں شامل علم حدیث کے متعلق اصطلاحات اور دیگر فنی تراکیب کے ساتھ مشکل الفاظ کے معنی، صحیح تلفظ اور مفہوم کو واضح کر دیا جائے۔ انھیں ہم قارئین کی سہولت کے لیے حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کر رہے ہیں۔ یہ ایک مستقل نوعیت کی مفید اور کارآمد چیز ہے۔

اصطلاح	وضاحت
اِجْمَاع	لغت میں عزم و اتفاق کو اجماع کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ امت محمدیہ کے مجتہدین کا نبی ﷺ کے بعد کسی بھی زمانے میں کسی دینی مسئلے پر اتفاق کر لینا۔
اِحْرَام	اس سے مراد ہے نیت کے ساتھ حج و عمرہ کی عبادت میں داخل ہونا۔
اِخْتِلَاط	کبھی راوی کو کوئی عارضہ لاحق ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا حافظہ درست نہیں رہتا۔ اسے اصطلاحًا اختلاط کہا جاتا ہے۔
اِرْتِدَاد	لوٹنا، واپس ہونا۔ مسلمان ہونے کے بعد اسلام سے پھر جانے کو ارتداد کہتے ہیں۔

اِرْهَاصَات — اِرْهَاص کی جمع ہے۔ ارہاص ایسے خرق عادت امور کو کہتے ہیں جو نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کی ذات سے یا آپ کے متعلق ظاہر ہوئے۔

اِسْتِحْسَان — کسی چیز کو اچھا سمجھنا۔ شارع کے مقصود کے اثبات کے لیے قیاس ترک کر دینا استحسان ہے۔

اِسْتِسْقَاء — بارش کی دعا کرنا۔ صلاۃ الاستسقاء، بارش کے حصول کے لیے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ کے حضور گڑگڑانا ہے۔

إِسْرَاء — نبی کریم ﷺ کو رات کے ایک حصے میں بیت اللہ سے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی جسے اسراء کہتے ہیں۔

اُسْقُف — عیسائیوں کے بشپ (بڑے پادری) کو اُسقف کہتے ہیں۔

إِشْعَار — علامت لگانا۔ حج وعمرہ کی قربانی کے جانور (اونٹ) کے کوہان کی دائیں جانب تھوڑی سی جلد کاٹ کر خون نکالنا اور پھر اس خون کو کوہان پر مل دینا اشعار کہلاتا ہے۔

إِطْنَاب — یہ ایجاز (اختصار) کی ضد ہے بمعنی بڑھانا، لمبا کرنا۔ معروف عبارت سے زیادہ کلمات کے ساتھ مفہوم ادا کرنا یا مخصوص فائدے کے لیے مطلوب سے زیادہ الفاظ لانا اطناب کہلاتا ہے۔

اِعْتِكَاف — لغت میں کسی جگہ ٹھہرنے یا اپنے آپ کو روک رکھنے کو اعتکاف کہتے ہیں، اسی طرح کسی شے پر لزوم اور ہمیشگی بھی اعتکاف کہلاتی ہے۔ اصطلاح میں اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے کسی جامع مسجد میں نیت کے ساتھ قیام کرنا اعتکاف ہے۔

أَعْرَاب	اس کا واحد أعرابي ہے، یعنی دیہات کے رہنے والے عرب بادیہ نشین۔
اِفْك	جھوٹ بولنے اور الزام تراشی کو افك کہتے ہیں۔ ایک جنگ میں منافقوں نے حضرت عائشہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹا الزام لگایا تھا جو واقعۂ افک کے نام سے مشہور ہے۔
اَكْحَل	بازو کی بڑی رگ کا نام۔
اِكْرَاه	کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر مجبور کرنا۔
أُمُّ وَلَد	وہ لونڈی جو اپنے مالک سے حاملہ ہو کر بچہ جنم دے۔
أَمَان	یہ ''امن'' سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں کسی کو پناہ اور حفاظت فراہم کرنا۔
اِنْقِطَاع	روایتِ حدیث کی سند میں کسی جگہ کوئی راوی گر جائے تو اسے ''انقطاع'' کہتے ہیں۔
أُوقِيَهْ	ایک وزن ہے جو 40 درہم کے برابر ہوتا ہے۔ اعشاری وزن میں اوقیہ 2 چھٹانک، 6 ماشے یا 122.472 گرام کے برابر ہے۔
أُولُو الْاَمْر	اس سے مراد با اختیار لوگ، یعنی حکمران ہیں۔
أَهْلِ حَلّ وعَقْد	اہل اختیار، یعنی وہ لوگ، جو سلطنت میں اقتدار و طاقت اور تدبیر و رائے رکھتے ہیں۔
أَهْلِ فَتْرَه	یہاں اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیانی زمانے میں آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ہی فوت ہو گئے۔
بِئْر	کنواں، جیسے بِئر زم زم، یعنی زم زم کا کنواں۔

بَپْتِسمَہ	یہ مسیحی مذہب اختیار کرنے کی علامتی رسم ہے جس میں پیشانی پر پانی چھڑکا جاتا ہے یا (اگر بالغ ہو تو) پانی میں غوطہ دیا جاتا ہے، عموماً اس کے ساتھ ہی مسیحی نام رکھ دیا جاتا ہے۔
بَتُول	یہ حضرت مریم علیہا السلام کا لقب ہے۔
بُرَاق	وہ جانور جس پر رسول اللہ ﷺ معراج کی رات سوار ہوئے۔
بَیْتُ الْمَعْمُور	معروف قول کے مطابق یہ چھٹے آسمان میں ایک گھر کا نام ہے۔ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے طواف وعبادت کے لیے آتے ہیں۔ جو ایک دفعہ آ گیا قیامت تک اس کی دوبارہ باری نہیں آتی۔
بَیْعَت	اسلام لانے کے لیے بیعت کرنا یا خلیفہ یا اس کے نائب کے ہاتھ پر اطاعت ونصرت کا عہد کرنا۔
تَحْلِیق	مناسک حج وعمرہ کی تکمیل پر سر مونڈنا۔
تَحَنُّث	عبادت کرنا۔
تَدْلِیس	راوی کا سند کے عیب کو چھپانا اور اسے اچھا ظاہر کرنا۔
تَطْبِیق	اس کے معنی مطابقت کے ہیں۔ دو بظاہر متضاد اشیا کے درمیان موافقت پیدا کرنا تطبیق ہے۔
تَقِیّہ	شیعہ مذہب کے مطابق کسی مقصد کے لیے اپنے اصل عقیدے کے خلاف عقیدہ ظاہر کرنا۔
تَلْبِیَہ	حج وعمرہ میں لَبَّیْكَ اللّٰھُمَّ لَبَّیْكَ...... کہنا۔
تَوْبَہ	گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرنے کو ''توبہ'' کہتے ہیں۔

ثِقَة	ثقہ سے مراد عادل و ضابط شخص ہوتا ہے۔
اَلْجَرْح	اس سے مراد راوی یا خبر دینے والے کا عیب ظاہر کرنا۔
جِزْيَه	اس سے مراد وہ ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت ذمیوں (غیر مسلم باسیوں) پر لگاتی ہے۔
اَلْحِجَابَة	بیت اللہ کی چوکیداری یا نگرانی کرنا ''حجابہ'' کہلاتا ہے۔
حَدّ	اس کی جمع حدود ہے۔ شرعاً کسی مقرر شدہ سزا کو حد کہتے ہیں۔
حَدِيث قُدْسِی	وہ حدیث جس کی نسبت رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف کریں۔
حَرَام	یہ حلال کی ضد ہے۔ شرعاً حتمی طور پر ممنوع شے کو حرام کہتے ہیں۔
حَسَن یا حَسَن لِذَاتِهٖ	وہ حدیث جس کے ناقلین عادل ہوں، ضبط میں کچھ کمی ہو، سند متصل ہو، اس میں کسی قسم کی کوئی علت نہ ہو اور وہ حدیث شاذ بھی نہ ہو۔
حَسَن لِغَيْرِهٖ	وہ ضعیف روایت جو متعدد سندوں سے مروی ہونے کی وجہ سے حسن لغیرہ بن جائے، البتہ اس کا ضعف راوی کے کسی فسق یا جھوٹ کی بنا پر نہ ہو بلکہ حافظے کی کمزوری وغیرہ سے ہو۔
حَطِيم	بیت اللہ کے شمالی جانب پرنالے کے نیچے چھ ہاتھ چھوڑی ہوئی جگہ جو چھوٹی دیوار بنا کر گھیری ہوئی ہے، حطیم کہلاتی ہے۔
حَلُول	ایک ذات کا دوسری میں متحد و مدغم ہو جانا۔ ایک باطل عقیدہ ہے۔
حَلِيف	یہ حلف (قسم اٹھانا، معاہدہ کرنا) سے صفت کا صیغہ ہے بمعنی قسم اٹھانے والا، معاہدہ کرنے والا۔ دو قبیلے، دو سردار یا دو ملک آپس میں مدد کا معاہدہ کریں تو دونوں ایک دوسرے کے حلیف ہوتے ہیں۔

حُنَفَاء	یہ حنیف کی جمع ہے جس کے معنی ہیں برائی چھوڑ کر اچھائی کی طرف آنے والے، عبادت گزار۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین پر چلنے والا۔
خُمُس	مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ جو اللہ اور اس کے رسول کے لیے خاص ہوتا ہے، خمس ہے۔
خَوَارِج	ایک ایسا گروہ جو مرتکب کبیرہ کو خارج از اسلام سمجھتا ہے۔ یہ لوگ جنگ صفین (37ھ) کے بعد حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کی اطاعت سے نکل گئے۔ انھیں حروری بھی کہا جاتا ہے۔
دَارُالْاِسْلام	وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کی حکومت ہو اور عملاً اسلامی قانون نافذ ہو۔
دَارُالْحَرْب	ان کافروں کا علاقہ جن سے اہل اسلام کا کوئی معاہدہ نہیں، بالفعل جنگ ہو رہی ہو یا نہیں۔ کافر دشمنوں کا علاقہ جنھوں نے مسلمانوں کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہو۔
دَجَّال	قرب قیامت ایک بڑے جھوٹے کا ظہور ہوگا جس کا نام مسیح دجال ہے۔
دِیَتْ	خون بہا، یعنی قاتل یا اس کے عاقلہ کی طرف سے مقتول کے ورثاء کو جان کے بدلے میں دیا جانے والا مال۔
رِجَال	اس سے مراد وہ اشخاص ہیں جو حدیث روایت کرتے ہوں۔ انھیں راوی اور رُواۃ بھی کہا جاتا ہے۔
اَلرَّفِیقُ الْاَعْلٰی	جمہور علماء کے مطابق الرفیق الاعلی سے مراد وہ انبیائے کرام ہیں جو اعلی علیین میں ہیں۔
سَاقَه	بڑے لشکر کا ایک حصہ جو لشکر کے پیچھے پیچھے چلتا ہے۔
سَدَانَه	خانہ کعبہ کی خدمت کا ایک عہدہ۔

سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى عربی میں سدرہ بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ یہ درخت مختلف تفاسیر میں چھٹے یا ساتویں آسمان پر بتایا جاتا ہے۔ قرآن اور صحیح احادیث کے مطابق اسی درخت کے پاس معراج کی رات نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصل شکل میں دیکھا تھا۔ زمین سے جو شے اوپر جاتی ہے وہ اسی سدرة المنتهى تک ہی جاتی ہے، اوپر سے جو شے نیچے اترتی ہے وہ بھی اسی درخت تک پہنچتی ہے، اسی لیے اسے سدرة المنتهى کہا جاتا ہے، چنانچہ فرشتے اللہ کے احکام یہیں سے وصول کرتے ہیں۔

سَرِیَّه ایسی جنگی مہم جس میں نبی ﷺ نے شرکت نہیں کی بلکہ کسی صحابی کو امیر بنا کر بھیجا۔

اَلسِّقَایَة پانی پلانے کی جگہ یا برتن، سقاگری۔ سقاية الحاج: زمانۂ جاہلیت میں حجاج کو نبیذ ملا ہوا پانی پلانے کا کام جو قریش مکہ کا مستحسن کام اور خادمانہ منصب تھا۔

شَاذْ ایسی روایت جسے مقبول راوی اپنے سے زیادہ ثقہ کے خلاف روایت کرے، شاذ کہلاتی ہے۔ اس کے مقابل روایت کو محفوظ کہتے ہیں۔

شَاهِد غریب حدیث کی موافقت میں کوئی ایسی روایت مل جائے جس کا راوی کوئی اور صحابی ہو تو اس دوسری روایت کو پہلی کے لیے شاہد کہتے ہیں۔

شَعَائِر وہ خاص مذہبی اعمال و امور جو باعث امتیاز و علامت ہوں، جیسے: اذان، حج، قربانی، کعبۃ اللہ اور منیٰ و عرفات وغیرہ میں جانا۔

شُفْعَہ	ایک شریک کے حصے کو دوسرے شریک کی طرف اسی قیمت میں منتقل کرنا جس قیمت پر وہ کسی اجنبی کی طرف منتقل ہو رہا ہو یا ہو چکا ہو۔
شَقّ صَدْر	شق کے لغوی معنی ہیں چیرنا۔ شق صدر سے مراد نبی کریم ﷺ کے سینے کو فرشتے کا چیرنا ہے۔
شُورٰی	کسی اہم معاملے میں مشورہ کرنا، نیز مشورہ کرنے والی جماعت۔
شَیْخَین	یہ شیخ سے تثنیہ کا صیغہ ہے۔ محدثین کے ہاں شیخین سے مراد امام بخاری اور امام مسلم ہیں۔
صَابِی	ایک مذہب سے دوسرا مذہب تبدیل کرنے والے کو صابی کہتے ہیں۔
صَاعْ	یہ عربی میں وزن ماپنے کا ایک پیمانہ ہے جو 180 تولے = 2 سیر 4 چھٹانک = 2.099520 کلوگرام کے برابر ہے۔
صَحِیحَیْن	یہ ''صحیح'' کا تثنیہ ہے، اس سے مراد صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔
صِفِّین	یہ (شام میں) ایک جگہ کا نام ہے جہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین سن 37ھ میں جنگ ہوئی تھی۔
صَلَاۃُ الْخَوف	جنگ میں ادا کی جانے والی نماز کو صلاۃ خوف کہتے ہیں، اسی طرح دشمن کے حملے کے وقت ادا کی جانی والی نماز بھی صلاۃ خوف کہلاتی ہے۔
صَلَاۃُ الضُّحٰی	اس نماز کو نماز اشراق، نماز چاشت اور صلاۃ اوابین بھی کہا جاتا ہے۔
صِیغَۂ تَمرِیض	جیسے قِیلَ ''کہا گیا'' ذُکِرَ ''ذکر کیا گیا'' رُوِیَ روایت کیا گیا وغیرہ۔ یہ الفاظ اس وقت ذکر کیے جاتے ہیں جب کسی امر میں اختلاف ہو لیکن حکایت کردہ قول کے ضعیف ہونے پر جزم کرنا بھی ممکن نہ ہو۔

طَاعُون یہ طَعَنَ بمعنی نیزہ مارنا یا نیزے سے چوکا مارنے سے مشتق ہے۔ حافظ ابن حجر کے بقول قاضی عیاض نے کہا ہے: ''طاعون جسم کے پھوڑے پھنسیاں ہیں۔'' ابن عبدالبر نے کہا ہے: ''طاعون کی وجہ سے جسم میں گلٹیاں بن جاتی ہیں جو جسم کے نرم اور میل زدہ حصوں اور بغلوں میں بنتی ہیں۔ کبھی ہاتھوں اور انگلیوں پر یا جہاں اللہ چاہے بن جاتی ہیں۔'' غزالی نے کہا ہے: ''طاعون میں خون کی وجہ سے سارا بدن پھول جاتا ہے اور بخار آنا شروع ہوجاتا ہے یا جسم کے کسی حصے کی طرف خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے جس سے وہ حصہ پھول کر سرخ ہوجاتا ہے اور متأثرہ حصہ ضائع ہوجاتا ہے۔'' امام نووی نے کہا ہے: ''طاعون میں پھنسیاں نکل آتی ہیں، ان میں ورم آجاتا ہے جس سے انتہائی شدید درد ہوتا ہے۔ یہ پھنسیاں جلن سے نکلتی ہیں، ان کا اردگرد سیاہ ہوجاتا ہے یا سبز یا سرخ۔ اس سے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے اور قے آنے لگتی ہے۔ طاعون کی یہ پھنسیاں عموماً جسم کے نرم حصوں اور بغلوں وغیرہ میں نکلتی ہیں۔ جسم کے دیگر حصوں میں بھی نکل سکتی ہیں۔'' بوعلی سینا نے کہا ہے: ''طاعون ایک قاتل زہریلا مادہ ہے جو جسم کی نرم جگہوں جیسے بغل اور ران کے اندرونی حصوں میں نکلتا ہے۔ اکثر اوقات بغلوں اور کان کے پچھلے حصوں میں خاص طور پر ناک پر نکلتا ہے۔ اس کا سبب ردی خون ہوتا ہے جس میں تعفن اور خرابی پیدا ہوچکی ہو۔'' اسی طرح دیگر اطباء نے اس سے ملتی جلتی باتیں لکھی ہیں۔

طُلَقَاء اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن سے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے طاقت کے باوجود انتقام نہیں لیا۔

اَلْعَاقِلَه یہ ''عاقل'' کی مؤنث ہے جو عَقَلَ سے اسم فاعل ہے۔ عقل دِیَت کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ عاقلہ سے مراد قاتل کے دَدھیالی رشتہ دار، یعنی اس کے عصبہ تائے اور چچے ہیں۔ یہ قتل خطا کی دیت ادا کرتے ہیں۔

عَامُ الْفِيل وہ سال جس میں ابرہہ الاشرم نے ہاتھیوں کے ساتھ اللہ کے معزز ومحترم گھر بیت اللہ الحرام پر چڑھائی کی اور واصلِ جہنم ہوا۔

عَامِل امیر یا جس کسی کو ولایت کا کوئی کام سپرد کیا جائے وہ عامل کہلاتا ہے، اسی طرح وصولی زکاۃ وغیرہ پر مقرر شخص بھی عامل ہے۔

عَجَم غیر عرب کو ''عجم'' کہتے ہیں۔ اس کا مفرد ''عجمی'' اور ''اعجمی'' ہے۔

عَشَرَهْ مُبَشَّرَهْ وہ دس پاک باز ہستیاں جنھیں رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی مجلس میں جنت کی خوشخبری سنائی تھی۔ ان میں ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، زبیر، سعید بن زید اور ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔

عَنْعَنَه راوی احادیث روایت کرتے ہوئے عَنْ کا لفظ استعمال کریں تو یہ عَنْعَنَه کہلاتا ہے۔ وہ حدیث جو عَنْ عَنْ سے بیان ہوئی ہو اسے مُعَنْعَن کہتے ہیں۔

عَيْنَيْن یہ عین بمعنی ''آنکھ'' کا تثنیہ ہے۔ مدینہ منورہ میں جبل احد کے پہلو میں ایک چھوٹی پہاڑی جبل عینین کہلاتی ہے جہاں جنگ اُحد کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں 50 تیر اندازوں کا دستہ متعین فرمایا تھا تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہوسکے۔ اسے جبل رُماۃ (تیر اندازوں کی پہاڑی) بھی کہتے ہیں۔

غَرِیب حَدِیث	اصطلاحِ حدیث میں غریب حدیث سے مراد وہ روایت ہے جسے بیان کرنے والا راوی اکیلا ہو یا کسی طبقے میں ایک راوی رہ جائے۔ اسے الفرد یا المفرد بھی کہتے ہیں۔
غَزْوَہ	وہ جنگی مہم جس میں رسول اللہ ﷺ نے شرکت فرمائی ہو۔ مطلق جنگ کو بھی غزوہ کہہ سکتے ہیں۔
فَال	یہ عربی میں اَلْفَأْل ہے، یعنی کسی بات یا عمل سے اچھے نتیجے کی توقع کرنا فال لینا کہلاتا ہے، اسے نیک شگون بھی کہتے ہیں۔
فَرْض عَیْن	وہ حکم جس کا ہر ایک شخص سے لازمی مطالبہ ہو، جیسے پانچ نمازیں، روزے وغیرہ۔
فِدْیَہ	نقد معاوضہ۔ خون بہا۔ مال یا روپیہ جسے دے کر قیدی رہا ہو۔ وہ مال جو مکلف کسی تکلیف و مشقت کے عوض ادا کرے، جیسے مریض روزہ نہ رکھ سکنے کی صورت میں کسی مسکین کو کھانا کھلائے۔
فَےْ (مال)	کفار کا وہ مال جو اللہ اپنے مومن بندوں کو بغیر لڑائی عطا فرمائے، کفار خواہ جلاوطن ہو جائیں یا مسلمانوں سے جزیے وغیرہ پر صلح کر لیں، اس مال کو مالِ فے کہتے ہیں۔
قَصْر (نماز)	سفر میں چار رکعات والی نماز کم کر کے دو رکعت ادا کرنا۔
قَلَادَہ	گردن میں جو بھی زیور وغیرہ پہنا جائے، اسے قلادہ کہتے ہیں۔ حج میں قربانی کے جانور کے گلے میں بھی قلادہ (جوتی کا ہار) ڈالا جاتا ہے۔
قَلْب	دل۔ لشکر کا وہ حصہ جو لشکر کے درمیان میں ہوتا ہے، اسی میں امیر لشکر، جنرل یا سپہ سالار ہوتا ہے۔

قِیْرَاط	یہ ایک سکہ ہے۔اس کا وزن 1/12 درہم کے برابر ہوتا ہے۔اعشاری نظام میں ایک قیراط = 2.1/10 رتی = 255.1 ملی گرام۔
کِسْریٰ	ایران کے بادشاہوں کا لقب۔یہ فارسی ''خسروؔ'' کا معرب ہے۔
کَفَّارَہ	کسی عمل کی وجہ سے شرع کی طرف سے عائد صدقے، غلام آزاد کرنے اور روزے وغیرہ کی شکل میں فریضہ کفارہ کہلاتا ہے۔
کَہَانَتْ	یہ وہ عمل ہے جس میں آئندہ کے امور کے جاننے کا دعوائے باطل کیا جاتا ہے۔
لُقَطَہْ	گری پڑی شے اٹھانا۔
مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوب	اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں زکاۃ وغیرہ دے کر ان کی محبت حاصل کی جاتی یا اسلام کی خاطر انھیں مال دے کر اخلاص پر مضبوط کیا جاتا۔
مِئِین	قرآن کریم کی وہ سورتیں جن کی آیات کی تعداد سو یا سو کے قریب ہے۔
مُبَاح	مباح اس کام یا عمل کو کہتے ہیں جس میں مکلَّف کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔
مُبَاھَلَہ	دو گروہوں کا اکٹھے ہو کر دعا کرنا کہ ہم میں سے جو باطل پر ہے اس پر اور جھوٹے پر اللہ کی لعنت ہو۔
مُتَابَعَت	اصطلاح حدیث میں متابعت یہ ہے کہ ایک روایت دوسری کے لفظ یا معنی میں مشارک و متحد ہو جائے بشرطیکہ دونوں روایتوں میں صحابی ایک ہو۔

مَتْرُوك وہ روایت جس کے راوی پر عام بول چال میں جھوٹ کی تہمت ہو، البتہ حدیث میں اس کا جھوٹ ظاہر نہ ہو۔ اس کی روایت متروک کہلاتی ہے۔

مُتَّصِل اسے موصول بھی کہتے ہیں۔ وہ حدیث جس کی سند ملی ہوئی ہو، یعنی ہر راوی نے اپنے استاذ سے روایت سنی ہو۔ یہ اتصال شروع سے آخر تک ہو اور روایت خواہ مرفوع ہو یا موقوف۔

مُتْعَه فائدہ اٹھانا یا فائدہ پہنچانا، مثلاً: ① مُتْعَةُ الحج: حج کے سفر میں حج کے مہینوں ہی میں عمرہ کا فائدہ اٹھانا۔ ② مُتْعَةُ النِّكَاح: کسی عورت سے مقرر مدت کے لیے معین حق مہر کے عوض نکاح کرنا۔ یہ کلی طور پر حرام ہے۔ ③ مُتْعَةُ الطَّلَاق: طلاق کے بعد مطلقہ عورت کو کچھ کپڑے وغیرہ دے دینا۔

مُثْلَه جنگ یا لڑائی میں ناک، کان، ہونٹ، وغیرہ کاٹ کر شکل بگاڑنے کو مثلہ کہتے ہیں۔

مَجْهُول راوی کی شخصیت یا اس کے حالات معلوم نہ ہوں تو اسے مجہول کہتے ہیں۔

مُخَضْرَم وہ شخص ہے جس نے جاہلیت اور اسلام کا زمانہ پایا مگر نبیِ کریم ﷺ سے ملاقات نہ کر سکا، جیسے نجاشی، اویس قرنی وغیرہ۔

مُدْ یہ وزن ماپنے کا پیمانہ ہے جس کا حجازی اعشاری نظام میں وزن ہے: 9 چھٹانک = 524.880 گرام۔

مُدَبَّر وہ غلام جسے آقا کہے کہ میرے مرنے پر تو آزاد ہے۔

مُرْسَل وہ حدیث جس میں تابعی کے بعد صحابی کا واسطہ ساقط ہو جائے۔

مُسْتَحَب وہ عمل جسے شارع نے فرض نہ کیا ہو مگر اس کی ترغیب دلائی ہو مستحب کہلاتا ہے۔ اسے ''مندوب'' بھی کہتے ہیں۔

مُسْتَشْرِق مغرب (یورپ اور امریکہ) کا وہ شخص جو مشرقی علوم، آداب اور لغات کی مہارت حاصل کرے۔

مُسْنَد وہ کتاب جس میں مؤلف صحابہ کی تمام مرویات الگ الگ جمع کر دے اور اس میں موضوع کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو جیسے مسند امام احمد، نیز وہ حدیث جس کی سند اللہ کے رسول ﷺ تک متصل ہو۔

مَشْرُوع یہ شَرَعَ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، وہ کام جس کا جواز شرع سے ثابت ہو۔

مُضَارَبَتْ ایسا معاہدہ مضاربت ہے جس میں ایک شریک کا مال ہوتا ہے، دوسرے شریک کی محنت اور منافع دونوں میں طے شدہ شرطوں کے مطابق ہوتا ہے۔

مُعْجَم محدثین کے نزدیک حدیث کی وہ کتاب معجم ہے جسے اساتذہ کے ناموں کی ترتیب سے مرتب کیا جائے اور یہ ترتیب عموماً الف بائی ہوتی ہے، جیسے المعجم الكبير والأوسط والصغير للطبراني.

مُعْضَل اصطلاح حدیث میں سند کے وسط سے دو یا دو سے زیادہ راوی اکٹھے گریں تو ایسی حدیث کو معضل کہتے ہیں۔

مُعَلَّق وہ سند معلق ہے جس کے شروع (محدث والی طرف) سے ایک یا زیادہ راوی لگاتار گر جائیں۔

مُعَلَّقَة	اس کی جمع مُعَلَّقَات ہے بمعنی لٹکائی ہوئی اشیاء۔ جاہلیت کے زمانے کے مشہور شعراء کے سات قصائد جنھیں کعبہ پر لٹکایا گیا تھا المعلقات السبع کہلاتے ہیں۔ ان شعراء کے نام یہ ہیں: امرؤالقیس، زہیر بن ابی سلمٰی، طرفہ بن العبد، عمرو بن کلثوم، عنترہ بن شداد العبسی، لبید بن ابی ربیعہ العامری، حارث بن حلزہ الیشکری۔
مُفَصَّلات	قرآن کریم کا آخری ساتواں حصہ مفصلات ہے اور امام نووی رحمہ اللہ کی ترجیح کے مطابق سورۂ حجرات سے آخر تک ہے۔ اس کو پھر تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ طوال مفصل (الحجرٰت سے المرسلٰت تک)، اَوساط مفصل (النبأ سے الیل تک) اور قصار مفصل (الضحٰی سے الناس تک)۔
مَقْبُول	وہ راوی جس کا صِدق (سچائی) راجح ہو۔ محدثین کے نزدیک مقبول راوی کی حدیث متابعت ملنے پر قابل عمل ہوتی ہے۔
مُقَدِّمَه	لشکر کے پانچ حصوں میں سے ایک جو لشکر سے آگے آگے ہوتا ہے۔
مَقْطُوْع	یہ موصول (یا متصل) کی ضد ہے بمعنی کاٹا ہوا۔ تابعی کے قول و فعل کو مقطوع حدیث کہتے ہیں، نیز تابعی کے بعد والے کی طرف منسوب قول کو مقطوع کہہ لیتے ہیں۔
مُکَاتَبَتْ	آقا اور غلام کا مالی معاہدہ کرنا کہ جب غلام قسط وار مقررہ مال ادا کر دے گا تو آزاد ہو جائے گا۔ آقا مُکَاتِبْ اور غلام مُکَاتَبْ کہلاتا ہے۔
مَکْرُوه	وہ فعل جس سے شرعًا روکا نہ گیا ہو لیکن اس کا ترک اولیٰ ہو۔

مُکَلَّف	ہر عاقل بالغ جسے شرعی احکام بجا لانے کا پابند کیا گیا ہوا سے مکلّف کہتے ہیں۔
مُنْقَطِع	اصطلاحًا وہ حدیث منقطع ہے جس کی سند سے کوئی راوی گر جائے۔
مُنْکَر	وہ حدیث جسے ضعیف راوی ثقہ کی مخالفت میں روایت کرے۔ ثقہ کی روایت معروف اور ضعیف کی روایت منکر کہلاتی ہے۔ منکر کی ایک تعریف یہ ہے کہ جب راوی انتہائی غلطیاں کرے، شدید غفلت برتے، یا فسق کرے تو اس کی روایت کو منکر کہا جائے گا۔
مَوْضُوع	خود گھڑی ہوئی بات نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کی جائے تو وہ موضوع حدیث کہلاتی ہے۔
مَوْقُوف	صحابی کے قول، فعل یا تقریر کو موقوف حدیث کہتے ہیں۔
مَیْسَرَہ	یہ یسار (بائیں) سے مشتق ہے۔ لشکر کے پانچ حصوں میں سے ایک حصہ جو بائیں جانب ہونے کی وجہ سے ''میسرہ'' کہلاتا ہے۔
مِیْقَات	• لغت میں کسی کام کے مقررہ وقت یا جگہ کو میقات کہتے ہیں۔ اصطلاحًا وہ جگہ میقات ہے جہاں سے عمرہ یا حج کرنے والا احرام کے بغیر نہیں گزر سکتا۔ یہ میقات پانچ ہیں: ذُوالْحُلَیفه (ابیار علی)، اَلْجُحْفَه، یَلَمْلَمْ (السعدیہ)، ذات عرق، اور قرن المنازل۔
مَیْمَنَه	یہ لفظ ''یمین'' بمعنی بائیں سے مشتق ہے۔ لشکر کے پانچ حصوں میں سے ایک جو دائیں جانب ہونے کی بنا پر ''میمنہ'' کہلاتا ہے۔
نَجَاشِی	شاہ حبشہ کا لقب۔

نَجْش لغت میں کسی چھپی شے کو کرید کر نکالنا نجش کہلاتا ہے۔ اصطلاحًا کوئی آدمی سودا خریدنا نہ چاہتا ہو مگر دوسرے کو دھوکے میں رکھ کر بولی بڑھاتا جائے تو یہ نجش ہے۔

نَحْر اونٹ کو گردن کے نیچے سینے کے پاس گڑھے میں نیزہ وغیرہ مار کر ذبح کرنا۔

نَسْخ لغت میں کسی شے کو زائل یا نقل کرنے کو نسخ کہتے ہیں۔ کسی پہلے شرعی حکم کو بعد والے شرعی حکم سے ختم کر دینا اصطلاح میں نسخ کہلاتا ہے۔

نِفَاق دل میں کفر، بظاہر ایمان کا نام نفاق ہے۔

نَقِیْب قوم کا سردار جو ان کے امور کا لحاظ رکھنے والا ہو۔

نَوَاۃ لغت میں پھل کی گٹھلی کو نواۃ کہتے ہیں۔ یہ خاص مقداروں کا نام بھی ہے۔ اس کا وزن 5 درہم کے برابر ہوتا ہے جو موجودہ 14.875 گرام کے برابر ہے۔

وَاجِبْ وہ کام جس پر عمل کو شارع نے لازم ٹھہرایا ہو، اسے فرض بھی کہتے ہیں۔

وَحْی وہ کلام جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو فرشتے کے واسطے سے یا بغیر واسطے کے ان کے دل پر القا کیا ہے، اسے وحی کہتے ہیں۔

وَسْق یہ وزن ماپنے کا ایک پیمانہ ہے جس کی مقدار ساٹھ صاع ہے۔ اعشاری نظام میں 1 وسق = 3 من 15 سیر = 125.971200 کلوگرام۔

وِصَال لغت میں ایک شے کو دوسری سے ملانے کو وصال کہتے ہیں۔ شرعاً دو یا اس سے زیادہ دن بغیر افطار کیے روزہ رکھنے کو وصال کہا جاتا ہے۔

هَدْیٌ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے حاجی و معتمر جو اونٹ وغیرہ پیش کرتے ہیں، انھیں ہدی کہا جاتا ہے۔

يَمِيْنُ الْغَمُوس یمین الغموس ایسی قسم کو کہتے ہیں جس میں قسم اٹھانے والا عمداً جھوٹ بولے۔

سیرت نبوی ماہ وسال کے آئینے میں

سیرت النبی ﷺ کے موضوع پر زیر مطالعہ تحقیقی کتاب میں سے
ہجری اور عیسوی تقویم کی روشنی میں اہم واقعات ایک نظر میں

واقعہ	سن ہجری	سن عیسوی
قوم سبا (عربوں) کی یمن پر حکومت کا آغاز	1465 قبل الهجرة	800 ق م
ایرانی بادشاہ بہرام بن ہرمز بن شاپور نے ''مانی'' کو قتل کیا	356 قبل الهجرة	276ء
حمیریوں کی حکومت قائم ہوئی	332 قبل الهجرة	300ء
یمن کا دور انحطاط اور عربوں کی نقل مکانی	291 قبل الهجرة	340ء
حبشیوں کا یمن پر قبضہ	291 قبل الهجرة	340ء
''سیل عرم'' عرم کا سیلاب جس سے مأرب کا بند ٹوٹ گیا	177 یا 178 قبل الهجرة	450ء یا 451ء
''مزدک'' کا ظہور	148 قبل الهجرة	478ء
اصحاب الاخدود کا واقعہ	102 قبل الهجرة	523ء
ابرہہ کی کمان میں حبشیوں کا یمن پر دوبارہ قبضہ	100 قبل الهجرة	525ء
مزدک کا قتل	96 قبل الهجرة	529ء
ابرہہ الاشرم کی کعبۃ اللہ پر لشکر کشی	عام الفیل یا 53 سال قبل الهجرة	571ء
ولادت رحمت دو جہاں ﷺ	عام الفیل 9/12 ربیع الاول	20/23 اپریل 571ء
واقعہ شق صدر	ولادت کے تیسرے سال	574ء

معدیکرب بن سیف بن ذی یزن کی قیادت میں اہل یمن حبشی غلبے سے آزاد ہوئے	سن 48 قبل الهجرة	575ء
والدہ کی وفات	عمر مبارک کے چھٹے سال	577ء
دادا کی وفات	عمر مبارک کے آٹھویں سال	579ء
شام کا پہلا سفر	عمر مبارک کے بارہویں سال	583ء
چچا زبیر کے ساتھ تجارتی سفر	تیرھویں یا چودھویں سال	584ء
جنگ فجار	عمر مبارک کے پندرہویں سال	586ء
جنگ فجار کا اختتام اور حلف الفضول	عمر مبارک کے بیسویں سال	591ء
سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی	عمر مبارک کے پچیسویں سال	595ء
حجر اسود کے تنازعے کا فیصلہ	عمر مبارک کے پینتیسویں سال	605ء
غار حرا میں عبادت وریاضت	عمر مبارک کے چالیسویں سال	610ء
بعثت نبوی	عمر مبارک کے اکتالیسویں سال 21 رمضان المبارک	12 فروری 610ء
علانیہ تبلیغ کا آغاز	4 نبوی	614ء
دار ارقم کی ابتدا	5 نبوی	614ء
ہجرتِ حبشہ	رجب 5 نبوی	615ء
قصۂ غرانیق اور حبشہ سے واپسی	شوال 5 نبوی	615ء
حضرت حمزہ وعمر رضی اللہ عنہما کا قبولِ اسلام	6 نبوی	616ء
حبشہ کی دوسری ہجرت	نبوت کے چھٹے سال	616ء
شعب ابی طالب میں مسلمانوں کا محاصرہ	محرم 7 نبوی	617ء
شعب ابی طالب کے محاصرے سے خروج	محرم 10 نبوی	اکتوبر 618ء
وفات ابوطالب	رجب 10 نبوی	مارچ 619ء

وفات حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	رمضان 10 نبوی	مئی 619ء
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال 10 نبوی	مئی 619ء
طائف روانگی	شوال 10 نبوی	مئی/ جون 619ء
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح	شوال 10 نبوی	جون 619ء
اہل یثرب سے بنوخزرج کے لوگوں کے سامنے اسلام کی دعوت	ذوالحجہ 11 نبوی	اگست 620ء
اسراء ومعراج اور نماز کی فرضیت	اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: ہجرت سے سولہ مہینے پہلے ہجرت سے ایک سال 2 ماہ پہلے ہجرت سے ایک سال پہلے	
پہلی بیعت عقبہ	ذوالحجہ 12 نبوی	جولائی 621ء
ہجرت مدینہ کا آغاز (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی ہجرت)	ذوالحجہ 12 نبوی	جولائی 621ء
دوسری بیعت عقبہ	ذوالحجہ 13 نبوی	جون 622ء
دارالندوہ میں قریش کا اجتماع	26 صفر 14 نبوی	12 ستمبر 622ء
ہجرتِ نبوی	27 صفر 14 نبوی	13 ستمبر 622ء
غارِ ثور سے روانگی	یکم ربیع الاول یکم ہجری	16 ستمبر 622ء
قباء میں تشریف آوری	8 ربیع الاول یکم ہجری	23 ستمبر 622ء
مدینہ میں داخلہ	12 ربیع الاول، یکم ہجری	27 ستمبر 622ء
مسجد نبوی کی تعمیر کی ابتدا	19 ربیع الاول، یکم ہجری	12 اکتوبر 622ء
یثاق مدینہ	1 ہجری	622ء
مسلمانوں میں بھائی چارہ	یکم ہجری	622ء

سریہ سیف البحر (ساحل سمندر کی مہم)	رمضان 1 ہجری (ساتویں ماہ)	623ء
فرضیت جہاد	12 صفر 2 ہجری	16 اگست 623ء
غزوۂ ابواء (ودّان)	صفر 2 ہجری	اگست 623ء
رَضْویٰ کے علاقے میں غزوۂ بُواط	ربیع الاول 2 ہجری	ستمبر 623ء
غزوۂ سفوان (بدرِ صغریٰ)	ربیع الاول 2 ہجری	ستمبر 623ء
غزوۂ ذی العُشَیْرَہ	جمادی الآخرہ 2 ہجری	نومبر، دسمبر 623ء
سریۂ نخلہ	رجب 2 ہجری	جنوری 624ء
تحویلِ قبلہ	17 شعبان 2 ہجری	13 فروری 624ء
فرضیت روزہ، زکاۃ اور فطرانہ	2 ہجری	13 مارچ 624ء
رابغ کی جانب عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی جنگی مہم	ہجرت کے آٹھویں ماہ شوال میں یا ربیع الاول 2 ہجری میں	اپریل یا ستمبر 623ء
اسلام اور نبی اسلام کو ایذا دینے والی عصماء بنت مروان کا قتل	ہجرت کے انیسویں ماہ	مارچ 624ء
غزوۂ بدر	17 رمضان 2 ہجری	624ء
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی سازش	جنگ بدر کے بعد تقریباً انیسویں ماہ	مارچ 624ء
ابوعفک منافق کا قتل	ہجرت کے بیسویں ماہ	624ء
غزوۂ بنوقینقاع اور ان کی جلاوطنی	شوال 2 ہجری	مارچ اپریل 624ء
کدر کے مقام پر غزوۂ بنی سلیم وغطفان	شوال 2 ہجری	اپریل 624ء
غزوۂ سویق	ذوالحجہ 2 ہجری	مئی 624ء
غزوۂ قرقرۃ الکدر	محرم الحرام 3 ہجری	جون/جولائی 624ء
غزوۂ ذی امر	12 ربیع الاول	جولائی 624ء

کعب بن اشرف یہودی کا قتل	14 ربیع الاول 3 ہجری	5 ستمبر 624ء
غزوۂ بُحران یا غزوۂ فُرُع	جمادی الاولیٰ 3 ہجری	اکتوبر/ نومبر 624ء
سریۂ قردہ یا سریۂ زید بن حارثہ	جمادی الآخرہ 3 ہجری	نومبر 624ء
غزوۂ اُحد	15 شوال 3 ہجری	اپریل 625ء
غزوۂ حمراء الاسد	16 شوال 3 ہجری	اپریل 625ء
حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا سے شادی	3 ہجری	625ء
زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا سے شادی	رمضان المبارک 3 ہجری	625ء
سریۂ ابوسلمہ	محرم الحرام 4 ہجری	جون 625ء
سانحۂ رجیع و بئر معونہ	صفر 4 ہجری	جولائی 625ء
غزوۂ بنی نضیر	ربیع الاول 4 ہجری	اگست 625ء
غزوۂ نجد	جمادی الآخرہ 4 ہجری	اکتوبر 625ء
غزوۂ بدر دوم	شعبان 4 ہجری	جنوری 626ء
ام سلمہ ہند بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا سے شادی	شوال 4 ہجری	626ء
غزوۂ ذات الرّقاع	غزوۂ خیبر کے بعد یا غزوۂ بنو نضیر کے بعد یا غزوۂ خندق کے بعد 4 ہجری، محرم 5 ہجری	
غزوۂ دُومۃ الجندل	25 ربیع الاول 5 ہجری	24 اگست 626ء
جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے شادی	شعبان 5 ہجری	626ء
غزوۂ خندق (احزاب)	شوال 5 ہجری	فروری/ مارچ 627ء
زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے شادی	یکم ذوالقعدہ 5 ہجری	627ء
غزوۂ بنو قریظہ	ذوالقعدہ/ ذوالحجہ 5 ہجری	مارچ/ اپریل 627ء

واقعہ	ہجری	عیسوی
ریحانہ بنت زید بن عمرو بن خنافہ رضی اللہ عنہا سے شادی	غزوہ قریظہ کے بعد	627ء
غزوہ بنی المصطلق اور واقعہ اِفک	شعبان 5 ہجری	دسمبر / جنوری 626ء/627ء
ایک اعرابی کا واقعہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا، پہرے کا واقعہ اور جابر رضی اللہ عنہ کے اونٹ کا واقعہ	یہ سب واقعات غزوۂ ذات الرقاع کے بعد کے ہیں۔	
سریہ عبداللہ بن عتیک (قتلِ ابورافع)	ابن سعد کے نزدیک رمضان 6 ہجری، طبری کے نزدیک جمادی الآخرہ 30 ہجری، اسی طرح ذوالحجہ 5 ہجری، 4 ہجری اور رجب 3 ہجری کے مختلف اقوال ہیں۔	
سریہ محمد بن مسلمہ اور ثمامہ کا قبول اسلام	10 محرم 6 ہجری	یکم جون 627ء
غزوۂ بنی لحیان اور عسفان میں خالد بن ولید کی قیادت میں قریش کی ایک جماعت سے ٹکراؤ اور صلاۃ خوف کا نزول	ربیع الاول یا جمادی الاولیٰ 6 ہجری	627ء
عیص کے علاقے میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کاروائی	جمادی الاولیٰ 6 ہجری	ستمبر 627ء
دومۃ الجندل میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان 6 ہجری	دسمبر 627ء
فدک میں علی رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان 6 ہجری	دسمبر 627ء
بنو فزارہ میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی جنگی کارروائی		

واقعہ	ہجری تاریخ	عیسوی تاریخ
عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کی یُسیر بن رزام یہودی کے خلاف کارروائی	شوال 6 ہجری	فروری 628ء
عُرینہ کے خلاف کُرز بن جابر کی کارروائی	شوال 6 ہجری	فروری 628ء
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش اور ابوسفیان کے قتل کے لیے عمرو بن امیہ ضمری کا سفر		
سریۂ سیف البحر	بعض کے نزدیک صلح حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔ بعض نے رجب 8 ہجری بتایا ہے۔	فروری 628ء یا اکتوبر 629ء
غزوۂ ذی قرد	شعبان 6 ہجری	دسمبر 627ء
عمرہ اور صلح حدیبیہ	ذوالقعدہ 6 ہجری	مارچ 628ء
بادشاہوں کے نام خطوط کا آغاز	ذوالحجہ 6 ہجری	اپریل 628ء
غزوۂ خیبر	محرم 7 ہجری	مئی 628ء
ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان بن حرب رضی اللہ عنہا سے شادی	ان کی شادی کی تاریخ معلوم نہیں، البتہ حبشہ سے 7 ہجری میں حرم نبوی میں آئی تھیں۔	628ء
صفیہ بنت حُیَیّ نضیریہ رضی اللہ عنہا سے شادی	خیبر کی فتح کے بعد سات 7 ہجری میں	628ء
تُربہ میں عمر رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان 7 ہجری	دسمبر 628ء
نجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان 7 ہجری	دسمبر 628ء
فدک میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شعبان 7 ہجری	دسمبر 628ء
میفعہ میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کارروائی	رمضان 7 ہجری	جنوری 629ء

جناب علاقے میں بشیر بن سعد کی کاروائی	شوال 7 ہجری	فروری 629ء
عمرۂ قضاء	ذوالقعدہ 7 ہجری	مارچ 629ء
میمونہ بنت حارث ہلالیہ رضی اللہ عنہا سے شادی	ذوالقعدہ 7 ہجری، عمرۂ قضاء کے بعد	629ء
اخرم بن ابی عوجاء سلمی کی کارروائی	یکم صفر 8 ہجری	مئی 629ء
عمرو بن عاص اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کا قبول اسلام	صفر 8 ہجری	جون 629ء
کدید میں غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی کارروائی	صفر 8 ہجری	جون 629ء
فدک میں بشیر بن سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کی شہادت گاہ کی طرف غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تادیبی کارروائی	صفر 8 ہجری	جون 629ء
ذاتِ اَطلاح میں قضاعہ کے ساتھ کعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی لڑائی	ربیع الاول 8 ہجری	جولائی 629ء
بنو عامر کے علاقے السَّی میں شجاع بن وہب کی کارروائی	ربیع الاول 8 ہجری	جولائی 629ء
مدین کی جانب زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کی کارروائی	یہ واقعہ موتہ سے پہلے کا معلوم ہوتا ہے	629ء
جنگ مُوتہ	جمادی الاولیٰ 8 ہجری	ستمبر 629ء
سریہ ذات السلاسل	جمادی الآخرہ 8 ہجری	اکتوبر 629ء
غابہ کی طرف ابن ابی حَدْرَد کی کارروائی	شعبان 8 ہجری	629ء
بطنِ اِضم میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی کارروائی	یکم رمضان 8 ہجری	دسمبر 629ء
فتح مکہ مکرمہ	19,20 رمضان 8 ہجری	630ء
خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی کنانہ کے بنو جذیمہ کی طرف روانگی	شوال 8 ہجری	جنوری 630ء

ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ کی یلملم کی طرف اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی وادیِ عرنہ کی طرف روانگی	شوال 8 ہجری	جنوری 630ء
غزوۂ حنین	11 شوال 8 ہجری	یکم فروری 630ء
جنگ اوطاس	شوال 8 ہجری	جنوری 630ء
ذوالکفین کے خلاف طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ کی کارروائی	شوال 8 ہجری	جنوری 630ء
غزوۂ طائف	شوال 8 ہجری	630ء
کعب بن زہیر کا قبول اسلام	شوال 8 ہجری میں طائف سے واپسی پر	630ء
عاملین زکاۃ کی روانگی	محرم 9 ہجری	630ء
عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کی بنو عنبر کے خلاف کارروائی	محرم 9 ہجری	630ء
قُطبہ بن عامر کی تبالہ میں کارروائی	صفر / ربیع الاول 9 ہجری	630ء
قُرطاء میں ضحاک رضی اللہ عنہ کی کارروائی	ربیع الاول 9 ہجری	630ء
عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی مہم	تقریباً ربیع الآخر 9 ہجری	630ء
علی رضی اللہ عنہ کی "فُلس" بنو طے کے بت کے خلاف کارروائی اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام	ربیع الآخر 9 ہجری	630ء
عام الوفود	9 ہجری	630ء-631ء
غزوۂ تبوک (یا غزوۃ العسرہ)	رجب 9 ہجری	631ء
ابوبکر رضی اللہ عنہ کا حج	9 ہجری	631ء
ابوموسیٰ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کی یمن روانگی	10 ہجری	631ء
جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کی ذوالخلصہ کی طرف روانگی	10 ہجری	631ء
حج کی فرضیت	10 ہجری، 9 ہجری یا 6 ہجری	

حج کے سفر کا آغاز	25/24 ذوالقعدہ 10 ہجری	631ء - 632ء
حجۃ الوداع	ذوالحجہ 10 ہجری	632ء
جیش اسامہ کی تیاری	صفر 11 ہجری	631ء
مرض الموت کا آغاز	صفر 11ھ کا آخر یا ربیع الاول کی ابتدا	632ء
وصال مبارک	12 ربیع الاول 11 ہجری	632ء
تجہیز و تکفین	13 ربیع الاول 11 ہجری	632ء
تدفین	14 ربیع الاول 11 ہجری	632ء
عمر مبارک	63 سال بحساب قمری	تقریباً 61 سال شمسی

مصادر و مراجع

کتاب کی تیاری میں چند بنیادی مصادر و مراجع حروفِ تہجی کی ترتیب سے درج ذیل ہیں

الکتاب	المؤلف	التحقیق	دارالنشر	تاریخ الطبع
أحادیث الهجرة	سلیمان بن علي السعود	= = =	مرکز الدراسات الإسلامیة برمنجهام بریطانیا	1411ھ 1990 م
أخبار مکة في قدیم الدهر و حدیثه	أبو عبد الله محمد بن إسحاق بن العباس (ت: 280ھ)	عبد الملك بن عبد الله بن دهیش	مکتبة و مطبعة النهضة الحدیثة، مکة المکرمة	1407ھ 1986م ط: الأولی
أخبار مکة و ما جاء فیها من الآثار	أبو الولید محمد بن عبد الله بن أحمد الأزرقي (ت: 250ھ)	رشدي الصالح ملحس	دار الثقافة، بیروت و مکة المکرمة	1399ھ 1979م ط: الثالثة
أخلاق النبي ﷺ وآدابه	أبو الشیخ: عبد الله بن محمد بن جعفر الأصبهاني (ت: 329ھ)	السید الجمیلي	دار الکتاب العربي، بیروت	1406 ھ 1986م ط: الثانیة
أخلاق النبي ﷺ وآدابه	أبو الشیخ: عبد الله بن محمد بن جعفر الأصبهاني (ت: 329ھ)	عصام الدین سید الصَّبابطي	الدار المصریة اللبنانیة، القاهرة	1413ھ 1993م ط: الثانیة
الأدب المفرد	محمد بن إسماعیل البخاري (ت: 256ھ)	سمیر بن أمین الزهیري	مکتبة المعارف، الریاض	1419ھ 1998م
إرواء الغَلیل في تخریج أحادیث منار السبیل	محمد ناصر الدین الألباني (ت: 1420ھ)	= = =	المکتب الإسلامي، بیروت	1399ھ 1979م

أسباب النزول	أبو الحسن علي بن أحمد الواحدي النيسابوري (ت: 468 هـ)	= = =	مطبعة هندية، مصر	1315هـ 1897م
الاستيعاب في معرفة الأصحاب: بهامش الإصابة لابن حجر .	أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد ابن عبد البر النمري (ت: 463هـ)	= = =	= = =	= = =
أسد الغابة في معرفة الصحابة	علي بن محمد بن محمد ابن الأثير الجزري (ت:630هـ)	= = =	دار الشعب، القاهرة	1390هـ 1970م
الإصابة في تمييز الصحابة	أحمد بن علي بن محمد ابن حجر الكناني (ت:852هـ)	= = =	مطبعة السعادة، مصر	1328هـ 1910م ط: الأولى
إظهار الحق	رحمة الله بن خليل الرحمن الهندي		إدارة إحياء التراث الإسلامي، الدوحة	1403هـ 1983م
إعلام الساجد بأحكام المساجد	محمد بن عبد الله الزركشي (ت:794هـ)	أبو الوفا مصطفى المراغي	لجنة إحياء التراث الإسلامي، القاهرة	1384هـ 1964م
إعلام السائلين عن كتب سيد المرسلين	محمد بن طولون الدمشقي (ت:953هـ)	محمود الأرناؤوط	مؤسسة الرسالة، بيروت	1403هـ 1983م
الأموال	أبو عبيد القاسم بن سلام البغدادي، اللغوي (ت:224هـ)	محمد خليل هراس	مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة ودار الفكر القاهرة و بيروت	1395هـ 1975م ط: الثانية
أنساب الأشراف	أحمد بن يحيى بن جابر البلاذري (ت: 279هـ)	محمد حميد الله	دار المعارف، مصر	= = =
إيران في عهد الساسانيين	آرثر كريستنسن	ترجمة يحيى الخشاب	دار النهضة العربية، بيروت	
البداية والنهاية	أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي (ت:774هـ)	الدكتور عبد الله بن عبد المحسن التركي	هجر للطباعة والنشر، القاهرة	1417هـ 1997م ط: الأولى

بلوغ الأرب في أحوال العرب	محمود شكري	بهجت الأثري	دار الكتب العلمية، بيروت	1342هـ 1924م
تاريخ الإسلام و وفيات المشاهير و الأعلام (قسم السيرة و المغازي)	أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (ت:748هـ)	الدكتور عمر عبد السلام تدمري	دار الكتاب العربي، بيروت	1407هـ 1987م ط: الأولى
تاريخ الثقات	أبو الحسن أحمد بن عبد الله بن صالح العجلي (ت:261هـ)	الدكتور عبد المعطي قلعجي	دار الكتب العلمية بيروت	1405هـ 1984م ط: الأولى
تاريخ خليفة بن خياط	خليفة بن خياط العصفري (ت:463هـ)	الدكتور أكرم ضياء العمري	دار طيبة، الرياض	1405هـ 1985م
تاريخ الخميس في أحوال أنفس نفيس	حسين بن محمد بن الحسن الديار بكري (ت:966هـ)	= = =	مؤسسة شعبان، بيروت، والمطبعة الوهبية، مصر	1283هـ 1866م
تاريخ الرسل والملوك	أبو جعفر محمد بن جرير بن زيد الطبري (ت: 310هـ)	= = =	دار المعارف، مصر	ط: الرابعة
التاريخ الكبير	أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري (ت : 256 هـ)	= = =	دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد ودار الكتب العلمية، بيروت	1380هـ 1960م
تاريخ مدينة دمشق (قسم السيرة النبوية)	ابن عساكر: أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله الدمشقي (ت:571هـ)	نشاط غزاوي	مطبوعات مجمع اللغة العربية و دار الفكر، دمشق	1404هـ 1984م
تاريخ المدينة المنورة	أبو زيد عمر بن شبة النميري البصري (ت : 262هـ)	فهيم محمد شلتوت	نشر السيد حبيب محمود أحمد، دار الأصفهاني، جدة	1399هـ 1979م
تاريخ ابن الوردي	زين الدين عمر بن مظفر بن عمر بن محمد ابن الوردي (ت: 749هـ)	= = =	جمعية المعارف، القاهرة	1358هـ 1939م

تاريخ اليعقوبي	أحمد بن أبي يعقوب بن جعفر ابن واضح اليعقوبي (ت: 282هـ)	= = =	دار صادر، بيروت	1379هـ 1960م
تخريج أحاديث فقه السيرة للغزالي	محمد ناصر الدين الألباني (ت: 1420هـ)	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت	1405هـ 1985م
تذكرة الحفاظ	أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي (ت: 748هـ)	= = =	إحياء التراث العربي، بيروت	= = =
الترغيب والترهيب	أبو محمد عبد العظيم بن عبد القوي المنذري (ت: 656هـ)	الشيخ مصطفى محمد عمارة	دار الكتب العلمية، بيروت	1406هـ 1986م
تفسير القرآن العظيم	أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير (ت: 774هـ)	محمد إبراهيم البنّا و زميليه	كتاب الشعب، القاهرة	1390هـ 1971م
تقريب التهذيب	أحمد بن على بن محمد ابن حجر الكناني (ت: 852هـ)	عبد الوهاب عبد اللطيف و محمد عوّامة	دار الكتب العربي، مصر، و دار الرشيد، حلب، السورية	1406هـ 1986م ط: الأولى
تلقيح فهوم الأثر في عيون التاريخ والسير	أبو الفرج جمال الدين عبد الرحمن بن علي بن محمد الجوزي (ت: 597هـ)	= = =	مكتبة الآداب، مصر	= = =
التوراة السامرية	الكاهن السامري، أبو الحسن إسحاق الصوري (مترجم)	الدكتور حجازي السقا	دار الأنصار، القاهرة	1398هـ 1978م ط: الأولى
تهذيب الخصائص النبوية الكبرى	جلال الدين عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (ت: 911هـ)	الشيخ عبد الله التليدي	دار البشائر الإسلامية بيروت	1410هـ ط: الثانية
الثقات	أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البُستي (ت: 354هـ)	= = =	دائرة المعارف، الهند	1401هـ 1981م ط: الأولى

جامع الأصول من أحاديث الرسول	علي بن محمد بن محمد ابن الأثير الجزري (ت:630ھ)	محمد حامد الفقي	دار الكتب العلمية، بيروت	1987م
جامع البيان عن تأويل آي القرآن	أبو جعفر بن جرير بن زيد الطبري (ت: 310ھ)	أحمد محمد شاكر و آخرين	مكتبة ابن تيمية، القاهرة	ط: الثانية
جامع الترمذي	أبوعيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي(ت:279ھ)	عزت عبيد الدعاس	مكتبة دار الدعوة، حمص۔ السورية	1385ھ 1965م
الجرح والتعديل	أبو محمد عبد الرحمن بن أبي جاتم الرازي (ت: 327ھ)	= = =	دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد، و دار الكتب العلمية، بيروت	1272ھ 1855م ط: الأولى
جوامع السيرة	ابن حزم: أبو محمد علي بن أحمد بن سعد (ت:456ھ)	الدكتور إحسان عباس والدكتور ناصر الدين الأسد	دار المعارف، مصر	= = =
حدائق الأنوار و مطالع الأسرار في سيرة النبي المختار ﷺ	محمد بن عمر بحرق الحضرمي الشافعي(ت:930ھ)	محمد غسان نصوح عزقول	دار الحاوي، بيروت	1419ھ 1998م ط: الأولى
دبلوماسية محمد ﷺ	الدكتور عون الشريف قاسم	= = =	قسم التأليف والنشر جامعة الخرطوم	= = =
دراسة تحليلية لشخصية الرسول محمد ﷺ من خلال سيرته الشريفة	الأستاذ الدكتور محمد رواس قلعجي	= = =	دار النفائس بيروت	1408ھ 1988م ط: الأولى
دراسة الكتب المقدسة في ضوء المعارف الحديثة	موريس بوكاي	= = =	دار المعارف، القاهرة	1397ھ 1977م ط: الرابعة
الدرر في اختصار المغازي والسير	أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد ابن عبد البر النمري (ت:463ھ)	الدكتور شوقي ضيف	القاهرة	1386ھ 1966م

دفاع عن الحديث النبوي والسيرة والرد على جهالات الدكتور البوطي في كتابه فقه السيرة	محمد ناصر الدين الألباني(ت:1420هـ)	===	مؤسسة و مكتبة الخافقين، دمشق	1397هـ 1977م
دلائل النبوة	أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصفهاني (ت:430هـ)	الدكتور محمد رواس قلعجي وعبد البر عباس	دار النفائس، بيروت	1406هـ 1986م ط: الثانية
دلائل النبوة و معرفة أحوال صاحب الشريعة	أحمد بن الحسين بن علي البيهقي (ت:458هـ)	الدكتور عبد المعطي قلعجي	دار الكتب العلمية، بيروت	1405هـ 1985م
الديانات القديمة	الشيخ محمد أبوزهرة	===	دار الفكر العربي، مصر	1385هـ 1956م
الذهب المسبوك في تحقيق روايات غزوة تبوك	عبد القادر حبيب الله السندي	===	مكتبة المعلا، الكويت	1406هـ - 1986م
الرحيق المختوم	الشيخ صفي الرحمٰن المباركفوري	===	دار الوفاء، المنصورة، مصر	
الروض الأنف في تفسير السيرة النبوية لابن هشام	أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد بن أبي الحسن الخثعمي السهيلي(ت:581هـ)	===	دار المعرفة، بيروت	1398هـ 1978م
زاد المسير في علم التفسير	أبو الفرج جمال الدين عبد الرحمٰن بن علي الجوزي (ت:579هـ)	===	المكتب الإسلامي، بيروت	1384هـ 1964م ط: الأولى
زاد المعاد في هدي خير العباد	ابن قيم الجوزية: أبو عبد الله محمد بن أبي بكر(ت:752هـ)	شعيب الأرناؤوط و عبد القادر الأرناؤوط	مؤسسة الرسالة، بيروت	1406هـ 1986م

زرادشت الحكيم (نبي قدامى الإيرانيين، حياته و فلسفته)	حامد عبد القادر	= = =	مكتبة نهضة مصر و مطبعتها، القاهرة	1375ھ 1956م
سبل الهدٰى والرشاد في سيرة خير العباد	محمد بن يوسف الصالحي (ت:942ھ)	الدكتور مصطفٰى عبد الواحد و آخرين	لجنة إحياء التراث الإسلامي، القاهرة	1392ھ 1972م 1406 ھ 1986م
سلسلة الأحاديث الصحيحة	محمد ناصر الدين الألباني (ت:1420ھ)	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت	1405ھ ط الخامسة
سلسلة الأحاديث الضعيفة	محمد ناصر الدين الألباني (ت:1420ھ)	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت، دمشق	1398ھ ط: الرابعة
سنن الدارمي	أبو محمد عبد اللّٰه بن عبد الرحمن بن الفضل الدارمي (ت: 255ھ)	= = =	دار إحياء السنة النبوية، القاهرة	= = =
سنن أبي داود مع معالم السنن للخطابي	أبو سليمان حمد بن محمد بن إبراهيم البستي الخطابي (ت: 388ھ)	عزت عبيد الدعاس	نشر و توزيع محمد علي السيد، السورية	1388ھ 1969م ط: الأولٰى
السنن الكبرٰى للبيهقي	أحمد بن الحسين بن علي البيهقي (ت: 458ھ)	= = =	دائرة المعارف العثمانية حيدرآباد	1344ھ 1925م ط: الأولٰى
السنن الكبرٰى للنسائي	أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب النسائي (ت:303ھ)	الدكتور عبد الغفار سليمان البنداري و سيد كسروي حسن	دارالكتب العلمية، بيروت	1411ھ 1991 ط: الأولٰى
سنن ابن ماجه	أبو عبد اللّٰه محمد بن يزيد ابن ماجه القزويني (ت:275ھ)	محمد فؤاد عبد الباقي	دار الفكر العربي، بيروت	1395ھ 1975م

سنن النسائي	أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب النسائي(ت:303هـ)	شرح الحافظ جلال الدين السيوطي وحاشية الإمام السندي	دار إحياء التراث العربي، بيروت	1348هـ 1930م ط: الأولٰى
السنة و معه ظلال الجنة في تخريج السنة	أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الشيباني(ت:287هـ)	محمد ناصر الدين الألباني (ت:1420هـ)	المكتب الإسلامي	1405هـ ط: الثانية
السيرة النبوية	أبو محمد عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري (ت: 218 هـ)	الدكتور همام عبد الرحيم سعيد و محمد عبد اللّٰه أبو صُعَيليك	مكتبة المنار، الأردن	1409هـ 1988م ط: الأولٰى
السيرة النبوية	أبو الحسن علي الحسني الندوي	= = =	دار الشروق، جدة	1397هـ 1977م
السيرة النبوية الصحيحة (قراء ة جديدة)	محمد الصوياني	= = =	مؤسسة الريان الرياض	1420هـ ط: الأولٰى
السيرة النبوية في الصحيحين و عند ابن إسحاق (دراسة مقارنة في العهد المكي)	الدكتور سليمان بن فهد العودة	= = =	مخطوط	1407هـ 1987م
السيرة النبوية في ضوء القرآن والسنة	محمد محمد أبو شهبة	= = =	دار القلم، دمشق	1409هـ 1988م
السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية	الأستاذ الدكتور مهدي رزق اللّٰه أحمد	= = =	مركز الملك فيصل للبحوث والدراسات الإسلامية، الرياض	1412هـ 1992م ط: الأولٰى
السيرة النبوية و أخبار الخلفاء	أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي(ت:354هـ)	الحافظ السيد عزيز بك و جماعة من العلماء	مؤسسة الكتب الثقافية، بيروت	1407هـ 1987م ط: الأولٰى

السير والمغازي	محمد بن إسحاق بن يسار المطلبي (ت: 151هـ)	الدكتور سهيل زكار	دار الفكر، دمشق	1398هـ 1987م ط: الأولى
شرح المواهب اللدنية	أبو العباس أحمد بن محمد بن أبي بكر القسطلاني (ت: 923هـ)	شرح أبي عبد الله محمد بن عبد الباقي الزرقاني (ت: 1122هـ)	دار الطباعة الأميرية، مصر	1278هـ 1861م
شرح موطأ الإمام مالك بن أنس	= = =	أبو عبد الله محمد بن يوسف الزرقاني (ت: 1122هـ)	مطبعة الاستقامة، القاهرة	1372هـ 1954م
شرح النووي على صحيح مسلم	أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (ت: 676هـ)	= = =	دار الفكر، بيروت	= = =
شعب الإيمان	أحمد بن الحسين بن علي البيهقي (ت: 458هـ)	محمد السعيد بسيوني زغلول	دار الكتب العلمية، بيروت	1410هـ 1990م ط: الأولى
شمائل النبي ﷺ	محمد بن عيسى بن سورة الترمذي (ت: 279هـ)	الشيخ ماهر ياسين فحل و الدكتور بشار عوّاد	دار الغرب الإسلامي بيروت	1421هـ 2000م ط: الأولى
صحيح البخاري	أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري (ت: 256هـ)		المكتب الإسلامي، إستانبول، تركيا	1399هـ 1979م
صحيح الجامع الصغير و زيادته	محمد ناصر الدين الألباني (ت: 1420هـ)	بإشراف زهير الشاويش	المكتب الإسلامي، بيروت	1408هـ 1988م
صحيح ابن حبان	أبو حاتم محمد بن حبان بن أحمد البستي (ت: 354هـ)	= = =	المكتبة السلفية بالمدينة المنورة	1390هـ 1970م ط: الأولى

صحيح سنن الترمذي	محمد ناصر الدين الألباني(ت:1420هـ)	= = =	مكتب التربية العربي لدول الخليج، الرياض	1408هـ 1988م
صحيح سنن أبي داود	محمد ناصر الدين الألباني(ت:1420هـ)	بإشراف زهير الشاو يش	مكتب التربية العربي لدول الخليج الرياض	1409هـ 1989م
صحيح سنن ابن ماجه	محمد ناصر الدين الألباني(ت:1420هـ)	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت	1407هـ 1986م
صحيح سنن النسائي	محمد ناصر الدين الألباني(ت:1420هـ)	بإشراف زهير الشاويش	المكتب الإسلامي، بيروت	= = =
صحيح السيرة النبوية المسماة: السيرة الذهبية	الشيخ محمد بن رزق بن طرهوني	= = =	دار ابن تيمية للطباعة والنشر، القاهرة	1410هـ ط: الأولى
صحيح مسلم	أبو الحسين مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري (ت: 261هـ)	محمد فؤاد عبد الباقي	رئاسة إدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد، الرياض	1400هـ 1980م
صحيفة المدينة دراسة حديثية و تحقيق	هارون رشيد محمد إسحاق	= = =	مخطوط	1405هـ 1985م
صفة حجة النبي ﷺ	محمد ناصر الدين الألباني (ت:1420هـ)	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت	1405هـ 1985
الطبقات الكبرىٰ	محمد بن سعد بن منيع البصري (ت: 230هـ)	= = =	دار صادر، بيروت	1388هـ 1968م
عثرات و سقطات في كتاب المنهج الحركي للسيرة النبوية	زهير سالم	= = =	دار عمار، الأردن	1408هـ 1988م ط: الأولى
عمل اليوم والليلة	أبو عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب النسائي(ت:303هـ)	الدكتور فاروق حمادة	مؤسسة الرسالة، بيروت	1985م

عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير	ابن سيد الناس: محمد بن محمد أبو الفتح اليعمري المصري (ت:734هـ)	= = =	دار المعرفة، بيروت	
الغلو والفرق الغالية في الحضارة الإسلامية	عبد الله سلوم السامرائي	= = =	دار الحرية للطباعة، بغداد	1392هـ 1972م
فتح الباري شرح صحيح البخاري	أحمد بن على بن محمد ابن حجر الكناني (ت: 852هـ)	= = =	مكتبة الكليات الأزهرية، القاهرة	1398هـ 1978م
الفتح الرباني	أحمد بن عبد الرحمٰن البنّا.	= = =	دار الشهاب، القاهرة	= = =
فتوح مصر	أبو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد الله القرشي المصري (ت:257هـ)	= = =	مطبعة بريل، ليدن	1339هـ 1920م
الفصل في الملل والأهواء والنحل	أبو محمد بن سعد ابن حزم (ت:456هـ)	= = =	المطبعة الأدبية، القاهرة	1317هـ 1899م
فضائل الصحابة	أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل (ت: 241 هـ)	وصي الله بن محمد عباس	مكة المكرمة	1403هـ 1983م ط: الأولى
فقه السيرة النبوية	الدكتور محمد سعيد رمضان البوطي	= = =	دار الفكر، دمشق	1398هـ 1978م
فقه السيرة النبوية	محمد الغزالي	= = =	عالم المعرفة	1397هـ 1976م
القصيمية (دراسة نقدية لنصوص السيرة النبوية)	محمد الصوياني	= = =	دار طيبة، الرياض	1409هـ 1989م ط: الأولى
قيام الدولة العربية الإسلامية في حياة محمد ﷺ	الدكتور محمد جمال الدين سرور	= = =	دار الفكر العربي، القاهرة	1392هـ 1972م

الكامل في التاريخ	علي بن محمد بن محمد ابن الأثير الجزري (ت:630ھ)	= = =	دار صادر، بيروت	1386ھ 1966م
كتاب الجهاد	عبد اللّٰه بن المبارك بن واضح الحنظلي (ت:181ھ)	نزيه حماد	جدة، السعودية	= = =
كتاب المغازي لابن أبي شيبة	أبو بكر عبد اللّٰه بن محمد ابن أبي شيبة (ت:235ھ)	الدكتور عبد العزيز بن إبراهيم العمري	دار إشبيليا، الرياض، السعودية	1420ھ 1999م ط: الأولى
كتاب المغازي للواقدي	محمد بن عمر بن واقد الواقدي (ت:207ھ)	الدكتور مارسدن جونس	مؤسسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت	1384ھ 1964م
كشف الأستار عن زوائد البزار	أبو بكر نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (ت:807ھ)	= = =	مؤسسة الرسالة	1399ھ 1979م ط: الأولى
كفاية الطالب اللبيب في خصائص الحبيب، المعروف الخصائص الكبرى	جلال الدين عبد الرحمٰن بن أبي بكر السيوطي (ت:911ھ)	= = =	دار الكتب العلمية، بيروت	1405ھ 1985م ط:الأولى
كنز العمال من سنن الأقوال والأفعال	علي بن حسام الدين الهندي	= = =	مؤسسة الرسالة بيروت	1401ھ 1981م
كونفوشيوس	حسن شحاتة سلطان	= = =	مكتبة نهضة مصر و مطبعتها، القاهرة	1375ھ 1956م
لسان الميزان	أحمد بن على بن محمد ابن حجر الكناني (ت:852ھ)	= = =	مؤسسة الأعلمي، بيروت	1390ھ 1970م ط: الثانية
ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين	أبو الحسن علي الحسني	= = =	مطابع علي بن علي، الدوحة	1394ھ 1974م

المجتمع المدني في عهد النبوة (الجهاد ضد المشركين)	الدكتور أكرم ضياء العمري	= = =	= = =	1404هـ 1984م ط: الأولى
المجتمع المدني في عهد النبوة (خصائصه و تنظيماته الأولى)	الدكتور أكرم ضياء العمري	= = =	المجلس العلمي للجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة و إحياء التراث الإسلامي المدينة المنورة	1403هـ 1983هـ ط: الأولى
مجمع الزوائد و منبع الفوائد	أبوبكر نورالدين على بن أبي بكر الهيثمي(ت: 807هـ)	= = =	دار الكتاب، بيروت	1387هـ 1967م ط: الثانية
مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة	محمد حميد الله الحيدر آبادي	= = =	دار النفائس، بيروت	1403هـ 1983م ط: الرابعة
المحبَّر	أبو جعفر محمد بن حبيب (ت: 245هـ)	رواية أبي سعيد الحسن بن الحسين السكري	دار الآفاق الجديدة، بيروت و دائرة المعارف حيدر آباد، الدكن	1361هـ 1942م
محمد رسول الله صلّى الله عليه وسلّم	محمد الصادق إبراهيم عرجون	= = =	دار القلم، دمشق	1405هـ 1985م
مختصر الشمائل المحمدية	محمد بن عيسى الترمذي (ت: 279هـ)	اختصار محمد ناصر الدين الألباني (ت: 1420هـ)	المكتبة الإسلامية بالأردن و مكتبة المعارف بالرياض	1406هـ 1986م ط: الثانية
المراسيل	أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني (ت: 275هـ)	عبد العزيز السيروان	دار القلم، بيروت	1406هـ 1986م ط: الأولى
مرويات تاريخ يهود المدينة في عهد النبوة	أكرم حسين علي السندي	= = =	مخطوط	1400هـ 1980م
مرويات غزوة أحد	حسين أحمد الباكري	= = =	مخطوط	1400هـ 1980م

مرويات غزوة بدر	أحمد محمد العليمي باوزير	= = =	مكتبة طيبة المدينة	1400ھ 1980م
مرويات غزوة بني المصطلق	الدكتور إبراهيم بن إبراهيم قريبي	= = =	المجلس العلمي، إحياء التراث الإسلامي	
مرويات غزوة الحديبية	حافظ بن محمد عبد الله الحكمي	= = =	إحياء التراث الإسلامي	1406ھ 1986م
مرويات غزوة حنين	الدكتور إبراهيم بن إبراهيم قريبي	= = =	مخطوط	1404ھ 1984م
مرويات غزوة الخندق	إبراهيم بن محمد عمير	= = =	مخطوط	1402ھ 1982م
مرويات غزوة خيبر	عوض أحمد سلطان الشهري	= = =	مخطوط	1400ھ 1980م
مرويات غزوة فتح مكة	محسن أحمد الدوم	= = =	مخطوط	1400ھ 1980م
المستدرك على الصحيحين	الحاكم أبو عبد الله محمد بن عبد الله بن محمد النيسابوري (ت: 405ھ)	= = =	مكتبة و مطابع النصر الحديثة، الرياض	= = =
مسند أحمد	أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل (ت: 241 ھ)	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت	1398ھ 1978م
مسند أحمد	أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل (ت: 241 ھ)	أحمد محمد شاكر	مصر	1365ھ 1946م
مسند الحميدي	أبو بكر عبد الله بن الزبير الحميدي (ت: 219ھ)	حبيب الرحمٰن الأعظمي	من سلسلة منشورات المجلس العلمي كراتشي باكستان، وَ عالم الكتب، بيروت	= = =
مسند الطيالسي	أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي (ت: 204ھ)	أحمد بن عبد الرحمٰن البنّا الساعاتي	المنيرية بالأزهر، مصر	1372ھ 1952م ط: الأولىٰ

مسند أبي عوانة	أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الإسفراييني (ت: 316 ھ)	= = =	دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد	1385ھ 1965م ط: الأولٰى
مصادر السيرة النبوية و تقويمها	الدكتور فاروق حمادة	= = =	دار الثقافة، الدار البيضاء	1400ھ 1980م
المصنف في الأحاديث والآثار	أبو بكر عبد اللّٰه بن محمد ابن أبي شيبة (ت: 235 ھ)	حبيب الرحمٰن الأعظمي	المكتب الإسلامي، بيروت	1983م
المصنف لعبد الرزاق	عبد الرزاق بن همام بن نافع أبو بكر الصنعاني(ت: 211ھ)	حبيب الرحمٰن الأعظمي	منشورات المجلس العلمي والمكتب الإسلامي، بيروت	1392ھ 1972م ط: الأولٰى
المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية	الحافظ أحمد بن علي بن محمد ابن حجر العسقلاني (ت: 852 ھ)	حبيب الرحمٰن الأعظمي	دارالمعرفة، بيروت	1414ھ 1993م
المعارف	أبو محمد عبد اللّٰه بن مسلم بن قتيبة الكاتب الدينوري (ت: 276ھ)	ثروت عكاشة	دار المعارف، مصر	1388ھ 1969م ط: الثانية
معجم البلدان	ياقوت بن عبد اللّٰه الحموي الرومي البغدادي(ت: 626ھ)	= = =	دار صادر، بيروت	1376ھ 1956م
المعجم الكبير	أبو القاسم سليمان بن أحمد (ت: 360 ھ)	حمدي عبد المجيد السلفي	إحياء التراث الإسلامي، العراق	1397ھ 1977م
معجم ما استعجم من أسماء البلاد و المواضع	أبو عبيد اللّٰه بن عبد العزيز البكري الأندلسي (ت: 487 ھ)	مصطفٰى السقا	= = =	1364ھ 1945م ط: الأولٰى

معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية	عاتق بن غيث البلادي	= = =	دار مكة، مكة المكرمة	1402هـ 1982م
المغازي لعروة	عروة بن الزبير بن العوام (ت: 93 هـ)	الدكتور محمد مصطفى الأعظمي	مكتب التربية العربية للدول الخليج الرياض	1401هـ 1981م
المغازي النبوية	محمد بن مسلم بن عبيد الله بن شهاب الزهري(ت: 124هـ)	الدكتور سهيل زكار	دار الفكر، دمشق	1401هـ 1981م
المنتخب من كتاب أزواج النبيﷺ (رواية الزبير بن بكار)	محمد بن الحسن بن زبالة (ت: 199 هـ)	الدكتور أكرم ضياء العمري	إحياء التراث الإسلامي	1401هـ 1981م ط: الأولى
من معين السيرة	صالح أحمد الشامي	= = =	المكتب الإسلامي، بيروت	1405هـ 1984م
المنهج الحركي للسيرة النبوية	منير محمد الغضبان	= = =	مكتبة المنار، الأردن	1404هـ 1984م
موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان	أبوبكر نورالدين علي بن أبي بكر الهيثمي(ت: 807هـ)	محمد بن عبد الرزاق حمزة	دار مكتبة الهلال، بيروت	= = =
الموسوعة الحديثية (مسند أحمد)	= = =	شعيب الأرناؤوط وآخرين	مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر بيروت	1421هـ 2001م
ميزان الاعتدال	أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان الذهبي(ت: 748هـ)	علي محمد البجاوي و عيسى البابي الحلبي	مصر	1382هـ 1962م ط: الأولى
نضرة النعيم في مكارم أخلاق الرسول الكريمﷺ	مجموعة من العلماء بإشراف صالح بن عبد الله بن حميد	= = =	دار الوسيلة، جدة	1418هـ 1998م ط: الأولى

النهاية في غريب الحديث والأثر	أبو السعادات المبارك بن محمد ابن الأثير الجزري (ت:606ھ)	طاهر أحمد الزاوي و محمود محمد الطناحي	دار إحياء الكتب العربية، عيسٰی البابي الحلبي، مصر	= = =
الوفا بأحوال المصطفٰی	أبو الفرج جمال الدين عبد الرحمن بن علي الجوزي (ت:579ھ)	مصطفٰی عبد القادر عطا	دار الكتب العلمية، بيروت	1408ھ 1988م ط: الأولٰی
وفاء الوفا بأخبار دار المصطفٰی	علي بن عبد الله بن أحمد الحسيني (ت:911 ھ)	= = =	مطبعة الآداب والمؤيد، مصر	1326ھ 1908م
هذا الحبيب محمد رسول الله ﷺ يامحب	أبو بكر جابر الجزائري	= = =	مكتبة لينة، دمنهور، مصر	1408ھ 1988م

الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ

للإمام أبی عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل البخاری الجعفی رحمہ اللہ

١٩٤ھ ـــــ ٢٥٦ھ

ترجمہ وتشریح

مولانا محمد داؤد راز

مکمل سیٹ (8 جلدیں)

نظر ثانی

شیخ الحدیث ابو محمد حافظ عبد الستار الحماد

مقدمہ

حافظ زبیر علی زئی

تخریج

فضیلۃ الشیخ احمد زھوۃ فضیلۃ الشیخ احمد عنایۃ

دار العلم ممبئی
DARUL ILM